دار الافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور سے جاری شدہ فتاوی کا مجموعہ
فتاویٰ عثمانیہ
مفتی غلام الرحمن
رئیس دار الافتاء
زیر نگرانی
مفتی نجم الرحمن
کتاب
الصلوٰۃ (اوقات الصلاۃ تا صلاۃ الجمعۃ)

العصر اکیڈمی پشاور
AL-ASR ACADEMY
JAMIA USMANIA PESHAWAR

دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور
سے جاری شدہ فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ عثمانیہ

مفتی غلام الرحمٰن
رئیس دارالافتاء

زیرنگرانی
مفتی نجم الرحمٰن
نائب رئیس دارالافتاء

جلد دوم

الصلوٰۃ (اوقات الصلاۃ تا صلاۃ الجمعۃ)

العصر اکیڈمی پشاور

فتاویٰ عثمانیہ

جلد دوم

علمی افادات: شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن مدظلہ
مہتمم ورئیس دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور

زیر نگرانی: حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن مدظلہ
اُستاذ الحدیث ونائب رئیس دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور

تحقیق وتبویب: شرکائے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء

باہتمام: احسان الرحمٰن عثمانی

سنِ طباعت اِشاعت ہفتم:
ذی الحجہ 1442ھ / جولائی 2021ء

سنِ طباعت اِشاعت اوّل:
جمادی الثانیہ 1437ھ / مارچ 2016ء

سنِ طباعت اِشاعت دوم:
جمادی الاولیٰ 1438ھ / فروری 2017ء

سنِ طباعت اِشاعت سوم:
رجب المرجب 1439ھ / اپریل 2018ء

سنِ طباعت اِشاعت چہارم:
ربیع الثانی 1440ھ / دسمبر 2018ء

سنِ طباعت اِشاعت پنجم:
ربیع الاول 1441ھ / نومبر 2019ء

سنِ طباعت اِشاعت ششم:
رجب المرجب 1442ھ / دسمبر 2020ء

ihsan.usmani@gmail.com
+92 333-9273561 / +92 321-9273561
+92 312-0203561 / +92 315-4499203

ملنے کا پتہ
مکتبہ العصر
احاطہ جامعہ عثمانیہ پشاور
عثمانیہ کالونی نوتھیہ روڈ پشاور کینٹ
صوبہ خیبر پختونخوا، پاکستان
رابطہ: 0314 9061952 / 0348 0191692

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست جلد۲

❁❁❁

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

باب أوقات الصلوۃ

(مباحث ابتدائیه)

فصل في أوقات الصلوۃ

(مسائل)

باب الأذان والإقامة

(مباحث ابتدائیہ)

باب الأذان والإقامة

(مسائل)

❁❁❁

باب صفة الصلوة وشروطها وأركانها

(مسائل)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

۞۞۞۞۞

❁❁❁

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

فصل في المكروهات

(مسائل)

فصل في السترة

(مسائل)

بابُ الجماعة

(مباحث ابتدائیہ)

⊛⊛⊛

باب الجماعة

(مسائل)

2

❁❁❁

باب البناء والاستخلاف

(مباحث ابتدائیہ)

❁❁❁

باب البناء والاستخلاف

(مسائل)

❁❁❁

باب السنن والنوافل

(مباحث ابتدائیہ)

❁❁❁

باب السنن والنوافل

(مسائل)

باب الوتر

(مباحث ابتدائیہ)

باب الوتر

(مسائل)

❁❁❁

باب التراویح

(مباحث ابتدائیہ)

باب التراویح

(مسائل)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	باب سجود السهو	
	(مباحث ابتدائیہ)	

❁❁❁

باب سجود السهو

(مسائل)

❀❀❀

باب سجدة التلاوة

(مباحث ابتدائیہ)

فصل فی شرائط الجمعة

(مسائل)

فصل فی أحکام خطبة الجمعة

(مسائل)

3

كتاب الصلوة

(نماز کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

اسلام کے ارکانِ اربعہ میں سب سے اول درجہ نماز کا ہے۔ایمان کے بعد جس درجہ نماز کی تاکید آئی ہے،اس کے فضائل اور اجروثواب کا ذکر آیا ہے اور ترکِ نماز پر وعیدیں ذکر کی گئی ہیں،قرآن وحدیث میں کسی اور امر کا اس درجہ اہتمام کے ساتھ ذکر نہیں ملتا۔

خدا کی بندگی کی جملہ صورتیں انسانوں کے ایک طبقہ پر واجب ہیں تو دوسرے پر واجب نہیں۔روزہ صحت مندوں اور مقیم لوگوں پر واجب ہے بیماروں اور مسافروں پر نہیں،زکوۃ دولت مندوں پر ہے غریبوں پر نہیں،حج کے لیے استطاعتِ سفر اور صحت دونوں شرط ہیں، جہاد ان لوگوں پر فرض ہے جو جوان اور صحت مند ہوں،لیکن نماز سے کوئی مستثنیٰ نہیں؛ چاہے جوان ہو یا بوڑھا،مرد ہو یا عورت،صحت مند ہو یا بیمار، دولت مند ہو یا غریب اور مقیم یا مسافر۔اسی طرح نماز کے ارکان، یعنی قیام،رکوع،سجود اور سترِ عورت میں سے کسی ایک یا سب کے سب پر کوئی قادر نہ ہو تب بھی وہ رکن تو ساقط ہو جاتا ہے، لیکن نماز ساقط نہیں ہو سکتی۔

پھر زندگی کا کوئی مرحلہ اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کے لیے پیغمبر علیہ السلام نے کوئی نماز نہ بتائی ہو۔کسی کی وفات ہو جائے تو دعائے مغفرت کے لیے نمازِ جنازہ،کوئی حاجت درپیش ہو تو صلوۃِ حاجت،سورج یا چاند گہن ہو تو نمازِ کسوف وخسوف،قحط سالی اور خشکی ہو تو صلوۃ استسقاء،کوئی گناہ ہو جائے تو صلوۃِ توبہ اور خوشی ہو تو صلوۃِ شکر کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔غرض زندگی کے ہر ہر موڑ پر خالق ومخلوق کے مابین رابطے اور تعلق کے لیے نماز کا سہارا لیا جاتا ہے۔

دراصل اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو لاتعداد نعمتوں سے نوازا ہے۔خوبصورت تخلیق اور احسن تقویم کے ذریعے اشرف المخلوقات بنانے کی امتیازی نعمت،عقل وشعور اور صحت وسلامتی کی نعمت اور زندگی کی بنیادی ضروریات (ہوا، پانی،روشنی وغیرہ) کی مفت فراوانی ایسی نعمتیں ہیں جو ایک سلیم الفطرت انسان کو بے اختیار شکر گزاری پر مجبور کردیتی ہیں، پھر چونکہ اس خاکی انسان کو،جس کی سرشت میں نسیان اور بھول چوک کا مادہ رکھا گیا ہے اور نفس وشیطان سے اس کی منافست وعداوت کا سلسلہ بھی جاری ہے،ایک ایسے محرک کی بھی ضرورت ہے جو گاہے گاہے اس کو ان نعمتوں کی شکر گزاری اور بندگی کا احساس دلاتا ہے اور اگر کوئی بھول چوک ہو جائے تو اس پر اشکِ ندامت بہانے کا بھی وسیلہ بن

سکے، لہٰذا رب کائنات نے نبی کریم ﷺ کو اپنے پاس بلا کر ان کو بطورِ تحفہ اس عظیم عبادت سے نوازا تا کہ آپ ﷺ خالق ومخلوق کے مابین اس مضبوط اور دائمی رشتے کو اپنی امت کے سامنے پیش فرمائیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: ”نماز میں اصل امور تین ہیں:

(۱) خدا تعالیٰ کی بزرگی اور جلال کو دیکھ کر دل سے عاجزی کرنا

(۲) خدا تعالیٰ کی عظمت اور اپنی انکساری کو بذریعہ زبان ظاہر کرنا

(۳) اور اس خاکساری کی حالت کے موافق اعضا میں ادب کا استعمال کرنا“

چنانچہ کسی شاعر نے اپنے محسن ومنعم کو شکرانے میں یہی تین چیزیں نذرانہ کر کے کہا ہے:

أفادتـكم النعماء مني ثلثة يدي ولساني والضمير المحجبا

یعنی تمہاری نعمتوں نے میری تین چیزیں تم کو حوالہ کر دیں: میرے ہاتھ، زبان اور پوشیدہ دل، گویا نماز خالق حقیقی کے سامنے اپنی عجز وانکساری اور بے نفسی کا نقطۂ عروج ہے۔(۱)

نماز کی مشروعیت اور فرضیت:

نماز کی فرضیت اور مشروعیت قرآن کریم، سنتِ نبوی، اجماع اور قیاس ہر ایک سے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں تقریباً ساٹھ جگہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾(۲) نماز قائم کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا﴾(۳)

تحقیق نماز مؤمنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

”خمس صلوات كتبهن الله على العباد، فمن جاء بهن لم يضيع منهن شيئا استخفافاً بحقهن، كان له عندالله عهد، أن يدخله الجنة، ومن لم يأت بهن فليس له عندالله عهد، إن شاء عذبه وإن شاء أدخله الجنة“.(٤)

(١) قاموس الفقه، مادة صلوة: ٤/٢٣٢، حجة الله البالغة، المبحث الخامس، باب أسرار الصلوة: ١/٧٢، احکام اسلام عقل کی نظر میں، حصہ اول، باب صفة الصلوة، حقیقتِ نماز، ص: ٥٦، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة: ١/٤٥٨۔٤٦٠

(٢) البقرة: ٤٣ (٣) النساء: ١٠٣ (٤) موطا الإمام مالك، باب الأمر بالوتر، كتاب صلاة الليل، ص: ١٠٨

اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں اپنے بندوں پر فرض کی ہیں، پس جو شخص ان میں سے کسی کے حق میں استخفاف اور توہین آمیز رویے سے بچ کر ان کو ضائع کیے بغیر ادا کرلے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں اس کا معاہدہ و میثاق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کردے گا اور جو شخص ان کو ادا نہیں کرے گا تو اللہ کے ہاں اس کا کوئی عہد نہیں، چاہے تو اس کو عذاب دے اور چاہے تو اس کو جنت میں داخل کردے۔

اسی طرح نماز کی فرضیت پر امت کا اجماع واتفاق ہے اور عقل وقیاس بھی اس کی فرضیت کا مقتضی ہے۔(۱)

ترکِ نماز پر وعید:

چونکہ نماز دین کا ستون اور محسنِ انسانیت پیغمبرِ پاک ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اس لیے اہمیت اور مقام کے پیشِ نظر اس سے روگردانی کرنا دینِ اسلام کو منہدم کرنا ہے جس کا دوسرا نام کفر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾(۲)

نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ ترکِ نماز سے کفر وشرک میں گرفتار ہونے کا اندیشہ ہے۔ حضورِ پاک ﷺ نے بھی اس کی طرف واضح اشارہ فرمایا ہے:

"إن بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلوة".(۳)

بے شک بندہ اور کفر وشرک کو ملانے والی چیز نماز چھوڑنا ہے۔

چنانچہ کبار صحابہ کرام اور آئمہ مجتہدین حضرات سے بے نمازی کے بارے میں کفر، ارتداد، وجوب القتل اور حبس وقید وغیرہ جیسے اقوال منقول ہیں۔(۴)

آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب کتاب کیا جائے گا، اگر نماز درست نکلی تو آدمی کامیاب وکامران ہوگا اور اگر نماز فاسد نکلی تو آدمی ناکام ونامراد ہوگا۔(۵)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ: ۱/۴۵۴۔۴۶۰ (۲) الروم: ۳۱

(۳) الصحيح للمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق إسم الكفر على من ترك الصلوة: ۱/۶۱

(٤) الصحيح للمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق إسم الكفر على من ترك الصلوة: ۱/۶۱

(٥) شعب الايمان للبيهقي، باب في تعديد نعم الله عزوجل، باب أول مايحاسب به العبد يوم القيامة، رقم (٤٦٠٨): ٤/١٤٧

نماز کی اہمیت کے پیشِ نظر آقائے نامدار ﷺ نے اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے بھی اپنی امت کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

"الصلوة،الصلوة،وماملكت أيمانكم".(۱)

نماز کا خیال رکھو، نماز کا خیال رکھو اور غلاموں کا بھی۔

صلوۃ کا لغوی واصطلاحی معنی:

صلوۃ کا لغوی معنی ہے: ''دعا کرنا''۔ بعض کے ہاں اس کا معنی رحمت ہے جب کہ بعض لغویین نے اس کے لیے چند دیگر معانی بھی ذکر کیے ہیں۔ فقہ حنفی کی اصطلاح میں صلوۃ کی تعریف یوں ہے:

"هي عبارةعن أركان مخصوصة وأذكارمعلومة بشرائط محصورة في أوقات مقدرة".(۲)

نماز عبارت ہے مخصوص ارکان اور معلوم اذکار سے جو اپنی متعینہ شرائط کے ساتھ مقرر کردہ اوقات میں ادا کیے جائیں۔

نماز کب فرض ہوئی؟

نماز کی فرضیت معراج کی شب ہوئی، تاہم شبِ معراج کی تعیین کے بارے میں کچھ اختلاف موجود ہے البتہ اتنی بات تمام محدثین کے ہاں متفقہ ہے کہ واقعہ معراج بعثت کے بعد اور ہجرت سے کم از کم ایک سال پہلے پیش آیا تھا۔ مشہور قول کے مطابق سترہ رمضان یا ستائیس رجب کو معراج کا واقعہ پیش آیا تھا۔(۳)

شریعتِ مطہرہ میں نماز کی قسمیں:

پنج وقتہ فرض نمازوں کے علاوہ نماز کی بعض دوسری قسمیں بھی ہیں، مثلاً: واجب، سنت اور نفل۔ اسی طرح فرض نماز بھی دو قسم پر ہے: ایک فرضِ عین ہے یعنی وہ نماز جو ہر مکلف کے ذمہ فرض ہو (جیسے پنج وقتہ نمازیں) جب کہ دوسری قسم فرضِ کفایہ ہے، یعنی وہ نماز جو کسی بھی مکلف کے ادا کرنے سے تمام مکلفین کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے (جیسے جنازہ کی

---

(۱)المستدرك على الصحيحين، كتاب المغازي والسرايا، رقم(٤٣٨٨):٣/٥٩

(۲)الدرالمختار، كتاب الصلوة،٢/٣-٤،مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة،ص:١٣٦، ١٣٧،حاشية بدائع الصنائع، كتاب الصلوة:١/٤٥٤

(۳)الدرالمختار، كتاب الصلوة:٢/٤، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة،ص:١٣٧

نماز)۔ان میں سے ہر ایک کی تفصیل اپنی جگہ آجائے گی۔(۱)

نماز پر مرتب ہونے والے احکام:

(۱)ہر مکلف، یعنی مسلمان، عاقل اور بالغ پر نماز فرض ہے،اگر چہ غیر مکلف، یعنی دس سالہ بچے کو نماز کا عادی بنانے کے لیے نماز چھوڑنے پر بطور تادیب ہاتھ سے مارا جائے گا۔

(۲)نماز کی فرضیت کا انکار کرنے والا بالاتفاق کافر ہے۔

(۳)انکار کیے بغیر محض سستی اور غفلت کی وجہ سے نماز چھوڑنے والا شخص فاسق ہے، تاہم حنفیہ کے ہاں اس کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ نماز شروع کرے۔حنفیہ کے ایک قول کے مطابق اس کو اتنے مارنے کی بھی اجازت ہے کہ بدن سے خون بہنا شروع ہو جائے۔

(۴)اگر کوئی دِل میں کفر چھپانے والا شخص کسی مسلمان امام کے پیچھے اقتدا کرتے ہوئے نماز کے وقت میں مکمل نماز ادا کرلے تو اسے بظاہر مسلمان سمجھا جائے گا۔

(۵)نماز محض بدنی عبادت ہے،لہٰذا اس میں نیابت نہیں ہوسکتی،یعنی ایک شخص دوسرے شخص کی طرف سے نماز ادا نہیں کرسکتا۔

(۶)نماز ادا کرنے سے دنیا میں ذمہ فارغ ہو جاتا ہے اور آخرت میں ثواب مرتب ہو جاتا ہے۔(۲)

نماز کے وجوب کا سبب:

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ:"نماز کے وجوب کا اصل سبب تو اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں، اس لیے کہ منعم ومحسن کا شکر ادا کرنا شرعاً وعقلاً ہر اعتبار سے واجب ہے،تاہم پھر بھی اللہ تعالیٰ نے محض نعمتوں کو سبب قرار نہیں دیا بلکہ خطاب (حکم اور امر) کے ذریعے اس کی ادائیگی لازم کردی، پھر چونکہ خطاب اور امر ایک پوشیدہ اور مخفی چیز ہے جس کی طرف ہر کسی کی توجہ نہیں ہوسکتی،اس لیے آسانی کی خاطر اوقات کو نماز کا سبب قرار دیا گیا،لہٰذا نماز کی ادائیگی کے لیے ہر وقت کا اول جز سبب بنے گا،اگر اول جز میں نماز ادا نہ کی جاسکے تو یہ سبب وقت کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا جائے گا،لہٰذا ناقص وقت داخل ہونے کے بعد جب سبب بذاتِ خود ناقص ہو جائے تو ان اوقات میں موجودہ نماز کی ادائیگی بھی درست متصور ہوگی، اس لیے کہ سبب بھی ناقص ہے، تاہم بلا عذر تاخیر کرکے سبب، یعنی وقت کو نقصان اور کراہت کی حد تک

---

(۱) بدائع الصنائع مع حاشیة، کتاب الصلوة:۱/٤٥٤،٤٥٥

(۲) الدرالمختار، کتاب الصلوة،۲/٤۔۹،مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، کتاب الصلوة،ص:۱۳۸،۱۳۹

پہنچانے کا وبال بہر حال موجود رہے گا۔ وقت ختم ہو جانے کے بعد اب قضا شدہ نماز کو گزشتہ تمام وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ تمام وقت تو ناقص نہیں تھا، اس لیے تمام وقت کو سبب قرار دے کر قضا کی صورت میں صرف کامل وقت کا اعتبار کیا جائے گا، ناقص اور مکروہ وقت میں قضا درست نہ ہوگی۔(۱)

نماز کی فرضیت کے لیے شرائط:

اگر کسی شخص میں درج ذیل تین شرائط موجود ہوں تو وہ مکلّف شمار ہوگا اور اس پر نماز وغیرہ فرائض کی ادائیگی لازمی ہوگی۔

(۱) اسلام (۲) عقل (۳) بلوغ

تاہم بچوں کو قبل البلوغ سات سال کی عمر سے نماز کا حکم دیا جائے گا تاکہ نماز کی عادت پڑ جائے۔ دس سال کے بعد نماز میں کوتاہی پر بطورِ تادیب معمولی سرزنش، یعنی ہاتھ سے مارنے کی بھی اجازت ہے۔(۲)

زوالِ عقل کی مختلف صورتوں کا حکم:

اہلیت اور فرضیت کے لیے عقل کا موجود ہونا بالاتفاق شرط ہے، تاہم زوالِ عقل کی مختلف صورتوں کے مابین حنفیہ کے ہاں کچھ فرق موجود ہے۔

حنفیہ کے ہاں اگر زوالِ عقل کسی آفتِ سماوی کی وجہ سے ہو، مثلاً: دیوانگی یا بے ہوشی طاری ہو جائے (اگرچہ بے ہوشی کسی مخلوق کے ڈر سے ہو) تو ایسی صورت میں اگر جنون اور بے ہوشی ایک دن رات سے زیادہ ہو جائے تو دفعِ حرج اور آسانی کی خاطر اس پر نماز فرض نہیں اور نہ ہی اس کی قضا ہے، البتہ اگر ایک دن رات سے کم دیوانگی یا بے ہوشی ہو یا درمیان میں افاقہ ہو جائے تو فوت شدہ نمازوں کی قضا واجب ہوگی۔

اور اگر زوالِ عقل میں بندے کے ذاتی فعل کو بھی دخل ہو، مثلاً: شراب، بھنگ، ہیروئن یا کسی نشہ آور دوائی سے عقل زائل ہو گئی تو بہر صورت قضا واجب ہوگی، اگرچہ زوالِ عقل کی مدت ایک دن رات سے زیادہ ہو جائے۔(۳)

---

(۱) الدرالمختار، کتاب الصلوة: ۱۱،۱۰/۲، مراقي الفلاح علیٰ صدر حاشية الطحطاوي، کتاب الصلوة، ص: ۱۳۹،۱۳۸

(۲) الدرالمختار، کتاب الصلوة، ۵،٤/۲، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، کتاب الصلوة، ص: ۱۳۸

(۳) الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۵۷٤،۵۷۳/۲

نمازوں کی تعداد کا ثبوت:

نماز پنجگانہ کی فرضیت پر امت کا اجماع واتفاق ہے۔قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت سے فقہاے کرام نے نماز پنجگانہ کی فرضیت پر واضح استدلال پیش کیا ہے:

﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾(۱)

عربی قواعد کے لحاظ سے ''واؤ'' مغایرت کے لیے آتا ہے، پس معلوم ہوا کہ ''صلوات'' میں جن نمازوں کا ذکر ہے وہ ''صلوۃ الوسطیٰ'' یعنی درمیانی نماز کے علاوہ ہیں اور ''صلوات'' جمع کا صیغہ ہے جو تین یا اس سے زیادہ پر بولا جاتا ہے، اب ظاہر ہے کہ ''صلوات'' سے تین نمازیں مراد نہیں لی جاسکتیں۔اس لیے کہ پھر صلوۃ الوسطیٰ چوتھی نماز قرار پائے گی اور چوتھی نماز درمیانی نہیں ہوسکتی، لہٰذا ''صلوات'' سے چار نمازیں مراد لینی ہوں گی اور ''صلوۃ الوسطیٰ'' سے پانچویں نماز تاکہ وہ درمیانی نماز کہلا سکے۔

جہاں تک احادیث کی بات ہے تو حدیثِ معراج، حدیثِ اعرابی اور دیگر متعدد احادیث میں پانچ وقت کی نمازوں کا ذکر کیا گیا ہے اور عہدِ نبوت سے آج تک ہر دور میں یہی مسلمانوں کا معمول رہا ہے۔(۲)

نماز کی رکعتوں کی تعداد:

نمازی اگر مقیم ہو تو اس پر دن رات، یعنی پانچ وقت کی نمازوں میں سترہ رکعت ادا کرنا فرض ہے: دو رکعت فجر کی، چار رکعت ظہر کی، چار عصر کی، تین مغرب کی اور چار عشا کی، جب کہ اس کے علاوہ رکعتیں سننِ مؤکدہ ہیں۔

اور اگر سفر کی حالت میں ہو تو چار رکعت والی فرض نماز دو رکعت میں بدل جائے گی، لہٰذا مذکورہ تعداد اب سترہ کی بجائے گیارہ ہوگی، یعنی فجر، ظہر اور عصر کی دو دو رکعتیں، مغرب کی تین رکعتیں اور عشا کی دو رکعتیں ادا کرنا فرض ہوگا۔وتر حنفیہ کے ہاں واجب ہیں، لہٰذا فرائض کی طرح وتر کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔

نوٹ: نماز کے ارکان، شرائطِ صحت، واجبات، سنن، مستحبات، آداب، مفسدات، مکروہات وغیرہ کی بحث آگے ذکر کی جائے گی۔

❁❁❁❁❁

(۲) البقرة:۲۳۸
(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان عدد الصلوات:۱/۴۶۰، ۴۶۱
(۳) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان عدد الركعات:۱/۴۶۲

باب أوقات الصلوۃ

(نماز کے اوقات کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

ارشادِ ربانی ہے کہ نماز مؤمنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔(۱)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: ''تغیرِ اوقات وتبدیلیٔ حالات سے جس طرح جسمانی تبدیلیاں مشاہدہ میں آرہی ہیں ایسا ہی ان تغیرات کے ساتھ روحانی تبدیلیاں بھی واقع ہوتی رہتی ہیں۔اور جیسا کہ جسم کی حفاظت کے لیے بطورِ حفظ ماتقدم ادویہ وغذا مناسب وقت میں استعمال کی جاتی ہیں، ایسا ہی روحانیت کی حفاظت کی خاطر خدا تعالیٰ کے فرمودہ احکام کی بجا آوری کے لیے بھی مناسب اوقات متعین کیے گئے ہیں، جن میں ایک طرف اگر خالق ومخلوق کا رابطہ مسلسل استوار رہتا ہے تو دوسری طرف انسانی زندگی میں پابندی اور وقت کی قدر وقیمت کا احساس بھی پیدا ہوجاتا ہے، پھر قرآن وحدیث کی رو سے چونکہ مذکورہ پانچ اوقات میں کائنات اور جسم انسانی میں تغیراتِ عظیمہ واقع ہوتے ہیں اس لیے ان اوقات کو روحانی ترقی اور تجدیدِ تسبیح وتحمید کے لیے خاص کیا گیا''۔(۲)

وقت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

کسی بھی کام کے لیے زمانے کا ایک حصہ اور مقدار مقرر کرنا اس کام کا وقت ہوتا ہے۔اسی تناظر میں اوقاتِ صلوۃ سے وہ اوقات مراد ہیں جن کو شارع نے پنج وقتہ نمازوں کی ادائیگی کے لیے مقرر کیا ہے، لہٰذا ان اوقات سے پہلے ان نمازوں کی ادائیگی تو درست نہیں، البتہ بعد میں صرف قضا کی جاسکتی ہے۔(۳)

نماز کے لیے وقت کی حیثیت اور اس کے احکام:

وقت نماز کے وجوب کے لیے سببِ ظاہری ہے، لہٰذا سبب یعنی وقت داخل ہونے کے بعد مسبب، یعنی نماز کی ادائیگی ضروری ہے، تاہم نماز کی فرضیت کے لیے وقت کا کون سا حصہ متعین ہے؟ تو اس بارے میں ائمہ ثلاثہ کے ہاں جیسے

(۱) النساء: ۱۰۳

(۲) احکام اسلام عقل کی نظر میں، باب صفۃ الصلوۃ، عبادات کے لیے اوقات مخصوص ہونے کی حکمتیں: ۱/ ۴۷-۴۹

(۳) الموسوعۃ الفقہیۃ، مادۃ أوقات الصلوۃ: ۷/ ۱۷۰

ہی وقت داخل ہوجائے یا فرض نماز پڑھنے کی بقدر گزر جائے تو نماز فرض ہوجاتی ہے جب کہ حنفیہ کے ہاں سبب قرار دیے جانے کے لیے وقت کا کوئی حصہ مقرر نہیں۔ مکلف شخص جائز وقت میں جب بھی نماز شروع کرے اس سے پہلے والا وقت اس کے لیے سبب بن جائے گا، تاہم بالکل آخری لمحے تک نماز مؤخر کرنے کی صورت میں وقت کا آخری حصہ مجبوراً سبب بن جائے گا، لہٰذا اس پر درج ذیل احکام مرتب ہوں گے۔

(۱) اگر وقت کا آخری حصہ ناقص ہو (مثلاً عصر کا آخری وقت) تو ناقص ادائیگی بھی جائز ہوگی، اس لیے کہ سبب بھی ناقص ہے۔

(۲) اگر آخری وقت (جس میں صرف تکبیرِ تحریمہ ادا کی جاسکے) میں کوئی شخص نماز کا اہل ہوجائے (مثلاً جنون، بے ہوشی یا حیض ونفاس ختم ہوجائے یا مرتد مسلمان ہوجائے) تو سبب، یعنی آخری وقت پالینے سے نماز واجب ہوگی۔

(۳) اگر بالکل آخری وقت میں نماز کا اہل غیر اہل ہوجائے (جنون، بے ہوشی، ارتداد، حیض یا نفاس آجائے) تو نماز لازم نہیں ہوگی۔

(۴) حنفیہ کے ہاں اگر کوئی شخص آخر وقت میں مسافر ہوجائے تو قصر کی نماز ادا کرے گا، اگرچہ ابتداے وقت میں مقیم تھا وکذا العکس۔(۱)

مخصوص پانچ اوقات کی مشروعیت:

قرآن کریم کی مختلف آیتوں سے مذکورہ اوقات کا ثبوت ملتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿من قبل صلوة الفجر.... ومن بعد صلوة العشاء﴾(۲)

نماز فجر سے پہلے اور نماز عشا کے بعد۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَسُبحٰنَ اللّٰهِ حِينَ تُمسُونَ وَحِينَ تُصبِحُونَ وَلَهُ الحَمدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالأَرضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظهِرُونَ﴾(۳)

پس اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو جب تم شام کرو اور جب صبح کرو، اور اسی کے لیے ہے حمد وستائش ہے آسمانوں اور زمین میں، اور اسی کی پاکی بیان کرو تیسرے پہر کو اور دوسرے پہر کو۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوة: ۲/ ۱۰، ۱۱، بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في مایصیر به المقیم مسافرا: ۱/ ۴۷۷، ۴۷۸ (۲) النور: ۵۸ (۳) الروم: ۱۷، ۱۸

اس آیتِ کریمہ میں تسبیح سے مراد نماز ہے جب کہ ''حین تصبحون '' سے فجر اور ''حین تظہرون '' سے ظہر مراد لینا ظاہر ہے۔ ''عشی '' دن کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔ بظاہر اس سے عصر مراد ہے اور ''حین تمسون '' مغرب اور عشا دونوں کو شامل ہے۔ اسی طرح سورۂ اسراء آیت نمبر ۷۸ اور سورۂ ہود آیت نمبر ۱۱۴ میں بھی ان اوقات کی طرف واضح رہنمائی موجود ہے۔ اسی طرح پنجگانہ نمازوں کے اوقات متعدد اور متواتر احادیث سے بھی ثابت ہیں۔ اس ضمن میں سب سے واضح دلیل حدیثِ امامتِ جبرائیل ہے۔ صحاح ستہ اور دیگر کتبِ حدیث میں اوقاتِ نماز پر مستقل ابواب قائم ہیں۔

وقت کی تعیین کے اعتبار سے نماز کی قسمیں:

حنفیہ کے ہاں تین قسم کی نمازوں کے لیے اوقات متعین ہیں۔

(۱) فرض نمازوں کے لیے

(۲) واجب نمازوں، یعنی وتر اور عیدین کے لیے

(۳) سنن مؤکدہ، یعنی فرائض سے پہلے یا بعد میں ادا کی جانے والی مؤکد سنتوں کے لیے (۱)

اوقات کی قسمیں:

اوقات تین طرح کی ہیں: جائز، مستحب اور مکروہ۔ ذیل میں ہر ایک کی تفصیل پیش کی جارہی ہے۔ (۲)

جائز اوقات:

اس سے مراد وہ اوقات ہیں جن میں نماز ادا کرنا جائز ہے، یعنی پورے وقت کے کسی بھی حصے میں نماز ادا کرلے تو فریضہ ادا ہو جائے گا۔ مذکورہ اوقات کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) فجر:

فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور جونہی سورج طلوع ہونا شروع ہو جائے، یہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس پر تمام فقہا کا اتفاق ہے۔ رات ختم ہوتے وقت اُفق پر ایک لمبی سفیدی چھا جاتی ہے جس کو فقہا ذنب السرحان یعنی بھیڑیے کی دُم یا فجر کاذب یا فجر اول کہتے ہیں۔ اس کے بعد دوبارہ تاریکی چھا جاتی ہے۔ اس صبح سے احکامِ شریعت متعلق نہیں ہوتے، یعنی نہ تو عشا اور وتر کا وقت ختم ہوتا ہے اور نہ سحری ختم کر کے روزہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس تاریکی کے

(۱) الموسوعة الفقهية، مادة أوقات الصلوة: ۱۷۰/۷

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الاركان: ۵۵۸/۱

بعد دوبارہ افق پر ایک سفیدی چوڑائی میں چھا جاتی ہے۔یہی صبح صادق، فجر ثانی یا فجر مستطیر و معترض ہے۔(۱)

(۲) ظہر:

ظہر کا وقت زوالِ آفتاب کے ساتھ ہی شروع ہوتا ہے، اس پر تمام فقہا کا اتفاق ہے، البتہ آخری وقت میں اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے مشہور قول کے مطابق جب ہر چیز کا سایہ اصلی اس کے دو مثل تک پہنچ جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔متاخرین حنفیہ کے ہاں فتویٰ اسی قول پر ہے۔صاحبین کے مذہب کے مطابق یہ مقدار ایک مثل تک ہے۔اس قول پر بھی بہت سے اہل علم نے فتویٰ دیا ہے، اسی وجہ سے عالمگیری میں لکھا ہے:

"الاحتياط أن يصلي الظهر قبل صيرورة الظل مثله، و يصلي العصر حين يصير مثليه؛ ليكون الصلاتان في وقتيهما بيقين".(۲)

(۳) عصر:

ظہر کا وقت جونہی ختم ہو جاتا ہے، عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔امام صاحب کے قول کے مطابق دو مثل کے بعد اور صاحبین کے ہاں ایک مثل کے بعد، تاہم اختلاف سے نکلنے کے لیے مثلِ ثانی کے بعد عصر پڑھنا زیادہ مناسب اور احوط ہے۔عصر کا وقت آفتاب غروب ہونے تک باقی رہتا ہے۔(۳)

(۴) مغرب:

آفتاب غروب ہوتے ہی مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور آخری وقت حدیث کی رو سے شفق ڈوبنے تک ہے، لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ سورج ڈوبنے کے بعد افق پر پہلے سرخی اور پھر سفیدی چھا جاتی ہے اور یہ دونوں ہی شفق کہلاتی ہیں۔ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے ہاں سرخی اور امام ابوحنیفہؒ کے ہاں سفیدی مراد ہے۔دراصل امام صاحب کی دلیل عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ افق پر سیاہی پھیلنے کے وقت عشا کی نماز ادا کیا کرتے تھے اور سیاہی سفیدی ڈوبنے کے بعد آتی ہے، سرخی ڈوبنے کے بعد نہیں آتی، لہٰذا حنفیہؒ کے ہاں فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔ اگرچہ علامہ حصکفیؒ اور دوسرے مشائخ نے صاحبین کے قول کو راجح قرار دیا ہے، تاہم علامہ کاسانیؒ نے عقلاً و نقلاً

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/۵۵۸، ۵۹۹، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلوة، الباب الأول في المواقيت، الفصل الأول في أوقات الصلوة: ۱/۵۱

(۲) الفتاوىٰ الهندية، حواله سابقه

(۳) الفتاوىٰ الهندية حواله سابقه، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة: ۲/۱۵، ۱۶

ہر اعتبار سے امام صاحب کا مذہب قوی قرار دیا ہے۔

(۵) عشا:

عشا کا ابتدائی وقت شفق ڈوبنے سے شروع ہوتا ہے۔ شفق ڈوبنے میں وہی اختلاف ہے جو مغرب کے آخری وقت میں ہے۔ عشا کا آخری وقت طلوعِ صبح صادق تک برقرار رہتا ہے۔ یہی وقت وتر کا بھی ہے، البتہ وتر کی ادائیگی نمازِ عشا کے بعد واجب ہوتی ہے۔ (۱)

نوٹ:

شفقِ احمر اور شفقِ ابیض کے مابین فرق تین درجات کا ہوتا ہے۔ اسی طرح فجرِ کاذب وصادق کے مابین فرق بھی تین ہی درجات کا ہے۔ تین درجات عام طور پر بارہ منٹ کے برابر ہوتے ہیں، لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ مغرب کی نماز میں جلدی کی جائے اور عشا کی نماز میں تاخیر، تاکہ دونوں نمازوں کی ادائیگی اختلافی اوقات سے بچ کر یقینی اوقات میں ہوسکے۔ (۲)

ایک وقت میں دو نمازوں کا جمع کرنا:

حنفیہ کے ہاں ایک وقت میں دو الگ الگ فرض نمازوں کو جمع کرنا کسی بھی عذر کی وجہ سے جائز نہیں ایسا کرنا صرف ایامِ حج کے دوران عرفات اور مزدلفہ میں جائز ہے، تاہم اس کے لیے بھی مخصوص شرائط ہیں جن کے بغیر وہاں بھی جمع کرنا درست نہیں۔ (۳)

مستحب اوقات:

احادیث کی رو سے یہ بات بھی متعین کی گئی ہے کہ ان جائز اوقات میں کون سا حصہ نماز کی ادائیگی کے لیے زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے۔ ملک العلماء علامہ کاسانیؒ نے ان اوقات کی تفصیل کافی دلچسپ انداز میں ذکر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اولاً یہ دیکھا جائے گا کہ آسمان پر بادل موجود ہیں یا نہیں، اگر بادل موجود نہ ہوں تو پھر اوقات میں استحباب کی

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/۵۶۸ـ۵۷۰، الفتاوی الهندية، کتاب الصلوة، الباب الأول في المواقيت، الفصل الأول في أوقات الصلوة: ۱/۵۱، الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة: ۲/۱۷، ۱۸

(۲) الموسوعة الفقهية، مادة أوقات الصلوة: ۷/۱۷۵، ردالمحتار على الدرالمختار، کتاب الصلوة، فائدة: ۲/۱۴، وتنبيه: ۲/۱۸

(۳) مراقي الفلاح على صدر حاشية الطحطاوي، کتاب الصلوة، ص: ۱۴۳، ۱۴۴

تفصیل کچھ یوں ہے:

فجر میں حنفیہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ اسفار، یعنی اچھی طرح صبح کی روشنی پھیل جانے کے بعد نماز ادا کی جائے، تاہم اس کا خیال رکھا جائے کہ نماز پڑھنے کے بعد اتنا وقت باقی ہو کہ اگر نماز فاسد ہوئی ہو تو طلوع آفتاب سے پہلے پہلے مسنون مقدار میں قراءت کے ساتھ نماز ادا کی جاسکے۔ حنفیہ کے ہاں یہ حکم سفر وحضر اور گرمی وسردی ہر ایک میں تمام لوگوں کے لیے ہے، البتہ حجاجِ کرام کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ مزدلفہ میں صبح کی نماز اندھیرے، یعنی غلس میں ادا کرلیں۔

ظہر کی نماز موسمِ سرما میں ابتدائی وقت میں پڑھنا مستحب ہے اور موسمِ گرما میں اتنی تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے کہ کسی قدر گرمی کی شدت کم ہو جائے۔

عصر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے، چاہے موسم گرما ہو یا موسم سرما، البتہ تاخیر اتنی ہونی چاہیے کہ آفتاب میں تغیر کی کیفیت پیدا نہ ہو۔ آفتاب زرد ہو جانے کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

مغرب کی نماز میں بالاتفاق تعجیل بہتر ہے، چاہے موسم سرما ہو یا موسم گرما۔

عشا کی نماز میں حنفیہ کے ہاں سردی کے موسم میں تہائی شب تک تاخیر مستحب، نصف شب تک مباح اور اس سے زیادہ بلا عذر مکروہ ہے، البتہ گرمی کے موسم میں تعجیل مستحب ہے۔ اسی طرح کسی عذر، مثلاً: سفر، مرض یا بارش کی وجہ سے بھی تعجیل مستحب ہے۔

جس شخص کو رات کے آخری پہر میں اٹھنے کی عادت ہو تو ایسے شخص کے لیے رات کے آخری حصے تک وتر کو مؤخر کرنا مستحب ہے اور جس شخص کو بیداری کی عادت یا یقین نہ ہو تو وہ سونے سے پہلے وتر ادا کرلے۔(۱)

اگر آسمان پر بادل ہوں تو

آسمان پر بادلوں کی صورت میں حنفیہ کے ہاں فجر، ظہر اور مغرب میں تاخیر افضل ہے اور عصر وعشا میں تعجیل افضل ہے۔ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"كل صلوة في أول اسمها "عين" تعجل، وما ليس في أول اسمها "عين" تؤخر".(۲)

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/ ۵۷۱ـ۵۸۳، مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، ص: ۱۴۴ـ۱۴۸، الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب الأول في المواقيت، الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات: ۱/ ۵۱، ۵۲

(۲) بدائع الصنائع، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/ ۵۸۰، ۵۸۱، مراقي الفلاح والفتاوی الهندية حواله سابقه

مکروہ اوقات:

مکروہ اوقات کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے جس میں کراہت نفسِ وقت کی وجہ سے ہے جب کہ دوسری قسم وہ ہے جس میں کراہت نفسِ وقت کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ کسی اور عارض کی وجہ سے ہو۔

ذات کے اعتبار سے مکروہ اوقات:

نبی کریم ﷺ نے تین اوقات میں عام نماز اور نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے:

(۱) سورج طلوع ہونے کے وقت، یہاں تک کہ ایک یا دو نیزوں کے بقدر بلند ہو جائے۔

(۲) استوائے شمس کے وقت یعنی جب سورج نصف بلندی پر ہو، یہاں تک کہ زائل ہو جائے۔

(۳) سورج ڈوبنے کے وقت، یہاں تک کہ ڈوب جائے۔

ان اوقات میں پڑھی جانے والی نماز کو رسول اللہ ﷺ نے منافقین کی نماز سے تعبیر فرمایا ہے، کیونکہ ان اوقات میں نماز پڑھنے سے سورج پرستوں کے ساتھ مشابہت اور شیطان کی اطاعت پائی جاتی ہے۔

مذکورہ اوقات کے احکام:

مذکورہ مکروہ اوقات میں فرائض، سنن، واجبات، تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد، طواف کی دو رکعتیں، عام نوافل، نذر مطلق وغیرہ کی ادا اور قضا سب مکروہ تحریمی ہے۔ اگر کسی نے ان اوقات میں مذکورہ عبادات شروع کی ہوں تو ان کو توڑ کر دوسرے اوقات میں ان کی قضا کرنا واجب ہے، اس لیے کہ ان اوقات میں نماز ادا کرنا جائز ہی نہیں، البتہ اس حکم سے درج ذیل صورتیں مستثنیٰ ہیں:

(۱) عصر کے وقت اگر غروب سے تھوڑا سا پہلے اسی دن کی نمازِ عصر شروع کر لی تو کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گی اور اعادہ لازم نہیں۔ یاد رہے کہ یہ حکم صرف عصر کے وقت تک محدود ہے۔ فجر کی نماز میں اگر طلوعِ شمس ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی، اس لیے کہ فجر کی نماز کا تمام وقت کامل ہے، لہٰذا ناقص ادائیگی جائز نہیں۔

(۲) اگر مکروہ وقت کے دوران جنازہ حاضر ہو جائے تو نمازِ جنازہ پڑھ لینا ضروری ہے، مؤخر کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر جنازہ پہلے سے تیار ہو اور بلا عذر اس کو مؤخر کر دیا گیا تو اب مکروہ وقت میں نمازِ جنازہ پڑھنا ناجائز ہے۔ اگر مکروہ وقت میں کسی نے نمازِ جنازہ ادا کر لیا تو حنفیہ کے راجح قول کے مطابق اس کا اعادہ واجب ہے۔

(۳) سجدۂ تلاوت کا بھی یہی حکم ہے، یعنی اگر مکروہ وقت میں کسی نے آیتِ سجدہ کی تلاوت یا سماعت کر لی تو اسی مکروہ وقت میں ادائیگی درست ہوگی، تاہم نمازِ جنازہ کے برعکس یہاں پر سجدہ کو کامل وقت تک مؤخر کرنا بہتر ہے۔ مباح وقت

میں واجب شدہ سجدۂ تلاوت کو مکروہ وقت میں ادا کرنا ناجائز ہے۔
(۴) اگر کسی نے مکروہ وقت میں نفل پڑھنے کی نذر مانی ہو یا نذر مانے بغیر نفل نماز شروع کر دی تو اس پر واجب یہ ہے کہ نماز توڑ کر مباح وقت میں اس کی قضا کرلے، تاہم دونوں صورتوں میں اگر اس نے نماز اسی مکروہ وقت میں پوری کرلی تو اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا اگرچہ مکروہِ تحریمی کے ارتکاب کا وبال اس پر ہوگا۔(۱)

کسی خارجی امر کی وجہ سے مکروہ اوقات:

علامہ شرنبلالیؒ اور عالمگیری نے درج ذیل اوقات میں نوافل اور سنتیں پڑھنا مکروہ قرار دیا ہے۔ نوافل اور سنتوں کے علاوہ بقیہ نمازیں، یعنی فرائض کی قضا، نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت وغیرہ پڑھنا ان اوقات میں جائز ہے۔
(۱) صبح صادق طلوع ہونے کے بعد سے لے کر فرض نماز کی ادائیگی تک فجر کی دو سنتوں کے علاوہ بقیہ نوافل مکروہ ہیں۔
(۲) فجر کی نماز کے بعد طلوعِ شمس تک نوافل ادا کرنا مکروہ ہے۔
(۳) عصر کی نماز کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔
(۴) مغرب کی اذان اور اقامت کے مابین، یعنی وقت داخل ہونے کے بعد اور نماز سے پہلے نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔
(۵) جمعہ، عیدین، استسقا، نکاح، کسوف، خسوف اور حج وغیرہ کا خطبہ پڑھنے کے لیے خطیب کے کھڑے ہونے یا منبر کے لیے روانہ ہونے کے بعد نوافل وسنن پڑھنا مکروہ ہے، یہاں تک کہ فارغ ہو جائے۔
(۶) ہر فرض نماز کے لیے اقامت شروع ہونے کے بعد سنن ونوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ اس حکم سے فجر کی سنتیں مستثنیٰ ہیں، تاہم یہ اس صورت میں ہے جب جماعت فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔
(۷) عید کی نماز سے پہلے اور بعد میں مسجد کے اندر نوافل پڑھنا مکروہ ہے، البتہ نماز کے بعد گھر میں پڑھنے کی اجازت ہے۔
(۸) مناسکِ حج کے دوران عرفات اور مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کرتے ہوئے دونوں فرض نمازوں کے درمیان نوافل یا سنتیں پڑھنا بھی مکروہ ہے۔
(۹) فرض نماز کا وقت فوت ہونے کا خدشہ ہو تو ایسی صورت میں اولاً فرض نماز ادا کی جائے گی۔ ایسے وقت سنن ونوافل پڑھنا بھی مکروہِ تحریمی ہے۔(۲)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ: ۱/۵۸۳، مراقي الفلاح، فصل في الأوقات المكروهة، ص: ۱۴۹، ۱۵۰، الفتاوی الهندية، کتاب الصلوۃ، الباب الأول في المواقيت: ۱/۵۲، الدر المختار، کتاب الصلوۃ: ۲/۳۰-۳۵

(۲) مراقي الفلاح، حواله بالا، ص: ۱۵۱-۱۵۳، الفتاوی الهندية، حواله بالا: ۱/۵۲، ۵۳

علامہ حصکفیؒ اور علامہ شامیؒ نے کسی خارجی امر کی وجہ سے مکروہ قرار دی جانے والی نمازوں کی تعداد تیس سے بھی زیادہ ذکر کی ہے۔ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) بول و براز کی ضرورت پیش ہونے کے باوجود کوئی بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(۲) کھانا تیار ہو اور نفس کا تقاضا بھی ہو تو ایسی صورت میں بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔اسی طرح ہر اس فعل اور عارض کے ہوتے ہوئے جس کی وجہ سے نماز کے اندر خشوع وخضوع متاثر ہو یا نماز کے تقدس کے خلاف ہو، نماز پڑھنا مکروہ ہے۔(۱)

جن ممالک میں کسی نماز کا وقت نہ پایا جائے ان میں نماز کا حکم:

بعض قطبی ممالک میں مکمل چھ ماہ تک مسلسل دن ہوتا ہے جب کہ بقیہ چھ ماہ رات ہوتی ہے۔ایسے ممالک میں حنفیہ کے ہاں کوئی بھی نماز ساقط نہیں ہوگی، بلکہ ہر چھ ماہ کے دوران سب سے قریبی ملک کے اوقاتِ خمسہ کے اعتبار سے اوقات کی تحدید کی جائے گی اور اسی اعتبار سے نماز پڑھی جائے گی۔حنفیہ کے ہاں اس پر دلیل مسلم شریف کی وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے دجال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ چالیس دن تک زمین پر رہے گا۔ان چالیس دنوں میں ایک دن ایک سال کے بقدر، ایک دن مکمل مہینے کے بقدر اور ایک دن ایک ہفتے کے بقدر ہوگا جب کہ بقیہ ایام معمول کے مطابق ہوں گے۔راوی نے عرض کیا کہ کیا ایک سال کی بقدر دن میں ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ ہر نماز کے لیے وقت اندازہ لگا کر مقرر کرو۔

یہ مسئلہ تو اتفاقی ہے، البتہ جن ممالک میں غروبِ شفق کے ساتھ ہی دوبارہ دن کا آغاز ہوتا ہے وہاں پر عشا اور وتر کے بارے میں اکثر حنفیہ (علامہ حصکفیؒ، صاحب کنزؒ، علامہ بقالیؒ، حلوائیؒ، مرغینانیؒ، شرنبلالیؒ، حلبیؒ، عالمگیری وغیرہ) کی رائے عدمِ وجوب کی ہے، تاہم علامہ شامیؒ اور صاحب تنویر الابصار جیسے اکابر نے ٹھوس دلائل سے ان نمازوں کے وجوب پر استدلال کیا ہے، تاہم ان حضرات کے ہاں بھی عشا کی نماز کے لیے وقت مقرر کرنا ممکن نہیں، بلکہ عشا کی نماز کی صرف قضا واجب ہوگی۔نماز کی فرضیت میں مزاجِ شریعت اور احتیاط کی بنا پر یہی قول زیادہ مناسب ہے۔(۲)

❁❁❁❁❁

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة: ۲/ ٤١-٤٥

(۲) مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، ص: ١٤٢، ١٤٣، الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الأول في المواقيت، الفصل الأول في أوقات الصلوة: ١/ ٥١، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في فاقد وقت العشاء كأهل بلغار: ٢/ ١٨-٢٣

باب أوقات الصلوۃ

(نماز کے اوقات کے مسائل)

موجودہ نقشۂ اوقات کا اعتبار

سوال نمبر(1):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض کریں عصر کا وقت موجودہ نقشہ کے مطابق 4:15 پر داخل ہوتا ہے۔اب ایک آدمی یوں کہے کہ پرانے زمانے میں نقشے وغیرہ کچھ نہیں تھے۔ہم بغیر نقشہ کے نماز پڑھا کرتے تھے،لہٰذا میں ان نقشوں کا اعتبار کیے بغیر 4 بجے نماز پڑھتا ہوں تو کیا اس آدمی کی نماز درست ہوگی جو کہ نقشہ کے مطابق قبل از وقت پڑھی گئی ہے یا نہیں، بلکہ نقشہ کا اعتبار ہوگا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اللہ تعالیٰ نے ہر نماز کے لیے ایک مخصوص وقت مقرر کیا ہے۔اس وقت کے علاوہ نماز کی ادائیگی شرعاً معتبر نہیں۔ ہر ہر نماز کے وقت میں تحقیق کرنا چونکہ ایک مشکل کام ہے،اس لیے ماہرینِ فلکیات نے ان کو آسانی سے معلوم کرنے کے لیے ان اوقات کے نقشے تیار کیے ہیں جن سے اوقات کی تعیین میں آسانی ہوتی ہے۔گویا نقشوں کے ذریعے اوقات کا بتلانا تجربہ کا خلاصہ ہے اور ایسے مسائل میں اہلِ فن کے تجربہ سے استفادہ کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔

صورتِ مسئلہ میں اس آدمی کا یہ کہنا کہ''پرانے زمانے میں نقشے نہیں تھے،لہٰذا میں ان پر عمل نہیں کرتا'' درست نہیں اس لیے کہ اگر 4 بجے یہ عصر کی نماز پڑھے اور اس وقت عصر کا وقت داخل ہی نہ ہوا ہو تو اس کی نماز وقت سے پہلے پڑھنے کی وجہ سے ادا نہ ہوگی۔

والدلیل علیٰ ذلک:

اعلم أن الصلوۃ فرضت لأوقاتها قال اللّٰه تعالی: ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ﴾ولهذا تكرر وجوبها بتكرار الوقت وتؤدي في مواقيتها.(۱)

(۱) السرخسي،شمس الدین،کتاب المبسوط،کتاب الصلوۃ،باب مواقیت الصلوۃ:۱/۱٤۱، دارالکتب العلمیة بیروت

ترجمہ:

جان لو کہ نمازیں اپنے اپنے اوقات میں فرض کی گئی ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ ''قائم کرو نماز سورج ڈھلتے وقت'' اور یہی وجہ ہے کہ وقت کے بار بار آنے سے اس کا وجوب بھی مکرر ہوتا ہے۔ اور اِنہیں اپنے اوقات میں ادا کیا جائے گا۔

❁❁❁

صبح کی نماز کا وقت

سوال نمبر(2):

صبح کی نماز کا وقت کتنا ہے، اگر کوئی شخص طلوع آفتاب سے پانچ منٹ پہلے وضو کر کے نماز پڑھنے کے لیے تیار ہو، تو نماز پڑھ سکتا ہے یا انتظار کر کے طلوع آفتاب کے بعد پڑھے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فجر کی نماز کا وقت صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک ہے، چنانچہ اگر کسی کو طلوع آفتاب کا یقینی وقت معلوم ہو تو طلوعِ آفتاب سے پہلے پہلے اس کی نماز ہو جاتی ہے، ہاں اگر یقینی وقت معلوم نہ ہو تو احتیاطاً چار پانچ منٹ پہلے نماز سے فارغ ہو جانا چاہیے، تاکہ اوقاتِ ممنوعہ میں نماز نہ پڑھی جائے۔

والدلیل علی ذلك:

وقت الفجر من الصبح الصادق: وهو البياض المنتشر في الأفق إلىٰ طلوع الشمس. (۱)

ترجمہ:

فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے، اور یہ وہ سفیدی ہے جو (مشرق کی جانب) آسمان کے کناروں میں پھیلی ہوئی ہے، پھر صبح کا یہ وقت سورج کے طلوع ہونے تک ہے۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، باب المواقيت: ۵۱/۱

تہجد پڑھتے ہوئے فجر کا طلوع ہونا

سوال نمبر (3):

ایک شخص تہجد کی نماز پڑھ رہا ہے، آخری دو رکعتوں میں فجر کی اذانیں شروع ہوئیں، نماز سے فارغ ہو کر دیکھا تو اس کی یہ دو رکعتیں طلوعِ فجر کے بعد تھیں۔ اب ان دو رکعتوں کا کیا حکم ہے۔ یہ نفل شمار ہوں گی، یا فجر کی سنت. اگر نفل ہوں تو ان کی قضا لازم ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر کوئی شخص دو رکعت نفل کی نیت باندھ لے، اس گمان سے کہ ابھی رات باقی ہے، لیکن نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس نے نفل نماز صبح صادق کے بعد پڑھ لی ہے، تو اس مسئلہ میں فقہائے احناف سے مختلف روایات منقول ہیں کہ آیا یہ دو رکعتیں فجر کی سنت شمار ہوگی یا نہیں۔ متاخرین علما فرماتے ہیں کہ یہ فجر کی دو سنتوں کے قائم مقام ہیں، سنت دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، البتہ اگر کوئی شخص فجر کی سنتیں طلوعِ فجر سے پہلے پڑھ لے یا ایک رکعت میں شک ہو کہ اس نے طلوعِ فجر سے پہلے پڑھی ہے تو اس صورت میں فجر کی سنتوں کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہے، کیونکہ فجر کی سنتیں صحیح وقت پر ادا نہیں ہوئیں۔

والدلیل علی ذلک:

ولو صلیٰ رکعتین، وھو یظن أن اللیل باق، فإ ذا تبین أن الفجر قد کان طلع، ذکر القاضي علاء الدین محمود في شرح المختلفا ت أنہ لارواية في ھذہ المسئلة، وقال المتأخرون: یجزیہ عن رکعتي الفحر، وذکر الشیخ الإمام الأجل شمس الأئمہ الحلواني في شرح کتاب الصلوة ظاھر الحواب، أنہ یجزیہ عن رکعتي الفحر، لأن الأداء حصل في الوقت. (١)

ترجمہ:

اگر دو رکعتیں اس خیال سے پڑھیں کہ رات ابھی تک باقی ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ فجر طلوع ہو چکا ہے

---

(١) الفتاوی الھندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل: ١/١١٢.

تو قاضی علاء الدین محمود النسفیؒ نے شرح مختلفات میں ذکر کیا ہے کہ اس مسئلہ میں (فقہاء سے) کوئی روایت نہیں اور متاخرین علما فرماتے ہیں کہ یہ دو رکعت فجر کی سنتوں کے قائم مقام ہو سکتی ہیں اور علامہ شمس الائمہ حلوانیؒ کتاب الصلوۃ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ فجر کی دو رکعتوں کے قائم مقام ہو سکتی ہیں، کیونکہ یہ اپنے وقت میں ادا ہوئی ہیں۔

❁❁❁

طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنا

سوال نمبر (4):

اکثر لوگ فجر کی نماز مکروہ وقت میں پڑھنے کے عادی ہوتے ہیں، کئی بار سمجھانے سے بھی وہ اس عادتِ بد کو چھوڑتے نہیں۔ اگر سختی کی جائے تو عین ممکن ہے کہ وہ سرے سے نماز چھوڑ دیں۔ ایسے نمازیوں کا کیا حکم ہے، ان کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عام قاعدہ تو یہی ہے کہ اوقات مکروہہ یعنی طلوعِ آفتاب، غروبِ آفتاب اور زوالِ آفتاب کے دوران نماز پڑھنا جائز نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کامل وقت میں لازم ہونے والی عبادت کا ناقص وقت میں ادا کرنا لازم آتا ہے، لہٰذا اس میں واضح نقصان ہے جو اس عمل کے ثواب اور درجات کو متاثر کر دیتا ہے، لیکن اگر اس وقت نماز پڑھنے سے روک ٹوک پر واقعی سرے سے نماز ترک کرنے کا قوی اندیشہ ہو تو پھر اس مجبوری کی وجہ سے اگر کامل وقت میں ادائیگی یقینی نہیں تو ناقص وقت میں پڑھنے سے منع نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ کسی حکم کو بالکل چھوڑنے سے یہ بہتر ہے کہ کسی بھی درجے میں تو اس پر عمل کو یقینی بنایا جائے جس درجے میں بعض ائمہ کے ہاں جائز ہے۔ ایسے وقت میں فجر کی نماز پڑھنا محدثین حضرات اور فقہائے کرام میں امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے، تاہم مقتدا اور سمجھدار لوگوں کو حکیمانہ انداز میں عوام الناس کی تربیت پر ہر ممکن توجہ دینی چاہئے، کیونکہ اس (مکروہ) وقت نماز پڑھنے کا بہر حال وہ درجہ نہیں جو وقت پر پڑھنے کا ہے۔

والدلیل علی ذلك:

ووقت الفجر كله كامل، فوجبت كاملة، فتبطل بطرّو الطلوع الذي هووقت فساد لعدم الملائمة بينهما.....وفي القنيه :كسالي العوام إذاصلوا الفجر وقت الطلوع لاينكر عليهم ؛لأنهم لومنعوا يتركونها اصلاظاهرا،ولو صلوهاتجوزعندأصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولىٰ من الترك أصلا.(۱)

ترجمہ:

فجر کاکل وقت کامل ہے،پس نماز بھی کامل فرض ہے(بخلاف نمازعصر کے)،لہٰذاسورج کے کناروں کے طلوع ہونے سے ہی نماز باطل ہوجائے گی،کیوں کہ یہ وقتِ فاسد ہے،اس لیے کہ ان دونوں (کامل اور ناقص اوقات) میں کوئی مناسبت نہیں.....قنیہ میں ہے کہ ست قسم کے عوام جب طلوعِ آفتاب کے وقت نماز فجر پڑھتے ہوں،توان کومنع نہ کیاجائے،کیونکہ اگران کومنع کیاجائے تو وہ اس فریضہ کو بالکل چھوڑدیں گے حالانکہ اگر پڑھ لیں تو بعض محدثین کے ہاں جائز ہےاورکسی ایک امام کے ہاں جائز ہونابالکلیہ چھوڑدینے سے توبہتر ہے۔

❁❁❁

طلوعِ آفتاب کے بعدمکروہ وقت کی تعیین

سوال نمبر(5):

طلوعِ آفتاب کامکروہ وقت کتناہے، نیزطلوعِ آفتاب کے بعدنوافل پڑھنے کے لیے کتنی دیرانتظار کرنا چاہیے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نماز فجر کاوقت صبح صادق سے لےکرطلوعِ آفتاب تک کا ہے۔اورطلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی مکروہ وقت شروع ہوجاتاہے،اورسورج کی پہلی کرن سے شروع ہوکر یہ وقت سورج کے تقریباایک نیزہ کے برابر،یعنی دوہاتھ اوپر آنے تک رہتاہے۔فقہائے کرام اس بات کابھی عندیہ دیتے ہیں کہ جب تک سورج کی ٹکیہ کی طرف آسانی سے

(۱)البحر الرائق،کتاب الصلاۃ،تحت المتن:(ومنع عن الصلاۃ وسجدۃ التلاوۃ):۱/۴۳۶،۴۳۷

دیکھا جاسکتا ہو تو اس دوران نماز پڑھنا جائز نہیں اور جب ٹکیہ کی طرف آنکھیں نہ ٹک سکیں کہ اس کی طرف دیکھنا مشکل ہوجائے تو سمجھ لے کہ مکروہ وقت نکل چکا ہے۔

والدليل علی ذلك:

ذكر في الأصل :مالم ترتفع الشمس قدررمح فهي في حكم الطلوع،واختار الفضليؒ أن الإنسان مادام يقدر على النظر إلى قرص الشمس في الطلوع، فلاتحل الصلوٰة،فإذاعجز عن النظر حلت، وهو مناسب لتفسير التغيير المصحح .(۱)

ترجمہ:

مبسوط میں ہے کہ جب تک سورج ایک نیزے کے بقدر بلند نہ ہوجائے تو یہ طلوع کے حکم میں ہوگا (یہ وقت مکروہ رہے گا)۔اور علامہ فضلیؒ کے ہاں مختار یہ ہے کہ جب تک انسان سورج کے طلوع ہونے کے دوران ٹکیہ کی طرف دیکھنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس وقت تک نماز جائز نہیں، پس جب دیکھنے سے عاجز ہوجائے تو اس وقت نماز پڑھنا جائز ہوگا۔اور یہی قول تغیرِ صحیح کی تفسیر میں مناسب ہے۔

❁❁❁

نمازِ جمعہ کا مستحب وقت

سوال نمبر(6):

ظہر اور جمعہ کی نمازوں کے لیے مستحب اوقات کون سے ہیں۔گرمی اور سردی کے موسم کا ان پر کیا اثر پڑتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

فقہ حنفی کی رو سے موسمِ گرما میں ظہر تاخیر سے اور موسمِ سرما میں تعجیل (جلدی) سے پڑھنا افضل ہے، لیکن جمعہ کی نماز میں تعجیل (جلدی کرنا) ہی افضل ہے، چاہے گرمی ہو یا سردی۔

والدليل علیٰ ذلك:

وفي الشامية : لكن جزم في الأشباه من فن الأحكام أنه لا يسن لها الإبراد ...وقال الجمهور

(۱)البحر الرائق،كتاب الصلاة،تحت المتن:(ومنع عن الصلاة....):۱/۴۳۴

لیس بمشروع؛ لأنھاتقام بجمع عظیم،فتأخیرھا مفض إلی الحرج، ولا کذلك الظھر.(۱)

ترجمہ:

اورشامی میں ہے کہ اشباہ کے فنِ احکام میں مصنفؒ نے جزم کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ جمعہ کے لیے ابراد سنت نہیں۔جمہور فرماتے ہیں کہ جمعہ میں تاخیر جائز ہی نہیں، کیونکہ جمعہ کی نماز میں تعداد زیادہ ہوتی ہے۔پس اس میں تاخیر سے حرج پیدا ہوگا، جب کہ ظہر کی نماز میں ایسا نہیں ہوتا۔

❁❁❁

دخول وقت کے بعد اذان سے پہلے سنت پڑھنا

سوال نمبر(7):

اگر نماز کا وقت داخل ہو چکا ہو تو فرض سے پہلے والی سنتیں اذان دینے سے پہلے پڑھنا درست ہے یا نہیں۔کیا فرض سے پہلے والی سنتیں پڑھنے کے لیے بھی اذان کا انتظار کرنا ضروری ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اذان وقتی فرض نمازوں اور جمعہ کے لیے سنت ہے اور پھر خاص کر باجماعت نماز کے لیے تو اس کا اہتمام ضروری ہے۔البتہ وقت داخل ہونے کے بعد فرض سے پہلے والی سنتیں پڑھنی ہوں تو اذان سے پہلے ان کا پڑھنا درست ہے،اذان کا انتظار ضروری نہیں۔

والدلیل علی ذلك:

سنّ الأذان للصلوٰت الخمس، والجمعة سنة مؤکدة ... وخرج بالفرائض ماعداھا،فلاأذان للوتر، ولاللعید، ولاللجنائز،ولاللکسوف، والاستسقاء،والتراویح،والسنن الرواتب؛ لأنھاأتباع للفرائض.(۲)

---

(۱)رد المحتار، کتاب الصلاۃ،مطلب:في طلوع الشمس من مغربھا:۲/۲۵

(۲)البحر الرائق، کتاب الصلاۃ،تحت المتن:(سنن للفرائض):۱/۴۴۴،۴۴۵

ترجمہ:

اذان صرف پنجگانہ نماز اور جمعہ کے لیے سنت ہے۔۔۔مصنفؒ کی قید کہ فرض کے لیے سنت ہے،اس سے فرض کے علاوہ دوسری نمازیں نکل گئیں،پس وتر،عیدین،جنازہ،کسوف،استسقا،تراویح اور سنن رواتب (مؤکدہ) جو کہ فرائض کے تابع ہیں،ان کے لیے اذان سنت نہیں۔

❁❁❁

احناف کے ہاں عصر کا ابتدائی وقت

سوال نمبر(8):

عصر کا وقت احناف کے ہاں کب سے شروع ہوتا ہے جب کہ آج کل بعض لوگ سایہ اصلی کے سوا سایہ مثلین (کہ جب سایہ اصلی کے علاوہ دو چند ہو جائے) ہونے سے قبل ہی اذانیں شروع کر دیتے ہیں۔اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ان کے پیچھے کسی حنفی کو نماز پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ عصر کے اصل وقت کا تعین کر کے رہنمائی فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عصر کی ابتدا احناف کے مفتی بہ قول کے مطابق سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ مثلین (دو چند) ہونے کے بعد ہوتی ہے اور سورج کے غروب ہونے تک عصر کا وقت باقی رہتا ہے،تاہم جہاں کہیں عصر کی نماز سایہ مثلین سے قبل پڑھی جاتی ہو تو اس صورت میں مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی حنفی امام کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔اور ایسے لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہو جو مثلین سے پہلے عصر کی نماز پڑھتے ہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

وقت العصر من بلوغ الظل مثليه سوى الفيء إلى غروب الشمس.(١)

ترجمہ:

عصر کا ابتدائی وقت اس سے شروع ہوتا ہے،کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کا دوگنا ہو جائے،سوائے سایہ زوال کے۔اور غروب شمس تک باقی رہتا ہے۔

(١)البحرالرائق كتاب الصلوة،قوله:(والمغرب إلى غروب الشفق):١/٤٢٦

نمازِ عصر میں تاخیر کی حد

سوال نمبر (9):

نمازِ عصر میں کتنی تاخیر درست ہے، غروبِ آفتاب کا مکروہ وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نمازِ عصر میں تاخیر کو حضرات فقہائے کرام نے مستحب لکھا ہے، لیکن اتنی تاخیر بھی درست نہیں کہ مکروہ وقت تک پہنچ جائے، اس لیے کہ سورج کے متغیر ہونے کے ساتھ ہی مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے جو کہ غروب آفتاب تک باقی رہتا ہے۔

والدلیل علی ذالک:

ندب تأخيره مالم تتغيرالشمس... وأراد بالتغيير أن تكون الشمس بحال لاتحار فيهاالعيون، فإن تأخيرها إليه مكروه. (۱)

ترجمہ:

عصر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے، لیکن سورج کے متغیر ہونے (سے پہلے پہلے) تک اور سورج کے متغیر ہونے سے مراد یہ ہے کہ سورج ایسی حالت میں ہو کہ (اس کی ٹکیہ کی طرف دیکھتے ہوئے) آنکھیں چندھیا نہ جائیں، کیونکہ اس وقت تک تاخیر مکروہ ہے۔

مغرب کی نماز کا وقت

سوال نمبر (10):

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ مغرب کی نماز کا وقت سورج کے غروب ہونے سے ہی شروع ہو جاتا ہے، لیکن عام نقشہ جات میں غروبِ آفتاب سے سات سے دس منٹ تک کا فرق ہوتا ہے، اور بعض لوگ تو نقشہ سے بھی پانچ دس منٹ

(۱) البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، تحت المتن: (والعصر مالم تتغیر): ۱/ ۴۲۹، ۴۳۰

مزید تاخیر کرتے ہیں، کیا مغرب کی نماز میں اتنی تاخیر کی گنجائش ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے ہی شروع ہوجاتا ہے، لیکن نقشہ جات اور عام لوگوں کی تاخیر احتیاط پرمبنی ہوا کرتی ہے، کیونکہ بعض اوقات اور بعض مقامات میں سورج فضائی آلودگی یا دوسری وجوہات کی بنا پر جلدی غروب ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا، اس لیے احتیاطاً پانچ، چھ منٹ تاخیر کی گنجائش ہے، البتہ زیادہ تاخیر مکروہ ہے۔

والدلیل علی ذالک:

ووقت المغرب منه إلىٰ غيبوبة الشفق، وهو الحمرة عندهما، وبه يفتىٰ، وعند أبي حنيفة الشفق: هو البياض الذي يلي الحمرة ...ويستحب تعجيل المغرب في كل زمان.(١)

ترجمہ:

اور مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے لے کر شفق (جو کہ ایک سرخی ہے) کے غائب ہونے تک ہے۔ یہ صاحبینؒ کا قول ہے جس پر فتویٰ بھی ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے ہاں شفق وہ سفیدی ہے جو اس سرخی کے بعد ہوتی ہے، البتہ ہر موسم میں مغرب کی نماز میں تعجیل ہی مستحب ہے۔

❁❁❁

مغرب کی نماز میں چند منٹ تاخیر کرنا

سوال نمبر(11):

مغرب کی اذان کے بعد چند منٹ انتظار کرنا اس غرض سے کہ نمازیوں کی کثرت ہوجائے اور لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں زیادہ شریک ہوں۔ جماعت کے کھڑی ہونے میں ایسی تاخیر کرنا کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

---

(١) الفتاوی الهندية، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ١/ ٥١، ٥٢

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ نمازِ مغرب کا مستحب وقت غروبِ شمس کے فوراً بعد شروع ہوکر تاروں کے ظاہر ہونے اور روشن ہونے تک ہے جس کے بعد مکروہ وقت شروع ہوجاتا ہے۔ چنانچہ فقہائے کرام نے حدیث کی روشنی میں اس بات پر تصریح کی ہے کہ "اشتباك النجوم" سے مراد صرف تاروں کا طلوع ہونا نہیں، بلکہ اس سے مراد تاروں کا اس طرح ظاہر ہونا ہے کہ تارے آپس میں گڈمڈ ہوجائیں، چونکہ غروبِ شمس کے بعد چار پانچ منٹ کے انتظار سے تاروں کا اس طرح ظاہر ہونا مشکل ہے، اس لیے مغرب کی نماز میں اتنی تاخیر مکروہ وقت میں شمار نہیں ہوگی۔

والدلیل علیٰ ذلك:

قوله:(يكره تنزيها) أفاد أن المراد بالتعجيل أن لايفصل بين الأذان والإقامة بغير جلسة، أوسكتة على الخلاف، وأن مافي القنية من استثناء التأخير القليل محمول على مادون الركعتين، وأن الزائد على القليل إلى اشتباك النجوم مكروه تنزيها،ومابعده تحريما إلابعذر.(١)

ترجمہ:

مغرب کی نماز میں تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور تعجیل (جلدی نماز پڑھنا) کا مطلب یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان کسی معمولی وقفہ اور بیٹھنے کے علاوہ فصل (تاخیر) نہ کی جائے۔ اور قنیہ میں جو معمولی تاخیر کا استثنا آیا ہے، وہ دو رکعت سے کم پر محمول ہے اور اس پر اتنی زیادتی کرنا کہ ستارے (کثرت کی وجہ سے) آپس میں مختلط ہوجائیں، مکروہِ تنزیہی ہے اور پھر بغیر کسی عذر کے مزید تاخیر کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔

مغرب کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا

سوال نمبر(12):

امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق مغرب کی اذان کے بعد فرض نماز سے پہلے تو نفل نماز پڑھ سکتے ہیں، کیا امام ابوحنیفہؒ کے مسلک میں اس وقت نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔ فقہ حنفی کی رو سے جواب دے دیں؟

بیّنوا تؤجروا

(١)رد المحتار، كتاب الصلاة،مطلب:في طلوع الشمس من مغربها:٢/ ٢٩

الجواب وبالله التوفیق:

فقہ حنفی کی رو سے مغرب کی نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے، چنانچہ مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان کسی دوسرے کام میں مشغول رہنا مناسب نہیں، اس لیے اس میں وقت نفل پڑھنا بھی مکروہ ہے، چنانچہ ہمارے ہاں مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان نفل نہ پڑھیں جائیں۔

والدلیل علی ذالک:

قوله:(يكره تنزيها) أفاد أن المراد بالتعجيل أن لايفصل بين الأذان والإقامة بغير جلسة، أوسكتة على الخلاف، وأن مافي القنية من استثناء التأخير القليل محمول علي مادون الركعتين، وأن الزائد على القليل إلى اشتباك النجوم مكروه تنزيها، ومابعده تحريما إلا بعذر.(١)

ترجمہ:

مغرب کی نماز میں تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور تعجیل (جلدی نماز پڑھنا) کا مطلب یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان کسی معمولی وقفہ اور بیٹھنے کے علاوہ فصل (تاخیر) نہ کی جائے۔ اور قنیہ میں جو معمولی تاخیر کا استثنا آیا ہے، وہ دو رکعت سے کم پر محمول ہے اور اس پر اتنی زیادتی کرنا کہ ستارے (کثرت کی وجہ سے) آپس میں مختلط ہوجائیں، مکروہ تنزیہی ہے اور پھر بغیر کسی عذر کے مزید تاخیر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

وفي البحر: وندب تعجيله لحديث الصحيحين :كان يصلي المغرب إذا غربت الشمس وتوارت بالحجاب، ويكره تأخيرها إلى اشتباك النجوم لرواية أحمد:(لاتزال أمتي بخير مالم يؤخروا المغرب حتى تشتبك النجوم).(٢)

ترجمہ:

بحرالرائق میں ہے کہ مغرب کی نماز میں تعجیل (جلدی نماز پڑھنا) مستحب ہے۔ جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جونہی سورج غروب ہوکر چھپ جاتا، آپ ﷺ مغرب کی نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اور مسند احمد کی روایت کے مطابق بھی ستارے مختلط ہونے تک اس میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ: ''میری امت ہمیشہ اچھائی پر قائم رہے گی، جب تک مغرب کو اس حد تک مؤخر نہ کریں کہ ستارے آپس میں مختلط ہوجائیں''۔

(١) رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب:في طلوع الشمس من مغربها:٢/٢٩

(١) البحر الرائق، كتاب الصلاة، تحت المتن:(والمغرب):١/٤٣١

مغرب اور عشا کا درمیانی وقفہ

سوال نمبر (13):

عشا کا وقت کب داخل ہوتا ہے، مغرب اور عشا کے درمیان کتنا وقفہ ہونا چاہئے؟ عام نقشوں کے مطابق موسمِ گرما میں عشا کا وقت نو بج کر پندرہ منٹ پر شروع ہوتا ہے، جب کہ کئی لوگ عشا کی نماز نو بجے ادا کرتے ہیں تو ان نمازوں کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشا کا وقت اُس وقت شروع ہوتا ہے جب شفقِ ابیض غائب ہوجائے یعنی مغرب کی طرف افق پر سورج کے غروب ہونے کے بعد جو سرخی ہوتی ہے وہ بھی ختم ہوجائے اور اُس کے بعد جو سفیدی پھیلتی ہے وہ بھی ختم ہوکر مکمل اندھیرا ہوجائے۔

محققین علماء ومفتیان میں سے اکثر کے ہاں شفقِ ابیض اس وقت غائب ہوتا ہے جب سورج اُفق سے اٹھارہ درجے نیچے چلا جائے۔ اِن اٹھارہ درجوں کا مجموعی وقت موسم اور علاقہ کی تبدیلی سے مختلف ہوتا رہتا ہے اس لیے منٹوں میں اس کی مقدار متعین طور پر نہیں بتائی جاسکتی۔ آئمہ مساجد اور عوام کو چاہیے کہ مستند ماہرین صحیح اصول پر جو نقشے تیار کرتے ہیں اُن کے مطابق اذان وجماعت کا وقت متعین کیا کریں اس سے پہلے نہیں تاکہ نماز جیسا اہم فریضہ بے احتیاطی سے ذمہ پر باقی نہ رہے۔ کیونکہ وقت داخل ہونے سے قبل پڑھی گئی نماز مقبول نہیں ہوتی۔

والدلیل علی ذالک:

ووقت (المغرب منه إلى) غروب (الشفق وهو الحمرة) عندهما......وإليه رجع الإمام ...
وفي الشامية :أن التفاوت بين الشفقين بثلاث درج كما بين الفجرين . (۱)

ترجمہ: اور مغرب کا وقت غروب شمس سے لے کر غروب شفق تک ہے اور شفق سے مراد سرخی ہے جیسا کہ صاحبین کا قول ہے اور اس کی طرف امام صاحب نے (اپنے قول غروب شفق ابیض سے) رجوع کیا ہے......شامی میں ہے کہ شفق ابیض اور شفق احمر کے درمیان تین درجات کا فرق ہے، جس طرح صبح کاذب اور صبح صادق کے درمیان ہے۔

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة،: ۲/ ۱۷، ۱۸

وقت سے پہلے اذان دینا

سوال نمبر (14):

اگر وقت داخل ہونے سے پہلے اذان دی جائے تو کیا حکم ہے؟ کیا ائمہ کرام کے اختلاف کی وجہ سے فجر اور دوسرے اوقات میں وقت سے پہلے دی گئی اذانوں کے حکم میں کوئی واضح فرق موجود ہے؟ مدلل وضاحت مطلوب ہے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اذان سے مقصود نماز کا وقت شروع ہونے کی اطلاع دینا ہے۔ اور یہ مقصد جب ہی پورا ہوسکتا ہے، جب اذان وقت شروع ہونے پر دی جائے۔ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ کوئی بھی اذان وقت سے پہلے دی جائے تو وقت شروع ہونے کے بعد اس کا اعادہ ضروری ہے، چاہے کسی بھی وقت کی اذان ہو۔

البتہ فجر اور عشا کے اوقات میں چونکہ ائمہ حضرات کا قدرے اختلاف ہے، اس بنا پر اگر دس پندرہ منٹ کی تقدیم وتاخیر ہوجائے تو گنجائش ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وقت سے پہلے اذان دینا درست ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی ایک امام کے نزدیک اگر وقت داخل ہو اور دوسرے امام کے نزدیک تا حال وقت داخل نہیں تو اس وقت دی گئی اذان کا اعادہ ضروری نہیں۔ اور اگر کسی ایک امام کے نزدیک بھی وقت داخل نہیں تو ایسی صورت میں دی گئی اذان کا اعادہ واجب ہے۔

والدلیل علی ذالک:

تقدیم الأذان علی الوقت في غیر الصبح لایجوز اتفاقا. وکذا في الصبح عند أبي حنیفة ومحمد، وإن قدم یعاد في الوقت، وعلیه الفتویٰ. (۱)

ترجمہ: اور فجر کے علاوہ وقت سے پہلے اذان دینا بالاتفاق جائز نہیں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک فجر کے وقت میں بھی تقدیم اذان جائز نہیں اور اگر وقت سے پہلے اذان دی گئی تو وقت داخل ہونے کے بعد اس کا اعادہ ضروری ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول: ۵۳/۱

باب الأذان والإقامة

(اذان اور اقامت کا بیان)

تعارف اور حکمت مشروعیت:

اذان اگر ایک طرف نماز باجماعت کے لیے ایک اعلان اور بلاوا ہے تو دوسری طرف وہ ایمان کی دعوت اور دینِ حق کا منشور ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: ''اذان شعائرِ اسلام میں سے ایک اہم شعار ہے جس میں اعلان کے ساتھ ساتھ مذہب کی عزت وشرافت بھی مقصود ہے''۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اذان دینِ اسلام کے بنیادی اصولوں یعنی توحید ورسالت، اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کے رسول کے ساتھ محبت اور اس کے لائے ہوئے دین پر ڈٹ جانے کا بانگِ دہل اعلان ہے، جس کے بعد کامیابی کی خوشخبری بھی دی جاتی ہے، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اذان سنتے وقت اس ایمانی دعوت کے ہر جز اور اس آسمانی دستور کے ہر دفعہ کی اپنے دل وزبان سے تصدیق کرے تاکہ پوری اسلامی آبادی دن میں پانچ مرتبہ ہر اذان کے وقت اپنے ایمانی عہد و میثاق کی تجدید کیا کرے۔(۱)

اذان کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

اذان کا لغوی معنیٰ ہے ''اعلام'' یعنی کسی کو خبردار کرنا، اطلاع دینا یا اعلان کرنا۔ شریعت کی اصطلاح میں اذان کا معنیٰ ہے:

"إعلام مخصوص علیٰ وجه مخصوص بألفاظ مخصوصة".

مخصوص الفاظ اور مخصوص طریقے و کیفیت کے ساتھ مخصوص اعلان کا نام اذان ہے۔

اذان کی تعریف میں ''اعلام بدخول الوقت'' نہیں کہا اس لیے کہ اذان صرف دخولِ وقت کے لیے مشروع نہیں، بلکہ فوت شدہ نمازوں اور جمعہ کے خطبہ کے لیے بھی اذان دی جاتی ہے۔(۲)

اقامت کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

اقامت کا لغوی معنیٰ استقرار، اظہار، پکارنا اور کسی بیٹھے ہوئے شخص کو کھڑا کرنا ہے جب کہ فقہائے کرام کے ہاں ''مخصوص اور ماثور الفاظ کے ساتھ نماز کے لیے کھڑے ہو جانے کے اعلان'' کا نام اقامت ہے۔

(۱) احکام اسلام عقل کی نظر میں، باب الأذان، حکمت آذان نماز: ۱/۵۲

(۲) الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب الأذان: ۲/۴۷

"إعلام بالقيام إلى الصلوة بألفاظ معلومة مأثورة علىٰ صفة مخصوصة".(١)

نوٹ:

یادرہے کہ اذان اوراقامت کے اکثراحکام ایک جیسے ہیں اورمشروعیت بھی ایک ہی حدیث سے ثابت ہے۔جن مواضع میں فرق موجود ہوگا وہاں پراس کی وضاحت کی جائے گی۔

اذان کی مشروعیت اورابتدا:

اذان کی مشروعیت قرآن وحدیث ہرایک سے ثابت ہے۔قرآن کریم میں ہے:

﴿ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ﴾(٢)

اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو یہ لوگ اس کو ہنسی کھیل بنادیتے ہیں۔

دوسری جگہ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾(٣)

اے ایمان والو!جب جمعہ کے دن اذان کہی جائے نماز کے لیے،تو چل پڑا کرو اللہ کی یاد کی طرف۔

اذان کی ابتدا کا واقعہ ہجرت کے پہلے یا دوسرے سال پیش آیا۔مکہ مکرمہ کی زندگی تو مکمل طور پر باہمی کشاکش اورآزمائش پر مشتمل تھی،تاہم ہجرتِ مدینہ کے بعد جب آزادی کی فضا میسر ہوئی تو نماز باجماعت کے اعلان کے لیے آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ لیا۔آگ جلانے،ناقوس بجانے،دف بجانے،جھنڈا کھڑا کرنے اور گھر گھر جاکر جماعت قائم کرنے کی اطلاع جیسی آراء پیش کی گئیں،تاہم کسی حتمی رائے پر پہنچے بغیر یہ مشاورت ختم ہوگئی۔حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اس پریشانی اور فکر کی حالت میں گھر تشریف لائے تو بیوی نے کھانا پیش کیا۔آپ نے کھانے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں کس طرح کھانا کھاؤں،حالانکہ آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نماز کے بارے میں پریشان ہیں۔اسی سوچ وفکر میں ان کو نیند آگئی،خواب میں دیکھا کہ ایک شخص سبز چادر پہنے ہوئے آسمان سے اتر رہا ہے اوراس کے ہاتھ میں ناقوس ہے۔

عبداللہ بن زیدؓ نے اس سے ناقوس خریدنا چاہا تو اس نے کہا کہ تم اس کا کیا کروگے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ

---

(١)الموسوعة الفقهية،مادة آذان:٢/٣٥٧

(٢)المائدة:٥٨ (٣) الجمعة:٩

حضورﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا تاکہ نماز کے وقت اس کو بطور اعلام استعمال کیا جائے تو اس شخص نے کہا کہ میں تم کو اس سے اچھی چیز نہ بتاؤں؟ جواب ملا ''کیوں نہیں''۔ اس شخص نے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہوئے اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کیا اور تمام کلمات آپؓ کو سکھائے، بعض روایات کی رُو سے پھر چند قدم پیچھے ہٹ کر اقامت کہی۔ صبح ہوئی تو حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رات کا خواب نقل کیا تو آپﷺ نے فرمایا:

"انّ هذه لرؤيا حق فقم مع بلال فانّه أندیٰ وامدّ صوتا منك فالق عليه ماقيل لك ولينادی بذلك".

یہ بے شک سچا خواب ہے، تم بلال کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ، کیوں کہ وہ تم سے اونچی آواز والا ہے، تم سے جو کہا گیا ہے وہ اسے بتاتے جاؤ اور وہ اس کے ساتھ اذان دے۔

حضرت عمرؓ نے اذان سنی تو اس عجلت سے دوڑتے ہوئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے کہ چادر زمین پر گھسٹتی جا رہی تھی اور عرض کیا کہ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے۔(۱)

اذان کا سبب اور رکن:

وقت کا داخل ہونا اذان کا سبب ہے یعنی وقت داخل ہونے کے بعد آذان دی جائے گی۔ جب کہ اذان کا رکن وہ مخصوص الفاظ ہیں جو حدیث مبارک سے ثابت ہیں۔

اذان کا حکم:

حنفیہ کے راجح قول کے مطابق اذان سنتِ مؤکدہ اور شعائرِ اسلام میں سے اہم شعار ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اگر کوئی قوم بغیر اذان واقامت کے نماز پڑھ رہی ہو تو وہ تارکینِ سنت اور گنہگار ہیں جب کہ امام محمدؒ ایسی قوم کے ساتھ لڑنے کے بھی قائل ہیں۔ اسی وجہ سے علامہ کاسانیؒ کی رائے بھی وجوب اذان کی ہے اور اس پر کافی سارے دلائل بھی دیے ہیں۔(۲)

---

(۱) سنن ابن ماجة، أبواب الأذان والسنة فيها، باب بدء الأذان، ص:۵۱

(۲) مراقي الفلاح، باب الأذان، ص:۱۵۵، ۱۵۶، الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل ال الاول في صفته وأحوال الموذن: ۵۳/۱

اذان واقامت کے الفاظ:

حنفیہ کے ہاں اذان کے الفاظ کل پندرہ ہیں۔ چار مرتبہ اللہ اکبر، دو مرتبہ أشھد أن لاإله إلاالله، دو مرتبہ أشھد أنّ محمدا رسول الله، دو مرتبہ حيّ علی الصلوۃ، دو مرتبہ حيّ علی الفلاح، پھر دو مرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ لاإله إلاالله۔ حدیث بلالؓ کی رو سے فجر کی اذان میں دو مرتبہ "الصلوۃ خیر من النوم" کے اضافے سے یہ تعداد سترہ ہو جاتی ہے۔

اقامت کے کلمات حنفیہ کے ہاں سترہ ہیں۔ پندرہ الفاظ وہی ہیں جو اذان کے ہیں، البتہ "حيّ علی الفلاح" کے بعد دو مرتبہ "قد قامت الصلوۃ" کے الفاظ بڑھادیے جائیں گے۔(۱)

حنفیہؒ کے ہاں اذان اور اقامت دونوں میں ترجیع یعنی شھادتین کو ایک مرتبہ آہستہ پڑھنا اور پھر دوبارہ بلند آواز سے پڑھنا خلافِ اولیٰ ہے۔ ترجیع اگرچہ ابو محذورہؓ کی روایت سے ثابت ہے لیکن وہ بطورِ حفظ وتسلیم ہے۔ اذان کی مشروعیت والی ابتدائی حدیث میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔(۲)

تھویب کا حکم:

تھویب کا معنی ہے "اذان اور اقامت کے مابین لوگوں کو جماعت کی یاددہانی کرانا"۔ فقہائے کرام کے ہاں تھویب کی ایک صورت وہ ہے جو حضرت بلالؓ نے صبح کی اذان کے بعد رسول اللہ ﷺ کو بیدار کرنے کے لیے اختیار کی تھی۔ حضرت بلالؓ نے "الصلوۃ خیر من النوم" دو مرتبہ کہا تو حضور ﷺ کو اتنا پسند آیا کہ اسے اذان میں شامل کرنے کا حکم فرمایا، لہٰذا اس کو فجر کی اذان میں شامل کردیا گیا اور اسی پر پوری امت کا تعامل ہے۔

تاہم فجر کی اذان کے بعد مذکورہ تھویب کے علاوہ دوسرے الفاظ یا افعال کا سہارا لینے میں فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں۔ متقدمین فقہا نے صبح کی اذان واقامت کے مابین دوسرے الفاظ سے تھویب کی اجازت دی ہے۔ بعض فقہا نے عشا میں بھی اس کی اجازت دی ہے جب کہ امام ابو یوسفؒ نے امرا، قاضیوں اور مفتیانِ کرام جیسے مصروف حضرات کے لیے ہر نماز میں تھویب کی اجازت دی ہے۔ ان تمام اقوال کو مدنظر رکھ کر متاخرین فقہا نے تمام نمازوں کے لیے تھویب

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان: ۱/ ۵۵، الاختيار لتعليل المختار، باب الأذان: ۱/ ۴۲، ۴۳، دار المعرفة، بيروت لبنان

(۲) الاختيار حواله سابقه، ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۲/ ۵۲

کو جائز قرار دیا ہے۔تثویب کے لیے خاص الفاظ مقرر نہیں، بلکہ عرف اور معاشرتی حالات کو مدنظر رکھ کر کسی بھی طریقے سے لوگوں کو نماز کی یقین دہانی کرائی جاسکتی ہے۔(۱)

اذان کی شرائط:

فرض نماز کے لیے دی جانے والی اذان کے لیے درج ذیل شرائط ہیں۔یہی شرائط اقامت کے لیے بھی ہیں۔

(۱)وقت داخل ہونے کے بعد اذان دینا:

فرض نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے اذان دینا کافی نہیں بلکہ وقت داخل ہونے کے بعد اس کا اعادہ کیا جائے گا۔امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ کے ہاں یہ حکم فجر کے لیے بھی ہے یعنی اگر فجر کی اذان قبل الوقت دی گئی تو اس کا بھی اعادہ کیا جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے۔(۲)

(۲)اذان مخصوص الفاظ کے ساتھ عربی میں دی جائے۔فارسی وغیرہ میں دی جانے والی اذان جائز نہیں،اگرچہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ اذان ہے۔(۳)

(۳)اذان اور اقامت کے دوران تکلم یا کسی اور فعل سے فصل نہ ہو،اگر معمولی فصل ہو تو اذان کراہت کے ساتھ جائز ہو جائے گی تاہم اگر فصل زیادہ ہو جائے تو اذان دوبارہ دی جائے گی۔(۴)

اذان کی سنتیں:

اذان کی بعض سنتیں اذان سے متعلق ہیں جب کہ بعض مؤذن سے،ہر ایک سے متعلق سنن درج ذیل ہیں۔

نفس اذان سے متعلق سنتیں:

(۱)اذان واقامت بلند آواز سے دی جائے۔

---

(۱)الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة،الباب الثاني في الأذان،الفصل الثاني في كلمات الأذان:۱/۵۶،الاختيار لتعليل المختار،باب الأذان:۱/۴۳، الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة،باب الأذان:۲/۵۶

(۲)الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة،الباب الثاني في الأذان،الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن:۱/۵۳

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة،باب الأذان:۲/۴۷

(۴)الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة،باب الأذان:۲/۵۶

(۲) اذان کے کلمات کے مابین معمولی وقفہ، یعنی ترسّل کیا جائے، تاہم اقامت میں وقفہ کی بجائے حدر سنت ہے۔
(۳) اذان واقامت کے کلمات میں ترتیب کا خیال رکھا جائے۔ اگر کلمات کی ترتیب میں تقدیم وتاخیر ہو جائے تو مکمل اذان کا اعادہ کرنے کی بجائے غیر مرتب کلمات کا اعادہ کیا جائے۔
(۴) اذان واقامت کے کلمات میں تسلسل کا خیال رکھا جائے۔ درمیان میں کسی بھی قول یا فعل سے وقفہ نہ آنے پائے۔
(۵) اذان اور اقامت کے دوران رخ قبلہ کی طرف ہو۔
(۶) اذان واقامت میں تلحین، یعنی گانے بجانے سے مشابہت نہ ہو۔
(۷) مغرب کے علاوہ بقیہ نمازوں کی اذان واقامت میں تھوڑا سا وقفہ رکھا جائے۔
(۸) اذان میں لفظی اور تجویدی غلطیوں سے پرہیز کیا جائے۔ اللّٰہ اکبر میں اگر ابتدائی ہمزہ کو کھینچ کر ادا کردے اور ایسا قصداً جان بوجھ کر کرلے تو کفر کا اندیشہ ہے، اس لیے کہ ایسی صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ کیا اللہ بڑا ہے؟ اور اگر اکبر کو ''اکبار'' پڑھ لے تو یہ بھی غلط ہے۔
(۹) بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اذان دی جائے۔(۱)

مؤذن کی صفات:

فقہائے کرام کے ہاں اذان اور اقامت کرنے والے شخص کے لیے درج ذیل صفات کا ہونا ضروری ہے:
(۱) مؤذن مرد ہو۔ عورت کی اذان بدعت ہے۔ غیر ممیز بچے کی اذان بھی ناکافی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اذان کا اعادہ کرنا مستحب ہے، البتہ اگر بچہ سمجھدار ہو تو اس کی اذان جائز ہے اگرچہ افضل یہ ہے کہ بالغ شخص اذان دے۔
(۲) مؤذن عقل وشعور والا ہو۔ جنون اور نشہ کی حالت میں اگر اذان دے تو بہتر یہ ہے کہ اس کا اعادہ کیا جائے۔
(۳) مؤذن عالم بالسنۃ، متقی اور صاحبِ عزت وشرافت ہو تاہم یہ حکم استحبابی ہے، لہٰذا اگر کوئی غلام، ولد الزنا یا ان پڑھ دیہاتی شخص اذان دیدے تو بھی جائز ہے اور اعادے کی ضرورت نہیں۔
(۴) مؤذن اوقات صلوۃ سے خبردار ہو، لہٰذا بینا شخص کی اذان نابینا سے بہتر ہے تاہم اگر نابینا شخص کو کسی باعتماد ذریعہ سے تعاون حاصل ہو تو وہ بھی مؤذن بن سکتا ہے، جیسے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مؤذن تھے۔
(۵) مؤذن مستقل اذان دینے پر مامور ہو۔ بہتر یہ ہے کہ مؤذن خود امام بھی ہو تاکہ دونوں فضیلتوں کا حامل ہو۔

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، باب الأذان، فصل في بيان سنن الأذان: ۱/ ۶۴۲-۶۴۴، الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۱/ ۵۵، ۵۶

(۶) اذان دیتے وقت کانوں پر انگلیاں رکھ دے۔

(۷) مؤذن طہارت کی حالت میں ہو۔ اگر صرف بے وضو ہو تو اذان جائز ہے اور اگر جنبی ہو تو اذان مکروہ اور واجب الاعادہ ہے۔

(۸) کھڑے ہو کر اذان دے تاہم بیٹھ کر اذان دینا بھی کافی ہے اگرچہ بلا عذر ایسا کرنا مناسب نہیں۔ سواری پر سوار مسافر کے لیے سواری پر بیٹھ کر اذان دینا جائز ہے۔

(۹) جو شخص اذان دے وہی اقامت بھی کرلے تاہم اگر وہ غائب ہو یا اس کو ناگواری نہ ہو تو کوئی اور شخص بھی اقامت کر سکتا ہے۔

(۱۰) مؤذن بلند آواز ہونے کے ساتھ خوش آواز بھی ہو اور معاشرے میں اتنے وقار اور رعب کا حامل ہو کہ لوگوں کو جماعت سے غیر حاضری پر ٹوک سکے۔

(۱۱) اذان واقامت سے اس کا مقصود اللہ کی رضا ہو، اجرت یا کوئی اور منفعت اس کا مقصود و مطمحِ نظر نہ ہو۔(۱)

جن لوگوں کی اذان واقامت مکروہ اور قابل اعادہ ہے:

پانچ افراد ایسے ہیں جن کی اذان واقامت مکروہ ہے، لہٰذا ان کا اعادہ کیا جائے گا: (۱) ناسمجھ اور غیر ممیز بچہ (۲) عورت (۳) جنبی شخص، یعنی جس پر غسل واجب ہو اس کی آذان کا اعادہ کیا جائے گا، لیکن اقامت کا اعادہ نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ اقامت کا اعادہ غیر مشروع ہے۔ (۴) مجنون (۵) نشئی شخص

بیٹھ کر یا سواری پر سوار ہو کر یا بے وضو ہو کر اذان واقامت کرنا اگرچہ مناسب نہیں لیکن اعادے کی ضرورت بھی نہیں۔

اگر اذان واقامت کے دوران کوئی شخص بے ہوش ہو جائے یا اس کا انتقال ہو جائے یا بے وضو ہو کر دوبارہ وضو کے لیے چلا جائے یا کسی اور وجہ سے اذان واقامت کے قابل نہ رہے تو کوئی اور شخص از سرِ نو اذان دے دے۔(۲)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الأذان، فصل في ما يرجع إلى صفات المؤذن: ۱/۶۴۵-۶۵۰، الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن: ۱/۵۳، ۵۴

(۲) خلاصة الفتاوى، كتاب الصلوة، الفصل الأول في الأذان: ۱/۴۸، ۴۹، الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن: ۱/۵۴، ۵۵

اذان واقامت کن نمازوں کے لیے دی جائے گی؟

حنفیہ کے ہاں اذان واقامت کے سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز چاہے وہ ادا ہو یا قضا، جماعت کے ساتھ ہو یا بلا جماعت اس کے لیے اذان اور اقامت دی جائے گی، البتہ جس جگہ جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہو وہاں پر ظہر کی نماز کے لیے اذان واقامت مکروہ ہے۔

مذکورہ قاعدے کی رو سے قضا شدہ نمازوں میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ اذان اور اقامت دی جائے گی، البتہ اگر ایک ہی مجلس میں متعدد نمازوں کی قضا ہو رہی ہو تو یہ اختیار موجود ہے کہ اذان تو ایک ہی دی جائے اور اقامت الگ الگ کی جائے۔ مذکورہ حکم میں سفر وحضر اور جماعت وغیر جماعت سب برابر ہیں۔

اسی قاعدے کی رو سے سنن، وتر، نوافل، تراویح، عیدین، نذر، جنازہ، استسقا، چاشت، اشراق، خوف، خسوف اور کسوف وغیرہ کی نمازوں کے لیے اذان واقامت غیر مشروع ہے، اسی طرح عورتوں، بچوں اور غلاموں کی جماعت میں بھی اذان واقامت مشروع نہیں اس لیے کہ ان کی انفرادی جماعت ہی غیر مستحب ہے۔(۱)

اذان کا مسنون طریقہ:

بہتر یہ ہے کہ اذان مسجد سے باہر کسی اونچی جگہ دی جائے جس سے تمام محلّہ والوں کو آواز پہنچ سکے۔ قبلہ کی طرف رخ کر کے مشقت اور تکلف کے بغیر اونچی آواز میں اذان دینا مسنون ہے۔ حیّ علی الصلوۃ کے وقت دائیں جانب اور حیّ علی الفلاح کے وقت بائیں جانب صرف چہرہ گھمائے گا، تاہم اگر اذان خانہ کی نوعیت ایسی ہو کہ آواز باہر کی سمت پھیلانے کے لیے اپنی جگہ سے ہٹنا پڑے تو پاؤں کا رخ بدلنا بھی جائز ہے یعنی استقبال کے بغیر بھی اذان دینا جائز ہے، اگر چہ بلا عذر اس میں کراہت موجود ہے۔(۲) لاؤڈ سپیکر پر اذان دینے کا مقصد دور تک آواز کی رسائی ہے، لہٰذا اس کے لیے مسجد سے نکلنے کی بجائے مسجد کے اندر نصب لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینے میں کوئی حرج نہیں۔

اذان کی بدعات:

قبر پر اذان دینا بدعت ہے۔ اسی طرح اذان کے وقت ''أشهد أنّ محمداً رسول الله'' سننے سے دونوں انگوٹھوں کو بوسہ دینا اور آنکھوں سے لگانا بھی مناسب ہے، جو لوگ اس کا ثبوت حضرت ابو بکرؓ سے جوڑتے ہیں اس

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، فصل في بيان محل وجوب الأذان: ۱/ ۶۵۰، ۶۵۱، الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن: ۱/ ۵۳-۵۵

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما: ۱/ ۵۵

روایت سے متعلق علامہ طاہر پٹنی اور ملا علی قاری دونوں نے لکھا ہے ''لا یصح''۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی اس کو موضوع قرار دیا ہے۔علامہ شامیؒ نے بھی بعض اکابر سے اس کی عدمِ صحت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔(۱)

بچے کے کان میں اذان دینا:

نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کے کلمات کہنا مسنون ہے۔آپ ﷺ نے خود حضرت حسنؓ کے کان میں اذان و اقامت کے کلمات کہے ہیں اور اس کا حکم بھی فرمایا ہے۔(۲)

اذان اور اقامت کا جواب:

فقہاے کرام کے ہاں اذان کا جواب دینا دو قسم پر ہے:قول سے جواب دینا اور فعل سے جواب دینا،یعنی نماز باجماعت کے لیے حاضر ہونا۔قول سے اذان کا جواب دینے کے بارے میں احناف کا اختلاف ہے،مگر راجح قول استحباب کا ہے،لہٰذا اذان کے جواب میں کلماتِ اذان ہی کا اعادہ کیا جائے گا،البتہ حيّ علی الصلوۃ اور حيّ علی الفلاح کے جواب میں ''لا حول ولا قوۃ إلا باللہ'' کہا جائے گا اور فجر کی اذان میں ''الصلوۃ خیر من النوم'' کی جگہ ''صدقت و بررت'' کہا جائے گا۔متعدد اذانوں کی صورت میں پہلی اذان کا جواب دینا ضروری ہے،بقیہ کا جواب دینا ضروری نہیں۔اقامت کا جواب حنفیہ کے ہاں مستحب ہے۔اقامت کے جواب میں بھی انہی الفاظ کا اعادہ کیا جائے گا،البتہ ''قد قامت الصلوۃ'' کی جگہ ''أقامها اللہ و أدامها مادامت السموات والأرض'' کہا جائے گا۔

اذان کے فعلی جواب،یعنی سنتے ہی مسجد کی طرف روانہ ہونے کے بارے میں فقہاے کرام کی رائے یہ ہے کہ یہ واجب نہیں۔شمس الائمہ حلوائیؒ فرماتے ہیں کہ:''اگر کوئی شخص پہلے سے مسجد میں ہو تو اس کی موجودگی اور حاضری فعلاً اذان کا جواب ہے''لہٰذا زبان سے جواب دینا اس کے لیے ضروری نہیں۔اذان و اقامت کے دوران باتیں کرنا یا کسی اور چیز میں مشغول ہونا جو اذان کے جواب سے غافل کردے،مناسب نہیں۔اسی طرح اگر کوئی شخص تلاوت کر رہا ہو تو وہ بھی اذان کے دوران تلاوت موقوف کر کے اذان کا جواب دے دے۔جنبی شخص بھی اذان کا جواب دے سکتا ہے۔(۳)

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوۃ،باب الأذان،تتمہ:۲/۶۸،قاموس الفقه،مادة آذان: ۲/۶۹،۷۰، المقاصد الحسنة،حرف المیم،رقم(۱۰۱۹)،ص: ۴۴۰،۴۴۱، الموضوعات الکبریٰ،رقم(۸۲۹) ص:۲۱۰

(۲) السنن الکبری للبیهقي،باب ماجاء فی التاذین فی اذان الصبی حین یولد،رقم(۱۹۸۴۶):۱۴/۲۶۴

(۳) الفتاوی الهندية،الباب الثاني،الفصل الثاني:۱/۵۷،مراقي الفلاح مع الطحطاوي، الصلوة،الأذان،ص: ۱۵۶، بدائع الصنائع کتاب الصلوة فصل في مایجب علی السامعین ۱/۶۶۰،خلاصة الفتاوی، کتاب الصلوة،باب الأذان:۱/ ۵۰

بابُ الأذان والإقامة

"اللّٰہ أکبر" کی ''را'' پر صحیح اعراب

سوال نمبر(15):

اذان میں لفظ اللہ اکبر کی 'را' پر درست اعراب کیا ہے؟ فصل ووصل دونوں صورتوں کی نشاندہی فرما کر مشکور فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اذان کے دوران اللہ اکبر کی 'را' پر اعراب میں دو طرح کے اقوال ہیں، بعض ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور بعض اس کو فتحہ کے ساتھ پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں، جب کہ بعض حضرات ساکن پڑھنے کے بھی قائل ہیں، لیکن یہ اقوال وصل کی صورت میں ہیں، فصل کی صورت میں سکون ہی افضل ہے۔ علامہ شامیؒ ان تمام صورتوں کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: ''اذان کے اللہ اکبر ثانی کی 'را' ساکن کرکے پڑھی جائے گی، ضمہ کے ساتھ اس کا پڑھنا غلط ہے اور اللہ اکبر اول کی 'را' کو اگر وصلاً پڑھنا ہو تو فتحہ کے ساتھ پڑھے''۔

والدلیل علیٰ ذلك:

وحاصلها أن السنة أن يسكن الراء من الله أكبر الأول، أو يصلها بالله أكبر الثانية، فإن سكنها كفى، وإن وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة، فإن ضمها خالف السنة.(١)

ترجمہ:

حاصل یہ کہ سنت یہ ہے کہ اللہ اکبر اول کی را کو ساکن پڑھے یا اللہ اکبر ثانی کے ساتھ اس کو ملائے۔ پس اگر (فصل کرکے) ساکن پڑھا تو یہ درست ہے۔ اور اگر اس کو اللہ اکبر ثانی کے ساتھ ملائے تو سکون کی نیت کرکے را کو فتحہ کی حرکت دے اور اگر ضمہ کی حرکت دی تو یہ خلاف سنت ہوگا۔

---

(١) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث "الأذان جزم": ٢/٥٢

اذان میں اللہ اکبر کے 'لام' کو زیادہ کھینچنا

سوال نمبر(16):

اذان کے دوران اللہ اکبر پڑھتے ہوئے 'لام' پر کتنی مقدار میں مد کرنی چاہیے، عام طور پر اس کو جس قدر کھینچ کر پڑھا جاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام نے لفظ ''اللہ'' کے پڑھنے میں جن تین ممکنہ مدات کا تذکرہ کیا ہے، ان میں لفظ اللہ کے شروع میں ہمزہ پر مد تو بڑے خطرے کی بات ہے۔ آخر میں 'ہا' پر مد کو فحش غلطی اور درمیانے حرف 'لام' پر مد کو صرف مکروہ قرار دیا ہے۔

عام طور پر مؤذنین حضرات 'لام' پر مد کو زیادہ کھینچتے ہیں لیکن بلادِ عرب وعجم کے مقتدر قرا حضرات اُس پر نکیر نہیں فرماتے، اس لیے بھی کہ اس سے فسادِ معنی لازم نہیں آتا۔ نیز قرآنِ پاک کی تلاوت کے علاوہ اور جگہوں میں عربی کلمات اور جملوں میں تجوید کی رعایت نہ کرنے کی گنجائش پائی جاتی ہے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

اعلم أن المد إن كان في "الله" فإمافي أوله، أووسطه، أوآخره، فإن كان في أوله لم يصربه شارعا، وأفسد الصلوة لوفي إثناء ها، ولايكفر إن كان جاهلا؛ لأنه جازم ... وإن كان في وسطه، فإن بالغ حتى حدث ألف ثانية بين اللام والهاء كره قيل: والمختار أنهالاتفسد، وليس ببعيد، وإن كان في آخره فهوخطأولايفسد أيضا.(١)

ترجمہ:

جان لینا چاہیے کہ لفظ ''اللہ'' میں مد یا تو اول میں ہوگی یا درمیان میں یا آخر میں۔ پس اگر اول میں ہو، یعنی ہمزہ پر تو اس کے ساتھ نماز کی ابتداہی درست نہیں اور اگر نماز کے درمیان میں ہو تو نماز فاسد ہوگی اور اگر لاعلمی کی وجہ سے ہو تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا، کیونکہ وہ اللہ کی بڑائی پر یقین رکھتا ہے۔ اور اگر مد لفظ اللہ کے وسط میں ہو

(١) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ١٧٩/٢.

تو اگر اس میں اتنا مبالغہ کرے کہ 'لام' اور 'ہا' کے درمیان دوسرا الف پیدا ہوجائے تو یہ مکروہ ہے۔ کہا گیا ہے کہ فتوی نماز کے عدمِ فساد پر ہے اور یہ کوئی بعید بھی نہیں (کہ معنی برقرار رہے) اور اگر مد آخر میں ہو تو یہ ایک فحش غلطی ہے، لیکن پھر بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

❁❁❁

اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ

سوال نمبر (17):

اذان اور اقامت کے درمیان کتنا وقفہ ضروری ہے، کیا اس حوالے سے تمام نمازوں کا حکم ایک جیسا ہے یا اس میں فرق پایا جاتا ہے؟ نیز اگر کوئی متعین اندازہ شریعت میں مذکور ہو تو ضرور بتائیں؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

مغرب کی نماز کے علاوہ اور نمازوں کے لیے اذان اور اقامت کے درمیان فصل ضروری ہے، تاکہ نماز کے پابند لوگ جماعت میں شریک ہوسکیں اتصال مکروہ ہے، فقہائے کرام نے اس کے لیے باقاعدہ اندازے مقرر کیے ہیں۔ ایک قول میں بیس آیات پڑھنے کی بقدر جب کہ دوسرے قول کے مطابق دو یا چار رکعت نفل نماز پڑھنے کی بقدر وقفہ کرنا چاہیے جس کا حاصل یہی ہے کہ اتنا وقفہ ضرور ہو کہ ایک نمازی کو جماعت کی تیاری کا موقع آسانی کے ساتھ مل سکے، البتہ مغرب کی اذان اور اقامت میں تین آیات یا دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے یا اذان کی دعا پڑھنے کی بقدر وقفہ کرنا درست ہے، زیادہ تاخیر کراہت سے خالی نہیں۔

والدليل علىٰ ذلك:

ويفصل بين الأذان والإقامة مقدار ركعتين، أو أربع، يقرء في كل ركعة نحوامن عشرآيات، والوصل بين الأذان والإقامة مكروه بالاتفاق... .وأماإذاكان في المغرب فالمستحب أن يفصل بينهما... واختلفوا في مقدارالفصل، فعندأبي حنيفةؒ المستحب أن يفصل بينهمابسكتة يسكت قائماساعة، ثم يقيم، ومقدارالسكتة عنده قدرمايتمكن فيه قراءة ثلاث آيات قصار أوآية طويلة، وعندهمايفصل بينهمابجلسة خفيفة مقدار الجلسة بين

الخطبتين، والخلاف فی الأفضلية .(۱)

ترجمہ:

اذان اور اقامت کے درمیان دو یا چار رکعت کی بقدر وقفہ کرے، ایسی رکعتیں جن میں سے ہر رکعت میں دس آیتوں کی بقدر قراءت ہو، البتہ اذان اور اقامت کو ملا دینا بالاتفاق مکروہ ہے۔ اگر مغرب کا وقت ہو تو بھی مستحب یہی ہے کہ فاصلہ رکھے، البتہ اس کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ اس اذان اور اقامت کے درمیان ایک ساعت (لحہ) خاموش کھڑا رہ کر وقفہ کرے، پھر اقامت کرے۔ اور اس ایک لحہ کی مقدار آپؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اس میں تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھی جا سکے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اتنا وقفہ رکھے جتنی دیر دو خطبوں کے درمیان بیٹھ کر وقفہ کیا جاتا ہے، لیکن یہ مذکورہ اختلاف افضلیت میں ہے۔

❁❁❁

جمعہ کی دونوں اذانوں میں وقفہ کی مقدار

سوال نمبر(18):

جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان کتنا وقفہ رکھنا ضروری ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جمعہ کی اذانِ اول اور اذانِ ثانی کے درمیان وقفے کی تحدید کے حوالے سے کوئی تصریح معلوم نہ ہو سکی، البتہ اذانِ ثانی جو خلیفہ ثالث سیدنا حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں شروع ہوئی، اس کے اغراض ومقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دونوں اذانوں میں اتنا وقفہ کرنا چاہیے کہ اذانِ اول سن کر لوگ جمعہ کی تیاری کر کے اذان ثانی سے پہلے مسجد میں پہنچ جائیں، تاہم اذان اول کو بھی زوال کے بعد زیادہ مؤخر نہیں کرنا چاہئے۔ اور پھر دونوں اذانوں کے درمیان وقفے کو نصف گھنٹے سے زیادہ طول نہیں دینا چاہیے کہ یہ وقفہ دراصل اطلاع اور تیاری کے لیے کافی ہے۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الاذان: ١/٥٦، ٥٧.

والدلیل علیٰ ذلك:

وفي شرح البخاري للعلامة العيني: فأحدث عثمان رضي الله عنه التأذينة الثالثة على الزوراء ليجتمع الناس.(١)

ترجمہ: اور علامہ عینیؒ اس بابت فرماتے ہیں کہ: ''حضرت عثمان غنیؓ نے زوراء مقام پر تیسری اذان (اذانِ اول کو تیسری اذان کہنا اس وجہ سے ہے کہ ایک اذانِ ثانی، دوسری اقامت اور تیسری یہ اذان) شروع کرائی، تاکہ لوگ (نماز جمعہ کے لیے بروقت) اکٹھے ہو جائیں''۔

وفي فتح الباري:

فأذن بالزوراء قبل خروجه ؛ ليعلم الناس أن الجمعة قد حضرت.(٢)

ترجمہ: اور علامہ ابن حجرؒ فتح الباری میں یوں رقم طراز ہیں کہ: ''آپؓ (حضرت عثمانؓ) نے اپنے نکلنے سے پہلے زوراء پر اذان دلوائی، تاکہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ جمعہ کا وقت ہو چکا ہے''۔

❁❁❁

نومولود بچے کی کان میں اذان واقامت

سوال نمبر(19):

نومولود بچے کے کان میں اذان واقامت کہاں سے ثابت ہے؟ اور اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کا تذکرہ احادیثِ نبویہ میں موجود ہے، اس لیے یہ عمل مسنون ہے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

عن عبيدالله بن أبي رافع عن أبيه قال رأيت رسول الله ﷺ أذّن في أذن الحسن بن علي حين

(١)العيني،بدر الدين،عمدة القاري،باب الأذان يوم الجمعة:٦/٢١١

(٢)فتح الباري، كتاب الجمعة،باب الأذان يوم الجمعة:٣/٥٥.

ولدته فاطمة بالصلوٰة. (۱)

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب حضرت فاطمہ کے بطن سے حضرت حسن بن علی کی ولادت ہوئی تو آپ ﷺ نے اُس کے دائیں کان میں نماز کی اذان کی طرح اذان دی''۔

عن حسین قال قال رسول الله ﷺ: "من ولد له، فأذن في أذنه اليمنیٰ وأقام في أذنه اليسریٰ لم يضره أم الصبيان". (۲)

ترجمہ: حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ: ''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جس شخص کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا اور اس نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی تو اس بچے کو ام الصبیان کی بیماری ضرر نہیں دے گی''۔

❁❁❁

جمعہ کے اذانِ ثانی کا جواب دینا

سوال نمبر(20):

جمعہ کے دن خطیب صاحب جب منبر پر بیٹھ جائے اور اس کے سامنے اذانِ ثانی دی جارہی ہو تو اس کا جواب دینا شرعاً کیسا ہے؟ نیز دورانِ خطبہ درود وسلام پڑھنے کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب خطیب صاحب خطبہ دینے کے لیے تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ جائے تو احادیث کی رو سے اس کی طرف متوجہ ہو کر ہر قول وفعل ترک کرنا ضروری ہے۔ خطیب کی طرف توجہ میں مخل بننے والے کسی بھی کام کی گنجائش نہیں، اس لیے جمعہ کے دن اذانِ ثانی کا جواب دینا یا دورانِ خطبہ درود وسلام زبان سے کہنا درست نہیں، البتہ اگر دل ہی میں جواب دیا جائے تو صرف جائز نہیں، بلکہ بہتر ہے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

وينبغي أن لايجيب بلسانه اتفاقا في الأذان بين يدي الخطيب.(۲)

---

(۱) سنن أبي داؤد،الأدب،الصبي يولد فيؤذن في أذنه:۲/۳۵۵

(۲)مسندأبي يعلى الموصلي،مسندالحسين بن علي: ۶/۳۲دارالكتب العلمية بيروت لبنان

(۳)الدر المحتار، كتاب الصلاة،باب في المولود يؤذن في أذنه:۲/۷۰

ترجمہ:

اور مناسب یہ ہے کہ اذانِ ثانی کا جواب زبان سے نہ دیا جائے۔

وقال العلامہ الکاسانیؒ: وروي عن أبي يوسفؒ أنه ينبغي أن يصلي على النبي ﷺ في نفسه عند سماع اسمه ؛لأن ذلك ممالايشغله عن سماع الخطبة، فكان إحراز الفضيلتين أحق. (۱)

ترجمہ:

اور علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ: '' امام ابویوسفؒ سے مروی ہے کہ: ''نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی سنے تو مناسب ہے کہ دل میں آپ ﷺ پر درود شریف بھیجے، کیونکہ یہ خطبہ سننے سے مشغول کرنے والی چیز نہیں، پس دونوں فضیلتوں (یعنی خطبہ کے دوران خاموش رہنے اور نبی ﷺ پر درود بھیجنے) کا جمع کرنا زیادہ مناسب ہے۔

❁❁❁

خواجہ سرا کی اذان

سوال نمبر (21):

خواجہ سرا (ہیجڑا) کی اذان کے بارے میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں، کیا ایسے شخص کی اذان درست ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نماز جیسی اہم ترین عبادت اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہونے کے لیے اذان رب کائنات کی طرف سے ایک بلاوا اور پکار ہے۔اسی اہمیت کے پیش نظر اذان کا یہ اہم فریضہ ایسے شخص کو انجام دینا چاہیے جو پرہیزگار، سنجیدہ، بارعب اور پروقار شخصیت کا مالک ہو۔یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے بچوں، عورتوں اور دیگر فساق وفجار کے ساتھ ساتھ خنثیٰ مشکل (خواجہ سرا) کی اذان کو بھی مکروہ لکھا ہے،لہٰذا ہیجڑے کی بجائے کسی باوقار اور متقی شخص سے اذان کرائی جائے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(ويكره أذان جنب، وإقامته، وإقامة محدث لاأذانه و)اذان (امرأة) و(خنثى)

---

(۱)بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ،فصل في صلاۃ الجمعۃ:۲/۲۰۱

و(فاسق).(۱)

ترجمہ: جنبی شخص کی اذان واقامت دونوں مکروہ ہیں اور بے وضو شخص کی اقامت مکروہ ہے، نہ کہ اذان۔اور عورت، خنثیٰ اور فاسق کی اذان بھی مکروہ ہے۔

❁❁❁

جماعتِ ثانیہ کے لیے اقامت

سوال نمبر (22):

جماعتِ ثانیہ کے لیے اقامت کرنا کیسا ہے؟ جماعتِ ثانیہ کی کن صورتوں میں اقامت افضل ہے، اور کن صورتوں میں ترک افضل ہے؟

بينوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

جس مسجد میں امام اور مؤذن معین نہ ہوں یا جو مسجد راستہ کی ہو یا محلّہ کی مسجد میں غیر اہلِ محلّہ نے نماز پڑھی ہو یا محلّہ کی مسجد میں اہلِ محلّہ نے ہی بغیر اذان کے نماز پڑھی ہو تو ان صورتوں میں جماعتِ ثانیہ کے لیے اذان واقامت افضل ہے۔دوسری طرف اگر شہر یا دیہات کی ایسی مسجد ہو جس کا امام اور مؤذن متعین ہو، باقاعدہ اذان دے کر اس میں نماز پڑھی گئی ہو تو اس میں اذان اور اقامت کا تکرار صحیح نہیں، البتہ اگر مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز پڑھنی ہو تو اذان واقامت بہتر ہے، اگر نہ دی جائے تو محلّہ کی مسجد کی اذان واقامت پر اکتفا کرنا بلا کراہت درست ہے، لیکن مسافر کے لیے شہر یا بستی سے باہر اذان واقامت کا چھوڑنا مکروہ ہے۔

والدليل علىٰ ذلك:

يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة إلاإذا صلي بهما فيه أولاً غيرأهله، أوأهله لكن بمخافتة الأذان، ولو كرر أهله بدونهما، أو كان في مسجد طريق جاز إجماعا، كمافي مسجد ليس له إمام ولامؤذن، ويصلي الناس فيه فوجا فوجا، فإن الأفضل أن يصلي كل فريق بأذان وإقامة على حدة.(۲)

(۱) الدر المختار، كتاب الصلاة،باب االأذان:۲/ ٦٠

(۲) ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب في تكرارالجماعة:۲/ ۲۸۸

وفي الدرالمختار: (وكره تركهما)معا(لمسافرٍ)ولو منفردا...(بخلاف مصل) ولو بجماعة (في بيته بمصر) أوقرية لها مسجد، فلايكره تركهما إذ أذان الحي يكفيه.(١)

ترجمہ:

محلہ کی مسجد میں اذان واقامت کے ساتھ جماعت کا تکرار مکروہ ہے،البتہ اگر اہلِ محلہ کے علاوہ کوئی اذان و اقامت کرکے پہلے نماز پڑھ لے یا اہلِ محلہ خفیۃً (غیر اعلانیہ) اذان دے کر نماز پڑھ لیں (تو دوبارہ اذان واقامت مکروہ نہیں) اور اگر اہلِ محلہ نے اذان اور اقامت کے بغیر تکرارِ جماعت کیا یا راستے کی مسجد تھی تو تکرار بالاجماع جائز ہے، جیسا کہ کسی مسجد کا امام اور مؤذن نہ ہو اور لوگ گروہ درگروہ اس میں آکر نماز پڑھتے ہوں تو افضل یہ ہے کہ ہر گروہ علیحدہ علیحدہ اذان اور اقامت کرکے باجماعت نماز پڑھ لے۔

اور مسافر کے لیے اذان اور اقامت کا ترک کرنا بہرحال مکروہ ہے، اگرچہ وہ اکیلا ہو، بخلاف اس نمازی کے جو شہر یا ایسے گاؤں میں ہو جس میں مسجد ہو، وہ اگر گھر میں باجماعت بھی نماز پڑھے تو اس کے لیے اذان واقامت کا ترک کرنا مکروہ نہیں، کیونکہ محلے کی مسجد کی اذان اس کے لیے کافی ہے۔اور یا وہ مسجد میں باجماعت نماز کے بعد نماز پڑھتا ہو تو اس کے لیے بھی اذان واقامت کا ترک کرنا مکروہ نہیں۔

❁❁❁

مسنون ڈاڑھی نہ رکھنے والے کی اذان

سوال نمبر(23):

اگر اذان کا وقت ہو چکا ہو، اور نماز کا وقت بھی قریب ہو، لیکن مسجد میں کوئی متشرع شخص موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں ایک ایسا شخص جو داڑھی منڈواتا ہو، اذان دے سکتا ہے یا نہیں؟ کیا اس اذان کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اذان واقامت نماز جیسی اہم عبادت کا حصہ ہیں۔اس کی اہمیت اور فضیلت اپنی جگہ مسلم ہے۔جس کے پیشِ نظر اذان واقامت کے فرائض انجام دینے والے شخص کا متشرع اور دین دار ہونا ضروری ہے، لیکن اگر کہیں ڈاڑھی

(١) الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الأذان:٢/٦٣

منڈے شخص نے اذان دی یا اقامت کہی تو یہ مکروہ ہے، تاہم اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، البتہ کسی دین دار شخص کا انتخاب بہتر ہے، لیکن ایسے افراد کو موقع دے کر ان کی اصلاح کی بھی کوشش کرنی چاہیے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

وينبغي أن يكون المؤذن رجلاعاقلاصالحاتقياعالمابالسنة ... ويكره أذان الفاسق ولايعاد.(١)

ترجمہ:

اور چاہیے کہ مؤذن عاقل، نیک، متقی اور اذان کے احکام سے واقف ہو......اور فاسق کی اذان مکروہ ہے، البتہ اس کا اعادہ ضروری نہیں۔

❁❁❁

وقت سے پہلے دی گئی اذان کا اعادہ

سوال نمبر(24):

وقت کے داخل ہونے سے پہلے اگر اذان دی جائے تو اس کے اعادے کا کیا حکم ہے ؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ اذان دینا کسی بھی فرض نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد سنت ہے، اگر وقت سے پہلے اذان دی گئی تو اس کا اعادہ سنت کی بجائے واجب رہے گا۔

والدلیل علیٰ ذلك:

(فيعادأذان وقع) بعضه (قبله) في ردالمحتار: وكذا كله بالأولىٰ (كالإقامة خلافا للثاني في الفجر). وفي رد المحتار: أنّ أبا يوسف يجوّز الأذان قبل الفجر بعد نصف الليل.(٢)

---

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، باب االأذان، الفصل االأول:١/٥٣، ٥٤.

(٢)الدر المحتار، كتاب الصلاة، باب االأذان:٢/٥٠

ترجمہ:

اگر وقت سے پہلے اذان کے کچھ الفاظ کہے تو اس (اذان) کا اعادہ کیا جائے گا، اس طرح اگر پوری اذان وقت سے پہلے دی جائے، تو بطریق اولیٰ اس کا اعادہ واجب رہے گا، اقامت کی طرح۔ ہاں اگر فجر کی اذان وقت سے پہلے دی گئی، تو اس کا اعادہ امام ابو یوسفؒ کے ہاں واجب نہیں، اس لیے کہ ان کے نزدیک فجر کی اذان آدھی رات کے بعد جائز ہے۔

❁❁❁

مشکلات میں سورۂ یٰسین کے ہر ''مبین'' پر اجتماعی اذانیں

سوال نمبر(25):

ہمارے علاقے میں بعض لوگ سورہ یٰسین کا ختم کچھ اس طرز پر کرتے ہیں کہ جب لفظ مبین پر پہنچتے ہیں تو مکان یا مسجد کے چاروں کونوں میں کھڑے آدمی اجتماعی طور پر اذان دینا شروع کردیتے ہیں، اس طرح ہر لفظ مبین پر کرتے ہیں تو کیا کسی مشکل وقت میں سورۂ یٰسین کا یہ وظیفہ ادا کرتے ہوئے اذانیں دینے کا یہ طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فرض نمازوں کے علاوہ جن مواقع پر اذان دینے کو فقہائے کرام نے مستحب لکھا ہے، ان میں یہ بھی ہے کہ کسی مشکل وقت اور نامساعد حالات میں اگر اذان دی جائے تو مشکل حل ہو جاتی ہے، لیکن سورۂ یٰسین کے وظیفہ کے ساتھ اذانیں دینے کا یہ مذکورہ طریقہ احادیث اور فقہ کی کتب میں کہیں مذکور نہیں، البتہ تجربے کا معاملہ الگ ہے جس کو بنیاد بنا کر کسی کام کو دین کا حصہ نہیں بنایا جا سکتا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قال الرملي: أي الصلوات الخمس، فلايسن للمنذورة. ورأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلوة، كمافي أُذن المولود، والمهموم، والمفزوع، والغضبان، ومن ساء خلقه من إنسان، أوبهيمة، وعند مزدحم الجيش، وعندالحريق، وقيل: عند إنزال الميت القبرقياسا على أول خروجه

للدنیا... وعندتغول الغیلان أي عند تمرد الجن لخبرصحیح فیه. أقول: ولابعد فیه عندنا.(۱)

ترجمہ:

علامہ خیرالدین الرملیؒ فرماتے ہیں کہ:''اذان نماز پنجگانہ کے لیے سنت ہے۔پس منذورنمازوں کے لیے سنت نہیں۔(اورفرماتے ہیں کہ) میں نے شوافع کی کتابوں میں دیکھا کہ نماز کے علاوہ بھی اذان دینا سنت ہے۔مثال کے طور پر نومولود بچے،پریشان حال،خوفزدہ،غضب ناک شخص اورانسان یاجانور کی حالت اگرغیر ہوجائے تو ان کے کان میں اذان دینا،اسی طرح لشکر کے ٹکراؤ کے وقت اور بادل کی گرج چمک کے وقت۔اور کہا گیا ہے کہ میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کی ولادت پرقیاس کرتے ہوئے...... جنات کی سرکشی کے وقت بھی اذان دینی سنت ہے۔علامہ رملی فرماتے ہیں کہ:''ہمارے ہاں بھی اس میں کوئی اشکال نہیں''۔

❁❁❁

سودخور کی اذان

سوال نمبر(26):

سودی کاروبار کرنے والے شخص کی اذان کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس کا اعادہ ضروری ہے یا کسی نہ کسی درجے میں اس کی اذان جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

بلاشبہ سود کا کاروبار شرعاً حرام اور ناجائز ہے۔جو شخص اس کا مرتکب ہو،نہ اس سے توبہ کرتا ہو اور نہ جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہو تو یہ شخص فاسق شمار ہوگا،لہٰذا مستقل طور پر ایسے شخص کو اذان اور اقامت کی ذمہ داری سونپ دینا مکروہ ہے،البتہ کبھی کبھار اذان دینے یا اقامت کہنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا،اور نہ ہی اس کا اعادہ ضروری ہے۔

---

(۱)منحة الخالق على البحرالرائق،باب الأذان،قوله:(وحرج بالفرائض):۱/٤٤٥

والدلیل علیٰ ذلک:

ویکره أذان الفاسق، ولا یعاد، کذافي الذخیرة .(۱)

ترجمہ: فاسق کی اذان مکروہ ہے، لیکن اس کا اعادہ نہیں کیا جائے گا، اسی طرح ذخیرہ میں ہے۔

❁❁❁

مسجد کے احاطے میں اذان دینا

سوال نمبر (27):

مسجد کے ہال یا صحن میں اذان دینے کا کیا حکم ہے؟ نیز اگر لاؤڈ اسپیکر سے مسجد کے احاطہ میں اذان دی جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مسجد کے احاطے میں اذان دینے کو فقہائے کرام نے مکروہ لکھا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان سے مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جماعت کی اطلاع دینا ہے اور یہ مقصد اُسی وقت بطریقہ احسن پورا ہوگا جب مسجد سے باہر کسی اونچی جگہ پر کھلی فضا میں اذان دی جائے، البتہ عصرِ حاضر میں چونکہ لاؤڈ اسپیکر میں اذان دینے کا معمول ہو چکا ہے اور لاؤڈ اسپیکر سے اذان خواہ اونچی جگہ سے ہو یا نیچی جگہ سے، بند جگہ پر ہو یا کھلی فضا میں؛ بہر حال آواز دور تک پہنچ جاتی ہے، اس لیے لاؤڈ اسپیکر سے مسجد کے اندر اذان دینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قال ابن سعد بالسند إلی أم زیدِ بن ثابتٍ رضي اللّٰه عنه : کان بیتي أطول بیت حول المسجد فکان بلال یؤذن فوقه من أوّل ماأذن إلی أن بنی رسول اللّٰه ﷺ مسجده فکان بعد یؤذن علی ظهر المسجدوقد رفع له شيء فوق ظهره.(۲)

ترجمہ: ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی والدہ سے نقل کیا ہے کہ مسجد کے گرد گھروں میں سے میرا گھر سب سے اونچا تھا، اِس لیے شروع میں جب اذان دی جانے لگی تو بلال رضی اللہ عنہ ہمارے گھر

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، باب الأذان، الفصل الأول: ۱/ ٥٤.

(۲) رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الأذان، ۲/ ٥٤

کے اوپر اذان دیتے تھے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی تعمیر ہوئی، اُس کے بعد مسجد کی چھت پر اذان دی جانے لگی، اور چھت پر کوئی چیز رکھ کر اُس کو مزید بھی اونچا کیا گیا تھا۔

❁❁❁

افطاری کے وقت اذان کا جواب دینا

سوال نمبر(28):

رمضان میں افطاری کے وقت مغرب کی اذان کا جواب اس وقت دینا چاہیے یا افطاری سے فارغ ہو کر اذان کا جواب دینے کی گنجائش ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اذان کا جواب سننے والوں پر واجب ہے، اگرچہ اکثر علمائے کرام نے اس کی تفسیر جواب بالاقدام اور سعی إلی المسجد کے ساتھ کی ہے، تاہم اذان سنتے وقت قرآن پاک کی تلاوت اور دیگر نیک اعمال کو بھی چھوڑ کر اذان کا جواب دینا زیادہ مناسب قرار دیا گیا ہے، اس لیے رمضان میں غروبِ آفتاب کے بعد اذانِ مغرب سے پہلے تھوڑی سی چیز کے ساتھ افطاری کر کے اذان کا جواب دیا جائے، اس طرح افطاری میں تعجیل بھی ہوگی جو مستحب عمل ہے اور اذان کے جواب دینے کا ثواب بھی حاصل ہوگا۔

والدليل علىٰ ذلك:

وتعجيل الإفطار أفضل، ويستحب قبل الصلوة.(۱)

ترجمہ:

افطاری میں تعجیل افضل ہے، مستحب یہ ہے کہ نماز سے قبل افطاری کی جائے۔

وفي الهندية :ويجب على السامعين عندالأذان الإجابة ... ولاينبغي أن يتكلم السامع في خلال الأذان والإقامة، ولايشتغل بقراء ة القرآن،ولابشيء من الأعمال سوى الإجابة.(۲)

(۱)الفتاوى الهندية، كتاب الصوم،الباب الثالث فيما يكره للصائم:۱/ ۲۰۰.

(۲)الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة،باب الأذان،الفصل الثاني:۱/ ۵۷.

ترجمہ:

اذان سننے والوں پراذان کا جواب دیناواجب ہے......اور سننے والے کے لیے اذان واقامت کے دوران باتیں کرنامناسب نہیں، اورنہ ہی اجابتِ اذان کے سواتلاوتِ قرآن یاکسی دوسرے عمل میں مشغول ہونامناسب ہے۔

❁❁❁

اذان میں حضورعلیہ السلام کانام مبارک سننے پردرود شریف پڑھنا

سوال نمبر(29):

اذان واقامت وغیرہ میں أشهد أن محمداً رسول الله کے جواب میں درودشریف کے اضافہ کاکیاحکم ہے؟ کیاشریعت میں اس کاکوئی ثبوت ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

حضور پاک علیہ السلام کے نام مبارک کوسن کردرودشریف پڑھنے کے احکام اوراس کے فضائل احادیث میں موجود ہیں۔اگرکوئی کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعدصلی الله عليه وسلم پڑھےتو یہ بھی درست ہے،لیکن جہاں تک اذان واقامت میں حضورعلیہ السلام کے اسمِ گرامی کوسن کردرود شریف پڑھنے کی بات ہےتو یہ نہ توکہیں منقول ہےاورنہ ہی معمول، بلکہ اس کے برعکس حضور پاک علیہ السلام کاارشادمبارک ہے کہ تم اذان کے جواب میں وہی کلمات کہوجوموذن کہتاہے۔ہاں اگراذان کے بعددرودشریف پڑھی جائےتوعلمائے کرام نے اس کومستحب لکھاہے۔

والدليل علىٰ ذلك:

ويجب على السامعين عندالأذان الإجابة، وهي أن يقول مثل ماقال المؤذن .... ولايشتغل بقراءة القرآن، ولابشيء من الأعمال سوى الإجابة،ولو كان في القراءة، ينبغي أن يقطع و يشتغل بالاستماع والإجابة كذافي البدائع.(۱)

---

(۱)الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،باب الأذان،الفصل الثاني:۱/۵۷.

ترجمہ:

اذان کے وقت سننے والوں پر اذان کا جواب دینا واجب ہے، اور وہ یہ کہ جس طرح مؤذن کہے، اسی طرح سننے والا بھی کہے۔۔۔۔اور اس دوران نہ قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہونا مناسب ہے اور نہ ہی دیگر اعمال میں سوائے جواب دینے کے۔ (بلکہ) اگر پہلے سے تلاوت کررہا ہو تو بھی مناسب ہے کہ تلاوت بند کرکے اذان سنے اور جواب دینے میں مشغول ہو، اسی طرح بدائع الصنائع میں ہے۔

❁❁❁

شہادتین کے وقت انگوٹھے چومنا

سوال نمبر(30):

بعض لوگ اذان واقامت میں أشهد أن محمدًا رسول الله کہتے وقت انگوٹھے چومتے ہیں، یہ کہاں سے ثابت ہے اور اس کا کیا حکم ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اذان واقامت میں تشہد کے وقت انگوٹھے چومنے کے بارے میں بعض روایات پائی جاتی ہیں، لیکن فقہائے کرام اور محدثین حضرات کے نزدیک کوئی روایت بھی ضعف وسقم سے خالی نہیں، لہٰذا ایسی روایات کو بنیاد بنا کر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ دین کا حصہ بنایا جائے، اس خدشہ کے پیش نظر انگوٹھے نہ چومنا ہی بہتر ہے۔

والدليل علىٰ ذلك:

وفي كتاب الفردوس "من قبّل ظفري إبهاميه عندسماع أشهد أنّ محمداً رسول الله في الأذان أناقائده ومدخله في صفوف الجنة" وتمامه في حواشي البحرللرملي عن المقاصد الحسنة للسخاوي، وذكر ذلك الجراحي وأطال ثم قال: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء.(١)

(١)رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب في تكرار الجماعة:٢/٦٨

ترجمہ:

کتاب الفردوس میں ایک روایت ہے کہ جو شخص اذان میں أشهد أن محمداً رسولُ الله کے سننے کے دوران اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخن چوم لے میں اس کو جنت کی طرف لے جاؤں گا، اور جنت کی صفوں میں داخل کردوں گا۔ امام جراحی اس روایت کو آگے تفصیل کے ساتھ ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ کسی مرفوع حدیث میں اس عمل کی تصحیح منقول نہیں۔

❁❁❁

بیع وشرا کی ممانعت جمعہ کی اذانِ اول کے ساتھ ہے یا اذانِ ثانی کے ساتھ؟

سوال نمبر (31):

جمعہ کے دن بیع وشراء سے ممانعت اور جمعہ کی تیاری کا وجوبی حکم اذانِ اول کے ساتھ ہے، یا اذانِ ثانی کے ساتھ؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ حضورﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں جمعہ کے دن بھی ایک ہی اذان ہوا کرتی تھی۔ جب لوگ زیادہ ہوگئے اور آبادی پھیل گئی تو خلیفہ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اذان کے متصل خطبے کا سننا اور پھر جماعت کی نماز پڑھنا لوگوں کے لیے مشکل ہوگیا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ لوگ بھی سستی کا شکار ہوگئے، چنانچہ آپ نے دوسری اذان کا اضافہ کیا جس پر بغیر کسی اختلاف کے صحابہؓ کا اجماع قائم ہوا اور یہی سنت متوارثہ تاحال چلی آرہی ہے جس میں کوئی اشکال نہیں۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اب وہ اذان کون سی ہے جس کے ساتھ حرمتِ بیع وشراء اور سعي إلى الجمعة کا وجوبی حکم متعلق ہے؟ اس میں دونوں قسم کے اقوال مروی ہیں۔ یہ اختلاف اپنی جگہ، لیکن دونوں اذانوں میں سے کسی ایک کا بھی اذان ہونے یا سنت ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا اسی لیے فقہائے کرام اذانِ اول کے ساتھ ہی حرمت بیع وشرا اور سعي إلى الجمعة کا حکم فرماتے ہیں، بشرطیکہ اذانِ اوّل زوال کے بعد وقت کے اندر دی جائے۔ چنانچہ مقتدا اور ائمہ حضرات کو بھی اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ جمعہ کی دونوں اذانوں میں فاصلہ بقدر ضرورت رکھیں، تاکہ ممکنہ حد تک لوگ گناہ سے بچ سکیں۔

والدلیل علیٰ ذلك:

ويجب السعي، وترك البيع بالأذان الأول .(١)

ترجمہ: اذان اول کے ساتھ جمعہ کی تیاری کرنا اور بیع وشراء چھوڑ دینا واجب ہے۔

وفي الهداية :(وإذاأذن المؤذنون الأذان الأول ترك الناس البيع والشراء،وتوجهوا إلى الجمعة) لقوله تعالى "فاسعوا إلىٰ ذكرالله" قوله :الأذان الاول،أراد به الأذان الذي حدث في زمن عثمانؓ،ولم ينكره أحد من المسلمين.(٢)

ترجمہ:

اور ہدایہ میں ہے کہ جب مؤذنین اذانِ اول دے دیں تو لوگ بیع وشراء کو چھوڑ کر جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائیں کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿پس جلدی کرو اللہ کی یاد (جمعہ) کی طرف﴾ محشی لکھتے ہیں کہ اذانِ اول سے مراد وہ اذان ہے جو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں شروع ہوئی اور مسلمانوں میں سے کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی۔

❁❁❁

لنگڑے شخص کا بیٹھ کر اذان دینا

سوال نمبر(32):

ایک شخص بہت اچھی طرح اذان دیتا ہے، باشرع ہونے کے ساتھ ساتھ وہ دیگر اچھی صفات کا بھی مالک ہے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ لنگڑا ہے اور اذان بیٹھ کر دیتا ہے تو کیا ایسے شخص کا بیٹھ کر اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بغیر کسی عذر کے بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے، لہٰذا اگر کبھی کبھار بوجہ معذوری کے بیٹھ کر اذان دی جائے تو جائز ہے۔ ایسے معذور شخص کی اذان اگر چہ درست ہے اور اعادہ کی ضرورت نہیں، لیکن اس کو مستقل مؤذن مقرر کرنا درست نہیں۔

---

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة،الباب السادس عشر في صلاة الجمعة:١/١٤٩

(٢)الهداية، كتاب الصلاة،الباب السادس عشر في صلاة الجمعة:١/١٨١

والدّليل علىٰ ذلك:

وفي البحر: وكره أذان الجنب ... والمرأة، والفاسق، والقاعد، أما القاعد فلترك سنة الأذان من القيام.(۱)

وعلى هامشه: اعلم أن إعادة أذان الجنب والمرأة والمجنون، والسكران، والصبي، والفاجر، والراكب، والقاعد، والماشي، والمنحرف عن القبلة واجبة؛ لأنه غير معتد به وقيل: مستحبة فإنه معتد به إلا أنه ناقص وهو الأصح كما في التمرتاشي.(۲)

ترجمہ:

جنبی......عورت، فاسق اور بیٹھے شخص کی اذان مکروہ ہے...... بیٹھے شخص کی اذان، اذان کی سنت یعنی قیام کے ترک کرنے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

اوراس کے حاشیہ پر یہ تفصیل ہے! جان لینا چاہیے کہ جنبی، عورت، مجنون، بے ہوش، بچے، فاجر، سوار، بیٹھے ہوئے شخص چلنے والے شخص اور جہت قبلہ سے انحراف کرنے والے شخص کی اذان کا اعادہ واجب ہے، کیونکہ یہ اذان خلافِ عادت ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس کا اعادہ مستحب ہے کہ یہ حسبِ عادت ہے، البتہ یہ اذان ناقص ہے اور یہی اصح قول ہے۔ جیسا کہ تمرتاشی میں ہے۔

نابالغ بچے کی اذان

سوال نمبر(33):

بچے کی اذان کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بچہ اگر اذان دے دے تو اس کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

اذان دینے کے لیے موذن کا بالغ ہونا ضروری نہیں، بچہ اگر عاقل اور ممیز ہو تو وہ بھی اذان دے سکتا ہے،

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، ۱/ ٤٥٨

(۲) حاشية منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، ۱/ ٤٦٠

اس کی اذان بغیر کراہت کے درست ہے، البتہ بالغ آدمی کا اذان دینا بہتر ہے۔اور بچہ اگر اتنا چھوٹا ہو کہ وہ اپنے فائدہ اور نقصان کی تمیز نہیں کرسکتا تو اس کی اذان ناجائز ہے، اس کا اعادہ ضروری ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک :

أذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية، ولكن أذان البالغ أفضل، وأذان الصبي الذي لايعقل لايجوز، ويعاد، وكذا المجنون .(١)

ترجمہ:

سمجھدار بچے کی اذان بغیر کسی کراہت کے درست ہے، لیکن بالغ مرد کی اذان (بہرحال) افضل ہے اور ناسمجھ بچے کی اذان جائز نہیں، اس کا اعادہ کیا جائے گا، اس طرح حکم مجنون کی اذان کا بھی ہے۔

❁❁❁

اذان کی دعا

سوال نمبر(34):

اذان کے بعد دعا کی کیا حقیقت ہے؟ دعا کے الفاظ جو عام طور پر پڑھے جاتے ہیں، احادیث سے ثابت ہیں یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اذان کی دعا کے بارے میں بہت سی احادیث اور روایات موجود ہیں جن میں مختلف الفاظ کا تذکرہ کمی بیشی کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

احادیث کی معتبر کتابوں میں یہ دعا منقول ہے: "اللهم رب هذه الدعوة التّامة، والصلوة القائمة، آت محمداً الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاما محموداً الذي وعدتّه" جب کہ امام بیہقیؒ نے "إنك لاتخلف الميعاد" کے الفاظ بھی آخر میں نقل کیے ہیں، اس کے علاوہ دیگر الفاظ مستند حوالہ جات سے ثابت نہیں۔

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، باب الأذان، الفصل الأول: ١/ ٥٤.

والدّلیل علیٰ ذلك:

عن جابر بن عبداللّٰه رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه ﷺ قال : من قال حین یسمع النداء "اللّٰهم رب هذه الدعوة التامة، والصلوة القائمة، آت محمداً الوسیلة، والفضیلة، وابعثه مقاماً محمودا الذي وعدته" حلت له شفاعتي یوم القیمة.(١)

وزادالبیهقي في آخره "إنك لاتخلف المیعاد" وقال ابن حجرؒ في شرح المنهاج وزیادة "والدرجة الرفیعة" وختمه : بـ"یاارحم الراحمین" لاأصل لهما.(٢)

ترجمہ:

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اذان سننے کے بعد جو یہ دعا پڑھے ''اللهم رب هذه الدعوة التامة ....الخ ''اس کو قیامت کے دن میری شفاعت حاصل ہوگی''۔امام بیہقیؒ نے اس دعا کے آخر میں یہ اضافہ کیا ہے ''إنك لاتخلف المیعاد ''اور علامہ ابن حجر شرح منہاج میں لکھتے ہیں کہ: ''والدرجة الرفیعة''اور آخر میں ''یا أرحم الراحمین'' پڑھنا کہیں سے ثابت نہیں۔

الوسیلہ والفضیلة کا مطلب

سوال نمبر(35):

اذان کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے، اس میں ''الوسیلة والفضیلة'' سے کیا مراد ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

شارحینِ حدیث کے نزدیک وسیلہ سے مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعے دربارِ الٰہی میں قرب حاصل کیا جائے اور فضیلہ سے مراد ایک اونچا مرتبہ ہے جو مخلوق میں کسی اور کے لائق نہیں اور ایک قول کے مطابق یہ وسیلہ کی تفسیر ہے۔

(١)صحیح البخاري، کتاب الأذان،باب الأذان عند النداء:١/٨٦.

(٢)رد المحتار، کتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب في تکرار الجماعة:٢/٦٨.

والدلیل علیٰ ذلک:

قال ابن حجرؒ: الوسیلة هي مايتقرب به إلى الكبير، يقال توسلت أي تقربت، وتطلق على المنزلة العلية، ووقع ذلك في حديث عبدالله بن عمرؓ وعند مسلم بلفظ" فإنها منزلة في الجنة لاتنبغي إلا لعبد من عبادالله".(۱)

ترجمہ:

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ وسیلہ وہ چیز ہے جس کے ذریعے کسی بڑے کا قرب حاصل کیا جاتا ہے، کہاجاتا ہے:توسلت (میں نے وسیلہ اختیار کیا) یعنی میں نے تقرب حاصل کیا۔اوراس کا اطلاق جنت کے ایک اونچے درجے پر بھی ہوتا ہے،جیسا کہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر کی روایت کے الفاظ ہیں فإنها منزلة ...الخ،یعنی یہ وسیلہ جنت کاایک اونچادرجہ ہے جواللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کامل واکمل بندے (حضور پاک ﷺ) کے علاوہ کسی اور کے لیے مناسب نہیں۔

❁❁❁

اقامت کے دوران حی علی الفلاح کے ساتھ کھڑا ہونا

سوال نمبر(36):

کیااقامت شروع ہوتے ہی کھڑا ہوناضروری ہے یا تاخیر کی گنجائش ہے۔بعض لوگ ’’حي على الصلوة‘‘ کاانتظار کرتے ہیں۔شریعت کی رُو سے اس کا کیاحکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام نے اقامت سنتے وقت حي على الفلاح پر کھڑے ہونے کومستحب لکھا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اِس سے آگے تاخیر نہ کی جائے، یہ مقصد نہیں کہ اِس سے قبل کھڑا ہونا خلافِ سنت ہے۔آج کل صفوں کے سیدھے ہونے میں جولا پرواہی برتی جاتی ہے،اس کی وجہ سے عملاً اس ادب اور مستحب کوترک کیا جاتا ہے کیونکہ صفوں کی درستگی نہایت مہتم بالشان امر ہے، نبی کریم ﷺ نے اس کواقامتِ صلوۃ سے تعبیر کیا ہے۔ صفوں کی سیدھائی کی اس

(۱)فتح الباري، كتاب الأذان،باب الأذان عند النداء:۲/ ۳۰۰

اہمیت کومدنظر رکھتے ہوئے ،اس ادب کے ترک پرنکیر کرنا مناسب نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(ولها آداب) ترکها لا یوجب إساءة، ولا عتابا کترك سنة الزوائد، لکن فعله أفضل..........

(والقیام) لإمام ومؤتم (حین قیل حي علی الفلاح) .(۱)

ترجمہ: نماز کے چند آداب ہیں جن کا ترک کرنا موجبِ گناہ اور موجب عتاب نہیں، جیسا کہ سننِ زوائد کا ترک کرنا موجبِ عتاب نہیں، لیکن اس کا کرنا بہر حال افضل ہے۔۔۔اور حی علی الفلاح کہتے وقت امام اور مقتدی کا کھڑا ہونا آداب میں سے ہے۔

❀❀❀

کاروباری جگہ پر جماعت کے لیے اذان کا حکم

سوال نمبر(37):

ہماری ایک کاروباری جگہ ہے جس کی تین منزلہ بلڈنگ ہے اس میں ہماری دوکان بھی ہے۔ہم تیسری منزل والے وہاں پر دو نمازیں عصر اور ظہر اور کبھی کبھار مغرب بھی باجماعت ادا کرتے ہیں۔جس میں تیسری منزل کے تمام دوکاندار اور نچلی منزل والے بھی بعض شریک ہوتے ہیں۔جس سے پندرہ بیس آدمیوں کا مجمع ہوجاتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسی جماعت کے لیے اذان دینا ضروری ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ باجماعت فرض نماز کی ادائیگی کے لیے اذان دینا سنت مؤکدہ ہے اور اذان دینے میں مسجد اور دیگر جگہوں کا کوئی فرق نہیں ہے کہ مسجد میں اذان ضروری ہو اور دیگر جگہوں میں نہ ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اس جگہ بھی فرض نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے اذان سنتِ مؤکدہ ہوگی۔ہاں اگر قریبی مسجد میں اذان ہوئی ہو تو اس پر اکتفا کیا جاسکتا ہے۔یہ بھی ملحوظ رہے کہ اگر قریبی مسجد ہو تو پھر باقاعدگی کے ساتھ دفتر وغیرہ میں نماز پڑھنا مناسب نہیں۔

---

(۱) الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/ ۱۷۵، ۱۷۷.

والدلیل علیٰ ذلک:

الأذان سنة لأداء المكتوبات بالجماعة وقيل: أنه واجب والصحيح أنه سنة مؤكدة...

والإقامة مثل الأذان.(۱)

ترجمہ:

اذان کہنا تمام فرض نمازوں کے لیے سنت ہے جو کہ باجماعت پڑھی جائیں۔بعض نے اس کو واجب کہا ہے، لیکن صحیح قول کے مطابق یہ سنت مؤکدہ ہے......اور اقامت اذان کی طرح حکم رکھتی ہے۔

❁❁❁

ایک مسجد میں متعدداذانیں دینا

سوال نمبر(38):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ ایک مسجد میں بیک وقت متعدداذانیں دینا کیسا ہے؟بعض مساجد بڑی ہوتی ہیں۔ ایک اذان لوگوں کی اطلاع کے لیے کافی نہیں ہوتی تو اس صورت میں ایک سے زیادہ اذانیں دینا از روئے شرع کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اذان دینے کا مقصد لوگوں کو نماز کی اطلاع دینا ہے۔اب اگر کسی جگہ لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے ایک اذان کافی ہو تو ایک ہی مسجد میں متعدد طور پر اذان کہنا مکروہ رہے گا، کیونکہ ایک اذان سے مقصد حاصل ہو گیا تو متعدداذانیں دینے کی کوئی ضرورت نہیں رہی، اسی لیے فقہائے کرام نے ایک وقت میں ایک ہی مسجد میں متعدداذانیں دینا مکروہ لکھا ہے، تاہم جہاں کہیں کسی مسجد میں مجمع زیادہ ہو تو ایسے وقت میں بنا برضرورت فقہا نے متعدداذانیں دینا بھی جائز لکھا ہے۔موجودہ دور میں بہتر صورت یہی ہے کہ لاؤڈ سپیکر پر اذان دی جائے کہ تمام لوگوں کو ایک ہی اذان سے اطلاع ہو جائے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

إذا أذن المؤذنون الأذان الأول ترك الناس البيع، ذكر المؤذنين بلفظ الجمع إخراجا للكلام

(۱)الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة،الباب الثاني في الأذان،الفصل الأول في صفته :۵۳/۱

مخرج العادة ؛ لأن المتوارث فيه اجتماعهم لتبلغ أصواتهم إلى أطراف المصر الجامع. ففيه دليل على أنه غير مكروه ؛ لأن المتوارث لايكون مكروها.(۱)

ترجمہ:

مؤذنین حضرات پہلی اذان دیں تو لوگوں کو بیع وشراء ترک کرنا ہوگی۔مصنفؒ نے کلام کو عادت کے موافق ذکر کرنے کے لیے مؤذنین جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے۔کیونکہ ان لوگوں کی یہی عادت چلی آرہی تھی،تاکہ ان کی آوازیں بڑے شہر کے تمام اطراف کے لوگوں تک پہنچ جائیں۔اس میں اس بات کی دلیل پائی جاتی ہے کہ ایک ہی مسجد میں متعدد اذانیں دینا مکروہ نہیں ہے،کیونکہ جو چیز پہلے سے چلی آرہی ہو،وہ مکروہ نہیں ہوتی۔

وأما أذان إثنين معاً، فمنع منه قوم ويقال إن أول من أحدثه بنو أمية وقال الشافعية: لايكره إلا أن حصل من ذلك تهويش كذا في الفتح وغيره وأشارفي رد المحتار إلىٰ جوازه عند الحنفية إذا ادعت إليه الضرورة.(۲)

ترجمہ:

اور دو آدمیوں کا اکھٹے اذان دینا بعض کے نزدیک ممنوع ہے۔ان لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ طریقہ اولا بنوامیہ کی ایجاد ہے اور امام شافعیؒ کا کہنا ہے (کہ دو آدمیوں کا ایک ہی مسجد میں اکھٹے اذان دینا) مکروہ نہیں ہے۔البتہ اس سے اگر اضطراب پیدا ہونے کا خدشہ ہو تو پھر مکروہ ہے۔اسی طرح فتح القدیر وغیرہ میں مذکور ہے،اور ردالمحتار میں احناف کے ہاں ضرورت کے وقت اس کے جواز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

❁❁❁

اقامت کا حق دار کون؟اور اقامت کا جواب

سوال نمبر(39):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اقامت کا زیادہ حق دار کون ہے؟اور کیا اذان کی طرح

---

(۱) ردالمحتار علی درالمختار، کتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في أذان الجوق:۲/۵۷

(۲) العلامة شبيرأحمد العثماني، فتح الملهم شرح صحيح المسلم، باب استحباب اتخاذ المؤذنين للمسجد الواحد : ۶/۲

اقامت کا جواب دینا چاہئے یا دورانِ اقامت خاموش رہنا چاہیے؟

بینواتوجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رو سے وہی شخص اقامت کہنے کا زیادہ مستحق ہے جس نے اذان دی ہو، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت بلالؓ کی بجائے زیاد بن حارث صدائیؓ کو اقامت کہنے کا موقع دے دیا، کیونکہ انہوں نے اذان بھی دی تھی، اس وجہ سے سب سے زیادہ حق دار وہ شخص ہوگا جس نے اذان دی ہو، البتہ اگر مؤذن کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃ اجازت موجود ہو اور وہ کسی اور کی اقامت کہنے سے ناراض نہ ہوتا ہو تو ایسی صورت میں مؤذن کے علاوہ کوئی اور بھی اقامت کر سکتا ہے اور اس میں کوئی کراہت نہ ہوگی۔ اذان کی طرح اقامت کا جواب دینا بھی مستحب ہے۔ جواب میں ان ہی کلماتِ اذان کو دہرایا جائے گا، صرف قدقامت الصلوۃ کی جگہ اقامها اللّٰه و ادامها کہے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

عن زياد بن الحارث الصدائیؓ قال: أمرني رسول الله ﷺ أن أؤذن في صلوة الفجر فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال رسول الله ﷺ إن أخا صداء قد أذّن ومن أذّن فهو يقيم.(۱)

ترجمہ:

زیاد بن الحارث صدائیؓ فرماتے ہیں کہ: ”مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ فجر کی نماز کے لیے اذان دوں۔ میں نے اذان دی تو بلالؓ نے ارادہ کیا کہ وہ اقامت کرے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدائی اذان دے چکا ہے اور جو شخص اذان دے وہی اقامت بھی کرے“۔

وإجابة الإقامة مستحبة هكذا في فتح القدير، وإذا بلغ قوله" قد قامت الصلوة" يقول السامع "أقامها اللّٰه وأدامها مادامت السمٰوات والأرض" وفي سائر الكلمات يجيب كما يجيب في الأذان .(۲)

ترجمہ:

اور اقامت کا جواب دینا مستحب ہے۔ اسی طرح فتح القدیر میں بھی لکھا ہے، اور جب اقامت دینے والا

---

(۱)جامع الترمذی،أبواب الصلوة، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم: ۱/ ۵۰

(۲)الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان: ۱/ ۵۷

قدقامت الصلوٰۃ کہے،تو سامعین جواباً کہیں گے:أقامها الله وأدامها مادامت السموات والأرض باقی تمام کلمات کا جواب اسی طرح دیں گے جس طرح کہ اذان میں جواب دیتے ہیں۔

ومنها: أن من أذن فهو الذي يقيم، وإن أقام غيره، فإن كان يتأذى بذلك يكره؛ لأن اكتساب أذي المسلم مكروه، وإن كان لايتأذى به لا يكره، وقال الشافعي: يكره، تأذي به أولم يتأذ.(۱)

ترجمہ:

ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص اذان کہے، وہی اقامت کا حق دار ہوگا۔اب اگر کسی دوسرے شخص نے اقامت کہی تو اگر اس کی وجہ سے مؤذن کو پریشانی اور تکلیف پہنچتی ہو تو یہ مکروہ ہے۔کیونکہ مسلمان کو تکلیف دینا مکروہ ہے اور اگر اس کو اس سے پریشانی اور تکلیف نہیں پہنچتی تو پھر مکروہ نہ ہوگا،البتہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:’’(اذان ایک کہے اور اقامت دوسرا) یہ مکروہ ہے،خواہ مؤذن کو اس سے تکلیف پہنچے یا نہ پہنچے‘‘۔

❁❁❁

اذان کے بعد متصل سورت پڑھنا

سوال نمبر(40):

بعض لوگوں کی عادت ہے کہ وہ اذان ختم کرکے فوراً تلاوت شروع کرتے ہیں جس سے بسا اوقات تسلسل کا شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اذان ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔کیا ایسی حرکت جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

شریعت کی رُو سے مقررہ الفاظ سے اذان دینا مسنون ہے۔مقررہ الفاظ کے علاوہ کمی بیشی پر التزام کرنا جائز نہیں۔صورتِ مسئولہ میں اذان کے بعد متصل سورت پڑھنا (جیسا کہ بعض علاقوں میں رواج ہے) اگر التزام کے ساتھ ہو تو یہ جائز نہیں۔ایسا نہ ہو کہ لوگ آئندہ جاکر اس کو اذان کا حصہ قرار دے دیں،اس لیے اس سے احتراز ضروری ہے۔

(۱)بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ،فصل فیمایرجع الی صفات المؤذن:۱/۶۴۸

والدلیل علیٰ ذلک:

الأذان خمس عشرة کلمة، وآخره عندنا لا اله إلّا اللّٰه.(١)

ترجمہ:

اذان کل پندرہ کلمات پر مشتمل ہے اور اس کا آخری کلمہ ہمارے نزدیک " لا اله إلا اللّٰه " پڑھنا ہے۔

❁❁❁

اذان میں لفظی غلطی یا کلمات کی تبدیلی سے اعادہ

سوال نمبر (41):

ایک شخص اذان دیتا ہے، لیکن اُس کے الفاظ میں غلطی ہے۔ اذان دینے والے کو مسجد کے امام صاحب اور دیگر بزرگوں نے بہت سمجھایا کہ آپ کی اذان میں غلطیاں ہیں، لیکن وہ نہیں مانتا۔ اس کا کہنا ہے کہ میری اذان ٹھیک ہے۔ اس طرح یہ آدمی باز نہیں آتا، بار بار منع کرنے اور سمجھانے پر انتشار بھی پھیلاتا ہے اور بات کبھی آگے بڑھتی ہے، یہاں تک کہ لڑائی کی نوبت آتی ہے۔ شریعت میں ایسی اذان اور اس مؤذن کی کیا حیثیت ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے اذان صرف اعلان کا نام نہیں، بلکہ اذان عبادت بھی ہے اور مہتم بالشان اسلامی شعار بھی ہے۔ اس کو اس کے آداب کے ساتھ ادا کرنا چاہیے تاکہ اسلامی شان وشوکت برقرار رہے اور سامعین کے قلوب متاثر اور متوجہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اذان کے لیے متقی، پرہیزگار، الفاظِ اذان کو صحیح ادا کرنے والا اور اوقات کی صحیح پہچان کرنے والا شخص مقرر کرنا چاہیے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر کسی شخص کی اذان میں ایسی غلطی ہو کہ وہ اعراب (زبر، زیر، پیش) کی غلطیوں نیز کلماتِ اذان کے تغیر (ردّوبدل) کا مرتکب ہو، تو فقہائے کرامؒ اس طرح کی اذان سننے کو بھی گوارا نہیں کرتے اور جب مؤذن ایسی غلطیوں کا مرتکب ہو تو ایسی اذان کا اعادہ بھی ضروری ہوتا ہے، لہٰذا اذان کے لیے مذکورہ بالا اچھے صفات والے آدمی کو مقرر کرنا چاہیے، تاہم اگر کسی کو اس منصب سے ہٹانے میں انتشار پھیلنے کا اندیشہ ہو تو ایسے مؤذن کو ہٹانے کی بجائے

(١) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في کلمات الأذان: ١/٥٥

عالم کے حوالہ کیا جائے جو اس کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اس کی تربیت واصلاح کرے۔شاید اصلاح سے بہتر مؤذن ثابت ہو۔

والدليل علىٰ ذلك:

وقد صرحوا بأنه لا يحل فيه ...... وأشار إلي أنه لايحل سماع المؤذن إذا لحن كما صرحوا به. (۱)

ترجمہ:

فقہانے تصریح کی ہے کہ اذان میں لحن (اعراب کی غلطی) جائز نہیں۔مصنف نے اِس طرف اشارہ کیا کہ مؤذن جب اذان میں غلطی کرتا ہو تو اِس کے اذان کو سننا بھی جائز نہیں۔جیسا کہ فقہانے تصریح کی ہے۔

فلو كان بعض كلماته غير عربي أوملحونا لاتجب عليه الإجابة في الباقي؛ لأنه حينئذ ليس أذانا مسنونًا. (۲)

ترجمہ:

اگر اذان کے بعض کلمات مؤذن غیر عربی میں پڑھتا ہو، یا اس میں غلطی کر رہا ہو، تو سامع پر باقی اذان کا جواب دینا واجب نہیں اس لیے، کہ اس وقت اذان مسنون نہیں رہتی۔

❁❁❁

اذان کے جواب میں ”أشهد أن محمداً رسول الله“ کی بجائے درود پڑھنا

سوال نمبر(42):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ اگر کوئی شخص اذان میں أشهد أن محمداً رسول الله کا جواب دیے بغیر درود پڑھے،اس نیت سے کہ اس کے بارے میں حدیث آئی ہے اور دوسری جانب اذان کا جواب دینے میں بھی حدیث وارد ہوئی ہے۔اب اگر کسی شخص نے جواب دیے بغیر درود پڑھ لی تو آیا اس کو درود کا ثواب ملے گا یا نہیں؟اس لیے کہ بوقتِ اذان اس کا جواب ضروری ہے،نہ کہ درود پڑھنا۔اس میں خاموش رہنا ہی بہتر ہے،کیونکہ اس وقت کلام پاک کی

---

(۱)البحرالرائق،كتاب الصلوة،باب الأذان،قوله (بلاترجيع):۱/۴۴۶

(۲)رد المحتار علىٰ الدرالمختار،كتاب الصلوة،باب الأذان مطلب فى كراهة تكرار الجماعة في المسجد:۲/۶۶

تلاوت بھی مناسب نہیں۔ برائے مہربانی احادیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں اگر اس وقت درود پڑھنے سے ممانعت آئی ہے تو پھر کیا حکم ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے اذان عبادت بھی ہے اور مہتم بالشان اسلامی شعار بھی ہے، اس لیے فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق آداب اذان میں سے یہ بھی ہے کہ اس کا جواب دیا جائے، اگر چہ اس میں فقہا کرام کا اختلاف ہے کہ اذان کا جواب بالقول واجب ہے یا بالفعل، تاہم راجح یہ ہے کہ اذان کا جواب بالقول مستحب، اور اذان کے منشا کی رعایت کرتے ہوئے نماز باجماعت میں شرکت کے لیے جانا واجب ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کلماتِ اذان کا جواب کس طرح دیا جائے تو احادیث کو سامنے رکھ کر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مؤذن جس طرح کلمات کہے، سننے والا بھی جواب میں اس طرح کلمات کہے گا۔ سوائے حي علی الصلوة اور حي علی الفلاح کے کہ ان کے جواب میں لاحول ولاقوۃ الّا باللہ اور الصلوٰۃ خیرمن النوم کے جواب میں صدقت و بررت کہا جائے گا۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر چہ حضور پاک ﷺ کا نام گرامی مجلس میں اول مرتبہ سننے پر درود پڑھنا واجب ہوتا ہے، لیکن حضرت عمرؓ کی حدیث میں صاف تصریح ہے کہ أشھد أن محمداً رسول اللہ کے جواب میں ان جیسے کلمات سامع بھی کہے گا۔ اس میں لفظ ''محمد'' سننے پر درود پڑھنے کی تصریح نہیں ہے، لہٰذا یہ ان مواضع سے مستثنیٰ ہوگا جہاں پر درود شریف پڑھنا واجب ہوتا ہے، اس لیے حدیث کی منشا کو سامنے رکھ کر أشھد أن محمداً رسول اللہ کے جواب میں ان جیسے کلمات کہنا مستحب ہے۔ باقی دورانِ اذان سننے والا اگر تلاوت کرتا ہو تو فقہائے کرام نے ایسے شخص کے لیے استحباب وادب کے درجہ میں لکھا ہے کہ وہ تلاوت بند کر کے اذان کا جواب دے دے۔ فقہائے کرام کا یہ منع کرنا ممنوع بمعنی حرام نہیں، بلکہ ان کا یہ قول استحباب وادب کی ترغیب پر محمول ہے۔

والدليل علی ذلك:

وفي فتاویٰ قاضیخان : إجابة المؤذن فضیلة، وإن ترکھا لایأثم وأما قوله علیه الصلوة والسلام "من لم یجب الأذان فلاصلوة له (قلت :ذکر معناه في المتن) فمعناه الإجابة بالقدم لا باللسان فقط ......

وفي الهندیة: یجب علی السامعین عند الأذان الإجابة، وهي أن یقول مثل ما قال المؤذن. قال

الطحطاوي: والمعتقد ندب الإجابة بالقول فقط. قلت: فعلم من هذا أن أصحابنا اختلفوا في الإجابة باللسان بين الوجوب والاستحباب، والأقرب إلى الأحاديث ماقاله قاضيخان: وإن كان ظاهر قوله ﷺ " قولوا مثل مايقول المؤذن" يقتضي الحكم بالوجوب، لكنه محمول على الندب لدلائل اخر.(١)

ترجمہ:

فتاوی قاضی خان میں ہے کہ موذن کی اذان کا جواب دینا افضل ہے اور اگر اذان کا جواب نہ دیا تو گناہ گار نہ ہوگا اور نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہ جس کسی نے اذان کا جواب نہیں دیا تو اس کی نماز ہی نہیں ہے۔(میں کہتا ہوں کہ:''اس حدیث کا معنیٰ متن میں بیان کیا گیا ہے'')اس کا معنی بالفعل جواب دینا ہے، نہ کہ صرف زبان کے ساتھ جواب دینا... اور ہندیہ میں مذکور ہے کہ سامعین پر اس کا جواب دینا واجب ہے اور جواب اس کا یہ ہے کہ جو مؤذن کہتا ہو وہی سامع بھی کہے۔علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں کہ:''اذان کا جواب دینا زبان کے ساتھ مستحب ہے''۔ میں یہ کہتا ہوں کہ:''زبان سے اذان کا جواب دینے کے استحباب یا وجوب میں ہمارے علماء کرام کا اختلاف ہے، اور ان میں احادیثِ مبارکہ سے زیادہ قریب قول وہ ہے جو کہ قاضی خان نے کہا ہے، اگر چہ بظاہر تو نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے "قولوا مثل ما يقول المؤذن" جو کہ بظاہر وجوب کا تقاضا کرتا ہے، لیکن ہم اس کو دوسرے دلائل کی بنا پر استحباب پر محمول کرتے ہیں''۔

قوله:(فيقطع قراءة القرآن) الظاهر أن المراد المسارعة للإجابة وعدم القعود لأجل القراءة لإخلال القعود بالسعي الواجبِ وإلا فلا مانع من القراءة ماشياً إلا أن يراد بقطعها ندبا للإجابة باللسان أيضا.(٢)

ترجمہ:

علامہ شامیؒ علامہ حصکفیؒ کے اس قول ''کہ قرأتِ قرآن کو منقطع کرے گا'' کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:''مصنف کی اس عبارت کا ظاہراً مطلب یہ ہے کہ جواب دینے کے لیے جلدی کی جائے اور قرآن پڑھنے کے لیے نہ بیٹھا جائے، کیونکہ تلاوت کے لیے بیٹھنا سعی واجب میں خلل ڈالتا ہے''۔اگر مصنف کی عبارت سے یہ مراد نہ لی جائے تو پھر(جماعت کے لیے) جاتے ہوئے قرآن پڑھنے سے کوئی مانع نہیں، البتہ یہ کہ مصنف کے قول سے یہ مراد لی جائے کہ زبان سے بھی اذان کا جواب دینے کے لیے قرآن پڑھنا استحباباً بند کردے۔

---

(١)علامة ظفرأحمدعثماني،اعلاء السنن،كتاب الصلوة،باب الإجابة الأذان والإقامة :١٠٩/٢

(٢)رد المحتار علىٰ الدرالمختار،كتاب الصلوة،باب الأذان مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد:٦٨/٢

حالت جنابت یا بغیر وضو کے اذان واقامت

سوال نمبر(43):

اذان واقامت بغیر وضو کے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر اذان یا اقامت بغیر وضو یا جنابت کی حالت میں دی جائے تو ان کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اذان چونکہ شعائرِ اسلام میں سے ایک اہم شعار ہے، اس لیے اس کے منجملہ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ باوضو ہو کر دی جائے، تاہم اگر بغیر وضو کے بھی دی جائے تو جائز ہے، بلکہ ظاہر الروایۃ کے مطابق نہ اس میں کراہت ہے اور نہ اس کا اعادہ ضروری ہے، جیسا کہ بغیر طہارت کے تلاوت کرنے میں کوئی کراہت نہیں، البتہ اقامت میں چونکہ سنت یہ ہے کہ نماز کے شروع ہونے کے ساتھ متصل کی جائے، لہٰذا بغیر وضو کے فصل آنے کی صورت میں یہ فاصلہ لانا مکروہ ہوگا لیکن اقامت میں چونکہ تکرار مشروع نہیں، اس لیے بغیر وضو کے کہنے کی صورت میں اگرچہ کراہت آئے گی، لیکن اس کا اعادہ ضروری نہیں۔

جہاں تک جنابت کی حالت میں اذان کہنا ہے تو ظاہر الروایۃ کے مطابق یہ مکروہ ہو کر وقت کے اندر اس کا اعادہ بھی ضروری ہوگا، تاہم جنابت کی حالت میں اقامت اگرچہ مکروہ ہوگی، لیکن عدم مشروعیتِ تکرار کی وجہ سے اس کا اعادہ ضروری نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

ومنها أن يكون المؤذن على الطهارة ؛لأنه ذكر معظم، فإتيانه مع الطهارة أقرب إلى التعظيم، وإن كان على غير طهارة؛ بأن كان محدثاًيجوز،ولا يكره،حتىٰ لا يعاد في ظاهرالرواية......وجه ظاهرالرواية ماروي أنّ بلالاً رُبما أذّن وهو علىٰ غير وضوء ؛ لأن الحدث لا يمنع من قراء ة القرآن، فاولىٰ أن لايمنع من الأذان،وإن أقام وهو محدث ذكر في الأصل وسوّى بين الأذان والإقامة،فقال: ويجوز الأذان والإقامة علىٰ غير وضوء. وروى أبو يوسفؒ عن أبي حنيفةؒ أنه قال :أكره إقامة المحدث،

والفرق أن السنة وصل الإقامة بالشروع في الصلوٰة، فكان الفصل مكروهاً، بخلاف الأذان: ولا تعاد؛ لأن تكرارها ليس بمشروع بخلاف الأذان، وأما الأذان مع الجنابة فيكره في ظاهر الرواية، حتىٰ يعاد... وكذا الإقامة مع الجنابة تكره، لكنها لا تعاد لما مرّ.(١)

ترجمہ: اور مؤذن کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ ہے کہ موذن پاکی کی حالت میں اذان دے گا، کیونکہ اذان قابل تعظیم ذکر ہے اور اس کو حالت طہارت میں بجالانا اس کی تعظیم کے زیادہ مناسب ہے۔اب اگر کسی نے بے وضو ہوکر اذان دے دی تو جائز ہے اور مکروہ بھی نہیں۔ظاہر الروایہ کے مطابق اس کا اعادہ نہیں کیا جائے گا......اس ظاہر الروایہ قول کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات حضرت بلالؓ بغیر وضو کے اذان فرمایا کرتے تھے، کیونکہ حدث (بے وضو ہونا) قرأتِ قرآن سے مانع نہیں تو اذان دینے سے بدرجہ اولی مانع نہ ہوگا۔اور اگر کسی نے بے وضو اقامت کی تو کتاب الأصل میں اذان و اقامت کے درمیان حکم میں یکسانیت مذکور ہے۔اور کہا ہے کہ:''اذان و اقامت دونوں بغیر وضو کے کہنا جائز ہیں'' حضرت امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ:''میں محدث کی اقامت کو مکروہ سمجھتا ہوں،'' اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ اقامت کو نماز کے شروع کے ساتھ ملانا مسنون ہے، اس لیے ان میں فاصلہ لانا مکروہ ہے، بخلاف اذان کے (کہ اُس میں وصل کا حکم نہیں) اور اقامت کا اعادہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اِس کا تکرار مشروع نہیں بخلاف اذان کے،اور حالت جنابت میں اذان دینا ظاہر الروایہ کے مطابق مکروہ ہے اور اس کا اعادہ کیا جائے گا۔۔۔۔اور اسی طرح جنابت میں اقامت بھی مکروہ ہے،لیکن اس کا اعادہ نہ کیا جائے گا،جیسا کہ گزر چکا ہے۔

❁❁❁

اذان کے وقت انگلیاں کانوں میں رکھنا

سوال نمبر(44):

جب مؤذن اذان دیتا ہے تو دونوں کانوں میں انگلیاں رکھتا ہے۔کانوں میں دورانِ اذان انگلیاں رکھنے کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

بیّنوا تؤجروا

---

(١) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلىٰ صفات المؤذن:١/٦٤٧

الجواب وباللہ التوفیق:

اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں رکھنا مسنون عمل ہے۔ جس کا حضورﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم فرمایا ہے کہ اذان دیتے وقت اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں داخل کرو، کیونکہ اس سے آواز میں تیزی اور بلندی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ دورِ حاضر میں لاؤڈ سپیکر کی وجہ سے اس عمل کے اختیار کرنے کی وجہ مفقود ہے اور بغیر اس کے آواز بلند ہوتی ہے، مگر تواتر کی وجہ سے آج بھی یہی عمل چلا آرہا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بہرا ہونے یا دور ہونے کی وجہ سے اذان کی آواز نہیں سنتا تو وہ مؤذن کی ہیئت (کہ اس نے کانوں میں انگلیاں رکھی ہوں) کو دیکھ کر سمجھ جاتا ہے کہ اذان ہو رہی ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(ویجعل أصبعیه في أذنیه) لقوله ﷺ لبلالؓ " اجعل أصبعیك في أذنیك، فإنه أرفع لصوتك".(۱)

ترجمہ:

(اور دونوں انگلیاں اپنے کانوں کے سراخ میں رکھے گا) کیونکہ حضورﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں رکھو، کیونکہ ایسا کرنے سے آپ کی آواز بلند ہوگی۔

وفیه فائدة أخری وهي ربما لم یسمع إنسان صوته لصمم أو بعد أو غیرهما، فیستدل بأصبعیه علی أذنه.(۲)

ترجمہ:

انگلیاں کانوں میں رکھنے کی صورت میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بسا اوقات اگر کوئی آدمی مؤذن کی آواز نہ سنتا ہو، بہرا ہونے، یا دور ہونے، یا اور کسی وجہ سے تو وہ مؤذن کی اس مخصوص ہیئت کو دیکھ کر یہ اندازہ لگائے گا کہ یہ اذان دے رہا ہے۔

(۱) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الأذان مطلب في أول من بنی المنائر للأذان: ۲/ ۵٤

(۲) البحر الرائق کتاب الصلوة، باب الأذان قوله: (ویجعل إصبعیه في أذنیه): ۱/ ٤٥۳

عشا کی اذان کے فوراً بعد جماعت قائم کرنا

سوال نمبر(45):

ہمارے علاقے میں جون کے آخری ایام میں عشا کا وقت ۹:۱۷ پر داخل ہوتا ہے۔ گاؤں کی اکثر مساجد میں سوا نو بجے سے اذانیں شروع ہو جاتی ہیں۔ ساڑھے نو بجے نماز ادا کی جاتی ہے۔ ایک شخص کا یہ کہنا ہے کہ سوا نو بجے والی اذان چونکہ وقت سے پہلے دی گئی ہے، اس لیے صحیح نہیں ہے۔ اذان وقت کے داخل ہونے کے بعد دی جائے گی۔ کیا مذکورہ شخص کا کہنا درست ہے یا نہیں جب کہ محلہ والے لوگوں کی رائے یہ ہے کہ نو بجکر سترہ منٹ پر اذان دی جائے اور نو بجکر بیس منٹ پر نماز ادا کی جائے جس طرح کہ مغرب کی نماز ادا کی جاتی ہے، کیونکہ ہم تھکے ہوتے ہیں، اور ہم سے اتنا انتظار نہیں ہوتا۔ شریعت صورت مسئولہ میں کیا حکم دیتی ہے؟ ان دونوں صورتوں میں کون سی صورت بہتر ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

صاحبین رحمہما اللہ کے ہاں شفقِ احمر (سرخی) کے بعد عشا کا وقت داخل ہوتا ہے جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں شفقِ احمر (سرخی) کے بعد شفقِ ابیض (سفیدی) کے غروب ہونے کے بعد عشا کا وقت داخل ہوتا ہے۔ ماہرینِ فلکیات کے مطابق شفقِ احمر پندرہ درجے پر غائب ہوتا ہے جب کہ شفقِ ابیض اٹھارہ درجے پر۔ یعنی دونوں کے درمیان تین درجے کا فرق ہے۔ مقامات کے اعتبار سے منٹوں میں یہ فرق تبدیل ہوتا رہتا ہے، تاہم کم از کم بارہ منٹ کا وقت ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ درمیانی وقت مختلف فیہ ہوتا ہے جس میں اگر اذان دی جائے تو جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

نقشوں میں عموماً امام صاحب کے قول کے مطابق وقت درج ہوتا ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں ۹:۱۷ پر اذان کا وقت امام صاحب کے قول پر ہوگا، لہٰذا قولِ صاحبین کے مطابق ۹:۱۵ پر بھی اذان دینا صحیح ہے۔ تاہم بہتر یہی ہے کہ اذان بھی نقشہ کے مطابق دی جائے۔ ہاں بوقتِ ضرورت صاحبینؒ کے مذہب سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اور جہاں تک اذان کے بعد متصل عشا کی نماز پڑھنے کا مسئلہ ہے تو فقہائے کرام مغرب کے علاوہ اوقات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اذان کے بعد اتنا انتظار کیا جائے کہ لوگ آرام و سکون سے وضو کرے جماعت میں حاضر ہو سکیں یا کوئی نفل پڑھنا چاہے تو سکون سے نفل پڑھ سکے اور کوشش کی جائے کہ جماعت میں زیادہ سے زیادہ لوگ شریک ہوں، لہٰذا مذکورہ مقدار کے بقدر اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ ہونا چاہیے۔

والدليل علىٰ ذلك:

قوله"واليه رجع الإ مام " أي إلىٰ قولهما الذي هو رواية عنه ايضاً، وصرح في المجمع بأن عليه الفتوىٰ، وردّه المحقق في الفتح بأنه لا يساعده روايةً ولادراية، و قال تلميذه العلامة قاسم في تصحيح القدوري: إن رجوعه لم يثبت...... وإذا تعارضت الأخبار والأثار فلا يخرج وقت المغرب بالشك كما في الهداية وغيرها. قال العلامة قاسم :فثبت أن قول الإمام هو الأصح،ومشى عليه في البحر مؤيداً له بما قدمناه عنه، من أنه لا يعدل عن قول الإمام إلا لضرورة من ضعف دليل،أو تعامل بخلافه كالمزارعة......
وفي السراج قولهما أوسع وقوله أحوط،والله أعلم.(۱)

ترجمہ: صاحبینؒ کے قول کی طرف امام صاحبؒ نے رجوع کیا ہے۔ یہ قول خود امام صاحب سے بھی منقول ہے اور مجمع میں اس قول کے مفتی بہ ہونے کی تصریح موجود ہے۔ محقق ابن الھمامؒ نے فتح القدیر میں اس کو یہ کہتے ہوئے رد کیا ہے کہ اس قول کی نہ تو روایتاً کوئی تائید پائی جاتی ہے اور نہ ہی درایتاً.....اور آپ کے شاگرد علامہ قاسمؒ نے تصحیح القدوری میں فرمایا ہے کہ امام صاحبؒ کا رجوع ثابت نہیں ہے.....اور جب اخبار و آثار ایک دوسرے کے معارض ہو گئے تو مغرب کا وقت محض شک کی بنا پر (غیابِ شفقِ احمر سے) نہیں نکلے گا۔ جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں بھی ہے۔ علامہ قاسمؒ نے فرمایا کہ امام صاحب کا قول اصح ہے اور اسی کو بحر نے بھی اختیار کیا ہے اُن تائیدات کی بنا پر جو ہم نے پہلے بیان کیں کہ امام صاحب کے قول سے دو وجہوں کے بغیر رجوع نہیں کیا جا سکتا یا تو ضعفِ دلیل کی بنا پر اور یا تعامل الناس کی وجہ سے، جیسا کہ مزارعت کا معاملہ ہے.....اور سراج میں ہے کہ صاحبینؒ کے قول میں وسعت ہے اور امام صاحب کا قول احتیاط پر مبنی ہے۔

وينبغي أن يؤذن في أول الوقت، و يقيم في وسطه، حتى يفرغ المتوضئ من وضوئه، والمصلي من صلاته، والمعتصر من قضاء حاجته. كذا في التاتارخانيه ناقلا عن الحجة.(۲)

ترجمہ: مؤذن کے لیے مناسب ہے کہ اول وقت میں اذان دے دے اور درمیانی وقت میں اقامت کہہ کر جماعت قائم ہو، تا کہ نماز کے لیے وضو کرنے والا وضو کر سکے اور جو نفل وغیرہ میں مشغول ہو وہ نفل پڑھ لے اور جس کو قضائے حاجت کی ضرورت ہو وہ قضائے حاجت سے فراغت حاصل کر سکے۔ اسی طرح تاتارخانیہ میں کتاب الحجہ کے حوالہ سے منقول ہے۔

❁❁❁

(۱)ردالمحتار علی درالمختار، کتاب الصلوة،باب الأذان،مطلب في الصلوة الوسطى:۲/۱۷، ۱۸
(۲)الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة،الباب الثاني في الأذان،الفصل الثاني في كلمات الأذان:۱/۵۷

اذان واقامت میں کلمات بھول جانا

سوال نمبر(46):

اذان واقامت میں اگر کچھ کلمات رہ جائیں تو یہ اذان اور اقامت درست ہے؟ یا اس کا اعادہ ضروری ہوگا؟ وضاحت فرمائیں۔

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اذان واقامت میں کلمات کے درمیان ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر اذان واقامت کرتے ہوئے کوئی کلمہ بھول جائے یا تقدیم وتاخیر ہوجائے تو اختتام سے قبل اس کا ازالہ کرکے آگے ترتیب سے اذان کہنا شروع کرے، البتہ اگر غلطی کا احساس اذان کے بعد ہو اور کوئی بات وغیرہ کی ہو یا اقامت میں غلطی کی صورت میں نماز کی نیت باندھنے کی وجہ سے تدارک ممکن نہ ہو تو پھر اعادہ کی ضرورت نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

دليل كون الترتيب سنة أن النازل من السماء رتّب، وكذا المروي عن مؤذني رسول الله ﷺ أنهما رتّبا، ولأن الترتيب في الصلوٰة فرض، و الأذان شبيه بها؛ فكان الترتيب فيه سنة.(۱)

ترجمہ:

کلماتِ اذان میں ترتیب کا لحاظ رکھنا مسنون ہے۔ اس کی سنیت کی دلیل یہ ہے کہ جو چیز نازل من السماء ہو، وہ ترتیب کے ساتھ ہوا کرتی ہے، اور اسی طرح نبی ﷺ کے دونوں مؤذنوں سے بھی ترتیب کے ساتھ کلماتِ اذان اور اقامت کہنا مروی ہے اور یہ کہ نماز میں ترتیب فرض ہے اور اذان چونکہ نماز کے مشابہ ہے، اس میں ترتیب کا لحاظ رکھنا مسنون ہوگا۔

❁❁❁

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في بيان سنن الأذان: ۱/۶۴۳

دورانِ تلاوت اذان کا جواب دینا

سوال نمبر(47):

اذان کا سننا کس حکم میں ہے،واجب ہے یا سنت؟اگرکوئی شخص دورانِ اذان قرأتِ قرآن میں مشغول ہو تواُسے کیا کرنا چاہیے۔ بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اذان اللہ تعالیٰ کے اذکار میں ایک بہت بڑا ذکر ہے۔اس میں توحیداور رسالت کی شہادت علی الاعلان ہوتی ہے، اِس سے اسلام کی شان وشوکت ظاہر ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اذان دینے کی فضیلت اور ثواب بہت زیادہ ہے۔

اذان کا جواب دینا بھی باعثِ اجر ہے۔فقہاے کرام نے زبان سے جواب دینے کو مستحب قرار دیا ہے،لہٰذا اگرکوئی وعظ یادینی مسائل میں تکرار کررہاہواوراس دوران اذان شروع ہوجائے تو وعظ وتکرار بند کرنا بہتر ہے،اگرچہ جاری رکھنے میں بھی کوئی گناہ نہیں،البتہ دورانِ اذان دنیاوی گفتگو،بحث ومباحثہ سے پرہیز ضروری ہے۔

قرأتِ قرآن اگرتعلیم وتعلم کے لیے ہوتو جاری رکھنے میں کوئی قباحت نہیں،تاہم اگرصرف تلاوت کے لیے ہوتو پھر علماے کرام فرماتے ہیں کہ تلاوت بند کرکے پہلے اذان کا جواب دے،فارغ ہونے کے بعد پھر تلاوت شروع کردے۔

والدلیل علی ذلك:

قلت:فعلم من هذاأن أصحابنا اختلفوا في الاجابة باللسان بين الوجوب والاستحباب،والاقرب الى الأحاديث ماقاله قاضي خان:وان كان ظاهرقوله عليه السلام:"قولوامثل ماقال المؤذن"يقتضي الحكم بالوجوب لكنه محمول على الندب لدلائل اخر.(۱)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ:’’اذان کا جواب جوزبان کے ساتھ دیا جاتا ہےاس میں علماے کرام کااختلاف پایا جاتا ہے اوران میں احادیثِ مبارکہ سے زیادہ قریب بات وہ ہے جوکہ قاضی خان نے کہی ہےاگرچہ بظاہر نبی علیہ السلام کاارشاد مبارک:’’قولوامثل مایقول المؤذن ‘‘وجوب کا تقاضا کررہاہے،لیکن ہم اس کودوسرے دلائل کی بناپراستحباب پرمحمول کرتے ہیں۔

(۱)علامہ ظفرعثمانی،اعلاء السنن،کتاب الصلوٰۃ،باب اجابة الاذان والاقامة:۲/ ۱۰۹دارالکتب العلمیة بیروت لبنان

باب صفة الصلوة وشروطها وأركانها وواجباتها

(نماز کی صفت، شرائط، ارکان، واجبات اور سنن وغیرہ کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

نماز خالق ومخلوق کے مابین رابطے اور تعلق کا بنیادی ذریعہ ہے جس کے ذریعے بندہ اپنے خالق حقیقی اور محسن ومنعم کے ساتھ مناجات وسرگوشی کر کے راز ونیاز کے معاملات طے کرتا ہے۔اتنے عظیم رب کے سامنے کھڑے ہونے کا طریقہ پیغمبر انقلاب حضرت محمد ﷺ نے اپنے قول وفعل سے امت کے سامنے پیش فرمایا ہے جس کے مطابق پڑھی گئی نماز دین کا ستون بن جاتا ہے۔آپ ﷺ کے انہی اقوال وافعال کی تشریح کرتے ہوئے فقہائے کرام نے مختلف اقوال وافعال کے لیے مختلف احکام ذکر کیے ہیں۔جو قول وفعل اس راز ونیاز اور مناجات میں سکون واطمینان، یکسوئی، عاجزی اور محبت کا رنگ بھرنے میں زیادہ دخل انداز ہو وہ قول وفعل اتنا ہی زیادہ اہم شمار کیا گیا اور جس قول وفعل کا ارتکاب شہنشاہ عالم کے دربار کے ساتھ مناسب نہ ہو اس کو مکروہ اور قبیح قرار دیا گیا۔انہی اقوال وافعال کی تعیین اور ان کا حکم بیان کرنے کے لیے فقہائے کرام مذکورہ باب باندھتے ہیں۔

شرط کی لغوی واصطلاحی تعریف:

شرط لغت میں ''ظاہری علامت'' کو کہتے ہیں جب کہ فقہائے کرام کی اصطلاح میں شرط سے مراد وہ چیز ہے جو کسی شے کی حقیقت وماہیت میں داخل تو نہ ہو، لیکن اس شے کا وجود اس پر موقوف ہو۔''مایتوقف علیه الشيء ولایدخل فیه أي خارج عن ماهیته ''لہٰذا شرائطِ نماز سے مراد وہ افعال ہیں جن کی رعایت نماز شروع کرنے سے پہلے ضروری ہوتی ہے اور ان کے بغیر نماز شروع کرنا جائز نہیں۔(۱)

نماز کی شرائط کی تقسیم:

فقہائے کرام کے ہاں شرائطِ صلوۃ ابتداءً دو قسم پر ہیں:

(۱) شرائط وجوب: یعنی جن شرائط کے پائے جانے کے بعد نماز واجب ہو جاتی ہے، یعنی اسلام، عقل اور بلوغ، ان شرائط کی تفصیل کتاب الصلوۃ میں گزر چکی ہے۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب شروط الصلوۃ:۲/۷۳، مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، کتاب الصلوۃ، باب شروط الصلوۃ وأرکانها، ص:۱٦٦

(۲) شرائطِ صحت:

نماز واجب ہونے کے بعد درست طریقے سے اس کو شروع کرنے اور اختتام تک پہنچانے کے لیے جو اشیا ضروری ہیں وہ شرائط صحت کہلاتی ہیں۔ فقہائے کرام نے ان شرائط کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے، تاہم یہ ضروری نہیں کہ ایک شرط صرف ایک ہی قسم میں داخل ہو بلکہ ممکن ہے کہ ایک ہی شرط مختلف اعتبارات سے چاروں قسموں میں داخل ہو۔

(الف) شروطِ انعقاد:

اس سے مراد وہ شرائط ہیں جن پر نماز کا انعقاد موقوف ہو، یعنی ان شرائط پر صرف نماز کا شروع کرنا موقوف ہو۔ یہ شرائط کل پانچ ہیں:

(۱) نیت کرنا (۲) تکبیر تحریمہ (۳) وقت کا داخل ہونا (۴) وقت کے داخل ہونے کا یقین ہونا (۵) جمعہ کے لیے خطبہ کا ہونا

(ب) شروطِ انعقاد ودوام:

یعنی وہ شرائط جن پر نہ صرف نماز کا انعقاد موقوف ہو، بلکہ ان شرائط کا نماز کے آخر تک دوام اور بقا بھی ضروری ہو۔ یہ شرائط کل چار ہیں:

(۱) طہارت (۲) ستر عورت (۳) استقبالِ قبلہ (۴) عصر کی نماز کے علاوہ بقیہ نمازوں کے لیے نماز کے آخر تک وقت کا دوام

(ج) شروطِ بقاء:

اس سے مراد وہ شرائط ہیں جن پر نماز کا انعقاد تو موقوف نہ ہو، لیکن ان کی رعایت نماز کے اندر ضروری ہو تا کہ نماز صحت کی حالت میں باقی رہ کر فاسد ہونے سے محفوظ رہے۔ ان شرائط میں سے بعض وہ ہیں جو حقیقت میں ہیں تو رکن، لیکن ان میں شرطیت کی جہت کو دیکھ کر ان کو شرائط میں سے بھی شمار کیا گیا ہے۔ یہ شرائط کل پانچ ہیں:

(۱) نماز کے تمام ارکان میں قراءت پر قادر ہونا شرط ہے۔ اگرچہ بعض ارکان میں قراءت کرنا فرض نہیں، لیکن قراءت پر قدرت ایک ایسی شرط ہے جس کی رعایت نماز کے اختتام تک ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ امام کو قعدہ اخیرہ کے دوران حدث (وضو توڑنے والا کوئی بھی عارض) پیش آئے تو وہ اس حالت میں بھی اُمّی کو اپنا نائب اور خلیفہ نہیں بنا سکتا اس لیے

کہ وہ قراءت پر قادر نہیں، اگر چہ قعدہ اخیرہ میں واجب قراءت ہو چکی ہو۔

(۲) نماز کے غیر مکرر ارکان میں ترتیب کی رعایت، مثلاً قعدہ اخیرہ کے بعد اگر یاد آ جائے کہ فرض سجدہ چھوڑ دیا گیا ہے تو اولاً وہ ادا کرلے، پھر دوبارہ قعدہ اخیرہ میں بیٹھ جائے تا کہ ترتیب برابر رہے۔

(۳) ایک امام کے پیچھے ایک ہی نماز کے دوران قابلِ شہوت عورت کے محاذات اور قرب میں نہ ہونا۔

(۴) صاحبِ ترتیب شخص کو نماز کے دوران قضا نماز کا یاد نہ آنا بھی نماز کی بقا کے لیے شرط ہے۔ اسی طرح بقائے صلوٰۃ کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ کہیں مقتدی نماز کے دوران صف میں امام سے آگے نہ ہو جائے۔

(د) شروطِ خروج:

شروطِ خروج حنفیہ کے ہاں قعدہ اخیرہ ہے یا "خروج بصنع المصلي" یعنی نمازی کا اپنے کسی ایسے اختیاری فعل کے ذریعے نماز سے نکلنا جو نماز کے منافی ہو، تاہم "خروج بصنع المصلي" کو شرط یا رکن قرار دینا امام صاحب کا اپنا قول نہیں۔ امام صاحب کی طرف اس کی نسبت کو علامہ کرخیؒ نے غلط قرار دیا ہے، لہٰذا فتویٰ صاحبین ہی کے قول پر ہے کہ شرطِ خروج قعدہ اخیرہ ہے، یعنی تشہد کی مقدار بیٹھ جانے کے بعد نماز سے نکلنا جائز ہو جاتا ہے، اگر چہ سلام چھوڑنے کی وجہ سے یہ نماز ناقص متصور ہوگی۔ (۱)

مذکورہ شرائط کی تفصیل:

مذکورہ شرائط میں سے جو شرائط بنیادی اہمیت کے حامل ہیں ان کو قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۱) بدن، کپڑے اور مکان کی صفائی یعنی "الطهارة الحقيقية":

بدن، کپڑے اور نماز پڑھنے کی جگہ کو نجاست سے پاک کرنا ضروری ہے، تاہم اگر نجاست دور کرنا کسی بڑی مشقت یا کشفِ عورت کے بغیر ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں نجاست کے ساتھ بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ پھر نجاست کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ نجاستِ غلیظہ اگر ایک درہم کی مقدار سے زیادہ ہو تو اس کا دھونا فرض ہے اور اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں، اور اگر درہم کے برابر ہو تو دھونا واجب ہے لیکن اگر دھوئے بغیر نماز پڑھی گئی تو وہ جائز رہے گی۔ درہم سے کم مقدار کا دھونا سنت ہے اور اس کے ساتھ پڑھی گئی نماز بھی جائز ہے۔ نجاستِ خفیفہ کسی عضو کے چوتھائی

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلوة: ۲/۷۲،۷۳ و باب صفة الصلوة، مبحث القعود الأخير ومبحث الخروج بصنعه: ۲/۱۳۵-۱۳۷، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة وأركانها، ص: ۱٦٦، ۱٦۷

حصے تک ہوتو اس کے ساتھ نماز پڑھی جاسکتی ہے۔مزید تفصیل کتاب الطہارۃ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

حنفیہ کے راجح قول کے مطابق زمین کا وہ حصہ پاک ہونا ضروری ہے جس پر دونوں قدم، گھٹنے، ہاتھ، ناک اور پیشانی رکھی جاتی ہے۔زمین پر پڑی ہوئی نجاست اگر خشک ہوتو کوئی بھی ایسا کپڑا ڈالنے سے نماز جائز ہوجائے گی جس سے نجاست نظر نہ آئے اور نہ ہی اس کی بدبو محسوس ہو، تاہم اگر نجاست گیلی ہوتو نظر نہ آنے یا بدبو ختم ہونے کے باوجود نماز میں کراہت بہرحال اس طرح ہوگی جس طرح اصطبل وغیرہ میں نماز پڑھنے سے ہوتی ہے۔ (۱)

ملک العلماء علامہ کاسانیؒ نے ''طہارت مکان'' کے ذیل میں ذبح خانے، جانوروں کے اٹھنے بیٹھنے کی جگہ، شارع عام، حمام، مقبرہ، بیت اللہ کی چھت، معاطن الابل، یعنی اونٹوں کے مسکن، تصاویر والی جگہ اور قبلہ کی جانب میں حمام، قبر یا بیت الخلاء ہونے کی وجہ سے نماز کو مکروہ قرار دیا ہے اور عقلی ونقلی دلائل سے اس بحث کو مزید جان دار بنادیا ہے۔(۲)

(۲)الطهارة الحكمية:

یعنی بدن کا حدثِ اکبر (جنابت، حیض اور نفاس) سے پاک ہونا اور وضو کے اعضا کا حدثِ اصغر (بے وضو ہونے) سے پاک ہونا نماز کے لیے شرط ہے۔

(۳)ستر چھپانا:

مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنوں سمیت اور عورت کے لیے چہرے، ہتھیلیوں اور پاؤں کے بغیر تمام بدن کو چھپانا نماز کی صحت کے لیے شرط ہے۔ شرعاً قابلِ پردہ اعضا میں سے کسی بھی عضو کے چوتھائی حصے کا کھل جانا نماز کو فاسد کردیتا ہے، اگرچہ اندھیرے میں نماز پڑھی جارہی ہو۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ: ''سترِ عورت سے مراد سامنے اور پشت کی جانب سے کسی کو عورت نظر نہ آنا ہے'' لہٰذا اگر نماز کے دوران نمازی کو اپنے گریبان میں جھانکنے کی وجہ سے عورت نظر آئے تو ایسا کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۲/۷۳-۷۵، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة وأركانها، ص:۱۶۷، الفتاوى الهندية، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة: ۱/۵۸

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/۵۳۶-۵۴۳، الفتاوى الهندية، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الثاني في مايستر به العورة، وتكره الصلاة في تسع مواطن: ۱/۶۳

اگر کپڑے اتنے باریک ہوں کہ اعضا نظر آسکتے ہوں تو ان میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ مستحب یہ ہے کہ آدمی پاک صاف کپڑوں سے اپنا بدن اس طرح چھپادے، جس طرح کسی صاحب جاہ وجلال شخص کے دربار میں حاضری کے وقت کیا جاتا ہے، لہٰذا محض شلوار یا محض قمیص میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

فقہاے کرام کے ہاں سترِ عورت کی شرط طہارتِ ثوب سے زیادہ اہم ہے، لہٰذا مجبوری کی حالت میں نجس لباس، ریشمی لباس یا مغصوبہ لباس پہن کر نماز پڑھنا فرض ہے، ننگا ہو کر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح اگر ستر چھپانے کے لیے کچھ بھی نہ ہو تو کسی بستر، چٹائی، کاغذ وغیرہ سے حتی الوسع عورت کو چھپالے یہاں تک کہ اگر گارے یعنی مٹی سے بدن کو لیپ کر بدن کو چھپانا ممکن ہو تو ایسا کرنا بھی ضروری ہے، تاہم اگر کچھ بھی نہ ہو سکے تو بیٹھ کر اشارے کے ساتھ نماز ادا کرلے۔ یہی حکم دن، رات، گھر اور صحرا میں ایک جیسا ہے۔(۱)

(۴) استقبال القبلہ:

کسی شرعی عذر کے بغیر نمازی کے لیے قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے جس کے بغیر نماز جائز نہیں ہو سکتی۔

اس میں تفصیل یہ ہے کہ:

کعبہ کو بالمشافہہ دیکھنے والے شخص کے لیے عینِ کعبہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے جب کہ غیر شاہد شخص کے لیے کعبہ کی جہت کی طرف رخ کرنا بھی کافی ہے۔ کعبہ کے اوپر، اندر، کسی گہرے کنویں یا سمندر یا اونچے پہاڑ پر نماز پڑھتے وقت بھی یہی حکم ہے، اس لیے کہ کعبہ کی حدود ساتویں زمین کی گہرائی سے ساتویں آسمان کی بلندی تک ہیں۔ قبلہ کی تعیین کے لیے محرابوں کا استعمال، اہل علم سے تفتیش یا صحراؤں میں سورج اور تاروں سے مدد لینا فقہاے کرام کے ہاں جائز ہے۔ اگر کسی شخص پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور کوئی تعیین کرنے والا شخص بھی موجود نہ ہو اور نہ ہی کسی اور معتبر ذریعے سے تعیین ہو سکے تو ایسی صورت میں وہ تحری، یعنی ذاتی سوچ و بچار کے بعد نماز پڑھ لے، اگر نماز کے دوران غلطی کا یقینی علم ہو جائے تو نماز کے دوران ہی درست جانب کی طرف رخ پھیر لے اور اگر نماز پوری کرنے کے بعد غلطی کا علم ہو جائے تو حنفیہ کے ہاں اس

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلوة: ۲/۷۵-۷۷، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة وأركانها، ص: ۱۶۹، ۱۷۰، الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة: ۱/۵۸، بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/۵۴۳-۵۴۶

پر نماز کا اعادہ نہیں، چاہے اس کا رخ کعبہ کے دائیں بائیں ہو یا بالکل برعکس ہو۔(۱)

(۵) وقت:

نماز کی صحت کے لیے پانچویں شرط ہر نماز کے لیے مخصوص وقت کا پایا جانا بھی ہے۔اس کی تفصیل باب اوقات الصلوۃ میں گزر چکی ہے۔

(۶) وقت داخل ہونے کا یقین ہونا:

نماز کی صحت کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ مُصلّی کو یہ یقین ہو کہ نماز کا وقت موجود ہے۔اگر کسی نمازی نے اس یقین کے ساتھ نماز پڑھ لی کہ وقت گزر چکا ہے تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد اگر وقت پائے جانے کا علم ہو جائے تب بھی پڑھی گئی نماز درست نہیں ہوگی۔

(۷) نیت:

یعنی اس بات کا علم اور پختہ ارادہ ہو کہ فلاں وقت کی نماز ادا کرنی ہے۔زبان سے بولنا کرنا ضروری نہیں، تاہم دل کے ارادے میں مزید استحکام کی خاطر زبان سے بولنا ایک بہتر عمل ہے۔یاد رہے کہ فرائض اور واجبات کی نیت میں تعیین ضروری ہے، یعنی دل میں یہ تمیز کرنا ضروری ہے کہ یہ فلاں وقت کی فرض یا واجب نماز ہے، البتہ سنن ونوافل اور تراویح میں مطلق نماز کی نیت بھی کافی ہے، تاہم سنن میں نبی کریم ﷺ کی متابعت کی نیت کرنا زیادہ فضیلت اور ثواب کا باعث ہے۔امام کے ساتھ کوئی فرض نماز پڑھنے کی صورت میں یہ نیت کرنا بھی کافی ہے کہ ”میں امام کے ساتھ اسی نماز میں شریک ہو رہا ہوں جو وہ پڑھ رہا ہے“۔(۲)

(۸) تکبیر تحریمہ:

عام علما و مشائخ کے ہاں تکبیر تحریمہ نماز کی شرائط میں سے ہے، تاہم یہ شرط اس شخص کے لیے ہے جو نطق، یعنی

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ۱/ ٦٣، ٦٤، بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/ ٥٤٦ـ٥٥٨

(۲) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة وأركانها، ص: ١٧٩، ١٨٠، ١٨١، الفتاوى الهندية، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الرابع في النية: ۱/ ٦٥، بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الاركان: ۱/ ٥٨٤ـ٥٨٩

بولنے پر قادر ہو، گونگے شخص کی نماز اس کے بغیر بھی درست ہے۔ تکبیرِ تحریمہ امام ابوحنیفہؒ ومحمدؒ کے ہاں ہر اس ذکر سے ادا کی جاسکتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور کبریائی مقصود ہو، اگرچہ نمازی ''اللہ اکبر'' کہنے پر قادر ہی کیوں نہ ہو۔ امام ابویوسفؒ کے ہاں جو شخص یہ جانتا ہو کہ تکبیر کہنا شرط ہے اور وہ اس کو پڑھنے پر قادر بھی ہو تو وہ ''اللہ اکبر، اللہ الا کبر اور اللہ الکبیر'' کے علاوہ کسی اور لفظ سے تکبیرِ تحریمہ نہیں کہے گا۔ حنفیہ کے ہاں فتویٰ پہلے قول پر ہے۔

تکبیرِ تحریمہ کی صحت کے لیے فقہائے کرام کے ہاں درج ذیل شرائط ہیں:

(۱) تکبیرِ تحریمہ نیت کے ساتھ مقارن ہو، یعنی اللہ اکبر کہتے وقت نیت ہو یا پہلے سے (مثلاً: وضو کے وقت سے) نماز پڑھنے کی نیت ہو۔ اگر تکبیر پڑھتے وقت نماز کی نیت نہیں تھی، اس کے بعد نیت کرلی تو یہ تکبیر اور نیت دونوں لغو اور بے کار ہیں۔

(۲) تکبیرِ تحریمہ پڑھتے وقت قیام ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص امام کو رکوع کی حالت میں پائے تو ضروری ہے کہ وہ رکوع کے لیے جھکنے سے پہلے ہی تکبیر پڑھ لے یا کم از کم ایسی حالت میں پڑھ لے کہ اس کا جھکنا قیام سے زیادہ مشابہ ہو۔

(۳) تکبیرِ تحریمہ اتنی بلند آواز سے پڑھی جائے کہ کم از کم خود سن سکے۔

(۴) عربی پر قادر شخص کے لیے عربی میں تکبیر کہنا ضروری ہے۔

(۵) تکبیر کے الفاظ خالص اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا تذکرہ اس میں نہ ہو۔

(۶) تکبیرِ تحریمہ کے الفاظ غلطیوں سے پاک ہوں خصوصاً لفظ اللہ کے ہمزہ کو مدّ سے بچانا انتہائی ضروری ہے۔(۱)

نماز کے ارکان وفرائض:

نماز کے ارکان سے مراد وہ افعال ہیں جن کو بلا عذر ترک کرنے سے نماز صحیح نہیں ہوتی۔ ان افعال میں سے کسی بھی ایک یا سب کے چھوڑنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے چاہے بالقصد والارادہ اس کا ارتکاب ہوجائے یا غلطی اور خطا کی وجہ سے سرزد ہوجائے۔ نماز کے ارکان وفرائض درج ذیل ہیں۔(۲)

(۱) الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلوۃ، بحث شروط التحریمۃ: ۲/۱۴۱۔۱۴۴، مراقي الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوي، کتاب الصلوۃ، باب شروط الصلوۃ وأرکانہا، ص:۱۷۴۔۱۸۰، الفتاوی الھندیۃ، الباب الرابع في صفۃ الصلوۃ، الفصل الأول في فرائض الصلوۃ: ۱/۶۸، بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل في بیان شرائط الأرکان: ۱/۵۹۲، ۵۹۳

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلوۃ، مطلب قد یطلق الفرض علی مایقابل الرکن: ۲/۱۲۷، ۱۲۸

(۱) قیام:

قیام سے مراد اس طور پر سیدھا کھڑا ہونا ہے کہ ہاتھ دراز کرنے کے باوجود وہ گھٹنوں تک نہ پہنچ سکیں۔قیام پر قادر شخص کے لیے فرض اور واجب نمازوں میں قیام فرض ہے۔فجر کی سنتوں کے بارے میں بھی احتیاطاً یہ قول اختیار کیا گیا ہے، البتہ نفل نمازیں بلا عذر بھی بیٹھ کر ادا کی جا سکتی ہیں۔قیام کی کم سے کم مقدار اتنی ہے جس کو عرف میں قیام کہا جا سکے،لہٰذا کھڑے ہونے کی حالت میں تحریمہ پڑھنے کے فوراً بعد رکوع کے لیے جانے سے یہ ادنیٰ مقدار ادا ہو جاتی ہے۔(۱)

(۲) قراءت:

قراءت سے مراد قرآن کریم کے کسی بھی حصے کی تلاوت ہے۔حنفیہ کے ہاں سنن،نوافل اور وتر کی تمام رکعتوں اور فرض کی اولین دو رکعتوں میں قراءت کرنا فرض ہے۔قراءت کی کم از کم مقدار کے بارے میں امام صاحب سے تین اقوال مروی ہیں۔راجح قول کے مطابق ایک آیت ہی رکنِ قراءت کے لیے کافی ہے، تاہم یہ آیت کم از کم دو کلمات پر مشتمل ہونی چاہیے جیسے ﴿ثم نظر﴾، البتہ ایک کلمہ پر مشتمل آیت، مثلاً: ﴿مدهامتان﴾ یا چند حروف پر مشتمل آیات مثلاً ﴿ق،ص،ن،حم،طس﴾ وغیرہ کی قراءت فرض ادا ہونے کے لیے کافی نہیں۔صاحبین کے ہاں ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں فرض کی ادائیگی کے لیے کافی ہیں۔یہ قول زیادہ احتیاط پر مبنی ہے۔قراءت کی صحت کے لیے خود سننا، عربی میں قراءت کرنا اور الفاظ کی صحت کا خیال رکھنا بھی شرط ہے۔(۲)

(۳) رکوع:

رکوع سے مراد سر اور کمر کو اس طور پر جھکانا ہے کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ سکیں، یہ رکوع کی کم از کم مقدار ہے حنفیہ کے ہاں رکوع میں تعدیل، یعنی سر اور کمر کو اس طرح جھکانا کہ دونوں کی سطح برابر ہو جائے، واجب ہے۔

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلوة: ۱۳۱/۲، مراقي الفلاح مع الطحطاوي، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة وأركانها، ص:۱۸۱، الفتاوىٰ الهندية، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الأول في فرائض الصلوة: ۶۹/۱

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلوة، مبحث في القراءة: ۱۳۳/۲، مراقي الفلاح مع الطحطاوي، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة وأركانها، ص:۱۸۱۔۱۸۳، الفتاوى الهندية حواله بالا

امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ تعدیل کی فرضیت کے قائل ہیں۔وہ کبڑا شخص جو طبعی طور پر ایسا لگتا ہو کہ وہ رکوع کی حالت میں ہے، وہ سر کے اشارے کے ذریعے قیام سے رکوع کی طرف منتقل ہونے کا اشارہ کیا کرے۔(۱)

(۴) سجدہ:

تعظیم کے طور پر پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھنے کا نام سجدہ ہے۔اگر تعظیم کا عنصر فوت ہوجائے، مثلاً: پیشانی اور ناک تو زمین پر ہو، لیکن پچھلی ٹانگیں ہوا میں معلق ہوں یا صرف رخسار یا ٹھوڑی یا سر کا اگلا حصہ زمین پر رکھے تو یہ سجدہ قابلِ قبول نہیں ہوگا۔حنفیہ کے ہاں دونوں سجدے فرض ہیں۔سجدہ کرتے وقت پیشانی، ناک اور دونوں پاؤں میں سے کسی ایک کا زمین پر رکھنا فرض ہے۔سجدہ کے دوران بلا عذر صرف ناک پر اکتفا کرنا یا تمام سجدہ کے دوران دونوں پاؤں کو بہ یک وقت زمین سے اٹھائے رکھنا مفسدِ صلوۃ ہے۔بلا عذر صرف پیشانی سے سجدہ کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر عذر ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔سجدہ کسی ایسی چیز پر جائز ہے جس پر پیشانی قرار پائے اور اس کا حجم موجود ہو۔سجدہ میں دونوں ہاتھ اور گھٹنے زمین پر رکھنا سنت ہے، تاہم بعض مشائخ نے اس کو واجب اور بعض نے شرط قرار دیا ہے۔فقہائے کرام کے ہاں سجدے کی جگہ اگر پاؤں کی جگہ سے دو اینٹوں کی مقدار (نصف شرعی گز) سے زیادہ اونچی ہو تو سجدہ کرنا جائز نہیں تاہم اگر ہجوم اور ازدحام کی وجہ سے کسی ایسے شخص کی پشت پر سجدہ کیا گیا جو اسی نماز میں اس کے ساتھ شریک ہو تو عذر کی وجہ سے جائز ہے۔(۲)

(۵) قعدہ اخیرہ:

قعدۂ اخیرہ سے مراد تمام ارکان کی ادائیگی کے بعد بالکل آخر میں تشہد کی مقدار بیٹھ جانا ہے۔تشہد کی مقدار بیٹھنا بھی فرضیت کی ادائیگی کے لیے کافی ہے، تاہم قعدۂ اخیرہ کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی اور رکن ادا نہ کیا جائے۔اگر کسی شخص سے کوئی رکن فوت ہوجائے اور وہ اس کا اعادہ کرنا چاہے تو اس کی ادائیگی کے بعد ایک مرتبہ پھر قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنا پڑے گا۔

---

(۱) مراقي الفلاح، باب شروط الصلوة وأركانها: ١٨٤، ١٨٥، الفتاوى الهندية، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الأول في فرائض الصلوة: ١/ ٧٠

(۲) مراقي الفلاح مع الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة وأركانها، ص: ١٨٥-١٨٩، الفتاوى الهندية الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الأول في فرائض الصلوة: ١/ ٧٠

حنفیہ کے ہاں مذکورہ پانچ اشیاء نماز کے بنیادی ارکان ہیں، البتہ ان ارکان کی صحت اور ترتیب برقرار رکھنے کے لیے بعض دوسرے امور کو بھی فرض قرار دیا گیا ہے۔اس اعتبار سے مذکورہ اشیاء کی تعداد علامہ شرنبلالیؒ کے ہاں ستائیس ہے جب کہ علامہ حصکفیؒ وشامیؒ کے ہاں یہ تعداد تیس سے بھی بڑھ گئی ہے۔تفصیل ان کتب میں دیکھی جاسکتی ہے۔(۱)

نماز کے واجبات:

واجب کا لغوی معنی ہے لازم کرنا، ساقط ہونا اور بے چین ہونا، جب کہ فقہائے کرام کی اصطلاح میں جو چیز کسی ایسی دلیل سے ثابت ہوجائے جس میں شبہ موجود ہو تو اس کو واجب کہتے ہیں۔نماز کے واجبات سے مراد وہ مخصوص افعال ہیں جن کے چھوڑنے سے نماز فاسد تو نہیں ہوتی، البتہ سہو اور خطا کی صورت میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اور دو صورتوں میں نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

(۱) نماز کے واجبات میں سے کسی ایک یا زیادہ واجبات کو عمداً چھوڑنے سے

(۲) کوئی واجب غلطی سے رہ جائے اور اس کی تلافی سجدۂ سہو کے ذریعے کرنا بھول جائے۔

ان دو صورتوں میں اگر کسی شخص نے اعادہ نہیں کیا تو وہ نماز اگر چہ ادا متصور ہوگی، لیکن ایسا شخص گنہ گار ہوگا۔یہ بھی یاد رہے کہ مذکورہ اعادہ سجدۂ سہو کی طرح محض جبیرہ اور نقصان کی تلافی کے لیے ہے ورنہ فرائض میں تکرار غیر مشروع اور ناجائز ہے۔علامہ شرنبلالیؒ فرماتے ہیں کہ: ''دراصل واجبات کے ذریعے فرائض کی، سنن کے ذریعے واجبات کی اور آداب کے ذریعے سنن کی تکمیل ہوتی ہے، لہٰذا ان میں سے ہر ایک کی رعایت اپنی جگہ ہے''۔واجبات نماز یہ ہیں:

(۱) سورۂ فاتحہ کی مکمل تلاوت واجب ہے لہٰذا سورۂ فاتحہ کی ایک آیت چھوڑنے سے بھی سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

(۲) فرض کی پہلی دو اور سنن ونوافل اور وتر کی تمام رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورت یا آیت کا ملانا

(۳) فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرنا

(۴) سورۂ فاتحہ کی تلاوت کو دوسری آیت یا سورت پر مقدم کرنا

(۵) پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ صرف ایک مرتبہ پڑھنا یعنی تکرار سے بچنا

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلوة: ۱۳۵/۲-۱۴۶، مراقي الفلاح مع الطحطاوي، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة وأركانها، ص: ۱۹۰، ۱۹۱، الفتاوی الهندية، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الأول في فرائض الصلوة: ۷۰/۱، ۷۱۔

(۶) نماز کے مکرر افعال اور رکعتوں کے درمیان ترتیب کی رعایت کرنا واجب ہے تاہم غیر مکرر افعال، مثلاً قیام اور رکوع وغیرہ میں ترتیب کی رعایت فرض ہے، لہٰذا اگر قرأت کرنے سے پہلے کسی نے رکوع کرلیا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

(۷) رکوع وسجدہ میں اعتدال، قومہ، یعنی رکوع کے بعد قیام میں اعتدال اور جلسہ، یعنی دوسجدوں کے درمیان بیٹھ جانے میں اعتدال کی رعایت کرنا

(۸) قعدۂ اولیٰ اور قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنا

(۹) نمازِ وتر میں دعائے قنوت پڑھنا

(۱۰) عیدین میں چھ تکبیرات زوائد پڑھنا

(۱۱) جہری نمازوں میں اونچی آواز سے اور سرّی نمازوں میں خفیہ تلاوت کرنا

(۱۲) لفظِ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا

(۱۳) امام کے اتباع اور مقتدی کا امام کی قرأت کے دوران خاموش رہنا

(۱۴) تمام ارکان وواجبات کو اپنے موقع ومحل پر ادا کرنا

(۱۵) قعدۂ اولیٰ کے بعد تیسری رکعت کے لیے بلا تاخیر اٹھنا

یہ اساسی اور اصولی واجبات لکھے گئے ہیں۔ فقہائے کرام کے ہاں واجبات کی تعیین میں کچھ مزید تفصیلات بھی ہیں جو کتبِ فقہ میں مذکور ہیں۔(۱)

نماز کی سنتیں:

نماز کی سنتوں سے مراد وہ افعال ہیں جو نماز میں زیادتِ خشوع وخضوع اور تکمیلِ واجبات وفرائض کا کام دیتے ہیں۔ سنت کا چھوڑنا نہ نماز فاسد ہونے کا باعث ہے اور نہ سجدۂ سہو واجب ہونے کا، لیکن اگر ازراہِ سستی چھوڑ دے تو باعثِ مذمت اور مکروہ ہے اور اگر چھوڑنے کا معمول بنادے تو گناہ ہے اور اگر ازراہِ استخفاف واستہزا سنت چھوڑ دے اور اس کو اہم ہی نہ سمجھے تو باعثِ کفر ہے، البتہ اگر سہواً چھوٹ گئی تو کوئی مضائقہ نہیں۔(۲)

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلوة: ۲/۱۴۶-۱۶۷، مراقي الفلاح مع الطحطاوي، کتاب الصلوة، فصل في بیان واجبات الصلوة، ص:۱۹۹-۲۰۴، الفتاوی الهندیة، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الثاني في واجبات الصلوة: ۱/۷۱، ۷۲

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب في قولهم الإساءة دون الکراهة: ۲/۱۷۰

علامہ شرنبلالیؒ نے سنتوں کی تعداد اکیاون ذکر کی ہے، تاہم ان میں سے چند اہم سنتوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

(۱) امام کے فوراً بعد تکبیر تحریمہ پڑھ کر اقتدا کرنا۔ مرد کے لیے تکبیرِ تحریمہ کہتے ہوئے کانوں تک اور عورتوں کے لیے کندھوں تک ہاتھ اٹھانا مسنون ہے۔

(۲) مرد کے لیے حالت قیام میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا مسنون ہے جب کہ عورت کے لیے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھنا سنت ہے۔ مرد کے لیے مسنون ہے کہ وہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھ کر چھوٹی اور بڑی انگلی سے حلقہ بنائے جب کہ عورت کے لیے حلقہ نہ بنانا سنت ہے۔

(۳) تکبیر پڑھنے کے بعد ثنا پڑھنا، اس کے بعد تعوذ پڑھنا اور ہر رکعت کی ابتدا میں تسمیہ پڑھنا

(۴) سورۂ فاتحہ مکمل ہونے کے بعد امام، مقتدی اور تنہا نماز ادا کرنے والوں کے لیے آمین کہنا

(۵) امام اور منفرد کے لیے "سمع الله لمن حمده" اور "ربنا لك الحمد" دونوں پڑھنا مسنون ہے، البتہ مقتدی صرف تحمید پڑھے۔ تحمید ہر کسی کے لیے خفیہ آواز میں پڑھنا مسنون ہے۔

(۶) امام کا تکبیراتِ انتقال اور تسمیع میں جہر کرنا۔

(۷) سورۂ فاتحہ کے ساتھ فجر وظہر میں طوالِ مفصل، عصر وعشا میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل کی سورتیں ملانا۔

(۸) رکوع میں کم از کم تین بار تسبیح پڑھنا، گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑنا، پاؤں سیدھے رکھنا، کمر کو پھیلا کر سر کے برابر رکھنا اور انگلیاں کھلی رکھنا مرد کے لیے سنت ہے، البتہ عورت حتی الوسع بدن کو سمیٹ کر رکوع کرے۔ زیادہ نہ جھکے۔

(۹) سجدہ میں جاتے ہوئے اول گھٹنے، پھر ہاتھ، پھر ناک اور آخر میں پیشانی کو رکھنا اور سجدہ سے اٹھتے وقت اس کا عکس کرنا سنت ہے۔ سجدہ کرتے وقت چہرے کو دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھنا اور تین مرتبہ تسبیح پڑھنا مسنون ہے۔ سجدہ کا مسنون طریقہ مردوں کے لیے یہ ہے کہ پہلو کا حصہ پیٹ سے الگ رکھے اور پاؤں کھڑے رکھے لیکن عورت پہلو اور پیٹ ملا کر اور ہاتھ بچھا کر، نیز پیٹ کے ساتھ ران ملا کر خوب سمٹ کر سجدہ کرے گی۔

(۱۰) تشہد میں "أشهد أن لا الٰـــه إلا الله" میں کلمہ نفی "لا" پر انگلی اٹھانا اور کلمہ اثبات یعنی "إلا الله" پر انگلی گرانا جو اشارہ کے نام سے معنون ہے۔

(۱۱) فرائض کی تیسری اور چوتھی رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا مسنون ہے اگرچہ تسبیحات پڑھنے یا خاموش رہنے کی بھی اجازت ہے۔

(۱۲) قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا اور درود کے بعد ایسی دعا پڑھنا جس کے الفاظ قرآن وحدیث سے ماخوذ ہوں۔

(۱۳) سلام پھیرتے وقت پہلے دائیں اور پھر بائیں طرف رخ کرنا سنت ہے۔

(۱۴) امام سلام پھیرتے وقت تمام مقتدیوں، ملائکہ اور نیک جنات کے لیے سلامتی کی نیت کرلے جب کہ مقتدی سلام پھیرتے وقت امام کی بھی نیت کرلے۔ سنت یہ ہے کہ دوسرے سلام میں آواز پہلے کی بہ نسبت آہستہ ہو۔(۱)

آداب ومستحبات:

آداب ومستحبات سے عام طور پر وہ امور مراد لیے جاتے ہیں جو آپ ﷺ نے گاہے گاہے ادا فرمائے ہوں اور ان پر دوام نہیں فرمایا ہو۔ دراصل ان آداب ومستحبات کے ذریعے سنن کی تکمیل ہوتی ہے، لہٰذا ان کا ترک نہ تو باعثِ مؤاخذہ وعتاب ہے اور نہ ہی قابلِ نکیر، البتہ بجا آوری بہتر وافضل ہے۔ چند اہم آداب ومستحبات درج ذیل ہیں:

(۱) نماز کے لیے تیار ہوکر پہلے سے نماز کا انتظار کرنا

(۲) تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو آستین سے باہر رکھنا مردوں کے لیے تواضع کی علامت ہے، البتہ عورتیں ستر کی وجہ سے اس کو چھپائے رکھیں۔

(۳) قیام میں سجدہ گاہ، رکوع میں پاؤں، سجدہ میں ناک، قعدہ میں گود اور سلام میں کندھوں پر نظر رکھنا چاہیے کیونکہ اس سے خشوع وخضوع میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۴) حتی الوسع کھانسنے اور ڈکار سے بچنا۔ جمائی کے وقت منہ بند کرنا، اگر یوں منہ بند کرنا ممکن نہ ہو تو منہ پر ہاتھ رکھ کر لے۔

(۵) قیام کی حالت کی طرف اٹھتے وقت گھٹنوں کا سہارا لینا،

(۶) اگر امام پہلے سے محراب کے قریب موجود ہو تو اقامت میں ''حی علی الفلاح'' کے وقت امام اور تمام قوم کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے، تاہم اگر امام ابھی مسجد آرہا ہو تو وہ جس صف سے گزرے، اسی صف کے لوگ کھڑا ہونا شروع کردیں۔

(۷) ''قدقامت الصلوۃ'' پڑھتے وقت امام کے لیے تکبیر تحریمہ پڑھ کر نماز شروع کرنا مستحب ہے، تاہم اگر صفوں کی تیاری کے لیے کچھ تاخیر ہوجائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔(۲)

❁❁❁❁❁

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلوۃ: ۲/ ۱۷۰ـ۱۷۴، مراقي الفلاح مع الطحطاوي، کتاب الصلوۃ، فصل في بیان سننها، ص:۲۰۷ـ۲۲۳، الفتاوی الهندیة، الباب الرابع، الفصل الثالث: ۱/ ۷۳

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلوۃ، آداب الصلوۃ: ۲/ ۱۷۵ـ۱۷۷، مراقي الفلاح مع الطحطاوي، کتاب الصلوۃ، فصل من آدابها، ص:۲۲۳ـ۲۲۵، الفتاوی الهندیة حواله سابقه

بے وضونماز پڑھنا

سوال نمبر(48):

کوئی شخص قصداً بے وضونماز پڑھے، اور بعد میں یہ بھی کہے، کہ میں ان لوگوں سے بہتر ہوں جو بالکل نماز ہی نہیں پڑھتے ہیں، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے وضونماز کی ان شرائط میں شامل ہے، جن کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی یہ شخص بے وضونماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز ادا نہیں ہوتی، بلکہ قصداً بے وضو پڑھنے سے گناہ کبیرہ کا مرتکب ٹھہرتا ہے جب کہ اپنے آپ کو بے نمازیوں سے افضل سمجھنا اسلام کے بنیادی احکامات کے ساتھ مذاق کے مترادف ہے جس میں کفر کا اندیشہ پیدا ہوسکتا ہے۔

والدلیل علی ذلک:

قوله تعالىٰ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغْسِلُوا۟ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى ٱلْمَرَافِقِ﴾(١)

ترجمہ:

اے ایمان والو! جب تم اٹھو نماز کو تو دھولو اپنے منہ کو اور ہاتھ کہنیوں تک۔۔۔۔

عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ قال:"لاتقبل صلوة بغیر طهور، ولا صدقة من غلول".(٢)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے نبی ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ کوئی نماز خواہ کسی قسم کی ہو، بغیر طہارت کے صحیح نہیں ہوتی۔اور ناجائز آمدنی سے صدقہ قبول نہیں ہوتا۔

(١) المائدة:٦

(٢) جامع الترمذی، ابواب الطهارة، باب ماجاء لاتقبل صلوة بغیر طهور:١/٣

جیل میں اشارہ کے ساتھ پڑھی گئی نمازیں

سوال نمبر(49):

اگر کوئی شخص جیل میں ہو اور وہاں اس کو جیل کا عملہ وضو اور نماز کی اجازت نہ دیتا ہو اور وہ چپکے چپکے اشارہ سے نمازیں ادا کرتا رہا ہو تو کیا اس کے لیے رہائی کے بعد ان نمازوں کا لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نماز اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر فرض کی ہوئی عبادت ہے جس کو شرائط وارکان کی رعایت رکھتے ہوئے ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص سے کوئی رکن یا شرط کسی ایسے عذر کی وجہ سے چھوٹ جائے جو بندوں کی طرف سے ہو تو نماز کا اعادہ ضروری ہوگا، تاہم جو عذر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور اس کی وجہ سے کوئی رکن یا شرط چھوٹ جائے تو پھر نماز کا اعادہ ضروری نہیں ہوگا۔

مسئولہ صورت میں جب اس شخص کو قید کے دوران نماز ادا کرنے سے روکا گیا اور اس نے اشارہ کے ساتھ نماز ادا کر دی تو جتنی بھی نمازیں اس نے اشارہ کے ساتھ ادا کر دی ہیں، رہائی کے بعد ان کا اعادہ ضروری ہے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

الأسير في دار الحرب إذا منعه الكفار عن الوضوء، أو الصلوة يتيمم ويصلي بالايماء، ثم يعيد إذا خرج. (١)

ترجمہ: دارالحرب میں قید شدہ شخص کو کفار اگر وضو و نماز سے منع کرلیں تو وہ تیمم کرے گا اور اشارہ کے ساتھ نماز پڑھے گا۔ پھر جب قید سے رہائی پالے تو ان نمازوں کا اعادہ کرے گا۔

وفي الخلاصة وفتاوی قاضيخان وغيرهما: الأسير في يد العدوّ إذامنعه الكافر عن الوضوء والصلوة يتيمم ويصلي بالإيماء......فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالى لاتجب الإعادة، وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (٢)

---

(١) الفتاوى التاتارخانيه، كتاب الطهارة، الفصل الخامس في التيمم، نوع آخر في بيان من يجوز له التيمم ومن لايجوز له: ١/١٨٦ (٢) البحر الرائق كتاب الصلوة، باب التيمم، بقوله: (أو خوف عدوّ ......الخ): ١/٢٤٨

ترجمہ: خلاصہ، قاضی خان اور دیگر کتب فتاوی میں لکھا ہے کہ جب کوئی قیدی دشمن کی قید میں ہو اور کوئی کافر اس کو وضو اور نماز پڑھنے سے منع کرے تو وہ تیمم کرے گا اور اشارہ کے ساتھ نماز پڑھے گا۔۔۔۔اس بحث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جب عذر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتو اس پر اعادہ واجب نہیں اور اگر عذر بندہ کی طرف سے ہوتو اس پر اعادہ واجب ہے۔

❁❁❁

نماز میں عورت کا لٹکے ہوئے بال نہ چھپانا

سوال نمبر(50):

اگر کسی عورت کے لٹکے ہوئے بال نماز کی حالت میں کھلے ہوں تو اس کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رو سے عورت کا سارا بدن سوائے چہرے اور ہاتھ پاؤں کے چھپانا لازم ہے، البتہ اس کے لٹکے ہوئے بالوں کے بارے میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ ستر میں داخل نہیں ہیں، لیکن ان کی طرف دیکھنا جائز نہیں، البتہ اکثر حضرات اس کے ستر ہونے کے قائل ہیں۔اس میں احتیاط زیادہ ہے اور مفتی بہ قول بھی یہی ہے۔اس لیے عورت پر فرض ہے کہ وہ ان لٹکے ہوئے بالوں کو نماز کی حالت میں بھی ڈھانپ کر رکھے، لہٰذا اگر نماز میں بالوں کا چوتھائی حصہ کھلا رہ جائے تو نماز جائز نہ ہوگی اور اگر چوتھائی سے کم مقدار کھلا رہے تو نماز اگر چہ ہو جائے گی، لیکن ستر کھلا رکھنے کی وجہ سے گنہگار ہوگی۔

والدليل علىٰ ذلك:

(وللحرة)ولو خنثىٰ (جميع بدنها) حتى شعرها النازل في الأصح (خلاالوجه والكفين)قوله: (النازل) أى عن الرأس بأن جاوز الأذن،وقيد به إذلاخلاف فيماعلى الرأس. قوله:(في الأصح)صححه في الهداية،والمحيط،والكافي،وغيرها،وصحح في الخانية خلافه مع تصحيحه لحرمةالنظر اليه وهو رواية المنتقى،واختاره الصدر الشهيد،والأول أصح وأحوط كما في الحلية عن شرح الجامع لفخر الإسلام وعليه الفتوىٰ.(١)

(١)ردالمحتارعلى درالمختار،كتاب الصلوة،باب شروط الصلوة،مطلب في الستر العورة :٢/٧٧،٧٨

ترجمہ:

اور آزاد عورت کا تمام بدن سوائے چہرہ، ہاتھوں اور پاؤں کے، ستر میں داخل ہے، اگر چہ یہ خنثی ہی کیوں نہ ہو، یہاں تک کہ اس کے لٹکے ہوئے بال بھی عورت میں داخل ہیں علامہ ابن عابدینؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یعنی سر کے وہ بال جو کانوں کے نیچے سے تجاوز کرکے آویزاں ہوں۔ اور علامہ حصکفیؒ نے اس کو النازل کے ساتھ مقید کیا اس لیے کہ کانوں سے اوپر سر کے بالوں میں تو کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ مصنفؒ کے قول '' وفي الأصح'' کی تشریح کرتے ہوئے علامہ حصکفی فرماتے ہیں: ہدایہ، محیط اور کافی وغیرہ میں صحیح قرار دیا گیا ہے اور خانیہ میں اس کے خلاف، یعنی ستر نہ ہونے کو صحیح کہا ہے، تاہم اس کو دیکھنا حرام لکھا ہے۔ اور یہی روایت منتقی سے مروی ہے اور اسی کو الصدر الشہیدؒ نے بھی اختیار کیا ہے، لیکن فخر الاسلامؒ کی کتاب شرح الجامع کے حوالہ سے اول قول اصح بھی ہے اور احوط بھی جیسا کہ حلیہ میں مذکور ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے جیسا کہ معراج میں مذکور ہے''۔

❁❁❁

نماز میں عین قبلہ کی طرف رخ کرنا

سوال نمبر (51):

اگر کسی شخص کو قبلہ کا رخ معلوم نہ ہو اور نماز پڑھ لے، بعد میں پتہ چل جائے کہ رخ سیدھا نہیں تھا اور اس کو شک ہو جائے تو اس صورت میں اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ نماز پڑھتے وقت قبلہ کے روبرو کھڑا ہونا ضروری ہے، تاہم عینِ قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں، بلکہ جہتِ قبلہ کی طرف کھڑا ہونا بھی کافی ہے، البتہ عینِ قبلہ سے انحراف کی صورت میں ۴۵ درجہ کے اندر رخ کرنا ضروری ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر عینِ قبلہ سے انحراف ۴۵ درجہ سے کم ہو تو پڑھی گئی نماز درست ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

فیعلم منه أنه لو انحرف عن العین انحرافاً لاتزول منه المقابلة بالکلیة جاز، ویؤیده ماقال

في الظهيرية: إذا تيامن أو تياسر تجوز لأن وجه الإنسان مقوس لأنه عند التيامن أو التياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة. (١)

ترجمہ: اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی شخص نماز کے لیے عینِ قبلہ سے منحرف ہوکر کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز ہو جائے گی، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ یہ انحراف عن القبلہ بالکلیہ (یعنی مکمل طور پر) نہ ہو جیسا کہ ظہیریہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص دائیں یا بائیں طرف تھوڑا مڑ کر نماز پڑھ لے تو جائز ہے، کیونکہ انسان کا چہرہ کمان کی طرح ہے اور دائیں یا بائیں ہونے کی صورت میں اس کی ایک جانب قبلہ کی طرف ہی رہے گی۔

❁❁❁

خنزیر کی کھال سے بنے ہوئے موزوں میں نماز

سوال نمبر (52):

موسم سرما میں تین چار مہینے موزے پہن کر نمازیں پڑھیں، لیکن پورا یقین نہیں کہ کتنی نمازیں پڑھی ہیں، بعد میں پتہ چلا کہ یہ موزے سور کے چمڑے کے بنے ہوئے تھے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ سور کے چمڑے سے بنے ہوئے موزوں میں پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے نماز کے لیے لباس کا پاک ہونا ضروری ہے۔ اگر لباس پاک نہ ہو تو اس میں نماز کی ادائیگی درست نہیں ہوتی اور اگر ناپاک کپڑوں میں نماز ادا کی گئی ہو تو اس کا اعادہ لازمی ہے۔

صورتِ مسئولہ میں خنزیر کے چمڑے سے بنے ہوئے موزوں میں جو نمازیں ادا کی گئی ہیں، وہ درست نہیں۔ کیونکہ خنزیر نجس العین ہونے کی وجہ سے اس کا چمڑا دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتا لہٰذا ناپاک ہونے کی وجہ سے اس کے چمڑے سے بنے ہوئے موزوں میں نماز پڑھنا بھی جائز نہیں اور جو نمازیں ادا کی گئی ہیں، ان کا اعادہ لازمی ہے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

وكل إهاب دبغ فقد طهر جازت الصلوة فيه، والوضوء منه إلا جلد الخنزير. (٢)

---

(١) ردالمحتار علی درالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، بحث فی استقبال القبلة: ۲/۱۰۹

(٢) الهداية، كتاب الطهارات، باب الماء الذي يجوز به الوضوء ومالايجوز به: ۱/۳۹

ترجمہ: اور ہر کچی کھال جس کو دباغت دی گئی، وہ پاک ہوگئی، اور اس دباغت دی ہوئی کھال میں نماز جائز ہے اور اس سے وضو (جائز ہے) سوائے سور کی کھال کے۔

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم لما خلع نعليه في الصلاة خلع الناس نعالهم فلما فرغ من الصلاة قال:مابالكم خلعتم نعالكم؟فقالوا:خلعت نعليك فخلعنا نعالنا فقال:أتاني جبريل وأخبرني أن بهما أذى.(١)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے نماز میں اپنے نعلین نکالے تو (آپ کے اتباع میں) صحابہؓ نے بھی اپنے اپنے جوتے اُتار لیے۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''تم لوگوں کو کیا ہوا کہ اپنے جوتے نکال دیے''؟ کہنے لگے: ''آپ نے اپنے جوتے نکالے تو ہم نے بھی اپنے جوتے نکال دیے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس تو جبریل آئے اور اُس نے اطلاع دی کہ میرے نعلین پر کوئی نجاست ہے (اس لیے میں نے انہیں نکال دیا)''۔ ❁❁❁

چرچ میں نماز پڑھنا

سوال نمبر (53):

عام طور پر نماز مسجد میں پڑھی جاتی ہے، لیکن اگر کہیں چرچ میں نماز پڑھی گئی یا روزہ افطار کیا گیا تو شرعاً چرچ، یعنی عیسائیوں کے عبادت خانہ میں روزہ افطار کرنا اور وہاں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ شریعتِ مطہرہ کی رو سے نماز کی صحیح ادائیگی کے لیے اس کی شرائط وارکان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ جگہ کا پاک ہونا بھی ان شرائط میں شامل ہے۔

صورتِ مسئولہ کے پیشِ نظر عیسائیوں کے عبادت خانے (چرچ) میں پڑھی گئی نماز کے بارے میں اگر نمازی کو جگہ کی پاکی کا علم ہو تو نماز واجب الاعادہ نہیں ہے، تاہم آئندہ کے لیے اس بات کا لحاظ ہو کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہ میں نماز پڑھنے سے اور روزہ افطار کرنے سے احتراز کرے، کیونکہ اس سے جنگ وجدال اور فتنہ پھیلنے کا اندیشہ ہے، بہتر یہ ہے کہ مسلمان اپنی عبادت گاہوں میں نماز پڑھنے کا اہتمام کریں۔

(١) بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان مايقع به التطهير:١/٤٣٩، ٤٤٠

والدلیل علیٰ ذلک:

قال النبي ﷺ:"جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا و أيما رجل من امتي أدركته الصلوة فليصل"(۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پوری زمین میرے لیے سجدہ گاہ اور پاکی کا ذریعہ بنائی گئی ہے۔ چنانچہ میری امت کے کسی بھی شخص پر جہاں بھی نماز کا وقت آجائے، اس جگہ نماز پڑھ لینی چاہیے''۔

❁❁❁

امام کی تکبیرِ تحریمہ کا وقت

سوال نمبر(54):

مکبر کے قدقامت الصلوۃ کے وقت امام کے لیے تکبیرِ تحریمہ کہنا درست ہے یا اقامت ختم ہونے کا انتظار کرنا چاہیے؟ بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

تکبیرِ تحریمہ چاہے اقامت کے اختتام سے پہلے پڑھی جائے یا اقامت سے فراغت کے بعد، دونوں صورتیں جائز ہیں اور نماز پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑتا، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قد قامت الصلوۃ سے پہلے تکبیرِ تحریمہ کہنی چاہیے جب کہ امام ابویوسفؒ اقامت سے مکمل فراغت کے بعد تکبیرِ تحریمہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔

والدلیل علی ذالک:

قال أبو حنيفةؒ: يكبر قبيل قوله" قدقامت الصلوة"... وقال أبو يوسفؒ: ينتظر فراغ المؤذن من الإقامة،فإذافرغ منها كبر،هذابيان الأفضلية.(۱)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ: ''امام مکبر کے قدقامت الصلوۃ کہنے سے پہلے تکبیر پڑھے'' اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ: ''امام مؤذن کی اقامت سے فراغت کا انتظار کرے۔ پس جب وہ اقامت سے فارغ ہوجائے تو تکبیر کہے'' لیکن یہ بیان (اختلاف) افضلیت کا ہے۔

❁❁❁

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الصلوٰة، باب قول النبي ﷺ جعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً: ۱/ ٦۲

(۱) الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، فصل في بيان آداب الصلاة: ۱/ ۳۸۷

چلتی گاڑی میں فرض نماز پڑھنا

سوال نمبر (55):

ایک شخص بس میں سوار ہوا، راستے میں نماز کا وقت آیا، ڈرائیور نے بس روکنے سے انکار کیا، اس شخص نے مجبوری کی بنا پر بس کے اندر بیٹھ کر نماز پڑھی تو قبلہ رخ نہ ہونے اور قیام کے فوت ہو جانے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اور اس شخص پر نماز کا اعادہ ضروری ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ زمانہ قدیم میں نقل وحرکت کے ذرائع اور سواری کی سہولت کی کمی کی وجہ سے سفر کرنا ایک مشکل مرحلہ ہوا کرتا تھا، بسا اوقات کسی سواری کی فوت ہو جانے سے دوسری سواری کا ملنا ناممکن ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ فقہائے کرام نے اس وقت کے حالات کی روشنی میں دورانِ سفر سواری میں فرض نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا تھا اور بعض شرائط وارکان، مثلاً: قبلہ رخ ہونے اور قیام کو ساقط قرار دیا تھا، لیکن موجودہ زمانے کو زمانہ قدیم پر قیاس کرنا چند وجوہات کی بنا پر درست نہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ آج کل کے حالات امن وامان اور وسائل کی فراہمی کے حوالے سے قدیم دور سے مختلف ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس وقت حیوان سواری بھی مشکل سے مل جاتی تھی جب کہ آج کل گاڑیوں کی فراوانی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اسی طرح قدیم زمانے میں ذرائع کی کمی تھی اور آج کل وسائل کی فراوانی ہے، قدیم دور کے سفر کی نوعیت بھی آج کی طرح نہیں۔ وہ قافلوں کی شکل میں کئی دنوں تک سفر کرتے تھے جب کہ آج کل بین الاقوامی اسفار گھنٹوں تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں، لہٰذا آج کے ترقی یافتہ دور کو زمانہ قدیم پر قیاس کرنا مشکل ہے۔ اس لیے سفر کرتے وقت بس نہ روکنے کی صورت میں بس کے اندر فرض نماز اس طرح پڑھنا کہ قیام اور قبلہ رخ کی شرط متحقق نہ ہو، درست نہیں، کیوں کہ موجود دور کی سہولتوں کے پیش نظر یہ ایسا قابل اعتبار عذر نہیں رہا کہ جس کی وجہ سے قیام وغیرہ ساقط ہو جائے اور اس لیے بھی کہ اگر بس سے اتر کر نماز پڑھ لے تو دوسری بس آسانی سے مل سکتی ہے، تاہم جہاں کہیں قدیم زمانہ کا عذر متحقق ہو، یعنی مثلاً ہوائی سفر ہو جس میں تقدیم وتاخیر نہ ہو سکے یا دشوار گزار علاقوں میں ایک سواری چھوڑنے پر متبادل سواری میسر نہ ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں بس میں جس طرح ممکن ہو نماز پڑھے۔

والدّليل علىٰ ذلك:

قال صاحب الهداية: ويستقبل القبلة ؛ لقوله تعالىٰ: فولوا وجوهكم شطره...ومن كان غائبًا،ففرضه إصابة جهتها هو الصحيح ...فرائض الصلاة ستّة التحريمة ؛لقوله تعالىٰ:﴿وربّكَ فكبّر﴾،والقيام؛لقوله تعالىٰ:﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ (۱)

ترجمہ:

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ:'' قبلہ رخ ہوکر نماز پڑھنا نماز کی شرائط میں سے ہے'' کیوں کہ اللہ پاک نے قرآن مجید میں فرمایا کہ:''تم پھیرو اپنے چہرے اس کی طرف......اور جو غائب ہو تو صحیح قول کے مطابق اس کا فریضہ اس کی جہت کی طرف پڑھنے سے درست ہوگا'' اور نماز میں چھ فرض ہیں تکبیر تحریمہ اللہ پاک کے اس قول کی وجہ سے''اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کر'' اور قیام، اللہ پاک کے اس قول کی وجہ سے کہ''اللہ کے سامنے عاجزی سے کھڑے ہو جاؤ''۔

❁❁❁

کشتی میں نماز پڑھنا

سوال نمبر(56):

چلتی ہوئی کشتی میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر کشتی میں کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھی جائے تو اس کا اعادہ ضروری ہے یا نماز ادا ہو جائے گی؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

کشتی میں سوار مسافر پر اگر نماز کا وقت آجائے تو اس پر نماز پڑھنا فرض ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کشتی کسی کنارے کھڑی کر کے باہر نکل کر ساحل پر نماز پڑھے۔ اگر ممکن نہ ہو تو پھر کشتی میں بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔

جہاں تک کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو اس میں ائمہ احناف کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بغیر عذر کے بھی کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک اگر عذر ہو تو بیٹھ کر پڑھنا درست ہے اور بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ اگر عذر نہ ہو تو کھڑے ہو کر نماز

(۱) الهداية، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/ ۹۵، ۹۷.

پڑھی جائے، تاہم دونوں صورتوں میں نماز کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے، اعادہ ضروری نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

إذا صلّى قاعداً في السفينة،وهي تجري مع القدرة على القيام تجوز مع الكراهة عند أبي حنيفةؒ،وعندهما لا تجوز.(١)

ترجمہ:

اگر چلتی کشتی میں قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔

❁❁❁

کھڑی کشتی میں نماز پڑھنا

سوال نمبر(57):

کھڑی ہوئی کشتی میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق :

کھڑی ہوئی کشتی میں نماز ادا کرنا جائز نہیں۔ اگر کشتی کنارہ پر باندھی ہوئی ہو اور زمین پر لگی ہوئی ہو تو اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر زمین پر لگی ہوئی نہ ہو، لیکن اس سے نکلنا ممکن نہ ہو تب بھی اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے، تاہم اگر اس سے نکلنا ممکن ہو تو پھر کشتی سے نکل کر باہر زمین پر نماز پڑھی جائے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

لو كانت السفينة مشدودة لا تجري، لا تجوز إجماعاً، لو صلّى فيها، فإن كانت مشدودة على الحد مستقرة على الأرض فصلّى قائما أجزأه، وإن لم تكن مستقرة،ويمكنه الخروج عنها،لم تجز الصلوة فيها.(٢)

---

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة،الباب الخامس عشر في صلاة المسافر:١/١٤٣.

(٢)الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة،الباب الخامس عشر في صلاة المسافر:١/١٤٣.

ترجمہ:

اگر کشتی کنارے کے ساتھ بندھی ہوئی ہو اور پانی میں چلتی نہ ہو تو بالاجماع اس میں نماز جائز نہیں، البتہ اگر وہ کنارے پر اس حال میں بندھی ہوئی ہو کہ زمین پر پڑی ہوئی ہو تو پھر اس میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر زمین پر لگی ہوئی نہ ہو اور اس سے نکلنا ممکن ہو تو اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

❁❁❁

ماتھے پر زخم ہونے کی حالت میں صرف ناک کے ساتھ سجدہ کرنا

سوال نمبر(58):

اگر کسی شخص کی پیشانی زخمی ہو جائے اور نماز پڑھتے وقت وہ اس زخمی پیشانی سے سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو تو کیا وہ اسی حالت میں صرف ناک زمین پر رکھ کر سجدہ کرے گا یا بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ سجدہ کرے گا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ماتھے پہ زخم کی وجہ سے جب کوئی سجدہ میں پیشانی زمین پر لگانے سے عاجز ہو جائے اور ناک زمین پر لگا سکتا ہو تو وہ صرف ناک لگا کر سجدہ کرے گا اور اس کے لیے بیٹھ کر اشارہ سے سجدہ کرنا جائز نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

وإن كان بجبهته جرح لا يستطيع السجود عليه لم يجزه الإيماء،وعليه أن يسجد على أنفه وإن لم يسجد علىٰ أنفه،وأومأ لم تجز صلاته كذا في الذخيرہ.(١)

ترجمہ:

اور اگر نمازی کی پیشانی پر زخم ہو، اور وہ سجدہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کے لیے اشارہ کے ساتھ سجدہ کرنا جائز نہیں، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ صرف ناک زمین پر رکھ کر سجدہ کرے۔ اگر ناک پر سجدہ نہ کیا بلکہ اشارہ کے ساتھ کیا تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔

❁❁❁

(١)الفتاوى الهندية،كتاب الصلوة،الباب الرابع عشر في صلاة المريض:١٣٦/١

قومہ سے سجدہ میں جانے کا طریقہ

سوال نمبر(59):

نماز کی حالت میں رکوع سے اٹھ کر کھڑے ہونے کے بعد سجدے کو جاتے وقت اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا کیسا ہے؟ سنا ہے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، کیونکہ تکرار رکوع لازم آتا ہے۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ قومہ سے سجدہ کی طرف جانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ گھٹنے زمین پر ٹیکنے سے پہلے کمر اور سینہ نہ جھکائے، بلکہ کمر بالکل سیدھی رکھنی چاہیے۔ اگر سجدہ میں جاتے ہوئے ہاتھ گھٹنوں پر رکھے جائیں تو اس کا اثر یہ رہے گا کہ گھٹنے زمین پر لگنے سے قبل ہی اوپر کا دھڑ جھک جائے گا اور یہ جھکنا رکوع سے مشابہت رہے گی، لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ويخر للسجود قائماًمستوياً لا منحنياً لئلا يزيد ركوعاً آخر يدل عليه مافي التاتار خانيه: لو صلى فلماتكلم تذكر أنه ترك ركوعا،فإن كان صلى صلوة العلماء الأتقياء أعاد،وإن صلى صلوة العوام فلا؛لأن العالم التقي ينحط للسجود قائماً مستوياً،والعامي ينحط منحنياً،وذلك ركوع ؛لأن قليل الانحناء محسوب من الركوع.(۱)

ترجمہ:

اور بالکل سیدھا سجدہ میں جائے گا، نہ یہ کہ ٹیڑھا ہو کر سجدہ کے لیے چلا جائے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ کہیں دوسرا رکوع بڑھ جائے۔ اسی پر تاتارخانیہ کی عبارت بھی دلالت کرتی ہے، اگر کسی نے نماز پڑھ کر باتیں کرلیں، پھر اس کو یاد آیا کہ اس نے تو رکوع چھوڑا تھا، اگر یہ شخص علما و اتقیا کی طرح نماز پڑھتا ہو، پھر تو اعادہ کرے گا اور اگر عوام کی طرح نماز پڑھتا ہو تو پھر اعادہ نہیں کرے گا، کیونکہ عالم اور متقی انسان کھڑا ہو کر بالکل سیدھا اور برابر سجدہ کے لیے جاتا ہے اور عامی ٹیڑھا ہو کر سجدہ کرتا ہے اور یہ ٹیڑھا ہونا رکوع ہی تو ہے، کیونکہ تھوڑا سا ٹیڑھا ہونا رکوع ہی کہلاتا ہے۔

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب في إطالة الركوع للجائي:۲/۲۰۲

تیسری رکعت کے بعد قعدہ کرنا

سوال نمبر(60):

ایک شخص نے امام کی اقتدا میں صرف آخری دو رکعتیں ادا کیں اور سلام کے بعد اس شخص نے باقی نماز کچھ اس طرح سے ادا کی کہ ایک رکعت میں ثنا اور سورت پڑھی اور پھر قعدہ کیا اور پھر چوتھی رکعت پڑھی، چونکہ بندہ کئی دفعہ ایسا کر چکا ہے اور کافی نمازیں اس طرح پڑھ چکا ہے تو کیا ان نمازوں کا اعادہ ضروری ہوگا یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

شریعت میں نماز پڑھنے کا مخصوص طریقہ ہے کہ چار رکعت والی نماز میں دوسری اور چوتھی رکعت کے بعد قعدہ ہوتا ہے جب کہ پہلی اور تیسری کے بعد نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص تیسری رکعت کے بعد بقدرِ رکن بیٹھ جائے تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ سجدۂ سہو ادا کرنے سے نماز درست ہو جاتی ہے۔ اگر سجدہ سہو نہ کیا جائے تو نماز کا وقت کے اندر اعادہ ضروری ہے، وقت کے بعد اعادہ نہیں ہوتا، تاہم فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔

صورتِ مسئولہ میں سائل کو دو رکعتیں پڑھتے وقت درمیان میں نہیں بیٹھنا چاہئے تھا۔ بیٹھنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہو گیا اور سجدہ سہو نہ کرنے کی وجہ سے اس کی نماز واجب الاعادہ تھی، لیکن وقت کے اندر نہ کرنے کی وجہ سے اب اس پر اعادہ بھی نہیں، فرضیت اس کے ذمہ سے ساقط ہو گئی ہے، لیکن آئندہ نماز جیسی اہم عبادت میں اس طرح کے امور سے اجتناب کرے۔

والدليل على ذلك:

وكذا القعدة في آخر الركعة الأولىٰ أو الثالثة فيجب تركها، ويلزم من فعلها ايضاً تاخير القيام إلى الثانية أو الرابعة عن محله، وهذا إذا كانت القعدة طويلة، أما الجلسة الخفيفة... فتركها غير واجب(١)

ترجمہ: اور اسی طرح پہلی یا تیسری رکعت کے آخر میں قعدے بھی ہے تو اس کا چھوڑنا واجب ہے۔ اس طرح اس کے کرنے سے دوسری یا چوتھی رکعت میں قیام کا اپنے محل سے تاخیر لازم آتی ہے۔ یہ حکم تب ہے، جب

(١) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب لاينبغي أن يعدل عن...... ١٦٤/٢.

قعدہ لمبا ہو، پس اگر مختصر جلسہ ہو تو اس کا چھوڑنا واجب نہیں۔

❁❁❁

نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا

سوال نمبر (61):

احناف کے نزدیک امام کی اقتدا میں سورت فاتحہ پڑھنا مقتدی پر لازم نہیں ہے۔اب اگر کوئی مقتدی سورۂ فاتحہ قصداً یا بھول سے پڑھ لے تو اس صورت میں اس کی نماز پر کوئی اثر پڑھتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی شخص باجماعت نماز میں شریک ہو تو اس کو چاہیے کہ امام کی قراءت خاموشی سے سنے اور خود قراءت کرنے سے احتراز کرے، کیونکہ فقہانے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں جس شخص نے امام کے پیچھے قصداً یا بھول سے سورۂ فاتحہ پڑھی ہو، اس کی نماز صحیح ہے، البتہ یہ فعل مکروہ ہے، لیکن پھر بھی اگر کوئی قصداً اور دوام کے ساتھ امام کے پیچھے قرأت کرتا رہے تو چونکہ احناف سے اس میں ایک قول مکروہ تحریمی کا بھی ہے اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب اگر قصداً ہو تو اعادہ واجب ہے، لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

وتكره القراءة خلف الإمام عند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ هكذا في الهداية ...فإن كانت تلك الكراهة كراهة تحريم تجب الإعادة، أو تنزيه تستحب،فإن الكراهة التحريمة في رتبة الواجب، كذا في فتح القدير.(١)

ترجمہ:

اور قرأت خلف الامام امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے ہاں مکروہ ہے۔۔۔۔۔اگر کراہت سے کراہتِ تحریمی مراد ہو تو نماز واجب الاعادہ ہوگی اور اگر کراہت سے کراہت تنزیہی مراد ہو تو پھر اس کا اعادہ مستحب ہوگا، کیونکہ مکروہِ تحریمی واجب کے مرتبہ میں ہے، اسی طرح فتح القدیر میں بھی مذکور ہے۔

---

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة،الباب السابع فيمايفسدالصلوة ومايكره فيها،الفصل الثاني:١/١٠٩

نماز میں فرض قرأت کی مقدار

سوال نمبر(62):

نماز میں فرض قرأت کی مقدار کتنی ہے۔اگر کوئی شخص نماز میں صرف ﴿اَلْحَاقَّةُ مَاالْحَاقَّةُ وَمَآاَدْرٰكَ مَاالْحَاقَّةُ﴾ یا﴿اَلْقَارِعَةُ مَاالْقَارِعَةُ وَمَآاَدْرٰكَ مَاالْقَارِعَةُ﴾ پڑھے تو کیا اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رو سے نماز میں تین چھوٹی آیتیں یا ایک لمبی آیت پڑھنا فرض ہے،تاہم اگر کوئی شخص نماز میں لمبی آیت سے آدھی آیت پڑھ کر رکوع میں چلا جائے تو ایسی نماز فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ یہ آدھی آیت یا تو تین چھوٹی آیتوں سے زیادہ ہوتی ہے یا اس کے برابر،اس لیے مقدارِ قراءت پوری ہونے کی وجہ سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اَلْحَاقَّةُ مَاالْحَاقَّةُ وَمَآاَدْرٰكَ مَاالْحَاقَّةُ﴾ اور ﴿اَلْقَارِعَةُ مَاالْقَارِعَةُ وَمَآاَدْرٰكَ مَاالْقَارِعَةُ﴾ سے نماز ہو جاتی ہے، کیونکہ مقدارِ قراءت (تین آیتیں) پوری ہے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

وفي رواية ثلاث آيات قصار،أو آية طويلة وهو قولهما،ورجحه في الأسرار بأنه احتياط ؛لأن قوله﴿لم يلد ﴾﴿ثم نظر﴾لا يتعارف قرآنا،وهو قرآن حقيقة... فالأمر المطلق لا ينصرف إلى ما لا يتعارف قرآنا،والإحتياط أمرحسن في العبادات...وأفاد أنه لو قرأ نصف آية طويلة في ركعة و نصفها في أخرى فإنه لا يجوز؛لأنه ما قرأ آية طويلة،وفيه اختلاف المشايخ،وعامتهم على الجوا ز؛لأن بعض هذه الآيات تزيد على ثلاث آيات قصار أو تعدلها،فلا يكون أدنىٰ من آية،وصححه في منية المصلي.وعلم من تعليلهم أن كون المقروء في كل ركعة النصف ليس بشرط بل أن يكون البعض المقروء يبلغ ما يعد بقراء ته قارئاعرفا.(۱)

ترجمہ:

اور ایک روایت میں ہے کہ تین چھوٹی آیتوں یا ایک لمبی آیت کے ساتھ نماز ہو جاتی ہے اور یہ صاحبین کا

(۱)البحرالرائق، كتاب الصلوة،باب صفة الصلوة،قوله:(وفرض القرائة):۱/۵۹۱،۵۹۲

قول ہے اوراس کو اسرار میں ترجیح دی گئی ہے، کیونکہ یہ احتیاط پر مبنی ہے، کیونکہ اس کا یہ قول [illegible] ثم نظر [illegible] تو عرفاً قرآن نہیں ہے، اگر چہ یہ حقیقتاً قرآن ہے۔ پس امر مطلق اس پر لاگو نہ ہوگا جو عرفاً قرآن مجید نہ ہو اور احتیاط عبادات میں بہتر چیز ہے اوراس سے یہ فائدہ نکلتا ہے کہ اگر کسی نے ایک رکعت میں لمبی آیت آدھی پڑھی اور دوسری میں آیت کا بقیہ حصہ پڑھا تو یہ جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس نے ایک لمبی آیت کی تلاوت نہیں کی ہے، تاہم اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور عام مشائخ اس کے جواز کے قائل ہیں، کیونکہ بعض بڑی آیتوں کا نصف تین چھوٹی آیتوں سے بڑھ جاتا ہے یا اس کے برابر ہوتی ہے تو یہ ایک آیت سے کم نہیں۔ اوراسی قول کو منیۃ المصلی میں صحیح کہا گیا ہے اوران لوگوں کی اس تعلیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہر رکعت میں آدھی آیت پڑھنا شرط نہیں ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آیت کا بعض حصہ جو کہ کسی رکعت میں تلاوت کیا جائے وہ اتنا ہو کہ اس کے پڑھنے والے کو عرفاً قاری کہا جائے۔

❁❁❁

دورانِ قرأت الفاظ کی بجائے معانی اور مقدرات پڑھنا

سوال نمبر(63):

قرآن کی تفسیر میں مفسرین نے الفاظِ قرآنی کی جو معانی اور مقدرات عربی زبان میں بیان کی ہوں، قرآن کی بجائے ان معانی اور مقدرات کو پڑھنے سے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نصِ قرآنی سے دورانِ نماز قرأت کی فرضیت ثابت ہے۔ اور قرآن کریم چونکہ نظم اور معنیٰ دونوں کے مجموعے سے عبارت ہے، اس لیے اگر کوئی شخص ان دونوں کی رعایت نہ رکھے، اور نماز میں قرأت کی بجائے صرف ترجمہ یا عربی زبان کے معانی پر اکتفا کرے تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عربی تفاسیر کے اندر نکالے ہوئے مقدرات کو پڑھے تو اس کی نماز بھی صحیح نہیں ہوگی۔ پہلی صورت میں نظم کی رعایت نہیں رکھی گئی اور دوسری صورت میں نماز اس وجہ سے درست نہیں ہوئی کہ قرآن میں نکالے ہوئے مقدرات کلام الناس میں سے ہیں اور کلام الناس کے مشابہ الفاظ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

و الدلیل علیٰ ذلک :

(ومنها القرأة) لقادر عليه كما سيجئ،وهو ركن زائد عند الأكثر لسقوطه بالاقتداء بلا خلف.

وفي رد المحتار: قوله: (منها القراءة) أي قراءة آية من القرآن، وهي فرض.(١)

ترجمہ:

ارکانِ نماز میں سے ایک رکن قرأت ہے، لیکن اس شخص کے لیے جو اس پر قادر ہو اور یہ اکثر کے نزدیک ایک زائد رکن ہے، اس لیے کہ یہ اقتدا کے وقت بغیر کسی خلف (قائم مقام) کے ساقط ہو جاتا ہے۔ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کی ایک آیت کا پڑھنا فرض ہے۔

إن القرآن إسم للنظم والمعنیٰ جميعا، لا أنه اسم للنظم فقط، كما ينبئ عنه تعريفه بالإنزال، والكتابة، والنقل ولا أنه إسم للمعنیٰ فقط.(٢)

ترجمہ:

قرآن نظم اور معنیٰ دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ فقط نظم کا نام نہیں ہے جیسا کہ منزل مکتوب اور منقول کے ذریعے اس کی تعریف کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور نہ ہی یہ فقط معنیٰ کا نام ہے۔

❁❁❁

مقتدی کا کسی رکن میں امام سے پیچھے رہ جانا

سوال نمبر (64):

میرے والد صاحب انتہائی عمر رسیدہ ہیں، پیرانہ سالی کی اس حالت میں بھی وہ باجماعت نماز پڑھنے کی ہمت کرتے ہیں مسئلہ یہ ہے کہ سجدہ میں وہ امام کو نہیں پا سکتے، چنانچہ وہ جب ایک سجدہ کرتے ہیں تو امام دوسرے سجدے سے بھی فارغ ہو چکا ہوتا ہے، اس حالت میں وہ کیا کرے؟

بیّنوا توجروا

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مبحث القراءة: ٢/١٣٣

(٢) ملاجيون، حافظ شيخ أحمد، نورالأنوار، مبحث اطلاق نظم القرآن ومعناه: ص:١١، مير محمد كتب خانه كراچی

الجواب وباللہ التوفیق:

امام کی متابعت واجب تین قسم کی ہے، ایک یہ کہ مقتدی امام کے ساتھ تمام ارکان میں پوری طرح ایک ساتھ برابر شریک رہے، دوسری یہ کہ کسی رکن میں امام تھوڑا آگے چلا جائے اور مقتدی پیچھے رہ جائے، تیسری یہ کہ امام کسی رکن سے بالکل فارغ ہو اور مقتدی امام کی ادائیگی کے بعد وہ رکن ادا کرے۔ ان تینوں صورتوں میں متابعت کا حق ادا ہو کر مقتدی کی نماز درست ہوگی، تاہم تیسری صورت اگر بغیر عذر کی ہو تو مکروہ ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر موصوف عذر کی وجہ سے امام کی سجدہ سے فراغت [illegible] بعد سجدہ [illegible] ہے، تاہم قصداً ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

متابعة الإمام في الفرائض، والواجبات من غير تأخير واجبة، فإن عارضها واجب لاينبغي أن يفوته بل يأتي به، ثم يتابع، كمالو قام الإمام قبل أن يتم المقتدي التشهد، فإنه يتمه ثم يقوم ؛لأن الإتيان به لايفوت المتابعة بالكلية، وإنمايؤخرها، والمتابعة مع قطعه تفوته بالكلية، فكان تأخير أحد الواجبين مع الإتيان بهما أولىٰ من ترك أحدهما بالكلية .(۱)

ترجمہ:

فرائض اور واجبات میں امام کی متابعت بغیر کسی تاخیر کے واجب ہے اور اگر اس متابعت کے ساتھ کوئی واجب معارض ہو تو اس متابعت کو چھوڑ دینا مناسب نہیں، بلکہ وہ واجب پورا کر کے پھر امام کی متابعت کرے جیسا کہ امام مقتدی کے تشہد پورا کرنے سے پہلے اٹھ جائے تو مقتدی تشہد پورا کرے اور پھر اٹھ جائے، کیونکہ تشہد پوری کرنے سے امام کی متابعت بالکلیہ فوت نہیں ہوتی، بلکہ صرف مؤخر ہو جاتی ہے اور تشہد چھوڑ دینے سے (حصہ متروکہ) بالکلیہ رہ جاتا ہے، پس دونوں واجبات میں سے ایک کو موخر کر کے ادا کرنا اس سے بہتر ہے کہ کسی ایک واجب کو بالکلیہ ترک کر دیا جائے۔

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مطلب في تحقیق متابعة الإمام:۲/۱٦٥.

باب الواجبات

مقتدی کا امام سے پہلے رکوع سے اٹھنا

سوال نمبر(65):

مقتدی امام سے رکوع وسجود میں پہلے سر اٹھائے تو حدیث پاک میں ہے کہ اس کا سر گدھے کی طرح ہوگا۔اس حدیث کی نشاندہی کیجیے۔اگر حدیث میں نہ ہوتو پھر اس قول کی کیا حقیقت ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اقتدا کی صورت میں امام کی مکمل متابعت ضروری ہے۔عدمِ متابعت کی صورت میں بعض دفعہ کسی نماز کے فرائض رہ جانے کی صورت میں فساد لازم آسکتا ہے۔حدیث پاک میں عدمِ اتباع کی صورت میں بڑی وعیدیں آئی ہیں کہ اللہ پاک اس کا سر گدھے کی طرح کرے گا۔بعض روایات میں کتے کا ذکر ہے۔یہ روایات مسلم شریف،ابوداؤد اور بخاری شریف وغیرہ میں مذکور ہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

عن محمد بن زیاد قال: سمعت أبا هريرةؓ عن النبی ﷺ قال: أما يخشیٰ أحدكم أوالا يخشیٰ أحدكم إذا رفع رأسه قبل الإمام أن يجعل الله رأسه رأس حمار أويجعل الله صورته صورة حمار.(۱)

ترجمہ:

میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''کیا تم میں سے کوئی شخص جب امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے تو وہ اس بات سے نہیں ڈرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کے سر کی طرح بنادے یا اس کی شکل گدھے کی شکل کی طرح کردے''

(۱) البخاری، کتاب الصلوۃ،باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام: ۹٦/۱

مقتدی کا امام سے قبل سلام پھیرنا

سوال نمبر(66):

اگرکوئی مقتدی نماز میں امام کے سلام پھیرنے سے پہلے سلام پھیر کر چلا جائے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر کوئی مقتدی امام کے سلام پھیرنے سے پہلے سلام پھیر کر نماز سے نکل جائے تو اگر امام تشہد پڑھ چکا ہو تو مقتدی کی نماز کراہت کے ساتھ پوری ہو جاتی ہے البتہ فقہاے کرام نے اس کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے اور جو نماز کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا ہو جائے تو وقت کے اندر اس کا اعادہ واجب ہو جاتا ہے، اس لیے مقتدی پر وقت کے اندر اس طرح کی نماز کا اعادہ واجب ہوگا اور اگر مقتدی امام کے تشہد پڑھنے سے قبل ہی سلام پھیر کر چلا جائے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، لہٰذا وقت کے اندر دوبارہ پڑھنا یا وقت گزرنے کے بعد قضا لانا لازمی ہوگا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(وكره سلام المقتدي بعد تشهد الإمام)لوجود فرض القعود (قبل سلامه) لتركه المتابعة.

قوله:(لتركه للمتابعة)علة لقوله وكره،وأفاد به أن الكراهة تحريمية.(۱)

ترجمہ:

امام کے تشہد کے بعد مقتدی کا سلام پھیرنا مکروہ ہے، کیونکہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے قعود کا فرض ادا ہو چکا ہے اس لیے (مکروہ ہے) کہ اس نے امام کی متابعت چھوڑ دی۔ ترکِ متابعت علت ہے کراہت کے لیے۔ اور اس علت سے کراہتِ تحریمی مستفاد ہوتی ہے۔

❁❁❁

(۱) الطحطاوي، سيدأحمد، حاشية الطحطاوي علیٰ مراقي الفلاح، باب الإمامة، فصل في ما يفعله المقتدي، ص:۲۵۱

سری قرأت پڑھنے کی مقدار

سوال نمبر (67):

علماے کرام سے سنا ہے کہ نماز میں قرأتِ سری کی مقدار میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ: ''الفاظ مخارج سے صحیح ادا ہو جائیں''، اگرچہ نمازی خود نہ سن سکے اور بعض کہتے ہیں کہ: ''قراءت کا خود سننا بھی ضروری ہے''، لہٰذا ان میں مفتیٰ بہ قول کون سا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نماز کے دوران سری قرأت کی ادنیٰ مقدار میں ائمہ کا جو اختلاف ہے وہ کچھ یوں ہے کہ امام کرخیؒ کا قول یہ ہے کہ حروف اپنے مخارج سے صحیح ادا ہوں، اگرچہ نمازی خود نہ سن سکے، تب بھی قرأت ہو جائے گی جب کہ امام فقیہ ابو جعفر ہندوانیؒ کا قول یہ ہے کہ: ''تصحیح حروف کے ساتھ ساتھ نمازی کا خود سننا ضروری ہے، ورنہ اگر صرف تصحیح حروف ہو جائے اور اس سے اتنی آواز پیدا نہ ہو جائے کہ نمازی خود اس کو سن سکے تو فرض قرأت ادا نہ ہوگی جس سے نماز کی صحت متاثر ہو جاتی ہے'' چونکہ یہ عبادات کا مسئلہ ہے اِس لیے علماے کرام نے احتیاط کا لحاظ رکھتے ہوئے امام ابو جعفر ہندوانیؒ کے قول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ یہی اکثر مشائخ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

والدليل علىٰ ذلك:

ثم المخافة أن يسمع نفسه،والجهر أن يسمع غيره،وهذا عند الفقيه أبي جعفر الهندوانيؒ ؛لأن مجرد حركة اللسان لا يسمى قراءة بدون الصوت،وقال الكرخي :أدنىٰ الجهرأن يسمع نفسه وأدنى المخافتة تصحيح الحروف.(١)

ترجمہ:

پھر سری قرأت کا اندازہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور جہر یہ ہے کہ دوسروں کو سنائے اور یہ فقیہ ابو جعفرؒ کا قول ہے، کیونکہ بغیر آواز کے محض زبان کی حرکت کا نام قرأت نہیں کہلاتا اور امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ: ''جہر کا کم تر مرتبہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے۔ جب کہ مخفی قراءت کا ادنی مرتبہ تصحیح حروف ہے''۔

(١)الهداية، كتاب الصلوة،فصل في القرأة:١/١١٩

أما حد القراءة:فنقول:تصحيح الحروف أمر لا بد منه،فإن صحح الحروف بلسانه ولم يسمع نفسه لا يجوز،وبه أخذ عامة المشايخ،هكذا في المحيط،وهو المختار.هكذا في السراجيه.(۱)

ترجمہ:

قرأت کی حد کے متعلق ہمارا قول یہ ہے کہ حروف کا صحیح ادا ہونا ضروری ہے،اگر کسی نے زبان سے بغیر آواز کے حروف صحیح کئے اور وہ حروف خود اپنے آپ کو نہ سنائے تو جائز نہیں۔عام مشائخ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے،یہی مذکورہ قول مختار ہے۔

❁❁❁

پہلی رکعت میں مکمل قرآن پڑھنے سے دوسری رکعت میں تلاوت کا حکم

سوال نمبر(68):

اگر کوئی شخص پہلی رکعت میں پورا قرآن کریم ختم کرے، یہاں تک کہ سورۃ الناس بھی پڑھ لے تو دوسری رکعت میں کیا کرے گا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ تلاوت موجبِ اجروثواب ہے۔خصوصاً نماز میں پورے قرآن کا پڑھنا اور بھی سعادت کی بات ہے۔اب اگر کوئی شخص نماز میں تلاوتِ کلامِ الٰہی کر رہا ہو اور پہلی رکعت میں پورا قرآن پڑھے،اب دوسری رکعت میں اس کو چاہیے کہ سورتِ فاتحہ کے ساتھ سورتِ بقرہ کا کچھ حصہ پڑھے،کیونکہ حدیث شریف میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے اور اگر دوسری رکعت میں فاتحہ کے ساتھ صرف سورتِ الناس پڑھی تو بھی درست ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قوله:(إلا إذا ختم)وفي الولوالجية:ومن يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من المعوذتين في الركعة الأولى يركع،ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة وشيء من سورة البقرة؛لأن النبي ﷺ قال:

---

(۱)الفتاوى الهندية،كتاب الصلوة،الباب الرابع في صفة الصلوة،الفصل الأول في فرائض الصلوة:۱/۶۹

"خير الناس الحال المرتحل" أي الخاتم المفتتح.(۱)

ترجمہ:

علامہ ابن عابدینؒ علامہ حصکفیؒ کے اس قول (الا اذا ختم) یعنی قرآن مجید اگر نماز کی پہلی رکعت میں مکمل ہو جائے تو دوسری رکعت میں سورتِ بقرہ سے کچھ حصہ پڑھا جائے گا، اس کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ والوالجیہ میں ہے کہ جس نے قرآن مجید ختم کیا اور معوذتین سے پہلی رکعت میں فارغ ہوگیا تو یہ شخص رکوع کرے گا اور پھر دوسری رکعت میں سورتِ فاتحہ پڑھے گا اور سورتِ بقرہ کا کچھ حصہ، کیونکہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید ختم کرتے ہی دوبارہ شروع کرلے۔

❁❁❁

قضا اور نفل نماز میں جہری قرأت

سوال نمبر (69):

اگر کسی شخص سے نماز قضا ہو جائے تو اس کو جہرا قرأت کے ساتھ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز نوافل میں جہرا قرأت کرنا کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے جن نمازوں میں جہر کے ساتھ قرأت کرنا منقول ہے، اُن میں بشرطِ جماعت قرأت کرنا واجب ہے اور جن نمازوں میں خفیہ قرأت کرنا منقول ہے، اُن میں خفیہ قرأت کرنا واجب ہے۔ یہ حکم جس طرح وقت پر باجماعت نماز ادا کرنے کے بارے میں ہے۔ اسی طرح وقت گزرنے کے بعد باجماعت قضا نماز لوٹانے کا بھی یہی حکم ہے، تاہم اگر کسی ایک شخص سے وہ نماز قضا ہوگئی جس میں قرأت جہرا کی جاتی ہو تو قضا نماز پڑھتے وقت جہر کے ساتھ قرأت کرنا، اگرچہ فقہائے کرام کے درمیان مختلف فیہ ہے، لیکن اس صورت میں بھی جہر کرنا افضل ہے۔ تاہم اگر کوئی سری طور پر قراءت کرے تو بھی جائز ہے۔ جہاں تک نوافل کی بات ہے تو اس بارے میں فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی دن

---

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية: ۲/۲۶۹

کے وقت نفل نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لیے خفیہ قرأت کرنا ضروری ہے، تاہم رات کے وقت نوافل پڑھنے میں اس کو اختیار ہے، چاہے جہراً پڑھے یا سراً دونوں جائز ہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

إذا ترك صلاة الليل ناسيا، فقضاها في النهار وأم فيها وخافت، كان عليه السهو، وإن أم ليلا في صلاة النهار يخافت، ولا يجهر، فإن جهر ساهيا كان عليه السهو... والمنفرد إذا قضى هذه الصلوات ففي الجهر فيما يجهر اختلاف المشايخ، والأصح أن الجهر أفضل...وأما نوافل النهار فيخفي فيها حتما... وفي نوافل الليل يتخير.(١)

ترجمہ:

اگر کسی نے رات کی نمازوں میں سے کوئی نماز بھول کر چھوڑ دی، پھر دن کے وقت قضا کیا اور اس میں امام بنا اور قرأت اونچی آواز سے نہ کی تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا اور اگر کسی نے دن کی نماز رات کے وقت قضا کی اور اس میں امام بنا تو اس کا حکم یہ ہے کہ قرأت آہستہ کرے گا اور اونچی آواز سے قرأت نہیں کرے گا۔ پس اگر اس نے اس صورت میں بھول کر اونچی آواز سے قرأت کی تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ اکیلا نمازی جب نمازوں کی قضا لوٹائے تو جن نمازوں میں قرأت اونچی کی جاتی ہے، اُن کی قضا کرتے وقت قرأت اونچی پڑھنے میں مشائخ کا اختلاف ہے، زیادہ صحیح حکم یہ ہے کہ اس کے لیے اونچی آواز سے قرأت کرنا افضل ہے۔ دن کے نفلوں میں یقینی حکم یہی ہے کہ آہستہ قرأت کرے اور رات کے نفلوں میں اسے اختیار ہے۔

❁❁❁

فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں فاتحہ چھوڑنا

سوال نمبر (70):

اگر کوئی شخص چار رکعت والی فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورتِ فاتحہ نہ پڑھے، پھر سجدۂ سہو بھی نہ کرے تو آیا یہ نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

(١) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلوة، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الثاني في واجبات الصلوة: ١/٧٢

الجواب وبالله التوفيق:

چونکہ فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورتِ فاتحہ پڑھنا مسنون ہے، اس لیے سورتِ فاتحہ نہ پڑھنے سے سجدہ سہو کی ادائیگی لازم نہیں آتی۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کوئی فرض نماز کی چار رکعتوں میں آخری دو رکعت میں سورتِ فاتحہ چھوڑ کر بغیر سجدۂ سہو کے بقیہ نماز پوری کرے تو اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا، البتہ عادت کے طور پر سورتِ فاتحہ کو ترک کرنا یا اس کو معمول بنانا مناسب نہیں۔

والدليل على ذلك:

وإن ترك القرأة والتسبيح، لم يكن عليه حرج، ولا سجدتا السهو إن كان ساهياً، لكن القراءة أفضل.(۱)

ترجمہ:

اور اگر کسی نے آخری دو رکعتوں میں سورتِ فاتحہ یا تسبیحات نہیں پڑھی تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی بھول کر چھوڑ دینے سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے، لیکن پھر بھی فاتحہ پڑھنا افضل ہے۔

(وهو مخيّر في الأخريين) معناه إن شاء سكت، وإن شاء قرء، وإن شاء سبّح، كذا روي عن أبي حنيفةؒ، وهو المأثور عن عليؓ، وابن مسعودؓ، وعائشةؓ، إلا أن الأفضل أن يقرء؛ لأنه عليه الصلوة والسلام داوم على ذلك، ولهذا لا يجب السهو بتركها في ظاهر الرواية.(۲)

ترجمہ:

اور نماز پڑھنے والے کو آخری دو رکعتوں میں اختیار ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ چاہے خاموش رہے اور چاہے تو پڑھ لے اور اگر چاہے تو تسبیح پڑھے، یہی امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے اور یہی علیؓ، ابن مسعودؓ اور عائشہؓ سے منقول ہے۔ مگر افضل قرأت کرنا ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر مداومت کی ہے اور اسی وجہ سے ترکِ قرأت سے ظاہر الروایہ کے مطابق سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الثالث في سنن الصلوة: ۱/۷۶

(۲) الهداية، كتاب الصلوة، فصل في القرأة: ۱/۱۰۴

نماز میں فاتحہ پڑھتے وقت آیت رہ جانا

سوال نمبر(71):

نماز کی پہلی رکعت میں سورتِ فاتحہ میں اياك نعبد و اياك نستعين رہ جائے تو اس طرح نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ فرائض کی پہلی دو رکعتوں اور سنن، وتر اور نوافل کی تمام رکعتوں میں سورتِ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اس لیے اگر مذکورہ رکعتوں میں سے کسی رکعت میں سورتِ فاتحہ کی ایک آیت بھی رہ جائے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اور اگر سجدۂ سہو ادا نہیں کیا تو نماز دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔

والدلیل علیٰ ذلك:

(قراءة فاتحة الكتاب) فيسجد للسهو بترك أكثرها لا أقلها، لكن في المجتبیٰ: يسجد بترك آية منها، وهو أولیٰ.(۱)

ترجمہ:

واجباتِ نماز میں سے ایک قرأتِ فاتحہ ہے۔ پس اگر اس کا اکثر چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا اور اگر تھوڑا رہ جائے تو سجدۂ سہو واجب نہیں، لیکن مجتبیٰ میں ہے کہ اگر ایک آیت بھی رہ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہے اور یہی قول اولیٰ ہے۔

❁❁❁

فاتحہ کے بعد آدھی آیت پر اکتفا کرنا

سوال نمبر(72):

جمعہ کی نماز میں ایک امام نے یہ آیت آدھی پڑھی: ﴿ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ ﴾

---

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۲/۱۴۹

کیا اس سے نماز درست ہو جاتی ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے نماز میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتوں کا ملانا واجب ہے، تاہم اگر کوئی شخص بڑی آیت آدھی پڑھے تو دیکھا جائے گا کہ وہ آدھی آیت تیس حروف پر مشتمل ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو واجب ادا ہونے کی وجہ سے نماز درست ہو جائیگی۔ اگر تیس حروف سے کم ہوں تو واجب رہ جانے کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہے، تاہم سجدۂ سہو رہ جانے کی صورت میں وقت کے اندر نماز واجب الاعادہ رہے گی۔

صورتِ مسئولہ میں مذکورہ آیتِ کریمہ کے حروف تیس سے متجاوز ہیں، لہٰذا امام کی نماز درست ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

وفي الدرالمختار:(وضم)أقصر(سورة) كالكوثر،أوما قام مقامها،وهو ثلاث آيات قصار،نحو:﴿ ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ وكذا لو كانت الآية، أو الآيتان تعدل ثلاثاًقصاراً. قال ابن عابدين:أي مثل﴿ثم نظر﴾الخ وهي ثلاثون حرفاً،فلو قرء آية طويلة قدر ثلاثين حرفاً يكون قد أتىٰ بقدر ثلاث آيات .(۱)

ترجمہ:

اور(سورۂ فاتحہ کے ساتھ) چھوٹی سورت کا ملانا جیسا کہ سورۂ کوثر ہے یا جو اس کا قائم قام ہو اور یہ تین چھوٹی آیتیں ہیں، جیسا کہ ﴿ ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴾ اسی طرح اگر یہ ایک آیت یا دو آیتیں تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہوں تو قرأت درست ہے، یعنی ثم نظر الخ کی طرح جو کہ تیس حروف ہیں۔ اگر اس نے ایک لمبی آیت پڑھی جو کہ تیس حروف کے بقدر لمبی تھی تو یہ تین چھوٹی آیتوں کا پڑھنے والا متصور ہوگا۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوة،باب صفة الصلوة،مطلب:کل صلوة أديت مع كراهة التحريم،تجب إعادتها:۲/ ۱۴۹

فرض کی آخری رکعتوں میں سورت ملانا

سوال نمبر(73):

ایک آدمی اکیلے نماز پڑھ رہا ہے۔اس نے آخری دو رکعتوں میں فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھی۔کیا اس پر سجدۂ سہو لازم ہے؟ اور اس کی یہ نماز ہو جاتی ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

واضح رہے کہ فرض نماز کی اول دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانا واجب ہے جب کہ آخری دو رکعتوں میں فقط سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے، تاہم اگر کسی نے بھول کر آخری دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورت بھی ملائی تو یہ بمنزلہ تکرار قرأت کے ہو کر اس سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا ہے۔اس لیے بغیر سجدۂ سہو کے نماز صحیح ہوگی۔

والدليل علىٰ ذلك:

ولو قرء في الأخريين الفاتحة، والسورة، لا يلزمه السهو، وهو الأصح.(۱)

ترجمہ:

اور اگر آخری دو رکعتوں میں فاتحہ اور اس کے ساتھ کسی سورت کو ملا کر قرأت کی ہو تو اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں آتا اور یہی قول اصح ہے۔

❁❁❁

قعدہ میں شریک مسبوق کے تشہد کا حکم

سوال نمبر(74):

کوئی مسبوق امام کے ساتھ قعدہ میں شریک ہو جائے اور بعینہٖ اسی وقت امام قیام کے لیے کھڑا ہو جائے تو اس صورت میں یہ شخص اپنا تشہد پورا کرے گا یا امام کی متابعت کرتے ہوئے اس کے ساتھ ہی قیام کے لیے کھڑا ہوگا؟

بيّنوا توجروا

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/ ۱۲٦

الجواب و باللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے مقتدی کے لیے نماز کے دوران امام کی متابعت ضروری ہے، تاہم بعض مواضع میں شریعت کی طرف سے تاخیر کی بھی اجازت ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر کوئی شخص امام کے ساتھ قعدہ میں شریک ہوجائے اور امام تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوجائے اور مقتدی نے تشہد پورا نہیں کیا ہو تو مختار قول یہ ہے کہ مقتدی تشہد پورا کر کے امام کے ساتھ شامل ہو، البتہ اگر کسی نے تشہد پورے کیے بغیر امام کی متابعت کی تو بھی نماز صحیح ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

إذا أدرك الإمام في التشهّد، وقام الإمام قبل أن يتمّ المقتدي أو سلّم الإمام في آخر الصلوٰة قيل: أن يتم المقتدي التشهد، فالمختار أن يتمّ التشهّد كذا في الغياثية، وإن لم يتمّ أجزأه. (۱)

ترجمہ:

مقتدی تشہد میں امام کے ساتھ شریک ہوا اور امام مقتدی کے تشہد پورا پڑھنے سے پہلے کھڑا ہوگیا یا مقتدی کے تشہد پورا پڑھنے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا تو (اس صورت میں) مختار حکم یہ ہے کہ مقتدی تشہد پورا پڑھ لے اور اگر پورا نہیں کیا تو پھر بھی نماز جائز ہوجائے گی۔

❁❁❁

مسبوق کا فوت شدہ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورت ملانا

سوال نمبر (75):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو شخص جماعت کی نماز کے آخری دو رکعتوں میں شامل ہوجائے اور پہلی دو رکعتیں اس سے رہ گئی ہوں تو اکیلے دو رکعت ادا کرتے وقت یہ فاتحہ کے ساتھ سورة ملائے گا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السادس في مايتابع الإمام: ۱/ ۹۰

الجواب و باللّٰه التوفيق:

احناف ؒ کے نزدیک مسبوق،قرأت کے اعتبار سے نماز کے پہلے حصہ کی، جب کہ تشہد کے حق میں نماز کے آخری حصہ کی قضا لوٹاتا ہے، چنانچہ سابقہ رکعتوں کی ادائیگی میں اس کی حیثیت منفرد کی ہوگی، لہٰذا جو مسبوق ظہر،عصر یا عشا کی نماز میں امام کے ساتھ آخری دو رکعت پالے تو وہ امام کی فراغت کے بعد اکیلے دو رکعت ادا کرے گا اور اُن دونوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت بھی ملائے گا۔

والدليل علىٰ ذلك:

(وهو منفرد) حتّٰى يثني، ويتعوّذ، ويقرأ، وإن قرأ مع الإمام ...ويقضي أوّل صلوٰته في حق قرأة،وآخرها في حقّ تشهّد ... الخ.(۱)

ترجمہ:

اور مسبوق فوت شدہ نماز کے ادا کرتے وقت منفرد کی طرح ہے۔یہاں تک کہ وہ ثنا،تعوّذ اور قرأت کرے گا، اگرچہ اس نے امام کے ساتھ ایک مرتبہ قرأت کی ہو....اور وہ قرأت کے اعتبار سے نماز کے پہلے حصہ کی، جب کہ تشہد کے اعتبار سے نماز کے آخری حصہ کی قضا لوٹائے گا۔

❁❁❁❁❁

(۱)الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الصلوة،باب الإمامة:۲/۳۴۶،۳۴۷

باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا

(ان چیزوں کا بیان جو نماز کو فاسد یا مکروہ کر دیتی ہیں)

عبادات کے باب میں مفسدات اور مبطلات کا معنی ایک ہی ہے، یعنی کسی ایسے عمل کا ارتکاب جس سے عبادت، عبادت کے درجے سے نکل جائے، چاہے اس عمل سے کوئی شرط یا رکن فوت ہو جائے یا وہ اس عبادت کے بنیادی روح سے متصادم ہو۔

مفسداتِ صلوۃ کے بارے میں سب سے جامع بحث علامہ شرنبلالیؒ نے ذکر فرمائی ہے جنہوں نے تقریباً ستر چیزوں کو نماز کے لیے مفسد قرار دیا ہے۔ انہی مفسدات کا ملخص تذکرہ پیش خدمت ہے۔

(۱) نماز کے دوران کوئی بھی کلام چاہے ارادے سے ہو یا بھول کر ہو، تھوڑا ہو یا زیادہ ہو، مفید ہو یا غیر مفید، نماز کی صحت واصلاح کے لیے ہو یا نہ ہو؛ بہرصورت مفسد صلوۃ ہے، بشرطیکہ وہ کلام اس قدر بلند آواز سے ہو جو خود سننے کے قابل ہو۔

(۲) کوئی بھی ایسی دعا جو مخلوق کے کلام سے مشابہ ہو، مفسد صلوۃ ہے۔

(۳) کسی شخص کو سلام کرنا، سلام کا جواب دینا یا مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھانا مفسد صلوۃ ہے، ارادے کے ساتھ ہو یا بغیر ارادے کے ہو۔

(۴) عملِ کثیر یعنی ایسا عمل کرنا جسے دیکھ کر کوئی شخص یہ سمجھے کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا یا جس کو نمازی خود ہی عمل کثیر سمجھ لے۔

(۵) قبلہ کی جانب سے سینہ کا پھر جانا۔

(۶) نماز کے دوران منہ میں کوئی چیز داخل کر کے کھانا، اگرچہ تل کے برابر ہی کیوں نہ ہو، تاہم اگر پہلے سے منہ کے اندر ہو، چنے کے دانے سے کم ہو اور عمل قلیل کے ذریعے کھالے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ مکروہ ضرور ہوگی۔ ان میں ایک بھی شرط نہ ہو تو نماز فاسد ہوگی۔

(۷) نماز کے دوران پانی یا کوئی اور چیز پی لینا۔

(۸) نماز کے دوران بلا عذر اس طور پر کھانسنا کہ اس سے حروف تہجی بن جائیں، مفسد صلوۃ ہے۔ کسی بیماری کی وجہ سے کھانسنا، آواز صاف کرنا، امام کو غلطی کی طرف متوجہ کرنا اور ناواقف شخص کو اپنے بارے میں حالتِ نماز میں ہونے کی اطلاع دینا سب کے سب اعذار شمار ہوتے ہیں جن سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اسی طرح جمائی یا چھینک اگر روکنے کے قابل نہ رہے اور اس سے آواز پیدا ہو جائے تب بھی یہ مفسد صلوۃ نہیں۔

(۹) نماز کے دوران کوئی چیز تھوکنا یا اس طور پر پھونکنا کہ اس کی آواز خود سن سکے۔

(۱۰) درد اور تکلیف کی وجہ سے رونا یا اُف، اوہ وغیرہ الفاظ منہ سے نکالنا، اس طور پر کہ خود سن سکے، تاہم اگر یہ افعال بطورِ خشیتِ الٰہی سرزد ہوں یا اضطراری ہوں تو ان سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

(۱۱) نماز کے دوران کسی بھی مسنون دعا یا قرآنی آیت کے ذریعے کسی شخص کو جواب دینا مفسد صلوۃ ہے، تاہم اگر مذکورہ اشیاء کسی کے جواب کے طور پر نہ ہوں بلکہ بطورِ ذکر و دعا ہوں تو ان سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

(۱۲) تیمم کرنے والا شخص قعدۂ اخیرہ میں مقدارِ تشہد سے پہلے پانی کے استعمال پر قادر ہوگیا، موزوں پر مسح کیا ہوا تھا اور مسح کی مدت مکمل ہوگئی، اُمّی یعنی ان پڑھ تھا اور اچانک درمیان نماز میں آیتِ قرآنی یاد آگئی، برہنہ نماز پڑھنے والے کو کپڑا میسر آیا، پٹی باندھنے والے کی پٹی صحت مند ہونے کی وجہ سے گر گئی تو ان تمام صورتوں میں نماز فاسد ہوجائے گی۔

(۱۳) حدث لاحق ہونے کے بعد امام کا کسی غیر اہل شخص، مثلاً: معذور یا اُمّی کو اپنی جگہ امام بنانا

(۱۴) نماز کے دوران بے ہوش ہوجانا، دیوانہ ہوجانا یا نظر و احتلام کی وجہ سے انزال ہوجانا

(۱۵) نماز کے دوران اپنے فعل یا کسی دوسرے شخص کے فعل سے کسی مفسد طہارت چیز کا پیش آجانا

(۱۶) کوئی ایسی عورت جو شہوت کی عمر کو پہنچ گئی ہو، کسی مرد کے برابر رکوع وسجدہ والی نماز میں اس طرح کھڑی ہوجائے کہ اس کے ٹخنے اور پنڈلیاں مرد کے ٹخنوں اور پنڈلیوں کے برابر آجائیں اور ایک رکن اس حالت میں ادا کرلے، دونوں کی نماز ایک ہو، دونوں ایک امام کی اقتدا میں ہوں یا وہ مرد امام اور عورت مقتدی ہو، دونوں کے درمیان ایک ہاتھ (شرعی گز) کے بقدر فاصلہ نہ ہو، امام نے اس عورت کی اقتدا کی نیت بھی کی ہو اور مرد نے خاتون کو پیچھے جانے کا اشارہ بھی نہ کیا ہو تو ان شرطوں کے ساتھ صرف مرد کی نماز فاسد ہوجائے گی اس لیے کہ مرد نے ''أخروھنّ من حیث أخرھنّ اللہ'' کی رو سے عورت کو محاذات سے نکال کر پیچھے کرنے کا فرض ادا نہیں کیا حالانکہ فقہائے کرام نے عورت کو پیچھے رکھنا بھی مرد کے لیے فرائض نماز میں سے قرار دیا ہے، لہٰذا فرض چھوڑنے کی وجہ سے صرف مرد کی نماز فاسد ہوجائے گی، اور اگر مرد نے عورت کو پیچھے جانے کا اشارہ کیا پھر بھی وہ پیچھے نہ گئی تو صرف عورت کی نماز فاسد ہوجائے گی، مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی اس لیے کہ مرد نے ''أخروھنّ'' والی حدیث پر بقدرِ وسعت عمل کرکے اپنا فریضہ پورا کرلیا ہے۔

(۱۷) نماز میں چلنے سے متعلق اصول یہ ہے کہ اگر اصلاح نماز (حدث پیش آنے کے بعد اسی نماز پر بنا کرنے کے لیے وضو کرنے) کے لیے چلنا پڑے تو پانی یا وضوخانے تک پہنچنے کے لیے دور تک چلنا بھی جائز ہے، تاہم اگر اصلاحِ نماز مقصود نہ ہو تو پھر اگر مسجد میں نماز پڑھی جارہی ہو تو دو صفوں کی مقدار سے کم چلنا یا آگے ہوجانا جائز ہے البتہ اگر ایک صف

کی مقدار چلے، پھر رکے اور ایک رکن کے بقدر وقفہ کر کے پھر آگے بڑھے تو اسی طریقے پر کئی صفیں آگے جانے کے باوجود نماز فاسد نہیں ہوگی، بشرطیکہ مسجد یا امام کی حدود سے تجاوز نہ کرے اور اگر نماز کسی صحرا میں پڑھی جا رہی ہو تو جماعت کی صفوں یا امام یا سترہ سے بڑھ جانا مفسدِ صلوۃ ہے۔

(۱۸) نمازی اپنے امام کے سوا کسی اور کو لقمہ دے تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر لقمہ قبول کرنے والا خود بھی نماز میں ہو تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

(۱۹) نماز کے دوران قرآن دیکھ کر ایسے حصے کی تلاوت کرنا جو زبانی یاد نہ ہو، مفسد صلوۃ ہے، چاہے قرآن کا نسخہ ہاتھ میں ہو یا سامنے کسی اور چیز پر ہو، البتہ جو حصہ زبانی یاد ہو تو کسی اور چیز پر پڑے ہوئے قرآن کے نسخے میں اس کی تلاوت کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

(۲۰) نماز میں جس درجہ بے ستری یا نجاست نا قابل عفو ہے، اس قدر بے ستری یا نجاست کے ساتھ نماز کا ایک رکن گزر جائے، یعنی اتنا وقت جس میں تین بار تسبیح پڑھی جا سکتی ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر نجاست فوراً دور کردے یا بلا وقفہ حصۂ ستر کو چھپا دے تو کوئی حرج نہیں۔

(۲۱) مقتدی کسی رکن میں پہلے چلا جائے اور امام کے ساتھ اس کی شرکت بھی نہ ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی، جیسے: امام سے پہلے رکوع میں چلا جائے اور ابھی امام رکوع میں گیا بھی نہیں کہ سر اٹھالے۔

(۲۲) قعدۂ اخیرہ کے بعد کسی فوت شدہ رکن کی ادائیگی کے بعد قعدہ اخیرہ کا اعادہ نہ کرنا مفسد صلوۃ ہے۔

(۲۳) تین یا چار رکعت والی نماز میں دو رکعت کے بعد نماز ختم کرنے کی نیت سے سلام پھیرنا، اگرچہ نیت اور گمان میں غلطی ہو جائے۔

(۲۴) نیند کی حالت میں ادا شدہ رکن کا اعادہ نہ کرنے سے بھی نماز فاسد ہوتی ہے۔

(۲۵) ہر وہ فعل جس سے وضو یا غسل واجب ہو، مفسدِ صلوۃ ہے۔ اسی طرح بلا عذر کسی رکن یا شرط کو چھوڑ دینا بھی مفسدِ صلوۃ ہے۔(۱)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا: ۲/ ۳۷۰۔۳۹۳، مراقي الفلاح، کتاب الصلوۃ، باب مایفسد الصلوۃ، ص: ۲۶۰۔۲۷۵، الفتاوی الھندیۃ، الباب السابع، الفصل الأول في مایفسدھا: ۱/ ۹۸۔۱۰۵

جن چیزوں سے نماز فاسد نہیں ہوتی:

(۱) نماز کے دوران کسی لکھی ہوئی چیز کو دیکھنے یا سمجھنے سے نماز نہیں ٹوٹتی، چاہے وہ قرآن ہو یا غیر قرآن، سمجھنے کی نیت کی ہو یا نہیں، تاہم ایسا کرنا خلاف ادب ہے۔

(۲) منہ یا دانتوں کے اندر موجود کھانے کی چیز کو عملِ کثیر کے بغیر کھانا

(۳) نمازی کے سامنے عورت، گدھے یا کتے وغیرہ کا گزر جانا

(۴) نماز کے دوران عورت کے کسی بھی عضو کو دیکھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی چاہے شہوت کے ساتھ ہو یا بلا شہوت (۱)

مکروہاتِ نماز:

مکروہ محبوب کی ضد ہے، یعنی ناپسندیدہ چیز۔ فقہائے کرام کی اصطلاح میں "جس چیز کو ترک کرنا اور چھوڑنا بہتر ہو تو ایسی چیز سے بچنے کے بارے میں اگر دلیل قطعی آجائے تو وہ حرام کہلاتی ہے اور اگر دلیل ہو، لیکن ظنی ہو تو وہ مکروہ تحریمی کہلاتی ہے اور اگر منع کرنے کے بارے میں کوئی ٹھوس دلیل نہ ہو تو مکروہ تنزیہی کہلاتی ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ وہ تمام باتیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کسی بھی درجے میں ممانعت ثابت ہو یا وہ تقاضائے تعظیم و احترام کے خلاف ہوں، وہ سب مکروہ ہیں، البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ مکروہ تنزیہی اباحت اور حلت کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور مکروہ تحریمی حرمت کے قریب ہوتا ہے۔ ان دونوں کے مابین ایک اور فرق بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو چیز ترکِ واجب کو متضمن ہو وہ مکروہِ تحریمی ہے اور جو ترکِ سنت کو متضمن ہو تو وہ مکروہ تنزیہی ہے، تاہم ترک سنت میں سنت کو بھی دیکھا جائے گا، سنت جس قدر مؤکد ہوگی اس کا ترک اس قدر سخت مکروہ ہوگا۔

فقہائے کرام کے ہاں ترک واجب یا ترکِ سنت کو متضمن ہونے کے علاوہ ہر وہ چیز بھی مکروہ شمار ہوگی جس کا نماز کے مقصد اور روح سے کوئی تعلق نہ ہو، یعنی نہ تو اس سے نماز یا خشوع وخضوع کی تکمیل ہو رہی ہو اور نہ وہ کسی ضرر کو دفع کرنے کا سبب ہو۔ اسی طرح ہر وہ عمل جس سے دل نماز سے مشغول ہو جائے یا وہ اہل کتاب، متکبرین اور فساق کی عادت سمجھی جاتی ہو وہ بھی مکروہ ہوگی، البتہ تحریم وتنزیہ کا فرق کرنے کے لیے دلیل یا کسی شرعی حکم سے مشابہت کو دیکھا جائے گا۔

مکروہِ تحریمی کا حکم یہ ہے کہ اس کے ارتکاب کے باوجود نماز تو ادا ہو جاتی ہے، لیکن اس کا اعادہ واجب ہوگا، تاہم مکروہ تنزیہی کے ارتکاب پر نماز کا اعادہ واجب تو نہیں، البتہ مستحب ضرور ہے۔ (۲)

(۱) مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في مالايفسد الصلوة، ص: ۲۷۷-۲۷۹

(۲) حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في المكروهات، ص: ۲۷۹، ۲۸۰

چند اہم مکروہات:

مکروہات کی تعیین میں فقہائے کرام نے کافی بسط وتفصیل سے کام لیا ہے۔ مذکورہ بالا قواعد کی روشنی میں ان کی تعیین خود بھی کی جاسکتی ہے۔ علامہ شرنبلالیؒ نے ان کی تعداد ستتر (۷۷) ذکر کی ہے، ان میں سے چند اہم مکروہات یہ ہیں:

کپڑوں، داڑھی یا جسم سے کھیلنا، کپڑے سمیٹنا (البتہ رکوع وسجدہ کے بعد دامن کھینچ لینا درست ہے)، بلاضرورت پیشانی سے لگی ہوئی مٹی یا گھاس وغیرہ پونچھنا یا پسینہ پونچھنے میں مبالغہ کرنا، نماز میں ہاتھ سے آیات وتسبیحات کو شمار کرنا اور گننا، سجدہ گاہ سے کنکریوں کو ہٹانا (تاہم سجدہ میں آسانی کی خاطر ایک مرتبہ ایسا کرنا درست ہے)، انگلیاں چٹخانا اور ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرنا، کمر یا کوکھ پر ہاتھ رکھنا، چہرہ کو قبلہ کی طرف سے دائیں بائیں پھیرنا، تاہم صرف گوشہ چشم کو دائیں بائیں کرکے دیکھنا مکروہ نہیں، البتہ اگر سینہ بھی پھر جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی، آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھنا، اشارہ سے سلام کا جواب دینا، بلاعذر آلتی پالتی بیٹھنا، سجدہ میں ہاتھ زمین پر بچھانا، کپڑے یا چادر وغیرہ کو کندھوں سے لٹکائے رکھنا، سستی کی وجہ سے بلاعذر کھلے سر نماز پڑھنا اور اس کو عادت بنالینا، کہنیاں کھلی رکھنا، کسی کپڑے کو اس طرح لپیٹنا کہ ہاتھ باہر نہ نکل سکے، اس طرح چادر یا لباس اوڑھنا جس کو پہن کر شائستہ لوگوں کی مجلس میں نہ جایا جاتا ہو، ناک اور منہ ڈھک کر رکھنا، ضرورتِ شدیدہ کے بغیر جمائی لینا یا جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ نہ رکھنا، آنکھوں کو بند رکھنا، پیشاب یا پاخانہ کے شدید تقاضے کے وقت نماز ادا کرنا، بلاضرورت کھانسنا یا عملِ کثیر کے بغیر تھوکنا، نماز کے افعال کو اتنی جلدی ادا کرنا کہ سنت کی رعایت نہ ہوسکے، صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر کسی شخص کا جماعت سے الگ تنہا نماز ادا کرنا، اگلے صف میں جگہ ہونے کے باوجود پیچھے صف میں تنہا نماز پڑھنا (البتہ اگر صف میں گنجائش نہ ہو تو ایک شخص کو پیچھے کھینچ کر اپنے ساتھ شریک کرلے)، نمازی کے سامنے قبر یا تصویر کا اس طور پر ہونا جس کو وہ بلاتکلف دیکھ سکے، فرض نمازوں میں ایک ہی سورت کو ایک ہی رکعت میں دانستہ مکرر پڑھنا، جمعہ یا سرّی نمازوں میں آیت سجدہ کی تلاوت کرنا، سجدہ میں جاتے ہوئے بلاعذر گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو رکھنا، نماز کے کسی بھی فعل میں مقتدی کا امام پر سبقت کرنا، رکوع وسجدہ میں قرأت کرنا، عمامہ کے لپیٹ پر سجدہ کرنا، گرمی یا سردی سے بچنے کے لیے پہنے ہوئے کپڑے کے کسی حصے کو سجدہ گاہ میں بچھا دینا، بلاعذر ایک پاؤں پر کھڑا ہونا، عطر یا کوئی پھول وغیرہ سونگھنا، سجدہ وغیرہ میں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ سے منحرف ہونا، امام کا تنہا محراب کے بالکل اندر کھڑا ہونا، امام کا تنہا ایک ہاتھ اونچی سطح پر کھڑا ہونا یا اکیلے ہی ایک ہاتھ نشیب میں کھڑا ہونا، کسی شخص کے چہرے کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنا، بلاعذر نماز میں دو صف سے کم مقدار میں چلنا، رکوع میں سر کو بالکل جھکانا یا بالکل اونچا کرنا، تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں سے اوپر یا

کندھوں سے نیچے تک ہاتھ اٹھانا، سجدہ میں پیٹ کو رانوں سے ملانا، مغصوبہ زمین پر نماز پڑھنا، فرض کی دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے کم ازکم تین آیات کے بقدر طویل کرنا، پہلے کی سورت بعد میں اور بعد کی سورت کو پہلے پڑھنا، دو سورتوں کے درمیان ایک چھوٹی سورت چھوڑ دینا، ناک کو چھوڑ کر صرف پیشانی پر سجدہ کرنا، لوگوں کی گزرگاہ یا کسی نامناسب جگہ نماز پڑھنا، سورتِ فاتحہ کے علاوہ کسی خاص سورت کو کسی خاص نماز میں قرأت کے لیے ایسا مختص کرنا جس کو کبھی بھی نہ چھوڑا جائے، البتہ احادیث میں جن سورتوں کے پڑھنے کا اہتمام مذکور ہے ان کو اہتمام کے ساتھ پڑھنا اور کبھی کبھی چھوڑ دینا مسنون ہے تاکہ اس کے واجب ہونے کا ابہام نہ رہے۔(۱)

جن چیزوں کی وجہ سے نماز توڑنا واجب یا جائز ہے:

فقہائے کرام کے ہاں بعض صورتوں میں نماز توڑنا واجب ہے اور بعض صورتوں میں جائز ہے۔ اصولی طور پر ان کا تذکرہ حسب ذیل ہے:

(۱) کسی ایسی مصیبت میں گرفتار شخص کی مدد کرنے کے لیے نماز توڑنا واجب ہے جس کی وجہ سے اس کی جان تلف ہونے یا ڈوبنے یا جلنے کا خطرہ ہو، اگرچہ فرض نماز ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) نوافل پڑھتے ہوئے اگر والدین آواز دیں تو جواب دینا جائز ہے، واجب نہیں۔ تاہم اگر ضرورت شدید ہو تو اس کا حکم بھی پہلی صورت جیسا ہے۔

(۳) ایک درہم کے بقدر مال کو چوری سے بچانے کے لیے نماز توڑنا جائز ہے اگرچہ کسی اور کا ہی کیوں نہ ہو۔ یہی حکم مسافر کا بھی ہے اگر وہ اپنے مال ومتاع سے متعلق چوری کا خطرہ محسوس کرے۔

(۴) جانوروں کے ریوڑ پر درندے کے حملے کا خوف، کسی اندھے کا گڑھے میں گرنے کا خوف، دایہ کے لیے بچے یا اس کی ماں کی موت کا خوف ایسے اعذار ہیں جن کی وجہ سے نماز کو توڑنا یا مؤخر کرنا جائز ہے بلکہ اضطراری حالت میں واجب ہے۔(۲)

---

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، فصل في المكروهات، ص:۲۸۰۔۲۹۶، الفتاوى الهندية، الباب السابع في مايفسد الصلوة ومايكره فيها، الفصل الثاني في مايكره في الصلاة ومالايكره: ۱/۱۰۵۔۱۰۹

(۲) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، فصل في مايوجب قطع الصلوة ومايجيزه، ص:۳۰۲، ۳۰۳

فصل في المفسدات

نماز میں کسی کے کہنے یا اشارے سے کوئی کام انجام دینا

سوال نمبر (76):

دو آدمی ایک ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب دونوں قعدہ میں بیٹھے تو ایک کی قمیص دوسرے کے گھٹنے کے نیچے آگئی اور وہ نماز سے پہلے فارغ ہوگیا، جب وہ اٹھنے لگا، تو دوسرا جو ابھی تک نماز میں مشغول تھا، اُس نے اس کی قمیص چھوڑنے کے لیے گھٹنا اُٹھایا۔ سوال یہ ہے کہ نمازی کے اس فعل سے اُس کی نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

بظاہر اس مسئلے کی تین صورتیں بنتی ہیں:

1۔ پہلی صورت یہ ہے کہ نمازی نے کسی کے کہنے یا اشارہ سے گھٹنا نہیں اٹھایا ہو، بلکہ خود احساس کرکے اُٹھایا ہو۔

2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دوسرے نے کہا ہو یا اشارہ کیا ہو، اور اس کی تعمیل میں نمازی نے گھٹنا اٹھایا ہو۔

3۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اگرچہ دوسرے نے اس سے کہا ہو، لیکن نمازی نے فوراً گھٹنا نہیں اٹھایا ہو، بلکہ کچھ دیر ٹھہر کر اپنی رائے اور مرضی سے اُٹھایا ہو۔

چونکہ نماز میں کسی کا حکم ماننا نماز کے فساد کا سبب ہوا کرتا ہے اور یہ دوسری صورت میں پایا جاتا ہے، اس لیے دوسری صورت میں نماز فاسد ہوگی۔ پہلی اور تیسری صورت میں چونکہ دوسرے کے حکم کی تعمیل نہیں، اِس لیے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

حتى لو امتثل أمر غيره، فقيل له تقدم فتقدم، أو دخل فرجة الصف أحد فوسع له، فسدت، بل يمكث ساعة ثم يتقدم برأيه وقال ابن عابدين قوله:(او دخل فرجة ...الخ)المعتمد فيه عدم الفساد (١)

ترجمہ: اگر کسی نے غیر کے حکم کی تعمیل کی، یعنی اس سے کہا گیا کہ آگے بڑھو، تو وہ آگے بڑھا، یا کوئی صف میں تھوڑی سی جگہ پاکر داخل ہونے لگا تو اِس نے اسے جگہ دیدی، اِس سے نماز فاسد ہوگی۔ بلکہ ایسا کرے کہ کچھ انتظار کرے،

(١)الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها:٢/٣٨١

پھر اپنی رائے سے آگے بڑھے (اس سے نماز فاسد نہ ہوگی) اور علامہ شامیؒ مصنف کے قول (او دخل فرجة...الخ) کے تحت فرماتے ہے کہ اس صورت میں عدمِ فساد کا قول معتبر ہے۔

❁❁❁

نماز میں عورت کا مرد کے ساتھ برابر کھڑا ہونا

سوال نمبر (77):

اگر کوئی عورت باجماعت نماز میں مرد کے ساتھ کھڑی ہوجائے اور امام نے عورت کی امامت کی نیت نہیں کی ہو تو کیا مرد کی نماز فاسد ہوگی؟ اور بالفرض اگر امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو، تو اس صورت میں مرد کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت کی رو سے اگر کوئی عورت مرد کے ساتھ نماز میں برابر کھڑی ہوجائے، تو مرد کی نماز اس وقت فاسد ہوتی ہے جب محاذات کی تمام شرائط پائی جائیں اور ان شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ امام نے اس عورت کی امامت کی نیت کی ہو۔

صورتِ مسؤلہ میں جب امام نے اس کی نیت نہیں کی ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور اگر امام نے اس عورت کی امامت کی نیت کی ہو تو پھر اس کے برابر کھڑے ہونے سے مرد کی نماز فاسد ہوجائے گی، بشرطیکہ محاذات کی دیگر شرائط بھی پائی جائیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وقيّد بنية الإمامة؛ لأنه لولم ينو الإمام إما متها لا تفسدصلوة من حاذته مطلقاً.(۱)

ترجمہ: (اور جب مرد کے ساتھ عورت برابر کھڑی ہوجائے، تو اس صورت میں نماز کے فساد کے حکم) کو امام کی نیت کے ساتھ مقید کیا، اس لیے کہ اگر امام نے اس کی امامت کی نیت نہیں کی ہو تو عورت کا محض اس کے برابر کھڑے ہونے سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، تحت قوله: (إن حاذته مشتهاة): ۱/۶۲۷.

نماز میں پاگل عورت کا مرد کے ساتھ برابر کھڑا ہونا

سوال نمبر(78):

با جماعت نماز کے دوران ایک پاگل عورت مسجد میں داخل ہو کر ایک مرد کے ساتھ بالکل برابر میں کھڑی ہوگئی۔ کیا اس سے مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کسی عورت کا نماز میں مرد کے برابر کھڑے ہونے سے مرد کی نماز اُس وقت فاسد ہوتی ہے جب محاذات کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں اور ان شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اُس عورت کی نماز صحیح ہو، لہٰذا اگر وہ پاگل یا مجنون ہو تو چونکہ اُس کی نماز درست نہیں اِس لیے اُس کی محاذات سے مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ عورت پاگل ہے اور اس کی نماز درست نہیں ہے، اس لیے مرد کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

محاذاة المرأة الرجل مفسدة لصلوٰته، ولها شرائط :... منها أن تكون ممن تصح منها الصلوة، حتى أن المجنونة إذا حاذته لاتفسد صلوته.(۱)

ترجمہ:

کسی عورت کا مرد کے ساتھ برابر کھڑے ہونے سے مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، مگر اس کے لیے کچھ شرائط ہیں۔۔۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ عورت ایسی ہو کہ اس کی نماز درست ہو، اس لیے اگر کوئی پاگل عورت مرد کے برابر کھڑی ہوگئی تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم: ۸۹/۱.

نماز میں دونوں ہاتھوں سے چادر اوڑھنا

سوال نمبر(79):

دورانِ نماز دونوں ہاتھ سے چادر اوڑھنے یا کرتہ وغیرہ سیدھا کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وبا لله التوفيق:

دورانِ نماز چادر اوڑھنا یا کرتہ سیدھا کرنا عملِ قلیل شمار ہوتا ہے اور عملِ قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی، لیکن ایک ہی رکن میں عملِ قلیل تین یا تین سے زیادہ مرتبہ کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، کیونکہ عملِ قلیل بار بار کرنے سے عملِ کثیر میں تبدیل ہو جاتا ہے اور عملِ کثیر سے نماز فاسد ہوتی ہے۔

والدّليل علىٰ ذلك:

وكذا إذا تردى برداء أوحمل شيئا خفيفا بحمل بيد واحدة... لم تفسد صلوته. كذا في فتاوى قاضي خان.(١)

ترجمہ:

اسی طرح جب چادر اوڑھے یا کوئی ہلکی چیز اٹھائے جسے ایک ہاتھ سے اُٹھایا جا سکتا ہو تو اس کی وجہ سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

وما عمل بواحدة قليل، وإن عمل بهما، كحل السراويل، ولبس القلنسوة، ونزعها إلاإذاتكرر ثلاثا متوالية... الحركات الثلاث المتوالية كثير، وإلافقليل.(٢)

ترجمہ:

جو عمل ایک ہاتھ سے کیا جا سکتا ہو وہ قلیل ہے اگر چہ دو ہاتھوں سے کیا جائے، جیسے: شلوار کھولنا، ٹوپی پہننا اور نکالنا، البتہ اگر تین مرتبہ پے در پے کیا جائے (تو کثیر ہے)، کیونکہ متواتر تین مرتبہ کوئی حرکت کرنا کثیر ہے، ورنہ قلیل ہے۔

❁❁❁

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، باب سابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها: ١/١٠٢.

(٢) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في التشبه بأهل الكتاب: ٢/٣٨٥.

نماز میں باتیں کرنا

سوال نمبر (80):

ایک شخص نے چار رکعت والی نماز میں دو رکعتوں پر سلام پھیر کر مقتدیوں سے کہا کہ نماز جاری رہے گی اور مزید دو رکعت نماز پڑھائی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ نماز میں بات کرنے سے نماز فاسد ہوگئی، لیکن مذکورہ شخص نے حدیث ذوالیدین سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ نماز درست ہے۔ سوال یہ ہے کہ بات کرنے سے ان لوگوں کی نماز فاسد ہوگئی ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

دورانِ نماز بات کرنے سے نماز بہر حال فاسد ہوجاتی ہے، چاہے قصداً ہو، یا بھول کر ہو، یا جہالت کی بنا پر ہو۔ فقہ حنفی کی رو سے جس نماز میں بات کی جائے، اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ اس قول کو امام ترمذیؒ نے اکثر اہل علم کا قول قرار دیا ہے۔ حدیث ذوالیدین کو دلیل بنا کر یہ کہنا کہ بھول کر بات کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی درست نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث ذوالیدین کا تعلق اس زمانہ سے ہے، جب نماز میں بات کرنے کی اجازت تھی۔ پھر یہ حدیث زید بن ارقمؓ اور ابن مسعودؓ کی روایات سے منسوخ ہوگئی۔ ان روایات سے یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ ابتدا میں دورانِ نماز بات کرنا یا سلام کرنا درست تھا، لیکن بعد ازاں نماز کی حالت میں خاموشی کی تاکید کی گئی، اور ہر قسم کی بات کرنے سے منع کیا گیا۔ حدیث ذوالیدین منسوخ ہونے کے لیے ایک قرینہ یہ ہے کہ ذوالیدین بدر میں شہید ہوگئے تھے اور زید بن ارقمؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی روایتیں مدینہ کی ہیں اس لیے کہ ﴿وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے نماز میں جان بوجھ کر کلام کیا تھا حالانکہ جان بوجھ کر کلام کرنے سے بالاتفاق نماز فاسد ہوجاتی ہے، اس کے باوجود حضور ﷺ نے ان کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ یہ ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے، بعد میں زید بن ارقمؓ اور ابن مسعودؓ کی روایتوں سے نماز میں کلام کرنا منسوخ ہوگیا اس لیے صورتِ مسئولہ میں نماز فاسد ہوگئی ہے اور اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

عن زيد بن أرقمؓ قال: " كنا نتكلم خلف رسول الله ﷺ في الصلوة، يكلم الرجل منا صاحبه

إلى جنبه حتى نزلت ﴿وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ﴾ فأمرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام".(١)

ترجمہ:

زید بن ارقمؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے باتیں کیا کرتے تھے، ہم میں سے ایک شخص اپنے پہلو میں کھڑے ہوئے ساتھی کے ساتھ بات کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ آیت ﴿وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ﴾ نازل ہوئی تو ہمیں نماز میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور ہمیں بات کرنے سے منع کیا گیا۔

إذا تكلّم في صلاته ناسياً أو عامداً، خاطئاً أو قاصداً، قليلاً أو كثيراً، تكلّم لإصلاح صلاته، بأن قام الإمام في موضع القعود، فقال له المقتدي: أقعد، أو قعد في موضع القيام، فقال له: قم، أو لا لإصلاح صلاته، ويكون الكلام من كلام الناس استقبل الصلاة عندنا.(٢)

ترجمہ:

جب نمازی نماز کے دوران بھول کر یا قصداً، غلطی سے یا عمداً، تھوڑی یا زیادہ بات کرے، خواہ وہ نماز کی اصلاح کے لیے ہو، مثلاً امام قعدہ میں بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہو جائے تو مقتدی اس کو کہے کہ: "بیٹھ جاؤ" یا کھڑے ہونے کی بجائے بیٹھ جائے تو مقتدی اس کو کہے کہ: "کھڑے ہو جاؤ" یا نماز کی اصلاح کے لیے نہ ہو اور وہ بات لوگوں کی عام باتوں سے مشابہ ہو تو ہمارے ہاں (ان تمام صورتوں میں اس کی نماز فاسد ہوگی)، لہٰذا وہ نماز کا اعادہ کرے گا۔

❁❁❁

نماز میں رونا

سوال نمبر (81):

اگر کوئی شخص دورانِ نماز جنت کے شوق، دوزخ کے خوف یا ذکرِ الٰہی کے عشق میں رونے لگے اور اس سے رونے کی آواز نکلے تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

---

(١) الترمذي، أبو عيسىٰ محمد بن عيسىٰ بن سورة، جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب في نسخ الكلام في الصلاة: ١/٩٢

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ١/٩٨

الجواب وباللہ التوفیق:

احادیثِ مبارکہ اور فقہائے کرام کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں مطلق رونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ کا نماز میں رونا مختلف روایتوں سے ثابت ہے۔ان احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ اگر نماز میں رونا جنت کے شوق، دوزخ کے خوف، یا ذکر الٰہی یا اس قسم کی کسی اور وجہ سے ہوتو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، لیکن اگر رونا کسی جسمانی درد یا مصیبت کی وجہ سے ہوتو پھر نماز فاسد ہو جاتی ہے، اس لیے کہ کسی درد یا مصیبت کی وجہ سے رونا شکایت کی مانند ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وفي شرح المنية: إذا بكیٰ فيها، وحصل منه صوت مسموع، فإن كان من ذكر الجنة، أو النار، أونحوهما لم يقطعها؛ لأنه بمنزلة الدعاء بالرحمة، والعفو، وإن كان من وجع أو مصيبة يقطعها؛ لأنه بمنزلة الشكاية.(۱)

ترجمہ:

جب نماز میں رونے لگے اور اس سے کوئی سنائی دینے والی آواز بھی پیدا ہو جائے تو اگر رونا جنت اور دوزخ کی یاد یا اس قسم کی کسی وجہ سے ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اس لیے کہ یہ دعائے رحمت اور معافی مانگنے کی طرح ہے اور اگر رونا کسی درد یا مصیبت کی وجہ سے ہو تو یہ نماز کو فاسد کر دیتی ہے، اس لیے کہ یہ شکایت کی مانند ہے۔

❁❁❁

عملِ کثیر کی تعریف اور نماز پر اس کا اثر

سوال نمبر (82):

بسا اوقات دورانِ نماز انسان کے ہاتھ غیر اختیاری طور پر متحرک رہتے ہیں۔کبھی بدن کا کوئی حصہ کھجانے لگتا ہے اور کبھی کپڑے، ڈاڑھی، مونچھ یا جسم کے کسی حصے کے ساتھ کھیلتا ہے۔ایسی حرکات سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

(۱)مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة: ۸۲/۳

الجواب وباللہ التوفیق:

اِس میں کوئی شک نہیں کہ دورانِ نماز جو حرکات نماز کی درستگی کے لیے نہ ہوں اور مقررہ حد سے بڑھ جائیں تو ان سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حد مقرر کرنے میں فقہائے کرام کے متعدد اقوال پائے جاتے ہیں:

۱۔ جو شخص اتنی حرکات کرے کہ دور سے دیکھنے والا یہ خیال کرے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے۔

۲۔ کوئی ایسا عمل جو دونوں ہاتھوں سے انجام دیا جاتا ہو، مثلاً: پگڑی باندھنا، یہ عملِ کثیر کہلائے گا خواہ ایک ہاتھ سے کیا جائے

۳۔ کوئی عملِ قلیل مسلسل تین بار کرنا۔

۴۔ عقلِ سلیم کا مالک جن حرکات کو حد سے زیادہ سمجھے، وہ زیادہ اور جن کو کم سمجھے وہ کم ہوں گی۔

۵۔ نمازی کے ساتھ کوئی ایسا عمل جس کو وہ خود انجام نہ دے، جیسے کوئی بچہ ماں کی پستان چوسے۔

ان اقوال میں پہلے تین زیادہ مشہور ہیں۔ پھر ان میں سے بھی اکثر علماء نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے، کیونکہ جو عمل دونوں ہاتھوں سے کیا جائے یا مسلسل تین بار کیا جائے، تو دور سے دیکھنے والا یہی خیال کرے گا کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا ہے، لہٰذا جو شخص دانستہ طور پر دوران نماز کپڑے، ڈاڑھی، مونچھ یا جسم کے کسی حصے کے ساتھ ایسا کھیلتا ہے کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے تو ان حرکات سے اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے اور جب یہ کیفیت نہ ہو تو پھر نماز درست رہے گی۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ویفسدها (کل عمل کثیر) لیس من أعمالها، ولا لإصلاحها، وفیه أقوال خمسة: أصحها (مالا یشك) بسببه (الناظر) من بعید (في فاعله أنه لیس فیها).(۱)

ترجمہ:

ہر وہ عمل کثیر نماز کو توڑ دیتا ہے جو نہ تو نماز کے اعمال میں سے ہو اور نہ نماز کی درستگی کے لیے کیا گیا ہو اور عملِ کثیر کی تعریف میں پانچ اقوال ہیں جن میں سے زیادہ درست قول یہ ہے کہ دور سے دیکھنے والا اس عمل کے سبب یہ شک نہ کرے (بلکہ اُسے ظنِ غالب ہو) کہ اس عمل کا کرنے والا نماز میں نہیں ہے۔

(۱) الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیها: ۲/۳۸٤-۳۸۵

دورانِ نماز ستر کھل جانا

سوال نمبر(83):

بدن کا وہ عضو جس کا ڈھانپنا ضروری ہے، اگر نماز کے دوران کھل جائے تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ نماز کے ساتھ ساتھ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

بيّنوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق :

اس میں کوئی شک نہیں کہ عورتوں کا پورا جسم سوائے ہاتھوں اور چہرے کے، اور مردوں کا ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے اعضا کا ڈھانپنا ہر حال میں فرض ہے، چاہے نماز کی حالت میں ہو، یا نماز کے علاوہ ہو۔ پھر اگر دوران نماز چوتھائی حصہ کے بقدر کوئی ایسا عضو کھل جائے جس کو چھپانا فرض ہو تو اس سے اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اس سے کم ہو تو فاسد نہیں ہوتی، البتہ ستر کھل جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

والدّليل على ذلك:

إذا كان الستر فرضا كان الانكشاف مانعا جواز الصلوة ضرورة ... قليل الانكشاف لا يمنع الجواز؛ لما فيه من الضرورة ... والكثير يمنع لعدم الضرورة ...فقدّر أبو حنيفةؒ، ومحمدؒ الكثير بالربع، وقالا: الربع وما فوقه من العضو كثير.(١)

ترجمہ:

جب ستر ڈھانپنا فرض ہے تو اس کا کھل جانا نماز کے درست ہونے سے ضرور مانع ہوگا۔۔۔البتہ تھوڑا کھلنا ضرورت کی بنا پر نماز سے مانع نہیں اور زیادہ کھلنا عدم ضرورت کی بنا پر مانع ہے۔۔۔پھر ابوحنیفہؒ اور محمدؒ نے زیادت کی مقدار چوتھائی حصہ مقرر کیا ہے۔انھوں نے فرمایا ہے کہ عضو کا چوتھائی حصہ یا اس سے زیادہ کثیر ہے۔

---

(١)بدائع الصنائع، كتاب الصلاة،فصل في بيان شرائط الأركان:١/٥٤٤

غلطی سے بے جالقمہ دینا

سوال نمبر(84):

مقتدی نے تشہد سے پہلے امام کو غلط فہمی کی بناپر اس غرض سے لقمہ دیا کہ اب دوسری رکعت پڑھنی ہے، حالانکہ امام دوسری رکعت پڑھ چکا تھا تو اس سے مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر امام نماز میں بھول جائے تو شریعت مقتدی کو لقمہ دینے کی اجازت دیتی ہے۔ پھر یہ لقمہ دینا ضرورت کے درجے تک محدود رہے گا، اِس لیے نماز میں بے جالقمہ دینا سیکھنے سکھانے کی ظاہری صورت بن کر اس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔ اگر کسی مقتدی نے وہم کی بناپر غلطی سے بے جالقمہ دے دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اس لیے کہ یہ مقتدی امام کے ساتھ نماز میں شریک ہے اور اس نے اپنی نماز کی اصلاح کی نیت سے لقمہ دیا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

الحاصل أن الصحيح من المذهب أن الفتح على إمامه لا يوجب فساد صلوة أحد، لا الفاتح، ولا الآخذمطلقا في كل حال.(١)

ترجمہ:

حاصل یہ رہا کہ زیادہ درست قول یہ ہے کہ امام کو لقمہ دینا کسی بھی حال میں کسی کی نماز کو فاسد نہیں کرتا، نہ لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہوتی ہے، نہ لینے والے کی۔

❁❁❁

امام کا غیر مقتدی سے لقمہ لینا

سوال نمبر(85):

باجماعت نماز ہو رہی تھی کہ اچانک امام قرأت میں اٹک گیا۔ ایک شخص جو نماز میں شریک نہیں تھا، اس نے

(١)البحر الرائق، كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها،تحت قوله(وفتحه علىٰ غيرإمامه):٢/ ١٠.

لقمہ دے دیا اور امام نے بھی لقمہ لے لیا تو کیا غیر نمازی سے لقمہ لینے کی صورت میں امام کی نماز فاسد ہوگئی یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

امام کو ضرورت کی بنیاد پر صرف وہ شخص لقمہ دے سکتا ہے جو امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو۔ اگر کسی امام کو کوئی غیر نمازی لقمہ دے دے اور امام اس کے لقمہ سے اپنی قرأت کی درستگی کرلے تو اس سے امام کی نماز فاسد ہوجائے گی، اس لیے کہ یہ بلاضرورت سیکھنے سکھانے کی ایک صورت بن جائے گی جو دورانِ نماز جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوجاتی ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وإن فتح غير المصلي على المصلي، فأخذ بفتحه تفسد. (١)

ترجمہ:

اور اگر غیر نمازی نے کسی نمازی کو لقمہ دیا اور اُس نے لے لیا، تو اس سے (لقمہ لینے والے) کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

❁❁❁

نماز پوری ہونے سے پہلے سلام پھیرنے پر مقتدی کا امام کو لقمہ دینا

سوال نمبر (86):

مغرب کی نماز میں امام نے قعدۂ اولیٰ کو آخری قعدہ سمجھ کر سلام پھیر دیا۔ کچھ مقتدیوں نے سبحان اللہ کہا تو امام کو یاد آیا اور تکبیر کہتے ہوئے کھڑا ہوگیا۔ نماز مکمل کرنے کے بعد سجدۂ سہو کرکے سلام پھیر دیا تو امام اور مقتدیوں کی نماز ہوگئی یا نہیں؟ نیز اگر امام ذکر واذکار میں مشغول ہوجائے تو پھر کیا حکم ہوگا؟

بیّنوا توجروا

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ٩٩/١.

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ نماز کے دوران اگر مقتدی نماز کی اصلاح کی غرض سے امام کو لقمہ دے دے اور امام اس کے مطابق نماز کی درستگی کرلے تو اس سے امام یا مقتدی کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اس لیے جب امام نے مغرب کی نماز میں قعدۂ اولیٰ کو آخری قعدہ سمجھ کر سلام پھیر دیا اور مقتدیوں نے لقمہ دیا جس سے امام نے تیسری رکعت مکمل کرکے سجدہ سہو کرلیا تو نماز درست ہوگئی۔امام سلام پھیرنے کے بعد جب تک قبلہ سے سینہ نہ پھیرے یا نماز کے منافی عمل میں مصروف نہ ہوجائے تو لقمہ لے کر نماز مکمل کرسکتا ہے،اس لیے سلام پھیرنے کے بعد ذکر واذکار میں مشغول رہنا لقمہ لینے کے لیے مانع نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

الحاصل أن الصحیح من المذهب أن الفتح علی إمامه لا یوجب فساد صلوة أحد، لا الفاتح، ولا الآخذ مطلقا في کل حال.(۱)

ترجمہ:

حاصل یہ رہا کہ ہمارے مذہب میں صحیح قول ہے کہ امام کو لقمہ دینا کسی بھی حال میں کسی کی نماز کو فاسد نہیں کرتا، نہ لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہوتی ہے، نہ لینے والے کی۔

❁❁❁

نمازی کا دوسرے امام کو لقمہ دینا

سوال نمبر(87):

اگر باجماعت نماز ہورہی ہو اور قریب میں ایک شخص الگ نماز ادا کررہا ہو۔امام قرأت میں اٹک جائے تو الگ نماز ادا کرنے والا لقمہ دے دے اور امام لقمہ لے کر قرأت درست کرلے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

---

(۱)البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا،تحت قوله(وفتحه علیٰ غیر إمامه):۲/ ۱۰.

الجواب وباللہ التوفیق:

امام کو وہ شخص لقمہ دے سکتا ہے جو امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو، اگر کوئی ایسا نمازی امام کو لقمہ دے جو امام کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہو اور امام لقمہ لے کر قرأت کی درستگی کرلے تو ان دونوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے جس طرح غیر نمازی کا لقمہ نماز فاسد کر دیتا ہے، اسی طرح جو نمازی امام کا مقتدی نہ ہو، اس کا لقمہ لینا بھی نماز کو فاسد کر دیتی ہے، اس لیے کہ یہ تعلیم وتعلّم کے حکم میں ہے جو دوران نماز جائز نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

فإن کا نا في الصلوة، فإما أن تکون الصلوة متحدة، بأن یکون المستفتح إماما والفاتح مأموما، أولا یکون، ففي الثانیه فسدت صلٰوة کل واحد منهما. (۱)

ترجمہ:

اگر دونوں نماز میں ہوں تو یا تو ان دونوں کی نماز ایک ہوگی کہ لقمہ لینے والا امام ہو، اور لقمہ دینے والا مقتدی یا نماز ایک نہیں ہوگی۔ دوسری صورت میں ان دونوں میں سے ہر ایک کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

نماز میں امام کو لقمہ دینا

سوال نمبر (88):

اگر امام قرأت میں اٹک جائے تو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر مقتدی نے لقمہ دیا اور امام نے نہیں لیا تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتوں کے پڑھنے کے بعد امام کو لقمہ دینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر امام صاحب واجب قرأت یعنی ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھ لینے کے بعد اٹک جائے تو رکوع

---

(۱) العنایة علیٰ هامش فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة: ۱/۳۴۷

میں چلا جائے یا کسی اور جگہ سے پڑھ لے، مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے، لیکن اگر واجب قرأت ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ اٹک گیا تو رکوع میں نہ جائے، بلکہ کسی اور جگہ سے پڑھ لے، مقتدی بھی لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے، بلکہ کچھ انتظار کرے۔ اگر امام یہی قرأت جاری رکھنا چاہے تو پھر لقمہ دے دے، تاہم امام لقمہ لے یا نہ لے واجب قرأت پوری ہوئی ہو یا نہیں، کسی صورت میں مقتدی کی نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ مقتدی بلا ضرورت لقمہ دینے سے اجتناب کرے، اس لیے کہ لقمہ دینا تعلیم وتعلم یعنی سیکھنے سکھانے کی ایک صورت ہے جو نماز میں بلا ضرورت مکروہ ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

الحا صل أن الصحیح من المذهب أن الفتح علی إمامه لا یوجب فساد صلوة أحد، لا الفاتح، ولا الآ خذ مطلقا في کل حال.(۱)

ترجمہ:

حاصل یہ رہا کہ ہمارے مذہب میں صحیح قول ہے کہ امام کو لقمہ دینا کسی بھی حال میں کسی کی نماز کو فاسد نہیں کرتا، نہ لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہوتی ہے، نہ لینے والے کی۔

❁❁❁

امام کا لقمہ نہ لینے سے مقتدی کی نماز

سوال نمبر (89):

بعض فتاویٰ میں لکھا ہے کہ مقتدی امام کو لقمہ دے دے اور امام نہ لے تو امام اور مقتدی دونوں میں سے کسی کی بھی نماز فاسد نہیں ہوتی جب کہ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، ان دونوں میں کون سا قول درست ہے؟ بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

بوقتِ ضرورت مقتدی امام کو لقمہ دے اور امام نہ لے تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ فساد اور عدمِ فساد دونوں اقوال منقول ہیں، لیکن دونوں میں ''راجح'' قول عدم فساد کا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، لہٰذا بعض فتاویٰ کا فتوی (کہ مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی) مفتی بہ قول کے موافق ہے۔

(۱) البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیها، تحت قوله (وفتحه علیٰ غیر إمامه): ۲/ ۱۰

والدّلیل علیٰ ذلک:

واما إذا قرء، أو تحول ففتح علیه تفسد صلوۃ الفاتح، والصحیح أنها لا تفسد صلوۃ الفاتح بکل حال.(۱)

ترجمہ: اور اگر امام نے (واجب قرأت) پڑھ لی ہو یا کسی اور جگہ سے پڑھنا شروع کیا اور مقتدی نے پھر بھی لقمہ دے دیا تو (ایک قول کے مطابق) فتحہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ لقمہ دینے والے کی نماز بہر حال فاسد نہیں ہوگی۔

❁❁❁

نمازی کے سامنے سے عورت کا گزرنا

سوال نمبر (90):

اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور سامنے سے عورت گزر جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟ حدیث سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

صحیح احادیث اور فقہائے کرام کی عبارات کے مطابق نمازی کے سامنے عورت کے گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ جس حدیث میں آیا ہے کہ عورت، گدھے اور کتے کا سامنے سے گزرنا نماز توڑ دیتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، بلکہ اکثر اوقات ان چیزوں کے سامنے گزرنے سے نمازی کی توجہ ہٹ جانے کی وجہ سے خشوع متاثر ہوتا ہے اس لیے تاکید کے طور پر فرمایا تاکہ نمازی ان چیزوں کی طرف توجہ نہ کرے، چنانچہ حضرت عائشہؓ کی روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا نمازی کے سامنے آجانے سے نماز پر اثر نہیں پڑتا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

عن عائشةؓ قالت: إنّ النبي ﷺ کان یصلي من اللیل، وأنا معترضة بینه وبین القبلة کاعتراض الجنازة.(۲)

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، الباب السابع فیما یفسد الصلاة وما یکره فیها: ۱/۹۹

(۲) صحیح مسلم، کتاب الصلوة، باب سترة المصلي،...: ۱/۱۹۷، قدیمي کتب خانه

ترجمہ:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ''حضور ﷺ رات کو اس حال میں نماز پڑھتے تھے کہ میں حضور ﷺ اور قبلہ کے درمیان پڑی ہوتی تھی جیسے جنازہ امام اور قبلہ کے درمیان پڑا ہوتا ہے''۔

❀❀❀

نمازی کو سلام کرنا

سوال نمبر (91):

قرآن وحدیث کی روشنی میں نمازی کو سلام کرنے کے جواز یا ممانعت کی تفصیل مطلوب ہے۔اگر نمازی کو سلام کرنا درست نہیں تو پھر ان روایات کا کیا جواب ہے جن میں صراحت کے ساتھ سلام کرنے اور جواب دینے کا ذکر ہے، البتہ جواب اشارہ سے دینا مذکور ہے۔عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سلام کے جواز اور اشارے سے جواب دینے کے بارے میں صریح ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ: ''حضور ﷺ قبا کی طرف نکلے تو انصار کی جماعت آئی اور آپ ﷺ کو سلام کیا، حالانکہ آپ ﷺ نماز میں مشغول تھے تو آپ ﷺ نے اشارے سے جواب دیا'' اور بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ سلام کرنا ابتدائے اسلام میں جائز تھا اور مذکورہ حدیث منسوخ ہوگئی ہے، حالانکہ نماز میں بات کرنے کی ممانعت مکہ میں آئی ہے اور مذکورہ واقعہ مدینے کا ہے، کیونکہ انصار اور قبا کا تعلق تو مدینہ منورہ سے ہے۔اسی طرح ابوداؤد، مسلم اور ابن ماجہ تینوں نے حضرت جابرؓ کی حدیث نقل کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور ﷺ نے کسی کام کے لیے بھیجا، جب میں واپس آیا تو آپ ﷺ نماز میں مشغول تھے، میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے اشارے سے جواب دیا اور نماز سے فراغت کے بعد مجھے دعا دی۔مذکورہ روایت مسلم کی پہلی جلد، صفحہ ۲۰۴ پر مذکور ہے اور ابوداؤد کی حدیث نمبر ۹۲۶ اور ابن ماجہ کی حدیث نمبر ۱۰۱۸ ہے۔علاوہ ازیں امام ابوداؤد نے باقاعدہ اپنی کتاب میں "رد السلام في الصلوة" کے نام سے باب قائم کیا ہے اور ابن ماجہ نے "باب المصلي يسلم عليه كيف يرد" کے عنوان سے مستقل باب قائم کیا ہے۔ان کے علاوہ امام مالک نے موطا میں جلد ۱ ص ۱۵۴ پر اشارہ سے جواب دینے کا استدلال کیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مختلف آثار بھی نماز میں اشارہ سے جواب دینے کے جواز پر دلالت کرتے ہیں۔اتنے دلائل کے ہوتے ہوئے نمازی کو سلام کرنے اور نمازی کے جواب دینے کی نفی پر اپنی رائے قائم کرنا کس طرح درست ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

فقہ حنفی کی اس خصوصیت سے انکار کرنا مشکل ہے کہ یہاں اختلافی مسائل میں وارد ہونے والی تمام روایات کو سامنے رکھ کر حکم لگایا جاتا ہے، چنانچہ مذکورہ مسئلہ میں بھی تمام متعلقہ روایات کو سامنے رکھ کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نمازی کو سلام کرنا یا نمازی کا اشارہ سے جواب دینا درست نہیں اور یہ دونوں باتیں اگر چہ نماز کو فاسد نہیں کرتیں، لیکن احادیث مبارکہ اس بات پر شاہد ہیں کہ نماز کے دوران ان امور کا ارتکاب ناپسندیدہ عمل ہے جس سے احتراز بہتر ہے، چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت جس کو امام بخاری نے صحیح بخاری میں نقل کیا ہے، اُس سے اس بات کی تائید ملتی ہے:

عن عبدالله بن مسعودؓ قال: كنت أسلم على النبي ﷺ وهو في الصلوة، فيرد عليّ، فلمّا رجعنا سلمت عليه، فلم يردّ علي وقال: إن في الصلوة لشغلاً.(۱)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: ''میں آپ ﷺ کو نماز کی حالت میں سلام کرتا اور آپ ﷺ مجھے جواب بھی دیا کرتے تھے، جب ہم (حبشہ سے) واپس لوٹے تو میں نے سلام کیا، آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا اور نماز کے بعد فرمایا کہ نماز میں (آدمی کی اپنے رب کے ساتھ) مشغولیت ہوتی ہے''۔

سنن ابی داوٗد میں ''فلم يردّ علي'' کے بعد' فأخذني ما قدم وما حدث'' کے الفاظ آئے ہیں، یعنی جواب نہ دینے کی وجہ سے مجھے نئی اور پرانی باتوں کی فکر لگ گئی کہ شاید کسی بات سے آپ ﷺ ناراض ہوئے ہیں اس لیے جواب نہیں دیا، لہٰذا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اِس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے نہ زبان سے جواب دیا اور نہ اشارہ سے، اگر اشارہ سے جواب دیا ہوتا تو پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کبھی یوں نہ کہتے کہ '' لم يردّ عليّ''، بلکہ یوں کہتے کہ ردّ عليّ بالاشارة ورنہ ان کو اتنا زیادہ غم وحزن ہوتا۔ اسی طرح بخاری کی روایت ''إنّ في الصلاة لشغلاً'' کے الفاظ سے واضح طور پر اس بات کی ترغیب ملتی ہے کہ نمازی کے نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے کوئی سلام کر کے نماز میں خلل پیدا نہ کرے اور نمازی بھی مشغولیت کی وجہ سے جواب دینے کا پابند نہیں۔

دوسری روایت حضرت جابر بن سمرۃؓ کی ہے جس کو امام مسلم نے صحیح مسلم میں نقل کیا ہے، جس میں آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو نماز میں ہاتھ اٹھانے پر تنبیہ فرماتے ہوئے آخر میں فرمایا: ''اسکنوا في الصلوة''، یعنی نماز میں سکون کے ساتھ رہو، اس روایت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تمام اعضا کو دورانِ نماز پرسکون رکھنا نماز کا حصہ ہے اور اشارہ سے سلام کا جواب دینا سکون کے خلاف ہے، اس لیے نمازی کو سلام کرنا یا نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینا مکروہ ہے۔

(۱) البخاري، كتاب الصلاة، باب لا يرد السّلام في الصلاة: ۱/۱۶۲

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اثر جس کو امام طحاوی نے نقل کیا ہے، اس میں نمازی کو سلام کرنا مکروہ بتایا گیا ہے:

عن إبراهيم عن عبد الله أنه كره أن يسلم على القوم، وهم في الصلوة. (١)

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ: ''عبداللہ بن مسعودؓ نماز میں مشغول لوگوں کو سلام کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔''

یہ روایات اور اس کے علاوہ کئی روایات اس بات پر روزِ روشن کی طرح دلالت کرتی ہیں کہ نمازی کو سلام کرنا یا اشارہ سے نمازی کا جواب دینا مکروہ ہے اور سوال میں جو روایات سلام کرنے اور اشارہ سے جواب دینے کے جواز کے لیے پیش کی گئی ہیں، ان سے استدلال درست نہیں۔ کئی وجوہ سے یہ استدلال کمزور ہے، اس لیے کہ ان روایات میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اشارہ سلام کا جواب دینے کے لیے کیا، بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ ان کو سلام وکلام سے روکنے اور انتظار کرنے کے لیے اشارہ کیا ہو اور یہ صرف احتمال نہیں بلکہ مسلم کے الفاظ "أومأ بيده إلى الأرض" سے اس بات کی تائید بھی ملتی ہے کہ اشارہ انتظار کے لیے تھا، اگر سلام کا جواب ہوتا تو اشارہ اوپر کی طرف کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ جابر بن عبداللہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ جن کے ساتھ خود یہ قصہ پیش آیا تھا نماز میں سلام کرنے یا اشارہ سے جواب دینے کو ناپسندیدہ سمجھتے تھے، لہٰذا آپ ﷺ کا اشارہ سلام روکنے کے لیے تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ بات تسلیم بھی کی جائے کہ اشارہ کے ساتھ جواب دینے کا قصد تھا تو دوسری نصوص کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا پڑے گا کہ آپ ﷺ نے یہ عمل جواز کے لیے کیا تھا اور احناف بھی جواز کے منکر نہیں، البتہ اس عمل کو ناپسندیدہ سمجھتے ہیں۔ ہاں نبی ﷺ جب بیان جواز کے لیے کوئی عمل کرتے ہیں تو اس میں کراہت کا پہلو باقی نہیں رہتا، بلکہ پیغمبر کا یہ وظیفہ ہوتا ہے کہ قول وعمل سے اُمت کو اس کے جواز پر مطلع کردے، جیسا کہ وضو کے دوران آپ ﷺ نے ایک ایک مرتبہ بھی وضو کے اعضا دھونے پر اکتفا کیا ہے، حالانکہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ وضو میں اعضا کو تین تین مرتبہ دھونا ہی مسنون ہے، عذر کے بغیر اس کا خلاف کرنا ناپسندیدہ امر ہے۔ نیز اگر اشارہ کے ساتھ سلام کا قصد تسلیم کیا جائے تو یہ نسخ سے پہلے کا قصہ ہوگا، کیونکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں نماز کے اندر کلام کرنا جائز تھا، پھر جیسے كلام في الصلوة منسوخ ہوا تو اشارہ بھی منسوخ ہوا اور ناسخ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے جو اوپر گزر گئی اور چونکہ عبداللہ بن مسعودؓ کی واپسی ہجرت حبشہ سے مدینہ ہوئی جس کا اعتراف علامہ ابن اثیر اور ابن حجر جیسے شوافع محققین نے بھی کیا ہے تو یہ اعتراض کرنا بے جا ہوگا کہ نسخ مکہ میں ہوا تھا اور إشارة بالسّلام کا قصہ مدینے کا ہے۔

❁❁❁

(١) الطحاوي، شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب الإشارة في الصلاة: ٢٦٧/١

کہنیوں تک ہاتھ نہ دھونے والے کی نماز

سوال نمبر(92):

زید بیرون ملک مقیم ہے جہاں وہ ایسے امام کی اقتدا میں نماز ادا کرتا ہے جو وضو میں کہنیوں تک ہاتھ نہیں دھوتا تو کیا زید کی نماز اس امام کے پیچھے جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

واضح رہے کہ شریعت کے کسی بھی حکم میں بلا عذر فرض کو ترک کرنے کی صورت میں ذمہ فارغ نہیں ہوتا، اس لیے اگر کسی نے وضو میں کسی فرض کو ترک کیا تو اس کا وضو نہیں ہوگا اور نماز بھی شرط پوری نہ ہونے کی وجہ سے باطل رہے گی، لہٰذا اگر کوئی امام وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت نہیں دھوتا تو وضو صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ کسی حنفی، حنبلی، مالکی اور شافعی کی نماز ایسے امام کے پیچھے جائز نہیں جو وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت نہیں دھوتا، کیونکہ چاروں ائمہ کے نزدیک وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا فرض ہے۔

والدّليل علىٰ ذلك:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمتُم إِلَى الصَّلَاةِ فَاغسِلُوا وُجُوهَكُم وَأَيدِيَكُم إِلَى المَرَافِقِ﴾.(١)

اتفق الأئمة على الفرائض الأربعة المذكورة في القرآن الكريم، وهي: غسل الوجه وغسل اليدين إلى المرفقين...إلخ (٢)

ترجمہ: ﴿اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہرے کو، اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو۔﴾ تمام ائمہ کرام کا قرآن کریم میں مذکور وضو کے چار فرائض پر اتفاق ہے اور وہ یہ ہیں: منہ دھونا اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا۔۔۔الخ

❁❁❁

---

(١) المائدہ:٦

(٢) الجزيري،عبدالرحمن بن محمد عوض، كتاب الفقه على مذاهب الأربعة، كتاب الطهارة، خلاصة لما تقدم من فرائض الوضو:١/٥٨، ٥٩،وحيدى كتب خانه قصه خوانى بازار پشاور

زلزلہ کے وقت نماز توڑنا

سوال نمبر(93):

اگر کوئی شخص تنہا یا با جماعت نماز پڑھ رہا ہو اور اچانک زلزلہ آجائے تو نماز توڑ سکتا ہے یا نہیں؟ اس صورت میں پوری جماعت کے لیے نماز توڑنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نماز شروع کرنے کے بعد توڑنا کسی شرعی عذر کے بغیر درست نہیں، البتہ بعض اعذار کے پائے جانے سے نماز کا توڑنا واجب بھی ہو جاتا ہے، مثلاً: مال ہلاک ہونے کا خطرہ ہو یا کسی کی جان ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔ زلزلہ ایک اتفاقی حادثہ ہوتا ہے، اس کی شدت وخفت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ مکانات گرنے کا امکان بھی ہوتا ہے، اس میں ہلاکتیں بھی ہو سکتی ہیں، اس لیے نماز کے دوران اگر زلزلہ آجائے تو شریعت اس بات کا حکم دیتی ہے کہ نماز کو توڑ کر اپنے آپ کو بچایا جائے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں انفرادی نماز ہو یا اجتماعی بہرحال زلزلہ کی صورت میں نماز توڑنا جائز ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

رجل كان في البيت أخذته الزلزلة لايكره له الفرار إلى الفضاء، بل يستحب لما روى عن النبي ﷺ أنه مرّ بحائط مائل، فأسرع في المشي، فقيل له: أتفرُّ من قضاء الله؟ قال: أفرّمن قضاء الله إلىٰ قضاء الله. (۱)

ترجمہ:

ایک آدمی گھر میں ہو اور زلزلہ آجائے تو اُس کے لیے باہر فضا کی طرف دوڑنا مکروہ نہیں، بلکہ مستحب ہے، اس لیے کہ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ وہ ایک ٹیڑھی دیوار کے پاس گزرے (جس کے گرنے کا اندیشہ تھا) تو آپ ﷺ نے اپنی رفتار تیز فرما دی۔ آپ ﷺ سے کہا گیا: ''کہ آپ ﷺ اللہ کی قضا سے بھاگ رہے ہیں''؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ کی قضا سے اللہ کی قضا ہی کی طرف بھاگ رہا ہوں''۔

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثلاثون في المتفرقات: ۳۷۹/۵

عورت کا کھیتوں میں نماز پڑھنا

سوال نمبر (94):

کچھ عورتیں کھیتوں میں کام کرتی ہیں۔ جب نماز کا وقت آتا ہے تو اُدھر نماز بھی پڑھ لیتی ہیں۔ کیا غیر محرم مردوں کی نظروں سے بچنے کی غرض سے بیٹھ کر نماز پڑھ سکتی ہیں یا بہر صورت کھڑے ہوکر نماز پڑھنا ضروری ہوگا؟ نیز سوال میں مذکورہ عذر شرعی اعذار میں سے ہے یا نہیں؟ نیز دورانِ نماز خواتین کن اعضا کو کھلا رکھ سکتی ہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

آزاد خاتون کا سوائے چہرے، ہتھیلیوں اور قدم کے سارا بدن ستر ہے، اس لیے دورانِ نماز ان تین اعضا کے علاوہ سارے بدن کو چھپانا ضروری ہے۔ اگر کسی ایسے عضو کا چوتھائی حصہ ایک رکن کی مقدار کے برابر کھلا رہے جس کا نماز میں چھپانا ضروری ہے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے، چاہے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے۔ غیر محرم کے سامنے اگر مذکورہ اعضا کے علاوہ بدن مستور ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ بے پردگی کی وجہ سے گنہگار ہوگی، اس لیے بہتر یہ ہے کہ نماز پڑھنے کے لیے گھر چلی جائے اور اگر کھیت میں ہی نماز پڑھتی ہو تو کھڑے ہوکر نماز پڑھے گی، بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتی اس لیے کہ قیام فرض ہے اور یہ ایسا عذر نہیں جس کی وجہ سے قیام ساقط ہوجائے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

حتیٰ لو صلیّ في بیت مظلم عریاناً وله ثوب طاهر لایجوز إجماعا...... وبدن الحرة عورة، إلاّ وجهها، و کفیها، وقدمیها.(۱)

ترجمہ:

اگر کوئی شخص تاریک کمرے میں برہنہ ہوکر نماز پڑھے، حالانکہ اس کے پاس صاف کپڑے موجود تھے تو بالاتفاق اِس کی نماز ناجائز ہوگی۔۔۔ آزاد عورت کے چہرے، ہتھیلی اور قدموں کے علاوہ باقی بدن عورت ہے۔

فرائض الصلوة ستة: التحریمة ... والقیام؛ لقولهِ تعالیٰ: ﴿وقوموا للّٰه قانتین﴾ الایة (۲)

---

(۱) البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، تحت قوله (وستر عورته): ۱/۴٦۷، ٤٦۹

(۲) الهدایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۹۷

ترجمہ:

نماز کے چھ فرائض ہیں: تحریمہ اور قیام، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اللہ کے لیے عاجز بن کر کھڑے ہو جاؤ﴾

❁❁❁

نماز میں سونے سے کسی رکن کا فوت ہونا

سوال نمبر(95):

امام کے پیچھے کسی ایک رکن کی ادائیگی میں آدمی سویا ہوا رہ جائے تو اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جماعت کی نماز میں مقتدی کے لیے نماز کے تمام ارکان امام کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے۔ بغیر کسی عذر کے رکن ترک کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اگر مقتدی کسی رکن کی ادائیگی میں سو جائے اور جاگنے پر معلوم ہو جائے کہ رکن فوت ہوا ہے تو امام کے ساتھ دوسرے ارکان میں شامل ہونے سے پہلے فوت شدہ رکن ادا کرلے، اگرچہ امام دوسری رکعت پڑھا رہا ہو۔

والدّليل علىٰ ذلك:

وإذا كبر مع الإمام، ثم نام، حتى صلىٰ الإمام ركعة، ثمّ انتبه، فإنّه يصلي الركعة الأولىٰ، وإن كان الإمام يصلي الركعة الثانية.(١)

ترجمہ:

امام کے ساتھ تکبیر پڑھی پھر سو گیا، یہاں تک کہ امام نے ایک رکعت پڑھ لی پھر یہ جاگ گیا تو یہ پہلی رکعت پڑھے گا، اگرچہ امام دوسری رکعت پڑھ رہا ہو۔

❁❁❁

---

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق: ٩٢/١

نماز میں آخری قعدہ چھوٹنا

سوال نمبر(96):

باجماعت نماز کے دوران امام صاحب چار رکعت پڑھ کر قعدہ کیے بغیر پانچویں رکعت کے لیے کھڑے ہوگئے، پھر چھٹی رکعت کو ملا کر سجدہ سہو کیا تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ نماز میں پہلا قعدہ واجب ہے، اگر بھول کر رہ جائے تو سجدہ سہو کرنے سے نماز درست ہوجاتی ہے، لیکن آخری قعدہ فرض ہے، اس لیے اگر یہ کسی وجہ سے رہ جائے تو سجدہ سہو سے بھی نماز درست نہیں ہوگی، بلکہ دوبارہ نماز پڑھنا فرض ہوگا اور یہ چھ رکعت نفل شمار ہوں گی، لہٰذا صورت مذکورہ میں نماز دوبارہ پڑھی جائے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وإن لم يقعد على رأسِ الرابعة، حتىٰ قام إلى الخامسة إن تذكر قبل أن يقيّد الخامسة بالسجدة عاد إلى القعدة...وإن قيّد الخامسة بالسجدة فسد ظهره عندنا.(۱)

ترجمہ:

اوراگر چوتھی رکعت کے بعد بیٹھا نہیں، یہاں تک کہ پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا تو اگر پانچویں رکعت میں سجدہ کرنے سے پہلے پہلے یاد آئے تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے۔۔۔ اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کرچکا تو ہمارے ہاں اس کی نماز ظہر فاسد ہوجائے گی۔

❁❁❁

(۱)الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو:۱/۱۲۹.

مسجد ہال میں جگہ کے باوجود باہر صحن میں امام کی اقتدا

سوال نمبر (97):

باجماعت نماز کے دوران مسجد کے ہال میں لوگ نماز پڑھ رہے ہوں، اندر خالی جگہ ہونے کے باوجود کچھ لوگ باہر صحن میں اقتدا کریں تو کیا ان لوگوں کا باہر نماز پڑھنا درست ہوگا؟ بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

باجماعت نماز میں صفوں کی درستگی اور صفوں میں خالی جگہوں کو پُر کرنا ضروری ہے، اس کی بڑی تاکید آئی ہے، لہٰذا اگر اگلی صف میں جگہ ہو تو پچھلی صف میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ مسجد کے ہال میں جگہ ہونے کے باوجود بھی اگر کوئی شخص مسجد کے صحن میں کھڑے ہوکر امام کی اقتدا کرے تو نفسِ نماز ہو جائے گی، لیکن صفِ اول اور جماعت کی اجتماعی صفوں میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے اس کے فضائل اور ثمرات سے محروم رہے گا، اس لیے اگر مسجد کے ہال میں جگہ ہو تو مسجد کے صحن میں نماز پڑھنے سے گریز کرنا چاہیے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اِس جواز کے لیے دو شرائط ہیں: پہلی یہ کہ مکان ایک ہو، چنانچہ اگر کوئی شخص مسجد کے حدود سے باہر کھڑا ہو اور صفوف میں اتصال نہ ہو تو اُس کی نماز درست نہ ہوگی۔ دوسری یہ کہ فاصلہ کی وجہ سے مقتدی پر امام کی حالت مشتبہ نہ ہوتی ہو، لہٰذا اگر کوئی مسجد بہت بڑی ہو جس میں فاصلہ کی وجہ سے مقتدی پر امام کی حالت مشتبہ ہو جاتی ہو تو وہاں اقتدا ٹھیک نہیں ہوگی۔

والدّليل علىٰ ذلك:

ولو اقتدى بالإمام في أقصى المسجد، والإمام في المحراب، فإنه يجوز، كذافي شرح الطحاوي.(١)

ترجمہ:

اگر امام کی اقتدا اس طرح سے کی کہ مقتدی مسجد کے کسی کونے میں ہو اور امام محراب میں کھڑا ہو تو یہ جائز ہے۔

(والحائل لايمنع) الاقتداء، (إن لم يشتبه حال إمامه)... (ولم يختلف المكان) .(٢)

---

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة،الباب الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم:١/٨٨.

(٢)الدرالمختار، كتاب الصلاة،باب الإمامة:٢/٣٣٣.

ترجمہ:

اور حائل اقتدا کے لیے مانع نہیں اس شرط پر کہ مقتدی پر امام کی حالت مشتبہ نہ ہو۔۔۔اور مکان الگ نہ ہو۔

❁❁❁

رکوع میں ایک تسبیح کی جگہ دوسری پڑھنا

سوال نمبر(98):

فرض نماز میں اگر کوئی شخص رکوع میں سبحان ربي العظيم کی جگہ غلطی سے سبحان ربي الاعلیٰ پڑھ لے تو کیا نماز فاسد ہو جاتی ہے یا ایک تسبیح دوسری کے قائم مقام بن سکتی ہے؟ وضاحت کریں۔

بيّنوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق :

اگر کوئی شخص رکوع میں سبحان ربي العظيم کی جگہ سبحان ربي الاعلى پڑھ لے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔اس لیے کہ رکوع میں تسبیحات پڑھنا مسنون ہے اور نماز میں فساد کسی فرض یا واجب کے چھوٹ جانے سے آتا ہے، اس لیے اگر کسی وجہ سے تسبیحات بالکلیہ ترک ہو جائیں، تب بھی نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ ثواب میں کمی ضرور آئے گی۔

والدّليل علىٰ ذلك:

لو سبح في ركوعه "سبحان ربي الأعلىٰ" مكان العظيم لا تفسد صلاته.(۱)

ترجمہ:

اگر رکوع میں سبحان ربی العظیم کی جگہ سبحان ربی الاعلی پڑھ لے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الأول في ذكر حرف مكان حرف: ۱/ ۳۴۹.

کسی کی پشت پر سجدہ کرنا

سوال نمبر(99):

ریاض الجنۃ میں جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے نفل نماز کے دوران کسی کی پشت پر سجدہ کرنے کی نوبت آتی ہے، نماز کے دوران عذر کی بنا پر کسی کی پشت پر سجدہ کرنا کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سجدہ نماز کے ارکان میں سے ہے۔ جس طرح نماز میں شرعی اعذار معتبر ہیں اس طرح سجدہ میں بھی معتبر رہیں گی۔
صورتِ مسئولہ میں رش کی وجہ سے کسی کی پشت پر سجدہ کرنے کی اجازت ہے، لیکن اس کی صحت کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ جس کی پشت پر سجدہ کیا جاتا ہو، وہ بھی اس کی طرح وہی نماز پڑھ رہا ہو۔ اگر کہیں وہ سرے سے نماز ہی نہ پڑھ رہا ہو یا فرض نماز پڑھ رہا ہو اور سجدہ کرنے والا نفل تو ایسی صورت میں اس کی پشت پر سجدہ کرنا درست نہ ہوگا۔

والدّليل علیٰ ذلك:

ولو سجد علیٰ ظهر رحل، وهو في الصلوة، يجوز. فإن لم يكن ذلك الر حل في الصلوة، أوليس في صلوته لا يجوز.(١)

ترجمہ:

اگر آدمی کی پشت پر سجدہ کیا اور وہ بھی نماز پڑھ رہا ہو تو جائز ہے۔ اگر وہ شخص (جس کی پشت پر سجدہ کیا ہے) نماز نہ پڑھ رہا ہو یا اُس کی نماز اِس کی نماز سے الگ ہو تو (اس کی پشت پر سجدہ کرنا) جائز نہیں۔

❀❀❀

نماز میں گلا صاف کرنے کے لیے کھنکارنا

سوال نمبر(100):

نماز کے دوران گلا کی خرابی یا خراش کی وجہ سے گلا صاف کرنے کے لیے قصداً کھانسنے یا کھنکارنے سے نماز

(١) الفتاوی الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة: ١/٧٠.

پر اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

نماز کے دوران گلا صاف کرنے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر آواز کو خوبصورت بنانے یا گلا صاف کرنے کے لیے یا کسی اور عذر کی وجہ سے امام کھنکارلے تو بلا کراہت جائز ہے۔ اگر امام کے علاوہ کوئی اور بغیر عذر کے کھنکارے اور حروف بھی پیدا ہو جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر کھنکارنے سے حروف پیدا نہ ہوں تو پھر نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن کراہت سے پھر بھی خالی نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ویفسد الصلوة التنحنح بلا عذر بأن لم یکن مدفوعا إلیه،وحصل منه حروف.(۱)

ترجمہ: بلا عذر کھنکارنا جب کہ اس سے حروف پیدا ہو جائیں نماز کو فاسد کر دیتا ہے، (اور بلا عذر یہ ہے کہ) آدمی کھنکارنے پر مجبور نہ ہو۔

❁❁❁

سجدے کے دوران دونوں پیر اٹھانا

سوال نمبر (101):

اگر امام سجدے میں دونوں پیر زمین سے اٹھائے رکھے تو اس سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟ نیز مقتدیوں کی نماز اس سے متاثر ہوگی یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

سجدے میں پیر زمین پر رکھنے کے مسئلہ میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات اسے فرض قرار دیتے ہیں اور بعض نہیں، جب کہ بعض ایک قدم رکھنے کو فرض قرار دیتے ہیں۔ علامہ ابن عابدینؒ ان مختلف روایات کو نقل کرنے

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، باب في مایفسد الصلاة: ۱/۱۰۱

کے بعد اس کے وجوب کو دلائل کی روشنی میں راجح قرار دیتے ہیں اور عدم فرضیت کو وجوب پر محمول کرتے ہیں، تاہم فقہ کی کتابوں میں اس پر تصریح کی گئی ہے کہ ایک تسبیح کے بقدر دونوں پیر زمین پر رکھنے سے سجدہ ادا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی ایک پیر کی ایک انگلی بھی بقدرِ تسبیح زمین پر رکھ لی تو سجدہ ادا ہو جاتا ہے، لیکن بلا ضرورت ایک پیر پر اکتفا کرنا مکروہ ضرور ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر امام صاحب ایک تسبیح کے بقدر پاؤں زمین پر رکھ کر پھر اٹھالیتا ہو تو سجدہ ادا ہو جائے گا البتہ بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے جس کا اثر لازمی طور پر مقتدیوں کی نماز پر بھی پڑے گا، لیکن اگر امام صاحب سرے سے پیر زمین پر رکھتا ہی نہ ہو تو پھر نماز درست نہیں ہوگی۔

والدّليل علىٰ ذلك:

والحاصل أن المشهور في كتب المذهب اعتماد الفرضية، والأرجح من حيث الدليل، والقواعد عدم الفرضية، ولذا قال في العناية والدرر: أنه الحق، ثمّ الأوجه حمل عدم الفريضة على الوجوب.(١)

(ومنها السجود) بجبهته، وقدميه، ووضع أصبع واحدة منهما شرط. قال ابن عابدين: وأفاد أنه لولم يضع شيئا من القدمين لم يصح السجود.(٢)

ترجمہ:

خلاصہ یہ ہے کہ مذہب کی کتابوں میں مشہور قول (سجدہ میں پاؤں زمین پر رکھنے کے بارے میں) فرضیت کا ہے لیکن قواعد اور دلائل کے لحاظ سے راجح قول عدمِ فرضیت کا ہے، اسی وجہ سے عنایہ اور درر میں اس قول کو زیادہ درست قرار دیا ہے پھر عدمِ فرضیت کو وجوب پر محمول کرنا درست ہے۔

نماز کے ارکان میں سے پیشانی پر اور دونوں قدموں سے سجدہ کرنا ہے اور سجدہ کرتے ہوئے پاؤں کی کم از کم ایک انگلی زمین پر رکھنا شرط ہے۔ ابن عابدین فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی دونوں قدموں میں سے کچھ بھی زمین پر نہ رکھے تو اس کا سجدہ درست نہ ہوگا۔

(١) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي: ٢/٢٠٥

(٢) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب بحث الركوع والسجود: ٢/١٣٤، ١٣٥

خون آلودہ رومال کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال نمبر(102):

اگر کسی شخص کی جیب میں خون آلودہ رومال ہو جس کے ساتھ اس نے نماز پڑھی تو آیا اس کی نماز ہوگئی یا اس کا اعادہ واجب ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رو سے بدن، کپڑے اور مکان کا پاک ہونا نماز کی صحت کے لیے شرط ہے، تاہم اگر کسی کے کپڑے نجاستِ غلیظہ کے ساتھ پلید ہوں اور انہی کپڑوں میں اُس نے نماز پڑھی ہو تو اگر یہ نجاست درہم کی مقدار سے زیادہ ہو تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی اور اس پر اس کا اعادہ واجب ہوگا اور اگر نجاست درہم کی مقدار کے برابر یا اس سے کم ہو اور نجاست دھونے کی صورت میں وقت نکلنے یا جماعت فوت ہونے کا خطرہ ہو تو اِسی کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر وقت میں وسعت ہو یا دوسری جگہ جماعت ملنے کا امکان ہو تو نجاست دھو کر نماز ادا کرے ورنہ نماز مکروہِ تحریمی رہے گی۔

صورتِ مسئولہ میں اگر کسی شخص نے رومال کے ساتھ خون صاف کرکے جیب میں رکھنے کے بعد اسی رومال کے ساتھ نماز پڑھی ہو اور وہ خون قدرِ درہم سے زیادہ ہو تو اس صورت میں اس کی نماز درست نہیں رہے گی جس کی وجہ سے اس کا اعادہ ضروری ہے اور اگر قدرِ درہم کے برابر یا اس سے کم ہو تو نماز درست ہوچکی ہے جس کا اعادہ ضروری نہیں، تاہم آئندہ کے لیے یہ احتیاط کرے کہ اگر وقت نکلنے یا جماعت فوت ہونے کا خدشہ نہ ہو تو قدرِ درہم یا اس سے کم نجاست بھی دھو کر نماز پڑھ لی جائے تاکہ کراہت سے بچ سکے۔

والدليل علىٰ ذلك:

رجل صلىٰ وفي كمه قارورة فيها بول،لاتجوز الصلوة،سواء كانت ممتلئة أولم تكن؛لأن هذاليس في مظانه ومعدنه بخلاف البيضة المذرة؛لأنه في معدنه ومظانه.(١)

ترجمہ: ایک آدمی نماز پڑھ لے اور اس کی آستین (کی جیب) میں ایک شیشی ہو، جس میں پیشاب ہو تو نماز جائز نہیں۔ چاہے وہ شیشی بھری ہو یا بھری نہ ہو۔ کیونکہ یہ پیشاب اپنی اصلی اور خلقی جگہ (مثانہ) میں نہیں، بخلاف گندے

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة،الباب الثالث في شروط الصلوة،الفصل الثاني:١/٦٢

انڈے کے کہ اس کی گندگی اپنی اصلی اور خلقی جگہ (خول) ہی میں ہوتی ہے۔

دورانِ نماز منہ میں ذائقہ

سوال نمبر(103):

بعض اوقات انسان کوئی میٹھی چیز کھا کر نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے اور منہ میں ذائقہ بھی ہوتا ہے تو کیا اس سے نماز پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے بعض امور سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ان میں سے ایک نماز کے دوران کوئی چیز کھانا بھی ہے۔اسی طرح اگر کسی شخص نے کوئی میٹھی چیز پہلے سے منہ میں ڈالی ہو اور دورانِ نماز وہ چیز منہ میں پڑی ہو اور اس کی مٹھاس اندر جا رہی ہو تو پھر بھی نماز فاسد ہو جائے گی ،تاہم اگر نماز شروع کرنے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھائی اور پھر نماز کے دوران منہ میں وہ چیز تو نہ ہو، البتہ صرف ذائقہ موجود ہو تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ولو أكل شيئا من الحلاوة وابتلع عينها، فدخل في الصلوة، فوجد حلاوتها في فيه فابتلعها لاتفسد صلوته. ولو أدخل الفانيذ، أو السكر في فيه، ولم يمضغه لكن يصلي والحلاوة تصل إلى جوفه تفسد صلوته. (۱)

ترجمہ:

اگر کسی شخص نے کوئی میٹھی چیز کھائی اور اس چیز کو نگل گیا پھر اس نے نماز شروع کی تو اس میٹھی چیز کی مٹھاس اپنے منہ میں پائی، پس اس نے اُس مٹھاس کو (نماز میں) نگل لیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور گویا شکر اپنے منہ میں رکھا اور اس کو چبایا نہیں، لیکن وہ نماز پڑھتا رہا اور مٹھاس اس کے پیٹ میں جاتی رہی تو (اس صورت میں) اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب السابع في مايفسد الصلوة ومايكره فيها، الفصل الأول: ۱۰۲/۱

پیشاب سے بھری بوتل جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا

سوال نمبر(104):

ایک شخص نے ٹیسٹ کرانے کی غرض سے ایک بوتل میں پیشاب کیا اور بوتل جیب میں رکھ لی۔نماز کا وقت آگیا اور اس نے بھول کر اسی حالت میں نماز پڑھ لی تو کیا یہ نماز درست ہوئی یا اس کا لوٹانا ضروری ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ جو نجاست اپنے معدن (جائے پیدائش) سے الگ ہو تو خواہ وہ کسی چیز میں بند ہی کیوں نہ ہو، یہ نماز کے لیے مانع ہوگی، لہٰذا اگر کسی شخص نے اس حال میں نماز پڑھی کہ اس کی جیب میں پیشاب سے بھری بوتل ہو تو نماز جائز نہ ہوگی، بلکہ واجب الاعادہ ہوگی، کیونکہ نجاست اپنے معدن (جائے پیدائش) میں نہیں ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

رجل صلی وفي كمه قارورة فيها بول لاتجوز الصلوة سواء كانت ممتلئة أولم تكن ؛ لأن هذا ليس في مظانه و معدنه بخلاف البيضة المذرة ؛لأنه في معدنه و مظانه.(۱)

ترجمہ: ایک آدمی نے نماز پڑھی اور اس کی آستین (کی جیب) میں ایک شیشی تھی جس میں پیشاب تھا تو اس کی نماز جائز نہیں۔چاہے وہ شیشی بھری ہو یا بھری نہ ہو، کیونکہ یہ پیشاب اپنی اصلی اور خلقی جگہ (مثانہ) میں نہیں۔بخلاف گندے انڈے کے (کہ اگر وہ جیب میں رکھا ہو تو نماز درست ہے) کیونکہ اس کی گندگی اپنی اصلی اور خلقی جگہ (خول) ہی میں ہوتی ہے۔

❁❁❁

دورانِ نماز کھانسنا

سوال نمبر(105):

نماز میں بعض دفعہ آدمی کو کھانسی آتی رہتی ہے۔کیا اس سے نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ نیز کھانسی کی کتنی مقدار سے نماز متاثر ہوتی ہے؟

بینوا توجروا

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الثاني: ۱/ ٦٢

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہاے کرام نے نماز کے دوران کھانسی آنے میں تفصیل بیان کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر کھانسی عذر کی بناپر آجائے تو یہ بلاشبہ مفسدِ نماز نہیں اور اگر بغیر عذر کے کھانسی آجائے، لیکن اس میں کوئی غرض صحیح ہو، جیسے قرأت کے لیے آواز کو صاف کرنا یا اس لیے کہ اس بات کی خبر کسی کو دے کہ وہ نماز میں ہے یا امام کی غلطی پر تنبیہ دے تو یہ بھی مفسد صلوۃ نہیں، البتہ اگر بلاعذر کھانسی ہو اور نماز کی اصلاح کی کوئی غرض بھی نہ ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

والدلیل علیٰ ذلک:

فإن كان التنحنح لعذر،فإنه لايبطل الصلوة بلاخلاف ... وإن كان من غيرعذر ولاغرض صحيح فهو مفسد عندهما...وإن كان بغير عذرلكن لغرض صحيح كتحسين صوته للقراءة، أوللإعلام أنه في الصلوة، أوليهتدي إمامه عند خطائه ففيه اختلاف،فظاهر الكتاب والظهيرية اختيارالفساد،لكن الصحيح عدمه.(۱)

ترجمہ:

اور اگر کھانسنا عذر کی وجہ سے ہو تو اس صورت میں بالاتفاق اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور اگر بغیر عذر کے ہو تو اس صورت میں یہ طرفین (امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک مفسدِ صلوۃ ہے۔۔۔۔اور اگر کھانسنا عذر کی وجہ سے تو نہ ہو، لیکن کسی صحیح مقصد کے لیے ہو، جیسا کہ قرأت کے لیے آواز بہتر کرنا یا یہ اطلاع دینا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں یا امام سے نماز میں غلطی سرزد ہو جائے اور اس کو لقمہ دینے کے طور پر کھانسا جائے تو اس میں اختلاف ہے۔کنزالدقائق اور ظہیریہ نے نماز میں فساد کے قول کو اختیار کیا ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

❁❁❁

دورانِ نماز قیام سے قعدہ کی طرف لوٹنا

سوال نمبر(106):

میں نماز پڑھ رہا تھا، دوسری رکعت میں قعدہ میں بیٹھنے کی بجائے اُٹھا اور قیام کے بالکل قریب ہوا، اس کے بعد مجھے یاد آیا کہ مجھ سے قعدۂ اولیٰ رہ گیا ہے۔ پھر میں قعدہ میں چلا گیا اور میں نے نماز پوری کر کے آخر میں

(۱) البحرالرائق، کتاب الصلوۃ، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا: ۲/۸۰۷

سجدۂ سہو کیا۔واضح رہے کہ یہ عشا کی نماز تھی اور میں اسے اکیلے پڑھ رہا تھا۔آیا میری یہ نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کوئی نمازی قعدۂ اولیٰ بھول کر سجدہ سے سیدھا قیام کے لیے کھڑا ہو جائے یا اس کے قریب ہو،اگر چہ بالکل سیدھا کھڑا نہ ہو تو اگر یہ آدمی مقتدی ہو تو اس پر امام کا اتباع لازم ہے،تاہم اگر یہ شخص امام یا منفرد ہو تو اس کے بارے میں فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ قعدہ میں نہ جائے، بلکہ نماز پوری کر کے آخر میں سجدۂ سہو کرلے تو نماز درست ہوجائے گی اور یہ امام یا منفرد اگر قیام سے قعدہ میں چلا گیا تو اس کی نماز کے فساد اور عدمِ فسا میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات ایسی صورت میں نماز کے فساد کے قائل ہیں جب کہ دوسرے حضرات عدمِ فساد کے قائل ہیں اور یہی قول صحیح ہے،لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نماز صحیح ہوئی،اعادہ کی ضرورت نہیں۔تاہم اگر سیدھا کھڑا ہو کر قعدہ میں گیا ہو تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(سهاعن القعود الأول من الفرض) ولو عملياً،أما النّفل فيعود مالم يقيد بالسجدة (ثم تذكره عاد إليه) وتشهد،ولا سهو عليه في الأصح (مالم يستقم قائمًا) في ظاهر المذهب،وهو الأصح (وإلا) أي وإن استقام قائمًا (لا يعود لاشتغاله بفرض القيام (وسجدللسهو) لترك الواجب(فلوعاد إلى القعود)بعدذلك (تفسدصلوته) لرفض الفرض لماليس بفرض،وصححه الزيلعي(وقيل لا) تفسد لكنه يكون مسيئا، ويسجد لتأخير الواجب (وهو الأشبه) كماحققه الكمال وهو الحق. (۱)

ترجمہ: (کوئی فرض نماز میں قعدہ اولیٰ بھول کر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا)،اگر چہ یہ فرض عملاً ہو،(جیسا کہ وتر ہے)اور نفل میں تو تیسری رکعت کے سجدہ کرنے تک لوٹنے کی گنجائش ہے(پھر اس کو یاد آیا)اور قعدہ کی طرف لوٹ گیا اور تشہد کیا تو اس پر اصح قول کے مطابق سجدہ سہو نہیں ہے،(جب تک وہ بالکل سیدھا کھڑا نہ ہوا ہو)۔اور اگر ایسا نہ ہو،سیدھا کھڑا ہو گیا ہو تو پھر فرض (قیام) میں مشغول ہونے کی وجہ سے واجب کی طرف (نہیں لوٹے گا)،اور سجدہ سہو کرے گا(آخر میں) واجب کے ترک کی وجہ سے،البتہ سیدھا کھڑا ہونے کے بعد پھر بھی اگر تشہد کی طرف لوٹ گیا تو اس کی نماز فاسد

(۱)الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الصلوۃ،باب سجود السهو:۲/۵۴۷_۵۴۹

ہو جائے گی)۔فرض سے غیر فرض کی طرف لوٹنے کی وجہ سے اور اسی کو زیلعیؒ نے درست قرار دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی،لیکن پھر بھی خطا ہے۔اور واجب میں تاخیر کی وجہ سے اس پر سجدۂ سہو لازم آئے گا اور یہ قول زیادہ مناسب ہے،جیسا کہ کمال نے اسی قول کو بنا بر تحقیق درست قرار دیا ہے اور یہی قول حق ہے۔

❁❁❁

غیر نمازی سے نماز میں لقمہ لینا

سوال نمبر(107):

ایک آدمی نماز میں قرآن پاک کی ایک بڑی سورت پڑھ رہا ہے۔درمیان میں وہ ایک آیت بھول گیا اور آگے بھی یاد نہیں آرہا ہے اور دوسرا آدمی اس نماز پڑھنے والے کو قرآن پاک کھول کر آیت دکھا کر رہنمائی کرتا ہے۔کیا اس طرح نماز درست ہوگی یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق دورانِ نماز قرآن میں دیکھ کر تلاوت کرنے سے مطلقاً نماز فاسد ہوتی ہے،البتہ علامہ شامیؒ نے راجح اس قول کو قرار دیا ہے کہ کم از کم ایک آیت مصحف سے پڑھی ہو۔وجہ یہ ہے کہ قرآن سے بالمشافہ تلاوت کرنا تعلم (سیکھنا) ہے جو کہ نماز کے افعال میں سے نہیں،البتہ اگر کسی کو پہلے سے وہ حصہ قرآن کا یاد تھا اور پھر قرآنِ پاک میں صرف نظر کر کے اپنی یادداشت سے قرآن کو نماز میں اُٹھائے بغیر وہ حصہ تلاوت کیا تو چونکہ یہ حصہ پہلے سے اس کو یاد تھا،لہٰذا قرآن میں صرف نظر کرنے سے اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

صورتِ مسئولہ میں جب سائل نماز میں دورانِ تلاوت آگے ایک آیت بھول گیا اور خارج سے کسی نے اس کے لیے قرآن کھول دیا۔نمازی نے آیت دیکھ کر باقی تلاوت حفظ سے جاری رکھی تو چونکہ یہ آدمی اس حصہ تلاوت کا حافظ تھا،لہٰذا قرآنِ پاک میں صرف نظر کرنے سے اس کی نماز فاسد نہ ہوئی،البتہ یہ چونکہ خارج سے دوسرے آدمی کی طرف سے تلقین کی ایک صورت ہے،جو کہ مفسدِ صلوٰۃ ہے اس وجہ سے اس کی نماز فاسد ہوگی۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(وقراء ته من مصحف) أي ما فيه قرآن (مطلقا) ؛لأنه تعلم، إلا إذا كان حافظاً لما قرأه،وقرأ بلا حمل

قال الشامیؒ قوله:(لأنه تعلم) ذكروالأبي حنيفة في علة الفساد وجهين:أحدهما:أن حمل المصحف والنظرفيه وتقليب الأوراق عمل كثير،والثاني:أنه تلقن من المصحف فصاركماإذاتلقن من غيره.(۱)

ترجمہ:

اورنمازی کا نسخے سے قرأت کرنا،یعنی جس میں قرآن ہو،مطلقاً(مفسد ہے)،کیونکہ قرآن دیکھنا تعلم (سیکھنا) ہے،ہاں اگرنمازی جب مصحف سے پڑھے اوروہ حافظ ہواور مصحف اُٹھائے بغیر پڑھ لے(تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی)۔علامہ شامیؒ مصنف کے قول(کیونکہ یہ تعلم ہے) کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:''فقہاے کرام نے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فساد کی علت کے لیے دووجوہات بیان کی ہیں:پہلی وجہ یہ ہے کہ مصحف کا اُٹھانا اوراس میں دیکھنااورصفحات اُلٹ پلٹناعمل کثیر ہے۔اوردوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مصحف سے تلقین حاصل کرنا گویاکسی غیرسے تلقین حاصل کرنا ہے۔

ارکانِ نماز میں کسی رکن کا رہ جانا

سوال نمبر(108):

اگرایک آدمی نماز میں رکوع بھول جائے تو کیانماز دوبارہ پڑھے گایانہیں؟

بيّنوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

ارکانِ نماز میں سے کسی ایک رکن کافوت ہوجانا نماز کو باطل کردیتا ہے اوراس نماز کا اعادہ ضروری ہوتا ہے، لہٰذاصورتِ مسئولہ میں رکوع فوت ہوجانے کی وجہ سے نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

والدليل علىٰ ذلك:

وفي الولوالجية:الأصل في هذا أن المتروك ثلاثة أنواع: فرض،وسنة،وواجب،ففي الأول إن أمكنه التدارك بالقضاء يقضي وإلا فسدت صلوته.(۲)

ترجمہ: اس میں اصل یہ ہے کہ نماز میں جو چیز بھول گئی ہو،وہ تین نوع میں سے ایک ہوگا:فرض،واجب یاسنت،سوپہلی صورت میں

(۱) ردالمحتارعلى الدرالمختار،الصلوة،باب مايفسدالصلوة ومايكره فيها،مطلب:المواضع التي لايجب فيهاردالسلام:۲/۳۸۳،۳۸۴

(۲)الفتاوى الهندية،كتاب الصلوة،الباب الثاني عشرفي سجودالسهو:۱/۱۲۶

(جب کہ متروک فرض ہو) اگر قضا کرنے سے اس رکن کا تدارک ممکن ہو تو قضا کرلے، ورنہ نماز فاسد ہوجائے گی۔

❁❁❁

مغرب کی نماز میں مسبوق کی قرأت

سوال نمبر(109):

نمازِ مغرب میں مسبوق کی بقیہ رکعتوں کا کیا حکم ہے۔اس میں فاتحہ کے ساتھ سورت پڑھے گا یا نہیں؟

بینوا تو جروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ اگر کسی شخص کی رکعتیں چھوٹ جائیں، یعنی اس کی حیثیت جماعت میں مسبوق کی ہو تو اس کی بقیہ نماز کا حکم قرأت پڑھنے میں ابتداسے نماز پڑھنے والے کی طرح اور تشہد میں نماز ختم کرنے والے کی طرح ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر کسی شخص کی نمازِ مغرب میں ایک یا دو رکعت چھوٹ جائیں تو وہ اپنی نماز کی بقیہ ایک یا دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت ملا کر پڑھے گا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(ومنها)أنه يقضي أول صلوته في حق القراء ة،وآخرها في حق التشهد،حتّى لو أدرك ركعة من المغرب قضى ركعتين،وفصل بقعدة،فيكون بثلاث قعداتٍ وقرأفي كلّ فاتحة وسورة.(۱)

ترجمہ:

مسبوق کے متعلق احکام میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنی چھوٹی ہوئی جو نماز بعد میں پڑھتا ہے تو قرأت کے حق میں وہ نماز کا اول حصہ لوٹانے والا ہے اور تشہد کے حق میں نماز کا آخری حصہ لوٹانے والا ہے۔حتیٰ کہ اگر کسی مسبوق نے مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ ایک رکعت پائی تو وہ بعد میں دو رکعتیں پڑھے اور ان دو رکعتوں کے درمیان قعدہ کرے، پس اس کے تین قعدے ہوجائیں گے اور وہ (بعد کی ان دونوں رکعتوں میں سے) ہر ایک میں فاتحہ اور سورت پڑھے گا۔

❁❁❁❁❁

(۱)الفتاوى الهندية،كتاب الصلوة،باب الإمامة،الفصل السابع في المسبوق واللاحق:۹۱/۱

فصل فی المکروہات

(نماز کے مکروہات کا بیان)

چرس کی دکان میں نماز پڑھنا

سوال نمبر (110):

چرس کی دکان میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ چرس پینا اور اس کا کاروبار کرنا ایک قبیح فعل ہے۔ شرعی قباحتوں کے علاوہ میڈیکل کی رُو سے بھی اس کے نقصانات کسی سے مخفی نہیں۔ جہاں تک چرس کی دکان میں نماز پڑھنے کا حکم ہے تو چونکہ نماز کی دوسری شرائط کے علاوہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس جگہ نماز پڑھی جاتی ہو وہ جگہ پاک ہو، اس لیے جس جگہ نماز پڑھی جاتی ہے، اگر وہ پاک ہو تو نماز درست ہوگی، لہٰذا مکانِ مذکور میں اگر ظاہری نجاست نہ ہو تو نماز جائز ہوگی، البتہ نماز کے خشوع میں بدبو کی وجہ سے خلل آئے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ایسی جگہ نماز نہ پڑھی جائے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ومن جملة ذلك طهارة موضع الصلوة، فإن كان موضع قدميه وركبتيه وجبهته، وأنفه طاهراً، جازت صلوته بلا خلاف.(١)

ترجمہ: ان شرائط میں نماز کی جگہ کا پاک ہونا بھی ہے۔ پس اگر قدموں کی جگہ، ہتھیلیوں، پیشانی اور ناک کی جگہ پاک ہو تو نماز بلا خلاف جائز ہے۔

❁❁❁

نماز میں آستین چڑھانا

سوال نمبر (111):

نماز میں بازوؤں کو کہنیوں سمیت ڈھانپنا ضروری ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ہاف

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، باب في مايفسد الصلوة: ١/١٠١

شرٹ (ایسی قمیص جس کی لمبائی نیفہ تک اور آستینیں کہنیوں سے اوپر ہوں) میں کہنی نہ بھی ڈھانپی جائے تو نماز درست ہے، اس قول کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

آستین چڑھا کر نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں۔ پوری آستین ہونے کے باوجود بازوؤں کو کھلا رکھنا مکروہ ہے۔ جہاں تک ہاف شرٹ کی بات ہے تو اگر پوری آستین والی قمیص موقع پر موجود نہ ہو تو پھر بلا کراہت جائز ہے، تاہم جہاں کہیں پورا لباس ہونے کے باوجود عدمِ اہتمام کی وجہ سے ایسے لباس میں نماز ادا کی جائے تو ثیابِ بذلہ کے حکم میں ہو کر ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولو صلی رافعا کمیه إلی المرفقین کره.(۱)

ترجمہ: اگر کسی نے اِس طرح نماز پڑھی کہ آستین کہنیوں تک چڑھائے ہوئے ہوں تو یہ مکروہ ہے۔

❁❁❁

نسوار یا سگریٹ جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا

سوال نمبر(112):

ایک آدمی جیب میں نسوار یا سگریٹ رکھتے ہوئے نماز پڑھتا ہے یا سگریٹ پی کر کلی کیے بغیر نماز پڑھتا ہے۔ کیا اس سے نماز پر کچھ اثر پڑتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نماز ایک ایسی ذات کے سامنے عجز وانکساری اور اس کے عالی دربار میں حاضری دینے کا نام ہے جو تمام کائنات کا خالق ومالک ہے، اس لیے نماز کی ادائیگی میں سنجیدہ، پروقار، پاک صاف اور باادب رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ نماز انفرادی ہو یا اجتماعی، کسی بدبودار چیز کو کھا کر بدبو زائل کیے بغیر پڑھنا مکروہ ہے۔ اس سے فرشتوں اور انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ نے پسینے کی بدبو زائل کرنے کے لیے نہانے کا حکم دیا اور لہسن کھانے سے منع

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۱۰۶

فرمایا،لہٰذا جس چیز میں یہ علت پائی جائے گی، وہ نماز میں مکروہ ہوگی، اس لیے سگریٹ پینے کے بعد کلی کیے بغیر نماز پڑھنا یا نسوار کی تھیلی یا سگریٹ جیب میں رکھنے سے اگر بدبو پھیلے تو نماز پڑھنا مکروہ ہوگا ورنہ نہیں۔

والدّليل علىٰ ذلك:

عن جابرؓ قال رسول ﷺ :من أكل من هذه، قال: أول مرة الثوم، ثم قال الثوم، والبصل، والكراث فلا يقربنا في مساجدنا.(۱)

ترجمہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اس لہسن میں سے کھایا پہلی مرتبہ صرف لہسن فرمایا، پھر فرمایا: لہسن، پیاز اور گندنا (ایک سبزی کا نام) وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے۔

❁❁❁

مونج کے پتوں کی بنی ہوئی ٹوپی میں نماز

سوال نمبر(113):

مسجد میں مونج کے پتوں اور پلاسٹک کی بنی ہوئی ٹوپیاں رکھی جاتی ہیں جن کو پہن کر لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ مسجد میں ان ٹوپیوں کا رکھنا اور ان کو سر پر رکھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق :

نماز ایک اہم عبادت ہے جس میں انسان اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری دیتا ہے، اس لیے نماز کے دوران ایسے لباس پہننے سے گریز کرنا چاہیے جو وقار اور ادب کے خلاف ہو۔ چنانچہ جس لباس کو پہنے ہوئے کوئی شخص کسی خاص مجلس میں شرکت کرنے سے عار محسوس کرتا ہو، اس لباس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ مونج کے پتوں کی بنی ہوئی ٹوپی میں کوئی شخص کسی باوقار مجلس میں حاضری دینا پسند نہیں کرتا اس لیے اس ٹوپی کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، لہٰذا مسجد میں بھی ان کا رکھنا مناسب نہیں۔

---

(۱) جامع الترمذي،أبواب الأطعمة،باب ماجاء في كراهية أكل الثوم والبصل: ۳/۲

والدّلیل علیٰ ذلك:

و کذلك یکره الصلوة في ثیاب البذلة.(۱)

ترجمہ:

محنت و مزدوری والے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۞۞۞

بھوک کے غلبہ کے وقت نماز پڑھنا

سوال نمبر(114):

اگر ایک آدمی کو بھوک لگی ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو جماعت میں شریک ہو جائے یا کھانا کھا کر بعد میں تنہا نماز پڑھے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

نماز تمام عبادات میں سب سے اہم عبادت ہے، اس لیے دورانِ نماز یکسوئی ضروری ہے۔ کوئی ایسی چیز جو دورانِ نماز خشوع و خضوع میں خلل پیدا کرنے کا باعث ہو تو اُس کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے کھانا رکھ دیا جائے اور نماز کھڑی ہو تو پہلے کھانا کھاؤ اور جلدی نہ کرو جب تک اس سے فراغت حاصل نہ ہو جائے۔ اس حدیث کی روشنی میں علمائے کرام لکھتے ہیں کہ اگر بھوک کی شدت اتنی زیادہ ہو کہ دل نماز کی بجائے کھانے کی طرف متوجہ ہو تو پھر کھانا کھا کر نماز پڑھے، لیکن اگر حاجت اس درجہ کی نہیں یا نماز کے قضا ہونے کا خطرہ ہو کہ اگر کھانا کھایا جائے تو نماز کا وقت نکل جائے گا تو پھر نماز کو کھانے پر مقدم کرنا ضروری ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

عن ابن عمرؓ عن النبي ﷺ قال: إذا وضع عشاء أحدکم، وأقیمت الصلوة، فلا یقوم حتیٰ یفرغ.(۲)

---

(۱) الفتاوی التاتارخانیه، کتاب الصلاة، الفصل الرابع في بیان مایکره للمصلي أن یفعل في صلاته: ۱/ ۴۱۰

(۲) سنن أبي داؤد، کتاب الأطعمة، باب إذا حضرت الصلاة والعشاء: ۲/ ۱۷۱

ترجمہ:

ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: ''حضورﷺ نے فرمایا کہ: ''جب تم میں سے کسی کے سامنے عشا کا کھانا رکھ دیا جائے اور نماز کھڑی ہوجائے تو اُس وقت تک کھڑا نہ ہو جب تک کھانے سے فارغ نہ ہوجائے'' (یہ حکم تمام نمازوں کے لیے عام ہے)۔

❁❁❁

امام کا سجدہ اور رکوع میں تسبیحات تین بار سے زیادہ پڑھنا

سوال نمبر(115):

ہماری مسجد کے امام صاحب رکوع اور سجدے میں تین بار سے زیادہ تسبیحات پڑھتے ہیں۔ بعض نمازی امام صاحب کے اس فعل کو مکروہ تحریمی سمجھتے ہیں۔ یہ بتائیں کہ تسبیحات کا رکوع یا سجدہ میں تین بار سے کم یا زیادہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

امام اور منفرد دونوں کے لیے رکوع اور سجدے میں تسبیحات کا تین بار سے کم پڑھنا مکروہ ہے۔ امام کے لیے تین بار سے زائد پڑھنا (اگر چہ طاق عدد میں ہو) مستحب نہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ اگر جلدی پڑھتا ہو تو پانچ دفعہ پڑھے، تاکہ مقتدی اطمینان سے تین بار پڑھ سکیں اور آرام سے پڑھتا ہو، تو تین بار پڑھے، البتہ مذکورہ امام کے اس فعل کو مکروہ تحریمی قرار دینا غلط ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وصرحوا بأنه يكره أن ينقص عن الثلاث، وأن الزيادة مستحبة بعد أن يختم علیٰ وتر خمس، أو سبع، ما لم يكن إماما فلا يطول.(١)

ترجمہ:

فقہاے کرام نے تصریح کی ہے کہ تین تسبیحات سے کم پڑھنا مکروہ ہے اور زیادہ پڑھنا مستحب ہے۔ اگر پانچ،

(١) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي: ٢/ ١٩٨

سات یعنی طاق مرتبہ پڑھے اور یہ حکم تب ہے جب یہ شخص امام نہ ہو، کیونکہ اگر امام ہو تو پھر طویل نہ کرے (یعنی تین مرتبہ سے زیادہ نہ پڑھے)۔

❁❁❁

گیس چولہے کے سامنے نماز پڑھنا

سوال نمبر(116):

شہروں میں سردی سے حفاظت کے لیے مساجد میں گیس کے چولہے لگائے جاتے ہیں۔اسی طرح کبھی روشنی کے لیے چراغ یا شمع جلا کر نمازی کے سامنے رکھی جاتی ہے۔ازروئے شریعت نمازی کے سامنے چراغ یا شمع یا وہ چولہا (جس میں آگ جلائی جاتی ہے) رکھنا کیسا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

آگ کے سامنے نماز پڑھنے سے مجوسیوں کے ساتھ عبادت میں مشابہت کا وہم پیدا ہوتا ہے، اس لیے آگ کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ مجوسی جس آگ کی عبادت کرتے تھے، وہ انگھیٹی میں جلتے انگاروں کی شکل میں یا تنور میں آگ جلا کر بھڑکائی جاتی تھی۔ مذکورہ وصف چراغ، شمع یا گیس کے چولہے میں نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ شمع یا چراغ کے سامنے نماز پڑھنے سے کراہت پیدا ہونے میں فقہائے کرام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔علامہ ابن نجیمؒ بحر میں چراغ یا شمع کے سامنے نماز پڑھنے کو بلا کراہت درست قرار دیتے ہیں اور یہ قول اُن کے نزدیک مختار ہے، لیکن اختلاف سے نکلنے کے لیے مناسب صورت یہ ہے کہ شمع، چراغ یا گیس کا چولہا اگر جل رہا ہو تو نمازی کے سامنے کی بجائے دائیں یا بائیں طرف رکھا جائے تو بلا اختلاف نماز پڑھنا درست ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قولہ:(أو شمع أو سراج)،لأ نهما لا يعبدان، والكراهة با عتبارها، وإنما يعبدها المجوس إذا كانت في الكانون، وفيها الجمر، أو في التنور، فلا يكره التوجه إليها علىٰ غير هذا الوجه، وذكر في غاية البيان اختلاف المشائخ في التوجه إلى الشمع،أوالسراج والمختار أنه لا يكره،

وينبغي أن يكون عدم الكراهة متفقاعليه فيما إذاكان الشمع على جانبيه.(١)

ترجمہ:

(شمع یا چراغ سامنے ہو) کیونکہ ان دونوں کی عبادت نہیں کی جاتی اور کراہت عبادت کی وجہ سے ہے۔ مجوسی لوگ آگ کی عبادت کرتے ہیں جب یہ آگ انگیٹھی میں ہو اور اس میں انگارے ہوں یا تنور میں ہو۔ پس اس شکل میں ہونے کے بغیر اس کی طرف رُخ کرنے میں کراہت نہیں ہے۔ غایۃ البیان میں شمع اور چراغ کی طرف رُخ کرنے میں مشائخ کا اختلاف بیان کیا گیا ہے۔ مختار قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے اور مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدم کراہت اس صورت میں اتفاقی ہے، جب شمع کسی طرف واقع ہو۔

❁❁❁

پینٹ شرٹ میں نماز ادا کرنا

سوال نمبر(117):

پینٹ شرٹ میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے، نیز پینٹ شرٹ میں پہلے پڑھی گئی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ کیا ان کا اعادہ ضروری ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

پینٹ شرٹ اگرچہ غیر مسلم ممالک میں زیادہ تر رائج ہے، لیکن بعض مسلم ممالک میں بھی بڑی تعداد میں لوگ اسے پہنتے ہیں۔ چونکہ یہ غیر مسلموں کا مذہبی لباس نہیں اور نہ ہی ان کا شعار ہے، اس لیے اِس کا پہننا حرام نہیں، البتہ چونکہ ہمارے معاشرہ میں نیک اور دیندار لوگ عام طور پر یہ لباس استعمال نہیں کرتے، علاوہ ازیں چست ہونے کی صورت میں اس میں ستر کی رعایت بھی زیادہ نہیں ہوتی، اس لیے اس طرح کے لباس سے پرہیز بہتر ہے، پھر بھی اس طرح لباس میں نماز ادا کرنا درست ہے اور پڑھی گئی نمازوں کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(ولا بصر النصاقه) أي بالألية ...... أما لو كان غليظاً لا يرى منه لون البشرة إلا أنه التصق

---

(١) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ٥٦/٢

بالعضو تشكل بشكله، فصار شكل العضو مرئياً،فينبغي أن لا يمنع جوازالصلوة لحصول الستر.(١)

ترجمہ:

سرین کے ساتھ لباس کا پیوست ہونا نقصان نہیں دیتا۔۔۔پس اگر موٹا ہو اور اندر چمڑے کا رنگ دکھائی نہ دے، لیکن عضو کے ساتھ ایسا پیوست ہو کہ اس عضو کی صورت اختیار کرے، حتیٰ کہ عضو کی صورت نظر آنے لگتی ہے (یعنی اس عضو کی جسامت معلوم ہوتی ہو) تو پھر بھی مناسب یہ ہے کہ نماز جائز ہو، کیونکہ ستر عورت پھر بھی حاصل ہے۔

❀❀❀

دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے زیادہ تلاوت کرنا

سوال نمبر (118):

دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے کتنی مقدار میں زیادہ تلاوت کرنا مکروہ ہے، اس میں چھوٹی اور بڑی سورتوں کا کوئی فرق ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں برابری سنت ہے، اسی طرح کہ اگر پہلی رکعت میں پانچ آیتیں پڑھی گئی ہوں تو دوسری رکعت میں بھی اتنی مقدار میں آیتیں پڑھنی چاہئیں۔ چنانچہ اگر دو رکعتوں کے مابین مقدارِ تلاوت میں برابری کی رعایت نہیں رکھی گئی تو ایسی صورت میں نماز خلافِ سنت ہو کر مکروہ رہے گی۔ زیادتی کی مقدار کے بارے میں راجح قول تین آیات کا ہے کہ دوسری رکعت میں اول رکعت کی تلاوت سے تین آیتیں زیادہ نہ ہوں۔ اگر اس سے کم مقدار میں زیادتی ہو تو وہ مکروہ نہیں۔

البتہ سنن کے متعلق فقہائے کرام کی عبارات کا حاصل یہ ہے کہ یہی حکم سنن اور نوافل کا بھی ہے کہ دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے زیادہ تلاوت نہیں کرنی چاہیے، تاہم یہ حکم اول اور دوسری رکعت کے متعلق ہے، تیسری رکعت کو شامل نہیں کیوں کہ وہ الگ شفع ہے۔

---

(١) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب شروط الصلاۃ، مطلب في النظر إلیٰ وجه الأمرد: ٢/٨٤

والدليل علىٰ ذلك:

قوله:(مطلقاً)... قيد بالفرض ؛لأنه يسوي في السنن والنوافل بين ركعاتها في القراء ة...قال في شرح المنية:والأصح كراهة إطالة الثانية على الأول في النفل أيضاًإلحاقاً له بالفرض ...وأما إطالة الثالثة على الثانية والأولىٰ فلا تكره ؛لما أنه شفع آخر.(۱)

ترجمہ:

(یہ حکم مطلق ہے)۔۔۔علامہ شامی فرماتے ہیں کہ:''فرض کے ساتھ اس لیے مقید کیا کہ سنن اورنوافل رکعتوں میں قرأت کے حکم میں برابر ہیں۔''شرح المنیہ''میں ذکر کیا ہے کہ صحیح قول کے مطابق نفل نماز کی دوسری رکعت میں پہلی سے زیادہ تلاوت کرنا فرض نماز کی طرح مکروہ ہے۔۔۔اورنفل نماز کی تیسری رکعت میں دوسری اور پہلی رکعت پر زیادتی کرنا مکروہ نہیں،کیوں کہ یہ الگ شفع شمار ہوتا ہے''۔

لاخلاف أن إطالة الركعة الثانية على الأولى مكروهة إن كانت بثلاث آيات أو أكثر .(۲)

ترجمہ:

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے لمبا کرنا مکروہ ہے،اگر یہ تین آیات یا اس سے زیادہ ہو۔

❀❀❀

دورکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھنا

سوال نمبر(119):

ایک آدمی جان بوجھ کر ہر رکعت میں ایک سورت بار بار پڑھتا ہو تو اس شخص کا یہ فعل کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

نماز کی ہر رکعت میں ایک ہی سورت پڑھنا نفل وسنت نمازوں میں خلاف اولیٰ،اورفرض نمازوں میں مکروہ ہے۔

(۱)ردالمحتارعلى الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:۲/۲٦٥

(۲)الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،۱/۷۸

خصوصاً جب دوسری سورتیں یاد ہوں، لہٰذا اگر مذکورہ شخص کو دوسری سورتیں یاد ہوں اور وہ پھر بھی ایک ہی سورت پر اکتفا کرتا ہو تو فقہاے کرام کی تصریحات کے مطابق ایسا کرنا مکروہ ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وإذا قرأ في ركعة سورة، وفي الركعة الأخرى......يكره......هذا كله في الفرائض، وأما في السنن فلا يكره هكذا في المحيط. (۱)

ترجمہ:

ایک رکعت میں جس سورت کی قرأت کی اور دوسری رکعت میں وہی سورت پڑھنا مکروہ ہے۔ یہ حکم فرض نمازوں کے لیے ہے، سنتوں میں ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے۔

❁❁❁

آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا

سوال نمبر (120):

کیا نماز کے دوران خشوع پیدا کرنے کے لیے آنکھیں بند کرنا جائز ہے؟ اس لیے کہ جب میں آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتا ہوں تو میری توجہ برقرار رہتی ہے۔ آنکھیں کھلی ہوں تو یہ کیفیت نہیں ہوتی؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفیق:

نماز کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ نمازی آنکھیں کھلی رکھے، تاکہ قیام کے دوران نظر سجدے کی جگہ پر، رکوع میں پاؤں کی انگلیوں پر اور سجدے میں ناک پر جمی رہے۔ آنکھیں بند رکھنا بلا ضرورت مکروہ ہے، البتہ اگر آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا خشوع میں یقینی اضافے کا باعث ہو تو پھر اس میں کوئی کراہت نہیں، اس لیے کہ یہاں آنکھیں بند کرنا نمازی کے لیے مفید ہے۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراءة: ۱/۷۸، ۷۹

والدّليل على ذلك:

و (تغميض عينيه) للنهي، (إلالكمال الخشوع).(۱)

ترجمہ: اور نہی کی وجہ سے نمازی کے لیے آنکھیں بند کرنا مکروہ ہیں، البتہ اگر خشوع کے کمال کے لیے ہو تو پھر مکروہ نہیں۔

❀❀❀

قبروں والی مسجد میں نماز پڑھنا

سوال نمبر(121):

ہماری مسجد کے صحن میں شمال کی جانب تین قبریں ہیں۔اردگرد چار دیواری بنائی گئی ہے۔اوپر سے بھی بند ہیں۔مشرق کی جانب دروازہ ہے جو قبروں کی صفائی کے لیے رکھا گیا ہے۔اب مشرقی حصے کی طرف (جہاں قبریں ہیں) سے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟اوران قبروں کے اوپر کمرے میں درس وتدریس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

اس طرح نماز پڑھنا کہ سامنے قبر ہواور درمیان میں کوئی حائل نہ ہو،مکروہ ہے،کیونکہ یہود کے ساتھ مشابہت ہے اور بعض فقہا کے نزدیک اس جگہ کے ناپاک ہونے کا احتمال بھی ہے،لیکن اگر نمازی اور قبر کے درمیان کوئی حائل ہو یا قبریں مسجد کی ایک طرف ہوں تو پھر نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں اور قبروں کے اوپر کمرے میں نماز پڑھنا،درس وتدریس کرنا بھی بلاکراہت جائز ہے۔

والدّليل على ذلك:

وتكلموا أيضاً في معنى الكراهة إلى المقبرة قال بعضهم :لأن فيه تشبها باليهود، وقال بعضهم :لأن في المقبرة عظام الموتى، وعظام الموتى أنجاس......وهذا كله إذالم يكن بين المصلي وبين هذا المواضع حائط، أوسترة، أما إذاكان لا يكره ويصير الحائط فاصلا .(۲)

---

(۱)ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها:۲/۴۱۳،۴۱۴

(۲)الفتاوى الهندية،كتاب الكراهية،الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة:۵/۳۱۹،۳۲۰

ترجمہ:

فقہاے کرام نے مقبرہ کی جانب نماز پڑھنے کی کراہت کے سبب میں کلام کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس میں یہود کے ساتھ مشابہت ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مقبرہ میں مُردوں کی ہڈیاں ہوتی ہیں اور مُردوں کی ہڈیاں ناپاک ہوتی ہیں۔ یہ کراہت تب ہے جب نمازی اور ان جگہوں کے درمیان کوئی پردہ یا دیوار نہ ہو، اگر ہو تو مکروہ نہیں اور دیوار رکاوٹ ہوگی۔

❁❁❁

قبرستان میں نماز پڑھنا

سوال نمبر(122):

مقبرہ میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر مقبرہ میں نماز پڑھنے کے لیے الگ مسجد بنائی گئی ہو تو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

احادیثِ مبارکہ اور فقہاے کرام کی تصریحات قبرستان میں نماز پڑھنے کی کراہت اور مخالفت پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر بھی مخالفت کی علت پر نظر رکھتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایسی جگہیں عام طور پر گندگی اور ناپاکی سے محفوظ نہیں ہوتیں۔ علاوہ ازیں اس میں ان یہود کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے، جنہوں نے انبیاے کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا تھا۔ اس وجہ سے قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لہٰذا اگر قبرستان میں نماز پڑھنے کے لیے الگ مسجد بنائی گئی ہو یا وہ ایسی پاک جگہ ہو جہاں سامنے قبر نہ ہو یا نمازی اور قبر کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ شرعی طور پر اس کے سامنے گزرنا جائز ہو تو ان تمام صورتوں میں کراہت کی علت نہ ہونے کی وجہ سے نماز پڑھنا درست رہے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ویکرہ الصلوۃ في سبعة مواطن...... ومنها الصلوۃ في المقبرۃ ؛ لأنه تشبه بالیهود، فإن کان فیها موضع أعد للصلوۃ لیس فیه قبر، ولا نجاسة لا بأس ...... وإن کان بینه وبین القبر مقدار لو کان في

الصلوة،وبمر إنسان لايكره فههنا أيضا لايكره.(١)

ترجمہ:

سات جگہوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔۔۔۔۔ان میں سے مقبرے میں نماز پڑھنا بھی ہے،اس لیے کہ یہ یہود کے ساتھ مشابہت ہے۔پس اگر مقبرے میں خصوصی جگہ نماز کے لیے بنائی گئی ہو جس میں کوئی قبراور ناپاکی نہ ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔۔۔۔اگر نمازی کے اور قبر کے مابین اتنا فاصلہ ہو کہ اگر وہ نماز میں ہو اور اس قبر کی جگہ کوئی انسان گزرے تو اُس کے لیے گزرنا مکروہ نہ ہو تو ایسی جگہ میں نماز پڑھنا بھی مکروہ نہیں ہوگا۔

فرض وسنت کے درمیان بلاضرورت تاخیر کرنا

سوال نمبر(123):

ہمارے ہاں بعض لوگ فرض پڑھ لینے کے بعد مسنون دعائیں پڑھ کر سنتیں پڑھتے ہیں۔دوسرے لوگ انہیں ایسا کرنے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرض پڑھ لینے کے بعد دعاؤں میں مشغول ہونا مکروہ ہے،اس لیے کہ فرض وسنت کے درمیان تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فرض اور سنت کے درمیان بلاضرورت تاخیر کرنا مکروہ ہے،لیکن فرض اور سنتوں کے درمیان مسنون دعائیں اور اوراد پڑھنا بلاکراہت صرف جائز نہیں بلکہ افضل ہے،اس لیے مذکورہ صورت میں فرض وسنت کے درمیان اتنی دیر بیٹھنا کہ جس میں یہ مسنون دعائیں اور اوراد پڑھی جاسکیں مکروہ نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

ويكره تأخير السنة إلا بقدر: اللهم أنت السلام...... الخ.قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد، قال الحلبي: ...ويستحب أن يستغفر ثلاثا،ويقرأ اية الكرسي، والمعوذات، ويسبح، ويحمد، ويكبر ثلاثا و ثلاثين، ويهلل تمام المائة، ويدعو، ويختم بسبحان ربك... (٢)

(١)الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة،الفصل الرابع في بيان مايكره للمصلي......:١/٤١٥

(٢)الدرالمختار علىٰ ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:٢/٢٤٦،٢٤٧

ترجمہ:

(فرض نماز کے بعد) سنت تاخیر سے پڑھنا مکروہ ہے، مگر اللھم انت السلام ... (دعا) کے بقدر تاخیر جائز ہے۔ حلوانی نے فرمایا ہے کہ: ''مسنون اوراد کے ساتھ فصل لانے میں کوئی مضائقہ نہیں''۔ حلبی فرماتے ہیں کہ: ''مستحب یہ ہے کہ تین بار استغفار پڑھے، آیۃ الکرسی اور معوذتین پڑھے، تینتیس مرتبہ تسبیح، تحمید اور تکبیر پڑھے اور سو پورا کرنے کے لیے ایک مرتبہ لا إله إلا الله پڑھے، پھر دعا کرے اور سبحان ربك... کے ساتھ (اپنے اوراد کو) ختم کرے''۔

❁❁❁

ناپاک جگہ پر جائے نماز بچھا کر نماز پڑھنا

سوال نمبر(124):

اگر کیچڑ میں گوبر کی آمیزش ہو اور اس کے ساتھ کسی جگہ کی لیپائی کی جائے۔ خشک ہونے کے بعد اگر کوئی شخص اس پر جائے نماز وغیرہ ڈال کر نماز ادا کرے، اس حالت میں کہ اس سے گوبر کا اثر ختم ہو گیا ہو تو کیا اس پر نماز پڑھنا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت کی رو سے اگر کوئی شخص جائے نماز کو ایسی جگہ بچھا دے کہ وہ نجس ہو تو اگر یہ نجاست خشک ہو چکی ہو اور اس کی بدبو بھی نمازی کو محسوس نہ ہوتی ہو تو ایسی جگہ نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، تاہم اگر نجاست خشک نہ ہو یا اُس کی بدبو محسوس ہوتی ہو تو اس پر جائے نماز بچھا کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں کیچڑ سے ملائے ہوئے گوبر اگر خشک ہو چکے ہوں اور اس کا اثر اور بدبو بھی محسوس نہ ہوتی ہو تو اس صورت میں اس جگہ میں نماز پڑھنا جائز ہو گا ورنہ نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وكذا الثوب إذا فرش على النجاسة اليابسة، فإن كان رقيقا يشف ما تحته، أو توجد منه رائحة النجاسة على تقدير أن لها رائحة، لا تجوز الصلاة عليه، وإن كان غليظا بحيث لا يكون كذلك جازت.(١)

(١) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة و مايكره فيها، مطلب في التشبه بأهل الكتاب: ٢/٣٨٧

ترجمہ:

اور اسی طرح کپڑا جب خشک نجاست کے اوپر بچھایا جائے، اگر اتنا باریک ہو کہ نیچے والی طرف نظر آئے یا اگر نجاست بدبودار ہو اور اُس کی بدبو محسوس کی جائے تو اس پر نماز پڑھنا جائز نہیں اور اگر کپڑا اتنا موٹا ہو کہ اُس سے نجاست نظر نہ آتی ہو تو وہاں نماز ادا کرنا جائز ہے۔

❀❀❀

سر پر چھوٹا رومال باندھ کر نماز پڑھنا

سوال نمبر(125):

بعض لوگ سر پر چھوٹا رومال باندھ کر نماز پڑھتے ہیں، اس طرح سے کہ سر کا درمیانی حصہ کھلا رہتا ہے۔ اس طرح نماز پڑھنا کیسا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ کسی کپڑے سے سر ڈھانپ کر نماز پڑھی جائے۔ اگر رومال باندھ کر نماز پڑھتی ہو تو اس طرح باندھ کر نماز پڑھی جائے کہ سر کا درمیانی حصہ کھلا نہ رہے، کیونکہ اس طرح رومال یا کپڑا سر کے اوپر باندھنا کہ سر کا درمیانی حصہ نظر آئے مکروہ ہے۔ نیز یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ رومال صاف ستھرا ہو کسی گندگی سے آلودہ نہ ہو ورنہ گندا کپڑا سر پر باندھنا بھی مکروہ ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وتكره الصلاة حاسراً رأسه.(١)

ترجمہ: ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(والاعتجار) لنهي النبي ﷺ وهو شد الرأس، أوتكوير عمامته علىٰ رأسه، وترك وسطه مكشوفا.(٢)

---

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها:١/١٠٦

(٢)ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها،مطلب الكلام علىٰ اتخاذ المسبحة:٢/٤٢٣

ترجمہ: اور حضور ﷺ کے منع کرنے کی وجہ سے اعتجار مکروہ ہے اور یہ سر باندھنا ہے یا سر پر اس طرح عمامہ باندھنا ہے کہ سر کا درمیانی حصہ کھلا رہے۔

❁❁❁

نماز کے دوران سر پر رومال رکھ کر دونوں کندھوں پر لٹکانا

سوال نمبر(126):

اگر کوئی شخص سر پر اس طرح رومال باندھے کہ اس کے اطراف کندھوں یا سر پر لٹکے ہوئے ہوں تو ایسی حالت میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی کپڑا سر پر باندھا ہوا ہو اور اس کے اطراف پشت کی جانب یا کندھوں تک لٹکے ہوئے ہوں تو مکروہ نہیں ہے، البتہ اگر سینے تک اس طرح لٹکے ہوئے ہوں کہ اطراف سیدھے نیچے کی طرف لٹک رہے ہوں تو سدل کے حکم میں داخل ہو کر مکروہ ہوگا۔

رومال کو دونوں کندھوں پر لٹکانا اگرچہ سدل حقیقتاً نہیں لیکن پھر بھی سدل سے تشبیہ ضرور ہے، اس لیے اس سے جان بچانا ضروری ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(وكره)(سدل)تحريما للنهي (ثوبه) أي إرساله بلا لبس معتاد...... كشد، ومنديل يرسله من كتفيه، فلومن أحد هما لم يكره، كحالة عذر وخارج صلوته في الأصح قال ابن عابدين:قوله: (كشدّ) هوشيء يعتاد وضعه على الكتفين... وذلك نحوالشال.(١)

ترجمہ:

کپڑا لٹکا کر نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے، یعنی معروف طریقے سے پہنے بغیر کپڑا لٹکانا (کنارے نیچے کی طرف چھوڑ دینا) جیسے چادر اور رومال جو کندھوں کے اوپر لٹکایا جاتا ہے۔ اگر دونوں اطراف ایک کندھے کی جانب ہوں،

(١)ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها،مطلب في الكراهية التحريمة والتنزيهية:٢/٤٠٤،٤٠٥

تو مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ حالتِ عذر یا نماز سے باہر مکروہ نہیں (زیادہ درست قول کے مطابق) علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ مصنف کے قول ''کشد'' میں شد سے مراد وہ مروجہ کپڑا ہے جو کندھوں پر ڈالا جاتا ہے، یہ چادر کی طرح ہوتا ہے۔

۞۞۞

قضائے حاجت کی ضرورت کے وقت نماز پڑھنا

سوال نمبر(127):

ایک آدمی کو قضائے حاجت کی ضرورت ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو با جماعت نماز میں شریک ہو جائے یا ضرورت پوری کر کے انفرادی نماز پڑھ لے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نماز شروع کرنے سے پہلے اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ نماز کے خشوع میں کوئی چیز رکاوٹ کا سبب نہ ہو، اس لیے اگر کوئی حاجت اتنی شدت اختیار کرے کہ اس کو پورا کیے بغیر نماز کا خشوع برقرار نہ رہے تو نماز میں کراہت آئے گی۔

لہٰذا صورتِ مسؤلہ میں قضائے حاجت کی ضرورت اگر اس درجہ کی ہو کہ خشوع متاثر ہوتا ہو تو حاجت پوری کر کے نماز پڑھ لے، پھر بھی اس بات کی رعایت ضروری ہے کہ نماز کے وقت میں تنگی نہ ہو، لہٰذا اگر نماز کے وقت میں تنگی ہو یا حاجت شدیدہ نہ ہو تو پھر جماعت میں شریک ہونا ضروری ہے۔

والدّليل على ذلك:

وكذلك كراهتها مع مدافعة الأخبثين، ويلحق بذلك ما في معناه، وهذا إذا كان في الوقت سعة، فلو تضيّق اشتغل بالصلوة على حاله حرمة للوقت.(۱)

ترجمہ:

اسی طرح نماز کی کراہت قضائے حاجت کے روکنے سے بھی آئے گی۔ اس میں ہر وہ چیز شامل ہے جس میں

(۱) مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، (رقم الحديث: ۱۰۵۷): ۱۴۸/۳

یہ معنی پایا جاتا ہو اور یہ کراہت کا حکم تب ہے جب وقت کی گنجائش ہو، لیکن اگر وقت تنگ ہو تو وقت کی حرمت کی خاطر اسی حال میں نماز میں مشغول ہونا چاہیے۔

❁❁❁

دورانِ نماز تحریر دیکھنا

سوال نمبر(128):

نمازی اپنے سامنے کی تحریر کو دیکھ کر اس کو سمجھے اور اس پر تلفظ نہ کرے تو نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

نماز اُن افعال واقوال کی وجہ سے فاسد ہوتی ہے جو نماز کے منافی ہوں۔ نمازی کے سامنے رکھی ہوئی تحریر کو دیکھ کر اگر نمازی اُسے پڑھ لے تو نماز فاسد ہو جائے گی لیکن تلفظ کیے بغیر محض دیکھنے یا سمجھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ صورتِ مسئولہ میں جب تلفظ نہیں کیا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولو نظر إلیٰ مکتوب، وفهمه، فالصحیح أنه لا تفسد صلوته.(۱)

ترجمہ:

اگر لکھی ہوئی تحریر کو دیکھا اور سمجھ بھی لیا تو صحیح قول یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی۔

❁❁❁

تصویر والے کمرے میں نماز پڑھنا

سوال نمبر(129):

ہم ایسی جگہ رہائش رکھتے ہیں جہاں سے مسجد دور ہے، اس لیے حجرے کے ایک کمرے میں نماز کا اہتمام کرتے ہیں مگر جس کمرے میں نماز پڑھتے ہیں، اس کی الماریاں کھلی رہتی ہیں جن میں شیر، گھوڑے وغیرہ کے مجسمے

(۱) الهدایة، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها: ۱۳۹/۱

لگے ہوئے ہیں اور دیوار پر لکڑی کی بنی ہوئی تصاویر ہیں تو ایسی جگہ نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس کمرے میں نمازی کے سامنے اوپر یا برابر کی محاذات میں تصاویر ہوں تو ایسے کمرے میں نماز پڑھنے کو فقہائے کرام نے مکروہ لکھا ہے، اس لیے اس کمرے سے تصاویر ہٹا کر نماز پڑھی جائے یا کسی ایسے کمرے میں نماز پڑھی جائے جہاں تصاویر نہ ہوں۔

والدّليل على ذلك:

ويكره أن يكون فوق رأسه في السقف، أو بين يديه، أو بحذائه تصاوير، أو صورة معلقة. (۱)

ترجمہ:

یہ مکروہ ہے کہ نمازی کے اوپر مکان کی چھت پر یا اس کے سامنے یا برابر میں تصویریں ہوں یا کوئی تصویر لٹکی ہوئی ہو۔

❁❁❁

صرف نماز میں پائینچے ٹخنوں سے اوپر کرنا

سوال نمبر (130):

اگر کسی شخص کے پائینچے عام حالات میں ٹخنوں سے نیچے ہوں اور نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت اٹھاتا ہو تو کیا پائینچوں کا بوقت نماز اٹھانا ضروری ہے یا عام حالات میں بھی ضروری ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مردوں کے لیے شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنا ہر حال میں ناجائز ہے، خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔ پائینچے اٹھانا صرف نماز کے ساتھ خاص نہیں، تاہم نماز ایک اہم عبادت ہے، اس کے آداب کی بجا آوری لازمی ہے۔ ان آداب میں ٹخنوں کا کھلا رکھنا بھی ہے، اس لیے نماز کے دوران ٹخنوں کو کھلا رکھنا چاہیے، ورنہ نماز مکروہ ہوگی۔

---

(۱) الهداية، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۱٤٤

والدّلیل علیٰ ذلك:

إسبال الرجل إزاره أسفل من الكعبين إن لم يكن للخيلاء ففيه كراهة تنزيهية. (١)

ترجمہ:

آدمی کا شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو پھر یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

❁❁❁

محلّہ کی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں نماز پڑھنا

سوال نمبر(131):

ہمارے محلّہ کا ایک شخص بغیر کسی شرعی عذر کے محلّہ کی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں نماز پڑھنے جاتا ہے۔ ازروئے شریعت اس کا یہ فعل کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مسجد کی آبادی کا دارومدار نمازیوں کی حاضری پر موقوف ہے اور اس میں زیادہ تر دخل محلّہ ہی کے نمازیوں کا ہوتا ہے۔ اگر محلّہ کے لوگ مسجد نہ جائیں تو مسجد غیر آباد رہے گی اس لیے فقہائے کرام کے نزدیک محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا دوسری مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے جب تک کوئی شرعی عذر مانع نہ ہو۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

مؤذن مسجد لا يحضر مسجده أحد قالوا يؤذن هو ويقيم، ويصلي وحده، فذلك أحب من أن يصلي في مسجد آخر. (٢)

ترجمہ:

اگر کسی مسجد کے مؤذن کے علاوہ کوئی آدمی بھی مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتا تو فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ وہ اذان دے، اقامت کرے اور اکیلے نماز پڑھے۔ اسی طرح اکیلے نماز پڑھنا دوسری مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس، مايكره من ذلك......: ٥/٣٣٣

(٢) الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، باب التيمم، فصل في المسجد: ١/٦٧

دورانِ نماز سر سے ٹوپی گر جانا

سوال نمبر(132):

دورانِ نماز سجدہ کرتے ہوئے اگر کسی کے سر سے ٹوپی گر جائے وہ اسے اٹھا کر پہن سکتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

فقہا کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ نماز ٹوپی یا عمامہ اتارنا یا پہننا اگر عملِ کثیر سے ہو تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر عملِ یسیر سے ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن مکروہ ضرور ہو جاتی ہے اس لیے اگر کسی شخص سے دورانِ سجدہ ٹوپی گر جائے تو اسے دوبارہ اٹھا کر پہننا نہیں چاہیے یہ مکروہ عمل ہے اور اگر سر ننگا ہوا تو غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے معذور سمجھا جائے گا۔ ننگے سر پڑھنے کی کراہت لازم نہ آئے گی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ویکرہ نزع القمیص، والقلنسوۃ،و لبسھما، وخلع الخف فی الصلوۃ بعملٍ یسیرٍ.(۱)

ترجمہ:

دوانِ نماز عملِ قلیل کے ساتھ قمیص اور ٹوپی اتارنا اور پہننا اور موزے اتارنا مکروہ ہے۔

نماز کے بغیر سجدہ کرنا

سوال نمبر(133):

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ سجدہ کی حالت میں دُعا قبولیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے تو کیا اس کے لیے نماز سے الگ سجدہ کرنا جائز ہے یا نماز ہی کے سجدے میں دعا مانگی جائے؟ وضاحت کریں۔

بینوا توجروا

---

(۱)الفتاوی الھندیۃ، کتاب الصلوۃ،الباب السابع فیمایفسدالصلوۃ، ومایکرہ فیھا،الفصل الثانی : ۱/۱۰۶

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ دعا عبادت کی مغز ہے اور دعا جب حالتِ نماز میں دورانِ سجدہ ہو تو وہ قبولیت کے زیادہ قریب بھی ہوتی ہے، لیکن جہاں تک بغیر نماز کے سجدہ کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لیے اگر کوئی سبب موجود ہو، تو کرنے کی گنجائش ہے ورنہ عام طور پر اس طرح سجدہ کرنے کو عام لوگ سنت یا واجب سمجھ لیتے ہیں اور ہر مباح عمل جو سنت یا واجب تک پہنچنے کا احتمال رکھتا ہو، اس کا کرنا مکروہ ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وأما إذا سجد بغير سبب فليس بقربة ولا مكروه، وما يفعل عقيب الصلوات مكروه، لأن الجهال يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه.(۱)

ترجمہ:

بغیر سبب کے سجدہ کرنا نہ ثواب رکھتا ہے اور نہ مکروہ ہے اور نمازوں کے بعد جو سجدہ کیا جاتا ہے، مکروہ ہے، کیونکہ جاہل عوام اس کو سنت یا واجب سمجھنے لگتے ہیں اور ہر مباح عمل جو سنت یا واجب تک متجاوز ہو جائے تو مکروہ ہے۔

❁❁❁

عورت کا غیر محرم کے سامنے نماز پڑھنا

سوال نمبر(134):

شریعت میں غیر محرم کے سامنے عورت کا نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نیز چچازاد بھائی، ماموں زاد بھائی اور بہنوئی وغیرہ کے سامنے وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟ وضو یا نماز پر اس سے کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

آزاد خاتون کے چہرے، ہتھیلیوں اور پاؤں کے علاوہ سارا بدن ستر ہے۔ کسی عضو کا چوتھائی حصہ نماز کے ایک پورے رکن میں کھلا رہے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ چاہے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے۔ جہاں تک غیر محرم کے سامنے نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو اس سے بے پردگی کا گناہ تو ہوگا، لیکن مذکورہ تینوں اعضا کے علاوہ باقی بدن چھپا ہوا ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/ ۱۳۶

اور یہی حکم غیر محرم کے سامنے وضو کرنے کا بھی ہے کہ بے پردگی کا گناہ تو ہوگا، لیکن وضو درست رہے گا۔ عورت کے لیے بے پردگی سے بچنا ضروری ہے، بلکہ عورت کے لیے بہتر یہ ہے کہ ایسی جگہ نماز پڑھے جہاں اس پر کسی کی نظر نہ پڑتی ہو، جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا کمرے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے کہ محرم وغیر محرم میں سے کسی کی نظر بھی اس پر نہ پڑے۔

والدّلیل علی ذلک:

(وبدن الحرة كلها عورة إلا وجهها وكفيها) قال: وهذا تنصيص علىٰ أن القدم عورة، ويروى أنها ليست بعورة وهو الأصح.(١)

ترجمہ:

آزاد عورت کا پورا بدن ستر ہے، سوائے چہرہ اور ہتھیلیوں کے۔۔۔ فرماتے ہیں کہ اور یہ تصریح اس بات پر ہے کہ قدم بھی ستر ہے اور نقل کیا گیا ہے کہ قدم ستر نہیں، یہ قول زیادہ درست ہے۔

❁❁❁

رَکعت پانے کے لیے مسجد میں دوڑنا

سوال نمبر(135):

رکعت پانے کے لیے مسجد میں دوڑنا کیسا ہے؟ خصوصاً جب امام رکوع میں ہو اور رکعت چھوٹ جانے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں نمازی مسجد میں دوڑ کر رکوع میں شامل ہوسکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نماز پڑھنا ایک اہم عبادت ہے۔ جس طرح نماز کے ارکان کی ادائیگی میں سکون اور وقار ضروری ہے، اس طرح نماز پڑھنے کے واسطے آنے میں بھی سکون اور وقار کے بارے میں حدیث میں تاکید آئی ہے۔ رکعت پانے کے لیے مسجد میں دوڑنا نہ صرف یہ کہ مسجد کے آداب کے خلاف ہے، بلکہ نماز کے سکون کے بھی منافی ہے، اس لیے مسجد میں سکون اور وقار کے ساتھ چل کر امام کے ساتھ نماز میں شامل ہونا چاہیے اور جو رکعات فوت ہوجائیں، ان کو بعد میں پورا

---

(١) الهداية، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ١/ ٩٢

کر لینا اس سے بہتر ہے کہ مسجد میں دوڑ کر رکعت پانے کی کوشش کی جائے ،لہٰذا مسجد میں دوڑنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

﴿فاسعوا الیٰ ذکر اللّٰہ﴾ أي امشوا إلیہ بدون إفراط في السرعۃ.....قال رسول اللّٰہ ﷺ: إذا أقیمت الصلوۃ ولا تأتوھا وأنتم تسعون وأتوھا وأنتم تمشون، وعلیکم السکینۃ فما أدرکتم فصلوا وما فاتکم فأتموا.(۱)

ترجمہ: ﴿اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر چلو﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے انداز سے چلو کہ چلنے میں حد سے زیادہ تیزی نہ ہو......حضور ﷺ نے فرمایا کہ:"جب نماز کھڑی ہوجائے تو تم نماز کی طرف دوڑتے ہوئے نہ آؤ، بلکہ آرام سے چلتے ہوئے آؤ کہ تم پُرسکون ہو، جو رکعات پالو، پڑھ لو اور جو رہ جائے تو (بعد میں) پوری کرلو"۔

❁❁❁

جس مسجد میں قبر ہو اُس میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال نمبر(136):

ہماری مسجد میں جو جگہ نماز کے لیے بنائی گئی ہے اس کے پیچھے مشرق کی طرف قبر ہے، اس مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مسجد میں قبر نمازی کے سامنے ہو تو اس صورت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اس لیے کہ اس میں غیر اللہ کی عبادت کا شبہ ہے البتہ قبر نمازی کے سامنے نہ ہو کسی دوسری جانب ہو تو اس صورت میں نماز بلا کراہت جائز ہے۔

صورتِ مسئولہ میں قبر مسجد کے اندر مشرق کی جانب واقع ہے، اس لیے اس میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وفي "الحاوي": وإن کانت القبور ماوراء المصلي لایکرہ.(۲)

ترجمہ: اگر قبریں نمازی کے پیچھے ہوں تو نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔

❁❁❁

(۱) آلوسي، روح المعاني، سورۃ الجمعۃ:۹، ۲۸/۱۰۲

(۲) الفتاوی التاتارخانیۃ، کتاب الصلوۃ، الفصل الرابع في بیان مایکرہ للمصلي: ۱/۴۱۵

رنگ آلود کپڑوں میں نماز پڑھنا

سوال نمبر (137):

ایک شخص رنگساز ہے اور نماز پابندی سے پڑھتا ہے لیکن عموماً کام کے دوران جب نماز کا وقت آتا ہے تو رنگ آلود کپڑوں میں نماز پڑھتا ہے اس طرح نماز کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نماز درحقیقت دربارِ خداوندی میں حاضر ہونا ہے، اس لیے انسان کو چاہیے کہ باوقار اور باعزت حلیہ میں باآدب ہو کر ربِ کائنات کے سامنے پیش ہو چنانچہ فقہاے کرام فرماتے ہیں کہ کاریگر آدمی کا اپنی مزدوری کے لباس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ وہ اس لباس میں کسی مہذب دنیاوی مجلس میں جانا پسند نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ کے دربار میں کیوں ایسے لباس میں پیش ہوتا ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ موصوف کو چاہیے کہ نماز کے لیے پاک صاف کپڑے پہن لیا کرے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وتکره الصلوة في ثياب البذلة . كذا في معراج الدراية.(١)

ترجمہ:

محنت ومزدوری والے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے۔

❁❁❁

ننگے سر نماز پڑھنا

سوال نمبر (138):

کیا فرماتے ہیں علماے کرام اس بارے میں کہ بغیر ٹوپی کے، یعنی ننگے سر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ہمارے ہاں بعض لوگ ٹوپی کے بغیر نماز پڑھنے کے مستقل عادی ہیں۔ کیا اس طرح نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني، في ما يكره في الصلوة وما لا يكره: ١٠٧/١

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ بلاعذر صرف سستی اور کاہلی کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔صحابہ کرامؓ اور اسلاف امت سے پگڑی اور ٹوپی سمیت نماز پڑھنا ثابت ہے۔چنانچہ صحیح بخاری میں: "وضع أبو اسحاق قلنسوته في الصلوة " اور دوسری جگہ:" وكان القوم يسجدون على العمائم "منقول ہے،البتہ عذر کی صورت میں ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے۔اظہار تذلل اور خشوع کی وجہ سے ایسا کرنا بہتر ہے اور اگر کوئی شخص ننگے سر نماز کو اہانت وتحقیر کی نیت سے پڑھے تو اس کے کفر کا خطرہ ہے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

وأن من لوازمه ظهور الذل،وغضّ الطرف،وخفض الصوت،وسكون الأطراف،وحينئذ فلا يبعد لقول بحسن كشفه اذا كان ناشيأعن تحقيق الخشوع بالقلب.(۱)

ترجمہ: اور خشوع کے لوازمات میں سے اظہار تذلل،آنکھیں نیچی رکھنا،آواز پست رکھنا اور (جسم کے) اطراف میں سکون ہونا ہے،لہٰذا اگر ٹوپی اتارنا دل میں خشوع متحقق ہونے کی وجہ سے ہو تو اس کے بہتر ہونے پر قول کرنا بعید نہیں ہے۔

❁❁❁

نماز میں چھوٹی سورت چھوڑنا

سوال نمبر(139):

قرآنِ مجید کی آخری دس سورتوں میں ایک سورت نماز کی پہلی رکعت میں پڑھی جائے۔درمیان میں ایک سورت چھوڑ کر دوسری رکعت میں تیسری سورت پڑھی جائے،مثلاً:اگر پہلی رکعت میں سورۂ فیل پڑھی،پھر سورۂ قریش کو چھوڑ کر دوسری رکعت میں سورۂ ماعون پڑھی۔تو کیا اس طرح ایک سورت کو درمیان میں چھوڑنے سے نماز میں کراہت واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة،باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها،مطلب في الخشوع:۲/۴۰۷،۴۰۸

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد جو سورت پڑھی جائے، اگلی رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد اس سورت کے متصل سورت کو چھوڑ کر اگلی سورت پڑھنا مکروہ ہے، البتہ اگر چھوڑی گئی سورت اس پہلی سورت سے اس قدر طویل ہو کہ دوسری رکعت میں اس کے پڑھنے سے طولِ قرأت لازم آتا ہو یا ایک سے زائد سورتیں چھوڑی جائیں تو پھر کراہت لازم نہیں آتی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سورۂ فیل پڑھ کر اگلی رکعت میں سورۂ قریش چھوڑ کر سورۂ ماعون پڑھنا مکروہ ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قوله:(ويكره الفصل بسورة قصيرة) أما بسورة طويلة بحيث يلزم منه إطالة الركعة الثانية إطالة كثيرة فلايكره.شرح المنية : كما إذا كانت سورتان قصيرتان، وهذا لو في ركعتين، أما في ركعة فيكره الجمع بين سورتين بينهما سورٌ، أو سورة. (١)

ترجمہ:

اور چھوٹی سورت کے ساتھ فصل لانا مکروہ ہے اور جہاں تک بڑی سورت کے ساتھ فصل لانا ہے تو اگر اس سے دوسری رکعت کا طویل ہونا لازم آتا ہو تو پھر مکروہ نہیں۔ جیسا کہ دو چھوٹی چھوٹی سورتیں ہوں، اور یہ بات دو رکعتوں میں ہے، ایک رکعت کا معاملہ اس سے مختلف ہے کہ اس میں ایسی دو سورتوں کو جمع کرنا مکروہ ہے جن کے درمیان ایک سورت یا ایک سے زائد سورتوں کے ذریعہ فصل لائی گئی ہو۔

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية: ٢٦٩/٢

فصل في السُّترہ

(سترہ، یعنی نمازی کے سامنے کوئی چیز رکھنے کا بیان)

نمازی کے سامنے بیٹھنا

سوال نمبر(140):

ایک شخص نماز پڑھ رہا ہو، اس کے سامنے دوسرا آدمی بیٹھا ہوا ہو اور وہ اٹھنا چاہے تو سلام پھیرنے تک انتظار کرے یا نمازی کے سامنے سے اُٹھ کر چلا جائے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے سامنے سترہ نہ ہو تو اس کے سامنے گزرنا جائز نہیں، لیکن پہلے سے جو شخص نمازی کے سامنے بیٹھا ہے، اُس کے لیے بہتر تو یہ ہے کہ نماز ختم ہونے تک انتظار کرے، تاہم اگر پہلے ہی اٹھ کر چلا جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں، کیونکہ نمازی کے سامنے گزرنے والے کے جسم کے پورے اعضا یا زیادہ اعضا کی برابری سے کراہت آتی ہے، اگر کہیں نصف یا اس سے کم اعضا گذرنے کے وقت نمازی کے برابر ہو جائیں تو پھر مکروہ نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بیٹھے ہوئے آدمی کے اٹھ کر چلے جانے سے نمازی کا خشوع متاثر نہیں ہوتا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

في القهستاني : ومحا ذاة الأعضاء للأعضاء يستوي فيه جميع أعضاء المار. هو الصحيح ...... وفيه إشعار بأنه لو حاذى أقلها أو نصفها لم يكره...... والرابعة أن لا يتعرض المصلي ولا يكون للمار مندوحة فلا يأثم واحد منهما. (١)

---

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، مطلب إذا قرأ قوله تعالىٰ: جدك: ۳۹۹/۲

ترجمہ:

گزرتے وقت اعضا کا نمازی کے اعضا کے ساتھ برابر ہوجانے کے بارے میں قہستانی میں ذکر ہے کہ گزرنے والے کے تمام اعضا کے برابر ہونے سے مرور ثابت ہوگا، یہ درست قول ہے۔۔۔اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نصف یا اس سے کم اعضا کی برابری سے کراہت لازم نہیں ہوگی۔۔۔اور چوتھی صورت یہ ہے کہ نمازی رکاوٹ بھی نہ بنے اور گزرنے والے کے لیے اس کے علاوہ چارہ نہ ہو تو کوئی بھی گناہ گار نہیں ہوگا۔

❁❁❁

سترہ نہ ہونے کی صورت میں نمازی کے سامنے سے گزرنے کی حد

سوال نمبر(141):

ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے سامنے سترہ نہ ہو تو اس کے سامنے سے گزرنے کی حد فاصلے کے لحاظ سے کتنی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تین صف سے آگے اس کے سامنے سے گزرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیا یہ بات درست ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نمازی کو چاہیے کہ نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے سترہ رکھنے کا اہتمام کرے تاکہ سامنے سے لوگوں کے گزرنے سے نماز میں خشوع متاثر نہ ہو۔ اگر لوگوں کے گزرنے کا احتمال نہ ہو تو پھر سترہ رکھنے کی ضرورت بھی نہیں۔ جہاں تک نمازی کے سامنے سترہ نہ ہونے کی صورت میں فاصلے کی حد کی بات ہے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے اتنے فاصلے کے اندر نہیں گزرنا چاہیے کہ نمازی سجدہ کی جگہ پر نظر رکھے تو گزرنے والے پر اُس کی نظر پڑے۔ علمائے کرام نے اس کی مقدار تین صف کے برابر احتیاطاً بتائی ہے، لیکن تین صف کی قید اس صورت میں ہے جب نمازی بڑی مسجد یا صحرا میں نماز پڑھ رہا ہو، اگر چھوٹی مسجد یا گھر میں نماز پڑھ رہا ہو تو پھر وہ ایک مکان کے حکم میں ہو کر اس کے سامنے سے سترہ کے بغیر گزرنا جائز نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وقال إذا صلیٰ رامیاً بصره إلیٰ موضع سجوده، فلم یقع علیه بصره لم یکره وهذا أحسن......

هذا الحد الذي ذكرنا إذا كان الرجل يصلي في الصحراء، وأما في المسجد فالحد هو المسجد إلّا أن يكون بينه، وبين المار أسطوانة أو غيرها، والمسجد الكبير... كالصحراء.(۱)

ترجمہ:

فرمایا کہ جب نماز پڑھنے والا سجدے کی جگہ کو دیکھ رہا ہو تو اُس کی نظر گزرنے والے پر نہ پڑے تو گزرنا مکروہ نہیں، یہی قول احسن ہے۔۔۔۔ یہ بیان کردہ حد اُس صورت میں ہے جب کوئی شخص کھلے میدان میں نماز پڑھ رہا ہو، چنانچہ اگر چھوٹی مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو تو اس کی حد وہ پوری مسجد ہے، البتہ یہ کہ نماز پڑھنے والے اور گزرنے والے کے درمیان ستون یا کوئی اور چیز ہو۔ بڑی مسجد بھی صحرا کے حکم میں ہے۔

❀❀❀

صف میں شامل ہونے کے لیے نمازی کے سامنے سے گزرنا

سوال نمبر(142):

اتصالِ صف کے لیے کسی نمازی کے سامنے سے اگر کوئی گزر جائے تو یہ شخص گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے نمازی کے سامنے سے گزرنا ممنوع ہے۔ احادیث میں نمازی کے سامنے سے بغیر کسی عذر کے گزرنے کے متعلق وعیدیں آئی ہیں، لیکن ضرورت کا دائرہ کار الگ ہے، اس لیے اگر کہیں ایسی صورت ہو کہ جماعت کھڑی ہو جائے اور آگے والی صف میں جگہ خالی ہو جس میں کھڑے ہونے کے لیے نمازی کے سامنے سے گزرنا پڑے تو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ نمازی کے سامنے گزرنے کی ممانعت اس کے احترام کی وجہ سے تھی، غلط جگہ کھڑے ہو کر نمازی نے اپنا یہ احترام کھو دیا اس لیے اب اُس کے سامنے سے گزرنے والا گناہ گار نہ ہوگا۔ اتصالِ صفوف کے متعلق احادیث میں بار بار تاکید آئی ہے، اس لیے یہاں شریعت صف میں شامل ہونے کو ترجیح دیتی ہے۔

---

(۱) الخوارزمي، جلال الدين، الكفاية على هامش فتح القدير، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، تحت قوله: وإنما يأثم: ۱/ ۳۵٤، مكتبة حقانية، بشاور

والدّليل علىٰ ذلك:

قام في آخر الصف في المسجد بينه وبين الصفوف مواضع خالية، فللدّاخل أن يمرّ بين يديه ليصل الصفوف ؛ لأنه أسقط حرمة نفسه فلا يأثم المارّ بين يديه، دلّ عليه ماذكر في الفردوس برواية ابن عباسؓ عن النبيﷺ أنه قال : من نظر إلى فرجة في صف فليسدها بنفسه، فإن لم يفعل فمرّ مارٌ فليتخطّ على رقبته فإنه لاحرمةله.(١)

ترجمہ:

کوئی آدمی مسجد میں آخری صف میں کھڑا ہوگیا،اس طرح سے کہ اس کے اور باقی صفوں کے درمیان جگہ خالی ہے تو بعد میں جماعت میں داخل ہونے والے کو چاہیے کہ صفوں تک پہنچنے کے لیے اس کے سامنے سے گزرے،اس لیے کہ اس نے خود اپنی حرمت ختم کردی ہے تو اِس کے سامنے سے گزرنے والا گناہ گار نہیں ہوگا۔اس پر ابن عباسؓ کی روایت دلالت کرتی ہے جو فردوس میں نقل کی گئی ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ:''جس نے صف میں تھوڑی سی خالی جگہ دیکھ لی تو خود ہی اس کو پُر کرلے۔اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو پھر گزرنے والا اس کی گردن کو پھلانگتا ہوا گزرے گا، کیونکہ اس کی حرمت باقی نہیں رہی''۔

امام اور مقتدیوں کے لیے سترہ

سوال نمبر(143):

نماز باجماعت کی صورت میں مقتدیوں کے سامنے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟یعنی امام آگے کھڑا ہوا ہے۔اس کے سامنے سترہ ہے۔تو کیا مقتدیوں کی صف کے سامنے گزرا جاسکتا ہے؟

بیّنوا توجروا

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب إذاقرأ قوله تعالىٰ:﴿جدك﴾:٢/ ٤٠١

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ نماز میں توجہ اور خشوع وخضوع کو برقرار رکھنے کے لیے نمازی کے آگے سترہ رکھنا ضروری ہے۔سترہ کی موجودگی کی صورت میں نمازی کے آگے سے گزرا جاسکتا ہے۔اگر نمازی منفرد ہوتو اس کے لیے الگ اپنا سترہ ضروری ہے جب کہ باجماعت نماز کی صورت میں امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لیے کافی ہوجاتا ہے،لہٰذا ایسی صورت میں بھی جب امام کے سامنے سترہ ہوتو مقتدیوں کی صف کے سامنے سے گزرنا مرخص ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

(وسترة الإمام سترة للقوم) لأنه عليه السلام صلىٰ ببطحاء مكة إلىٰ عنزة، ولم يكن للقوم سترة.(۱)

ترجمہ:

اور امام کا سترہ قوم کے لیے کافی ہوتا ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے بطحاے مکہ میں ایک لاٹھی (جس کے ایک سرے پر لوہا لگا ہوا تھا) کو سترہ بنا کر نماز پڑھائی اِس حال میں کہ باقی قوم کے لیے کوئی سترہ نہیں تھا۔

❁❁❁

سترہ کی مقدار

سوال نمبر(144):

اگر کوئی آدمی نماز پڑھتے ہوئے اپنے آگے ایک ایسا سترہ رکھے جو مستطیل شکل کی ہو اور اس کے دونوں اطراف زمین کے ساتھ متصل ہوں اور درمیان والا حصہ زمین سے اوپر ہو اور یہ نمازی درمیانی حصہ کی طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہو جب کہ سترہ شرعی گز کے برابر ہو یا اس سے کچھ زیادہ بھی ہو تو کیا یہ سترہ نمازی کے لیے کافی ہے؟

بیّنوا تؤجروا

(۱)الهداية، كتاب الصلوة،باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها:۱/۱٤۱

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے نمازی کے سامنے اگر لوگوں کے گزرنے کا احتمال ہو تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ اپنے سامنے سترہ (شرعی) رکھے جس کی مقدار اونچائی میں ایک ہاتھ یعنی دو بالشت اور موٹائی میں انگلی کے برابر ہونی چاہیے۔ ایسے سترہ کو سامنے رکھتے ہوئے، اگر کوئی سامنے سے گزرنا چاہے تو گزر سکتا ہے۔

مسئولہ صورت میں اگر سترہ کی مقدار برابر ہو، یعنی ایک ہاتھ اونچی اور موٹائی میں ایک انگلی کے برابر ہو تو ایسی صورت میں لوگوں کا نمازی کے سامنے سے گزرنا بلا کراہت جائز ہے اور اگر سترہ مستطیل شکل میں ہو اور اس کے دونوں اطراف زمین پر لگے ہوں اور درمیانی حصہ زمین سے اوپر ہو، پھر بھی جائز ہے، تاہم اگر اس کی مقدار سترہ کی مذکورہ مقدار سے کم ہو تو پھر سترہ ناکافی ہونے کی وجہ سے لوگوں کا سامنے سے گزرنا مکروہ ہوگا۔

والدلیل علیٰ ذلك:

والمستحب لمن يصلي في الصحراء أن ينصب بين يديه عودًا، أو يضع شيئًا أدناهُ طول ذراع...... وإنما قدر أدناه بذراع طولاً دون اعتبار العرض. وقيل: ينبغي أن يكون في غلظ أصبع ؛ لقول ابن مسعودؓ: يجزئ من السترة السهم.(۱)

ترجمہ:

صحرا میں نماز پڑھنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے سامنے ایک لکڑی گاڑھ دے یا کوئی ایسی چیز سامنے رکھ دے جس کی اونچائی کم از کم ایک ذراع ہو اور اس کی مقدار ایک ذراع (شرعی گز) اونچائی کے اعتبار سے مقرر کی گئی، نہ کہ چوڑائی کے اعتبار سے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ اس کی موٹائی ایک انگلی کے بقدر ہو، کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فرمان ہے کہ: ''ایک تیر سترہ کے طور پر جائز ہے''۔

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل فیما یستحب ویکرہ فیہا: ۲/۸٤

کپڑے وغیرہ کوسترہ بنانا

سوال نمبر(145):

کیانمازی سترہ کے طور پرکپڑایارومال وغیرہ استعمال کرسکتا ہے یانہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگرنمازی ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہو جہاں پرسترہ کی ضرورت پڑتی ہوتو وہاں پر بطورِ سترہ لاٹھی گاڑنا یا پردہ یا کوئی اورایسی چیز جونمازی اور گزرنے والوں کے درمیان سترہ بن سکے،لٹکانا جائز ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

"فإن لم يكن معه عصا فليخط خطا" وهو ضعيف، لكنه يجوز العمل به في الفضائل......
وأماإذالم يكن معه سترة ومعه ثوب أو كتاب مثلاً، هل يكفي وضعه بين يديه؟ والظاهر نعم كما يؤخذ من تعليل ابن الهمام.(۱)

ترجمہ:

''اگرلاٹھی نہ ہوتو آگے بطورِ سترہ ایک خط کھینچے گا''۔ خط کھینچنے کا یہ قول ضعیف ہے،لیکن فضائل میں اس پرعمل جائز ہے۔۔۔۔اور اگر اس کے ساتھ سترہ نہ ہو،لیکن کوئی کپڑا یا کوئی کتاب وغیرہ ہوتو کیاان دونوں کوبطورِ سترہ کے رکھنا کافی ہے یانہیں؟ ظاہرتو یہ ہے کہ ان کارکھنا جائز ہے،جیسا کہ یہ بات ابن ہمامؒ کی تعلیل میں پائی جاتی ہے۔

❁❁❁❁❁

---

(۱)ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الصلوة،باب مايفسدالصلوة ومايكره فيها،مطلب:إذاقرأ قوله:تعالىٰ جدّك بدون ألف،تحت قوله:(وقيل يكفي):۲/۴۰۲،۴۰۳

باب الإمامة

(امامت اور جماعت کا بیان)

تعارف:

امامت و جماعت اگر چہ باہم لازم وملزوم متصور ہوتے ہیں، لیکن ہر ایک کی جداگانہ حیثیت اور اہمیت بھی اپنی جگہ مسلم ہے، اس لیے ہر ایک کی الگ الگ وضاحت ضروری ہے۔

امامت کی اہمیت اور حکمتِ مشروعیت:

ایمان کے بعد نماز تمام عبادات میں سب سے افضل اور اسلام کا رکنِ اعظم ہے۔ پھر نماز کی باجماعت ادائیگی شعائرِ اسلام میں سے اہم شعار ہے، تاکہ امتِ مسلمہ کا اتحاد و اتفاق برقرار رہے اور وہ ایک خدا، ایک رسول، ایک قرآن اور ایک ہی قبلہ پر متفق ہو کر ایک ہی امام کو اپنا روحانی پیشوا اور مقتدیٰ بنا دیں۔ اسی اہمیت کے پیشِ نظر آپ ﷺ اپنی تمام زندگی میں خود ہی منصبِ امامت پر فائز رہے اور جب مرض الموت میں ضعف اور نقاہت کی وجہ سے آپ ﷺ اس عظیم ذمہ داری کو اللہ کے حکم سے نبھا نہ سکے تو تمام امت میں بہترین ہستی، یعنی سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو یہ ذمہ داری سونپ دی گئی اور حکم ہوا کہ اپنے درمیان بہترین افراد کو امام بناؤ، اس لیے کہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے مابین تمہارے وکیل اور نمائندے ہیں۔ (۱)

امامت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

امامت کا اصل مادہ "أمّ یؤمّ" ہے جس کا معنی قصد و ارادہ کرنا اور آگے ہونا ہے جب کہ اصطلاحِ فقہا میں امامت کی دو قسمیں ہیں: ایک امامت کبریٰ، یعنی مسلمانوں کی ولایت و خلافت ہے جب کہ دوسری قسم امامتِ صغریٰ، یعنی "إمامة الصلوة" ہے جس کی تعریف علامہ حصکفیؒ کے ہاں کچھ یوں ہے۔

"ربط صلوة المؤتم بالإمام بشروط خاصة".

مخصوص شرائط کی موجودگی میں مقتدی کی نماز کا امام کی نماز کے ساتھ جڑا رہنا امامت کہلاتا ہے۔ (۲)

(۱) سنن دارقطني، كتاب الجنائز، باب تخفيف القراءة لحاجة، رقم (۱۸۶۳): ۲/۷۴، الموسوعة الفقهية، مادة إمامة الصلوة: ۶/۲۰۱، ۲۰۲، احکام اسلام عقل کی نظر میں، باب صفة الصلوة، امامت و جماعت کی حکمت، ص: ۷۱

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۲/۲۷۰، ۲۷۶، ۲۸۴، الموسوعة الفقهية حواله بالا

امامت کی صحت کے لیے شرائط:

فقہائے کرام کے ہاں غیر معذور مرد کے امام بننے کے لیے درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) اسلام (۲) عقل (۳) بلوغ (۴) ذکورت، یعنی مرد ہونا (۵) فرض قراءت کی تلاوت پر قدرت (۶) شرعی اعذار (جو باب المعذور میں گزر چکے ہیں) سے سلامتی (۷) نماز کی شرائط میں سے کسی بھی شرط کے فقدان سے سلامتی۔

مذکورہ شرائط میں سے اکثر نفس اقتدا کے لیے ہیں، تاہم فقہائے کرام نے ان شرائط کو امام کے ساتھ خاص کیا ہے اور نفس اقتدا کے لیے درج ذیل شرائط الگ ذکر کیے ہیں۔ بہر صورت امامت واقتدا کا تلازم کسی پر مخفی نہیں۔

اقتدا کی صحت کے لیے شرائط:

(۱) مقتدی کے لیے امام کی تابعداری اور متابعت کی نیت کرنا۔

(۲) عورتوں کی اقتدا درست ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ امام ان کی اقتدا کے لیے مستقل نیت کرلے۔

(۳) امام مکان اور مصلیٰ کے اعتبار سے مقتدی سے آگے ہو، یعنی اس کی ایڑھی مقتدی سے آگے ہو، اگرچہ طول قدم کی وجہ سے مقتدی کے پاؤں کا اگلا حصہ امام کے پاؤں سے آگے بڑھ جائے۔

(۴) امام مقتدی سے کم تر حالت والا نہ ہو، بلکہ اس سے اعلیٰ ہو یا کم از کم اس کے برابر ہو، یعنی ایسا نہ ہو کہ امام نفل نماز پڑھ رہا ہو اور مقتدی فرض یا ایسا بھی نہ ہو کہ امام کسی شرعی عذر میں مبتلا ہونے کی وجہ سے رکوع وسجدے سے قاصر ہو اور مقتدی رکوع وسجدہ کرنے والا ہو۔

(۵) امام اور مقتدی ایک ہی نماز میں ہوں، اگر دونوں کی نماز کی فرضیت کا سبب الگ الگ ہو تو اقتدا جائز نہیں۔

(۶) چار رکعت والی نماز میں وقت گزر جانے کے بعد مسافر کا امام مقیم نہیں ہونا چاہیئے، اس لیے کہ چار رکعت والی نماز میں قعدہ اولیٰ مقیم امام کے لیے تو واجب ہے، لیکن مسافر کے لیے یہی قعدہ اخیرہ ہونے کی وجہ سے فرض ہے، لہٰذا ابتدے نماز سے نیت باندھنے والے مسافر کی اقتدا ایسی صورت میں "اقتداء القويّ بالضّعيف" ہے، اس لیے کہ واجب بہر صورت فرض سے کم تر ہے اور اگر مسافر انہی چار رکعتوں میں سے دو رکعتیں ادا ہونے کے بعد آکر مقیم امام کے پیچھے وقت گزرنے کے بعد نیت باندھ لے تو بقیہ دو رکعتوں میں چونکہ امام کے لیے قراءت کرنا فرض نہیں، بلکہ سنت ہے اور مقتدی کے لیے فرض ہے تو "اقتداء المفترض خلف المتنفل" کی وجہ سے یہ بھی ناجائز ہے، لہٰذا وقت نکلنے کے بعد مسافر شخص چاہے ابتدا ہی سے

مقیم امام کی اقتدا کرے یا آخری دو رکعتوں میں شامل ہو جائے، بہر صورت ناجائز ہے۔

یاد رہے کہ نماز کے وقت کے دوران مسافر کو مقیم امام کے پیچھے چار ہی رکعت ادا کرنی ہوگی خواہ تمام نماز امام کے پیچھے پڑھے یا کوئی جز، اس لیے کہ وقت کے اندر اندر مسافر کے لیے دو رکعت پڑھنے کا حکم اگرچہ موجود ہے، لیکن مقیم امام کی متابعت کی وجہ سے یہ حکم ایک مرتبہ پھر چار تک پہنچ گیا، لیکن وقت گزر جانے کے بعد اب صرف دو رکعت کا حکم ہے، چار رکعت کی اجازت نہیں اگرچہ امام مقیم ہی کیوں نہ ہو۔

(۷) امام مسبوق نہ ہو، یعنی اگر مسبوق باقی ماندہ نماز پڑھ رہا ہو تو کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس کے پیچھے نیت باندھ لے، البتہ دو مسبوق اگر ایک ساتھ نماز پڑھ رہے ہوں اور ایک مسبوق نماز کی رکعتوں کی تعداد بھول جائے تو وہ محض نماز کی درستگی کی خاطر اس دوسرے مسبوق کے افعال کو دیکھ کر اپنی نماز پوری کر سکتا ہے۔

(۸) امام اور مقتدی کے درمیان عورتوں کی صف نہ ہو۔

(۹) امام اور مقتدی کے درمیان کوئی نہر یا دریا اس قدر وسیع پانی نہ ہو کہ اس میں چھوٹی کشتی گزر سکے نہ ہی اتنا کشادہ راستہ ہو جس میں بیل گاڑی وغیرہ گزرنے کی گنجائش ہو۔ مفتیٰ بہ قول کے مطابق یہ فاصلہ دو صفوں کے برابر ہوتا ہے، لہٰذا اگر امام اور مقتدی کے درمیان دو صفوں کی مقدار فصل موجود ہو تو اقتدا جائز نہیں۔

(۱۰) امام اور مقتدی میں سے کوئی ایک سوار اور دوسرا پیدل نہ ہو یا دونوں کی سواری علاحدہ علاحدہ نہ ہو، اس لیے کہ اتحاد مکان اقتدا کی صحت کے لیے شرط ہے، البتہ اگر دو کشتیوں کو باہم باندھ دیا گیا ہو تو وہ ایک ہی کشتی کے حکم میں ہے۔

(۱۱) مقتدی امام کے ساتھ نماز کے جملہ ارکان میں شریک ہو، یعنی مقتدی نماز کا کوئی بھی رکن امام سے پہلے ادا نہ کرے، بلکہ یا تو ایک ساتھ ادا کریں یا مقتدی امام کے بعد ادا کرے۔

(۱۲) مقتدی کو اپنے امام کا کوئی ایسا فعل معلوم نہ ہو جس کی رو سے مقتدی کے خیال میں نماز ٹوٹ جاتی ہو، اس کی تفصیل آگے ''خلاف مسلک امام کی اقتدا'' میں آرہی ہے۔(۱)

---

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۲۳۱-۲۳۸، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۲/ ۲۸٤-۲۸٦

درج ذیل لوگوں کی اقتدا کرنا درست ہے:

(۱) تیمم کرنے والا شخص وضو کرنے والے شخص کا امام بن سکتا ہے۔

(۲) پٹی یا موزوں پر مسح کرنے والا شخص وضو کرنے والے کا امام بن سکتا ہے۔

(۳) بیٹھ کر نماز پڑھنے والا شخص کھڑے شخص کی امامت کرسکتا ہے۔

(۴) وہ کبڑا شخص جس کا کبڑا پن رکوع کی حد تک ہو، امام بن سکتا ہے۔

(۵) فرض پڑھنے والے شخص کے پیچھے نفل پڑھنے والے شخص کی اقتدا درست ہے۔

(۶) کوئی بھی معذور شخص اپنے جیسے معذورین یا اپنے سے کم تر حالت والے لوگوں کا امام بن سکتا ہے۔(۱)

فاسق، بدعتی، علم سے نابلد، نابینا، ولد الزنا اور لنگڑے کی امامت بھی بوقتِ ضرورت جائز ہے، تاہم مستقل امام بنانے کے لیے امام کی ذات ایسی کمزوریوں سے مبرا ہونی چاہیے۔ اسی طرح مقیم مسافروں کے لیے اور مسافر مقامی لوگوں کے لیے امام بن سکتا ہے۔ معذور آدمی جس کو مسلسل ناک سے خون آرہا ہو، معذوروں کا، اشارہ سے نماز ادا کرنے والا اشارہ سے نماز پڑھنے والوں کا، مراہق قریب البلوغ نابالغوں کا اور مرد عورتوں کا امام بن سکتا ہے۔ اسی طرح گونگا گونگوں کی اور جاہل (جو بقدر فرض قرائت بھی نہ جانتا ہو) جاہلوں کی امامت کرسکتا ہے۔ اس کے برعکس معذور صحت مندوں کی اور اس عذر سے محفوظ رہنے والوں کی امامت نہیں کرسکتا۔ اسی طرح وہ لوگ بھی امامت نہیں کرسکتے جو کسی کفریہ عقیدے کے حامل ہوں۔(۲)

امامت کا زیادہ حق دار کون ہے؟

حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو نماز کے احکام سے سب سے زیادہ واقف ہو اور نماز میں قراءت کی جو مقدار سنت ہے اس کا حافظ بھی ہو، نیز ظاہری برائیوں سے محفوظ ہو، اگر اس میں سب برابر ہوں تو قراءت وتجوید سے زیادہ واقف، پھر سب سے زیادہ متقی اور گناہوں سے محترز، پھر سب سے زیادہ عمر دراز، پھر سب سے زیادہ خوش اخلاق، پھر سب سے زیادہ وجیہ صورت، پھر سب سے زیادہ عالی نسب، پھر سب سے زیادہ خوش آواز، پھر سب سے زیادہ خوش لباس، پھر سب سے زیادہ حلال مال والا شخص اور پھر زیادہ جاہ وجلال کا مالک، غرض جو کمالات لوگوں کی زیادتِ توجہ اور نشاط کا باعث بن سکتے ہیں اور ان سے تکثیر فی الجماعت کا مقصد حاصل

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۲۳۹، ۲۴۰

(۲) الفتاوى الهندية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره: ۱/ ۸۴-۸۶

ہوسکتا ہے تو ان کو پیشِ نظر رکھا جائے گا یہاں تک کہ اگر اس میں بھی سب مساوی ہوں تو ایسی صورت میں اگر کوئی ایک شخص قوم کو زیادہ پسند ہو تو وہی امامت کا مستحق ہے ورنہ قرعہ ڈال کر بھی اپنے لیے امام متعین کر سکتے ہیں۔ یہ تمام تفصیل اس صورت میں ہے جب امیر المؤمنین، گورنر، قاضی یا مسجد کا متعین امام نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی بھی موجود ہو تو امامت کا زیادہ حق انہی کو حاصل ہوگا۔ اسی طرح میزبان شخص مہمان سے زیادہ مستحق ہے، البتہ اگر وہ خود اجازت دے دے تو کوئی حرج نہیں۔(۱)

ناپسندیدگی کے باوجود امامت:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تبارک وتعالی تین قسم کے لوگوں کی نماز کو قبول نہیں فرماتے جن میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جو لوگوں کی ناپسندیدگی کے باوجود ان کی امامت کرے، تاہم یہ تب ہے جب ناپسندیدگی اس کی کسی کوتاہی کی وجہ سے ہو یا اس وجہ سے ہو کہ اس سے افضل امام موجود ہو اور وہ پھر بھی خود امامت کر رہا ہو۔ اگر ایسی صورت نہ ہو، بلکہ لوگ اپنی جہالت اور خواہش پرستی کی وجہ سے اس کو ناپسند کرتے ہوں تو پھر امامت کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ فساق وفجار لوگ عموماً علما اور صلحا کو کراہت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو ان کی ذاتی بدبختی کے سوا کچھ نہیں۔(۲)

تراویح میں نابالغوں کی امامت:

قریب البلوغ (مراہق) بچہ اپنے جیسے بچوں کا امام بن سکتا ہے۔ بالغوں کے حق میں فرائض وواجبات میں اس کی امامت بالاتفاق ناجائز ہے، البتہ تراویح اور سنن مطلقہ سے متعلق حنفیہ میں سے ائمہ بلخ کے مطابق بچوں کی امامت صحیح ہے، تاہم قول مختار یہ ہے کہ تراویح میں بھی ان کی امامت صحیح نہیں۔ اکثر فقہائے کرام کی رائے یہی ہے۔(۳)

---

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ٢٤٢-٢٤٤، الفتاوى الهندية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة: ١/٨٣، ٨٤، بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ١/٦٦٩-٦٧٤

(۲) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ٢٤٤

(۳) الفتاوى الهندية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ١/٨٥

عورت کی امامت:

مرد عورت کی امامت کرسکتا ہے بشرطیکہ مرد ان کی امامت کی نیت کرلے، البتہ جمعہ اور عیدین میں امام کی نیت کے بغیر بھی عورتیں مرد امام کی اقتدا کرسکتی ہیں۔ مذکورہ صورتوں میں شرط یہ ہے کہ عورت کے ساتھ خلوت کی کیفیت نہ ہو، اگر مقتدی خواتین میں سے بعض اس کی محرم ہوں تب تو کوئی حرج نہیں اور اگر کوئی محرم نہ ہو اور مقتدی تنہا خواتین ہوں اور جماعت میں کچھ مردوں کی شرکت نہ ہو تو یہ مکروہ ہے۔

عورت مرد کی امامت نہیں کرسکتی، لیکن عورت کی امامت کرسکتی ہے، تاہم یہ بات ذہن نشین رہے کہ تمام نمازوں میں صرف عورتوں کی جماعت جائز ہونے کے باوجود کراہت سے خالی نہیں اور ان کا تنہا نماز پڑھنا افضل ہے، لیکن اگر جماعت بنا ہی لیں تو امام کو صف کے وسط میں کھڑا ہونا چاہیے، نہ کہ آگے۔ آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں مزید کراہت ہے اگرچہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔(۱)

ٹیپ ریکارڈ اور ٹی وی کے ذریعے امامت:

اگر ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے اذان، اقامت اور نماز کے ارکان محفوظ کر لیے جائیں تو وہ اذان اور اقامت کے لیے کافی نہیں اور نہ ایسی ریکارڈ کو نماز کا امام قرار دیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ ایک طرف تو اس میں امامت اور اقتدا کے لیے ذکر کردہ شرائط موجود نہیں اور دوسری طرف نماز میں موجود خشوع وخضوع کی کیفیت، جذبات واحساسات، مقتدیوں کے نماز کا ضامن اور وکیل بننا کسی مشین کا کام نہیں، بلکہ یہ ایک ایسے رہبر ورہنما کا کام ہے جو خود اپنی طرف سے اور تمام نمازیوں کی طرف سے خدا کی چوکھٹ پر سر جھکا کر سفارت کا فریضہ انجام دے سکے۔(۲)

خلافِ مسلک امام کی اقتدا:

خلافِ مسلک امام سے مراد یہ ہے کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی خاص امام کا مقلد ہو اور اس تقلید میں وہ تعصب اور غلو کا شکار نہ ہو، بلکہ اختلاف محض فروعی مسائل تک محدود ہو۔ اگر اختلاف عقائد کی حد تک پہنچ جائے یا تعصب وتعنت کا غلبہ ہو جائے تو ایسے امام کے پیچھے مذکورہ مقتدی کی نماز جائز نہیں ہوگی۔ صرف فروعی مسائل میں اختلاف ہو تو ایسے

(۱) الفتاوى الهندية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره: ۱/۸۵، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، وفي بيان ترتيب الصفوف، ص: ۲۴۶، ۲۴۷

(۲) قاموس الفقه، مادة امام وامامت: ۲/۲۲۱

امام کی اقتدا کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) مقتدی اپنے امام میں کوئی ایسا فعل دیکھ لے جس کی وجہ سے مقتدی کے مسلک کے مطابق وضوٹوٹ جاتا ہو اور امام کے مسلک کے مطابق نہیں تو ایسے امام کے پیچھے مذکورہ مقتدی کی نماز جائز نہیں ہوگی۔

(۲) اگر امام نماز سے متعلقہ فروعی مسائل میں مقتدیوں کے مسلک کی بھی رعایت کرتا ہو تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔

(۳) اگر کسی مقتدی کو اپنے امام کے افعال وحالات کا پتہ نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ یہ پتہ کرلے کہ کیا امام نماز سے متعلقہ فروعی مسائل میں احتیاط کا قائل ہے یا نہیں، اگر وہ مذکورہ مسائل میں احتیاط برتنے والا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز تو ہے، لیکن کراہت سے پھر بھی خالی نہیں اور اگر یہ علم ہوجائے کہ وہ ان مسائل میں بے احتیاطی کا مرتکب ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

(۴) اگر کسی امام سے متعلق یہ علم ہوجائے کہ وہ ارکان وشرائط میں اختلافی مسائل سے متعلق احتیاط کرتا ہے، لیکن واجبات میں بے احتیاطی کا مرتکب ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ ایسے امام کے پیچھے اقتدا کرنے سے تنہا نماز پڑھنا بہتر ہے۔

(۵) اور اگر بے احتیاطی محض سنن ومستحبات تک محدود ہو تو کراہتِ تنزیہی ہے اور اقتدا کرنا تنہا نماز سے افضل ہے۔(۱)

جن لوگوں کی امامت مکروہ ہے:

غلام، اندھے، دیہاتی شخص، ولد الزنا، جاہل، امرد، بے وقوف، مفلوج، فاسق اور بدعتی کی امامت مکروہ ہے۔ اسی طرح ہر اس شخص کی امامت بھی مکروہ ہے جس کے کسی عیب کی وجہ سے لوگ اس کو ناپسند کرتے ہوں یا کوئی اور شخص اس سے زیادہ حق دار امامت ہو، تاہم اگر کوئی اور شخص نماز پڑھانے کے قابل نہ ہو تو پھر ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"صلّوا خلف من قال لا إله إلا الله" و"صلوا خلف كل برّ وفاجر"

لا الہ الا اللہ کہنے والے (مسلمان) اور ہر نیک اور بدکار کے پیچھے نماز پڑھا کرو۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره: ۱/ ۸٤، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۲۳۸، رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب في الاقتداء بشافعي ونحوه: ۲/ ۲۰۲، ۳۰۳

اسی حدیث پر صحابہ کرامؓ کا تعامل بھی رہا جنہوں نے امت کو انتشار اور فتنہ سے بچانے کی خاطر فساق وفجار کے پیچھے بھی نماز پڑھی۔(۱)

صفوف کی ترتیب اور امام کے قیام کی جگہ:

(۱) اگر امام کے ساتھ دو یا اس سے زیادہ مقتدی ہوں تو امام ان سے آگے کھڑا ہوگا تا کہ امام کا امتیاز مقتدی سے واضح ہو، کسی اور شخص کو اقتدا کرنے میں اشتباہ نہ ہو۔ ایسی صورت میں امام کے لیے صف کے درمیان یا دائیں بائیں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

(۲) اگر امام کے ساتھ ایک مرد یا نماز کو سمجھنے والا بچہ ہو تو امام اس کو اپنے دائیں جانب کھڑا کردے، اس صورت میں امام محمدؒ کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق مقتدی کے لیے ضروری ہے کہ اس کی انگلیاں امام کی ایڑھی کے برابر ہوں، اعضا اور پاؤں کی انگلیوں کی لمبائی کی وجہ سے اگر وہ امام سے آگے چلا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

(۳) اگر امام کے ساتھ ایک عورت ہو تو اس کو اپنے پیچھے کھڑا کردے، اس لیے کہ قریب کھڑا کر ـــ کی صورت میں محاذات کی وجہ سے امام کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۴) اگر امام کے ساتھ ایک مرد اور ایک عورت ہو تو مرد کو اپنے دائیں جانب اور عورت کو اس مقتدی کے بالکل پیچھے کھڑا کردے۔

(۵) اگر امام کے ساتھ دو مرد اور ایک عورت ہو تو دونوں مردوں کو اپنے پیچھے اور عورت کو ان دونوں کے پیچھے کھڑا کردے۔

(۶) اگر امام کے ساتھ زیادہ مرد، عورتیں، بچے، خناثی (خواجہ سرا) سب جمع ہوں تو پہلی صف مردوں کی ہوگی، پھر بچوں کی، پھر خنثیٰ لوگوں کی، پھر عورتوں کی اور پھر قریب البلوغ بچیوں کی۔ یہی ترتیب جنائز کے صفوف اور اجتماعی تدفین میں بھی اختیار کی جائے گی۔

(۷) مردوں کے لیے صف میں سب سے بہتر جگہ وہ ہے جو امام کے قریب ہو۔ اگر دونوں جانب برابر ہوں تو دائیں جانب کھڑا ہو، تاہم امام کے بالکل پیچھے وہ شخص کھڑا ہو جو تمام لوگوں میں افضل ہو، تا کہ بوقتِ ضرورت امام کا خلیفہ بن سکے۔(۲)

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من يصلح للإمامة: ٦٦٦/١، الدر المختار، كتاب الصلـ باب الإمامة: ٢٩٧/٢-٣٠٢

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان مقام الإمام والمأموم: ٦٧٤/١-٦٧٩، الفتاوى الهندية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم: ٨٨/١-٨٩

نابالغ بچے کی امامت

سوال نمبر (146):

گیارہ سالہ نابالغ بچہ اگر حافظِ قرآن ہو اور تلاوت بھی اچھی طرح کرسکتا ہو، لیکن جسامت کے اعتبار سے چھوٹا معلوم ہوتا ہو، اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

امامت کے لیے چونکہ بلوغ شرط ہے، اس لیے نابالغ بچے کی اقتدا جائز نہیں۔ چاہے نماز پنجگانہ میں ہو یا تراویح میں۔ خصوصاً جب جسامت سے بھی قدآور نہ ہو، البتہ اگر مراہق ہو تو بعض فقہانے اُس کی اقتدا میں تراویح پڑھنے کو جائز کہا ہے، لیکن راجح قول کے مطابق نابالغ کی اقتدا میں فرض، واجب، سنت اور نفل کسی قسم کی نماز پڑھنا جائز نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(لایصح اقتداء رجل بامرأة) وخنثیٰ (وصبي مطلقا) ولوفي جنازة، ونفل علی الأصح،وفي رد المحتار: لأن الإمامة للبالغين من شروط صحتها البلوغ ... قال في الهداية : وفي التراويح،والسنن المطلقة جوّزه مشائخ بلخ، ولم يجوّزه مشائخنا... والمختارأنه لايجوز في الصلوات كلها.(١)

ترجمہ:

مرد کی اقتدا عورت، خنثی اور بچے کے پیچھے بالکل درست نہیں۔ اصح قول کے مطابق خواہ جنازہ اور نفل کی نماز کیوں نہ ہو، اور ردالمحتار میں ہے کہ بالغ مردوں کا امام بننے کی شرائطِ صحت میں سے ایک شرط بلوغ بھی ہے۔۔۔ ہدایہ میں ہے کہ تراویح اور سننِ مطلقہ (سنن رواتب) میں مشائخ بلخ نے اس (بچے کی اقتدا) کو جائز قرار دیا ہے، لیکن ہمارے مشائخ نے اِسے جائز قرار نہیں دیا۔ (فتوی کے لیے) مختار قول یہی ہے کہ بچے کی اقتدا کسی بھی نماز میں درست نہیں۔

❁❁❁

(١) ردّ المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة :٢/٣٢١، ٣٢٢

امام کا کسی دوسرے شخص کو امامت کے لیے آگے کرنا

سوال نمبر (147):

اگر محلے کا مقررہ امام اپنی موجودگی میں خود کسی معزز شخص یا دوسرے مہمان کو نماز پڑھانے کی اجازت دے دے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

محلے کا امام اگر اپنی موجودگی میں اپنی خوشی سے کسی مہمان عالمِ دین یا دوسرے معزز بزرگ شخص کو نماز پڑھانے کی اجازت دے دے تو اس کی امامت درست ہے، تاہم مقررہ امام کی موجودگی میں اُس کی اجازت کے بغیر کسی اور کو نماز پڑھانے کا حق حاصل نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

واعلم أنّ (صاحب البیت) ومثله إمام المسجد الراتب (أولیٰ بالإمامة من غیره) مطلقا. وفي ردالمحتار: أي وإن کان غیره من الحاضرین من هوأعلم وأقرء منه. جماعة أضیاف في دار یرید أن یتقدم أحدهم ینبغي أن یتقدم المالك، فإن قدّم واحداً منهم لعلمه، وکبره، فهو أفضل، وإذاتقدّم أحدهم جاز؛ لأن الظاهرأنّ المالك یأذن لضیفه إکراماً له. (۱)

ترجمہ:

جان لیجیے کہ گھر کا مالک اور اسی طرح مسجد کا مقررہ امام دوسرے حاضرین کی نسبت امامت کا زیادہ حقدار ہے، شامی میں ہے کہ: اگر چہ حاضرین میں اس سے کوئی اُس سے زیادہ علم رکھنے والا یا اچھا قاری موجود ہو۔ کسی گھر میں مہمانوں کی جماعت میں اگر کوئی آگے ہونے کا ارادہ کرے تو مناسب یہ ہے کہ مالکِ مکان آگے ہو، لیکن اگر مالک مکان ان میں سے کسی کو اس کے علم یا بزرگی کی وجہ سے آگے کرلے تو یہ زیادہ افضل ہے اور اگر ان میں کوئی ایک (مالک مکان کے کہنے کے بغیر) آگے ہوجائے تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ مالکِ مکان (میزبان) مہمان کا اکرام کرتے ہوئے اس کو اجازت دے دیتا ہے۔

❁❁❁

(۱) الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تکرار الجماعة: ۲/۲۹۷

داڑھی کتروانے والے کی امامت

سوال نمبر (148):

ایک شخص کسی جامع مسجد میں مستقل امام اور خطیب ہے، لیکن وہ داڑھی کترواتا ہے جس کی وجہ سے اُس کی داڑھی مٹھی سے واضح طور پر کم دکھائی دیتی ہے، ایسے شخص کے پیچھے عام نمازیں اور خاص کر جمعہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

داڑھی رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور داڑھی منڈوانا باجماعِ اُمت حرام ہے۔ اسی طرح ایک قبضہ (مٹھی) سے کم رکھنا بھی حرام ہے۔ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے، لہٰذا ایسا شخص گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو کر فساق کے زمرے میں شمار ہوگا جس کی امامت مستقل طور پر صحیح نہیں، ہاں اگر کبھی کبھار ایسے شخص کی اقتدا میں نماز پڑھی جائے تو نماز ہو جاتی ہے اور انفراداً نماز پڑھنے سے ایسے شخص کی اقتدا میں نماز پڑھنا نہ صرف درست، بلکہ بہتر ہے، البتہ جہاں نیک اور متشرع امام میسر ہو تو پھر ایسے شخص کے پیچھے مستقلاً نماز پڑھنے سے گریز کیا جائے۔

والدّليل على ذلك:

لو صلّى خلف فاسق، أو مبتدع ينال فضل الجماعة، لكن لاينال كما ينال خلف تقي ورع لقوله عليه الصّلوة والسلام: من صلّى خلف عالمٍ تقيٍ فكأنّما صلى خلف نبي. (۱)

ترجمہ:

اگر کسی فاسق یا مبتدع (امام) کے پیچھے نماز پڑھے تو جماعت کی فضیلت پائے گا، لیکن وہ فضیلت بہرحال نہیں پاسکتا جو متقی اور پرہیزگار امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے حاصل ہوسکتی ہے، کیونکہ ارشادِ نبوی ہے کہ: ''جس نے ایک متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھ لی گویا کہ اس نے کسی پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھ لی''۔

لایکره... تطويل اللّحية إذا كانت بقدر المسنون وهو القبضة ... وأمّا الأخذ منها، وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرّجال فلم يبحه أحدٌ. (۲)

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قوله (وكره إمامة العبد): ۱/ ٦١٠

(۲) الدر المختار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسده: ۳/ ۳۹۷، ۳۹۸

ترجمہ:
مسنون اندازے کے مطابق داڑھی بڑھانا مکروہ نہیں جو کہ ایک مٹھی ہے۔۔۔اور جب ایک مٹھی سے کم ہو تو اُسے کاٹنا، جیسے بعض مغربی لوگ اور مخنث قسم کے آدمی کرتے ہیں، اسے کسی نے بھی جائز قرار نہیں دیا ہے۔

❀❀❀

لامذہبیہ کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال نمبر(149):

ایک امام غیر مقلد ہے، لیکن نماز پڑھاتے وقت اس کی حرکات وسکنات سے بالکل پتہ نہیں چلتا کہ یہ غیر مقلد ہے، یعنی بظاہر وہ فقہ حنفی کے مطابق ہی نماز پڑھاتا ہے تو ایسے امام کی اقتدا ہمارے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اکیلے نماز پڑھنا افضل ہے یا اس کی اقتدا میں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کوئی غیر مقلد اگر متعصب نہ ہو، یعنی سلف صالحین اور ائمہ اربعہ کا گستاخ نہ ہو اور تقلید کو شرک نہ کہتا ہو اور فرائض وواجبات میں مذاہب کی رعایت رکھتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، بلکہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ البتہ اگر نماز پڑھاتے وقت ارکان وشرائط میں مذاہب فقہیہ کی رعایت نہ کرتا ہو تو پھر اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا درست نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلك:

إن تيقن المراعاة لم يكره،أو عدمها لم يصح،وإن شك كره وقال ابن عابدين: إن علم أنه راعي في الفرائض، والواجبات، والسنن فلا كراهة، وإن علم تركها في الثلاثة لم يصح... عن الرملي الشافعي أنه مشى على كراهة الاقتداء بالمخالف حيث أمكنه غيره، ومع ذلك هي أفضل من الانفراد، ويحصل له فضل الجماعة وبه أفتى الرملي الكبير.(١)

(١)الدر المختار، كتاب الصلاة،باب الإمامة،مطلب في الاقتداء بالشافعي:٢/٣٠٢،٣٠٣.

ترجمہ:

اگر کسی شخص سے دیگر مذاہب کی رعایت کا یقین ہو تو اس کی اقتدا مکروہ نہیں اور اگر عدمِ رعایت متیقن ہو تو اس کی اقتدا صحیح نہیں اور اگر شک ہو تو مکروہ ہے۔ علامہ شامیؒ (خیرالدین الرملی کی تحقیق نقل کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ اگر معلوم ہو کہ اس نے فرائض، واجبات اور سنن میں دیگر مذاہب کی رعایت کی ہے تو اس کی اقتدا مکروہ نہیں اور اگر ان تینوں کی رعایت نہیں رکھتا تو اس کی اقتدا درست نہیں۔۔۔ رملی شافعی سے منقول ہے کہ: ''ایسے شخص کی اقتدا اس وقت مکروہ ہے جب مذہب کے موافق کوئی دوسرا شخص امام میسر ہو، لیکن باوجود اس کے اس کی اقتدا اکیلے نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور اس کو جماعت کی فضیلت حاصل ہوگی''۔ اسی پر رملی الکبیر (خیرالدین الرملی) نے بھی فتویٰ دیا ہے۔''

❀❀❀

پیش امام کے لیے پگڑی باندھنا

سوال نمبر(150):

بعض لوگ امام کے ساتھ اس بات پر جھگڑتے رہتے ہیں کہ وہ پگڑی ضرور باندھا کرے، کہیں امام پگڑی بھول گیا تو پیچھے سے مقتدی آواز دیتا ہے کہ پگڑی باندھ! ازروئے شریعت باجماعت نماز پڑھانے کے لیے پیش امام صاحب کے لیے پگڑی باندھنے کی کیا حیثیت ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

شرعی نقطہ نظر سے پگڑی باندھ کر نماز ادا کرنا یقیناً مستحب اور اجر میں زیادتی کا سبب ہے، لیکن اس استحباب اور اجر وثواب میں امام اور مقتدی برابر ہیں، یعنی یہ حکم دونوں کے لیے ہے کہ جس طرح امام کے لیے باعثِ ثواب ہے اسی طرح مقتدی کے لیے بھی باعثِ اجر ہے۔ صرف امام کے ساتھ اس حکم کو اس طرح لازم کرنا کہ اس کے بغیر نماز پڑھانے والے کو برا بھلا کہا جائے، زیادت علی الشرع کے مترادف ہے جو کہ نہایت مذموم ہے، کیونکہ عمامہ کسی فقیہ سے امامت کی سنت کے طور پر ثابت نہیں۔

والدليل علىٰ ذلك:

وقد ذكروا أنّ المستحب أن يصلي في قميص وإزار، وعمامة، ولا يكره الاكتفاء بالقلنسوة،

ولاعبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك، وكذا ما اشتهرت أن المؤتم لو كان معتماً لعمامة والإمام مكتفياً على قلنسوة يكره.(۱)

ترجمہ: فقہاکرام فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ قمیص،شلواراور پگڑی باندھ کرنماز پڑھی جائے،تاہم صرف ٹوپی پر اکتفا کرنامکروہ نہیں،عوام کے درمیان جو یہ بات مشہور ہے کہ صرف ٹوپی پر اکتفا کرنا مکروہ ہے،اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح جو یہ بات مشہور ہوئی ہے کہ اگر مقتدی نے پگڑی باندھ لی ہے اور امام صرف ٹوپی پر اکتفا کیے ہوئے ہے،تو یہ مکروہ ہے(شرعاان باتوں کا کوئی اعتبار نہیں)۔

❁❁❁

بریلوی امام کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال نمبر(151):

بریلوی امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت کی نماز کسی صحیح راسخ العقیدہ،فقیہ اور باعمل عالم دین کے پیچھے پڑھنا افضل ہے اور اس کے برعکس کسی بدعتی، جاہل اور فاسق فاجر کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی وہ قدر و قیمت برقرار نہیں رہتی، اِس لیے فقہائے کرام نے اِسے مکروہِ تحریمی قرار دیا ہے،لہٰذا اگر واقعی کسی امام کے عقائد اہل سنت والجماعۃ کے عقائد کے خلاف ہوں،مثلاً:حضور پاک ﷺ کو ہر جگہ حاضر و ناظر یا عالم الغیب سمجھتا ہو تو ایسا شخص مبتدع ہے،اِس لیے اُس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے،لیکن اگر کسی موقع پر اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو یا جماعت فوت ہوتی ہو تو اُس کی اقتدا میں نماز پڑھ لینی چاہیے۔

والدليل على ذلك:

قال المرغينانيؒ: تجوز الصلوة خلف صاحب هوى وبدعة، ولاتجوز خلف الرافضي والجهمي، والقدري، والمشبه، ومن يقول بخلق القرآن، وحاصله إن كان هوى لايكفربه صاحبه تجوز الصلوة خلفه

(۱)عبد الحي لكهنوي،عمدة الرعاية، كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاة،ومايكره فيها:۲/۲۰۲

مع الکراھیة، وإلافلا...ولوصلیٰ خلف مبتدع،أوفاسق،فھومحرز ثواب الجماعة،لکن لاینال مثل ماینال خلف تقي.(۱)

ترجمہ: علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں کہ: ''خواہش پرست اور بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اور رافضی، جہمی، قدری، مشبہہ اور اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں جو قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہو۔ اِس کا حاصل یہ ہے کہ اگر من پسند عقائد ایسے ہوں کہ ان کا عقیدہ رکھنے والا شخص کافر نہ گردانا جاتا ہو تو اس کے پیچھے نماز ادا کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہے، ورنہ (اگر اس کے عقائد کی وجہ سے اسے کافر قرار دیا جاسکتا ہو) تو پھر اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہی نہیں۔۔۔ اور اگر کسی نے بدعتی اور فاسق شخص کے پیچھے نماز پڑھی تو جماعت کا ثواب تو حاصل کرلے گا، لیکن اُس طرح کا اجر نہیں پائے گا جس طرح کہ ایک متقی آدمی کے پیچھے نماز پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے''۔

❁❁❁

اِمام سلام پھیرنے کے بعد سنتیں کہاں پڑھے

سوال نمبر(152):

امام جب فرض نماز کی جماعت سے سلام پھیر لے تو بقیہ سنتیں کہاں پڑھے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں، یعنی ظہر، مغرب اور عشا کی نماز، اُن میں سلام پھیرنے کے بعد امام کے لیے اپنی جگہ پر زیادہ دیر بیٹھے رہنا مکروہ ہے، امام کو چاہیے کہ جس جگہ فرض پڑھے ہیں وہاں سے ذرا ہٹ کر سنتیں ادا کرے اور جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں اُن کے بعد بھی سلام پھیرنے کے بعد زیادہ دیر قبلہ رخ بیٹھے رہنا درست نہیں، بلکہ دائیں بائیں یا مقتدیوں کی طرف منہ کرکے بیٹھ جانا چاہیے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

إذا سلم الإمام من الظھر، و المغرب، والعشاء کرہ له المکث قاعدا،لکنه یقوم إلی التطوع، ولایتطوع في مکان الفریضة، ولکن ینحرف یمنة ویسرة، أویتأخر، وإن شاء رجع إلیٰ بیته یتطوع فیه...: وفي صلوة لاتطوع بعدھما کالفجر،والعصریکرہ المکث قاعداً فی مکانه مستقبل القبلة ...

(۱)الفتاوی الھندیة،کتاب الصلاة،الباب الخامس في الإمامة،الفصل الثالث:۸٤/۱

ويستقبل القوم بوجهه إذا لم يكن بحذائه مسبوق، فإن كان ينحرف يمنة أو يسرة.(۱)

ترجمہ: ظہر، مغرب اور عشا کی نمازوں میں امام جب سلام پھیرے تو زیادہ دیر تک بیٹھے رہنا اس کے لیے مکروہ ہے، بلکہ وہ کھڑے ہو کر سنتیں پڑھے اور جہاں فرض نماز پڑھی ہے، وہیں سنتیں نہ پڑھے بلکہ وہاں سے ذرا ہٹ کر دائیں یا بائیں ہو جائے یا پیچھے آ جائے اور اگر چاہے تو گھر لوٹ کر سنتیں گھر میں پڑھے اور جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں جیسے کہ فجر اور عصر کی نماز تو اِس میں بھی اُسی جگہ قبلہ رُو ہو کر بیٹھنا مکروہ ہے، چنانچہ اگر پیچھے کوئی مقتدی مسبوق نہ ہو تو مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے، ورنہ اگر کوئی مسبوق پیچھے ہو تو دائیں یا بائیں جانب مڑ جائے۔

❁❁❁

امام کس وقت مصلّٰی پر حاضر ہو؟

سوال نمبر(153):

اگر امام مسجد میں موجود ہو، لیکن ابھی مصلّٰی پر پہنچا نہیں کہ مکبّر نے اقامت کہنی شروع کر دی تو کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟ بعض جگہوں پر دیکھا گیا ہے کہ امام "حي على الفلاح" کے بعد مصلّٰی پر آتا ہے۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

صفوں کی درستگی نماز میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ امام پہلے مصلّٰی پر حاضر ہو اور صفوں کی درستگی کا اہتمام کرے، پھر اقامت شروع کی جائے اور جب اقامت کرنے والا "قد قامت الصلوٰة" پر پہنچے تو امام نماز شروع کرے۔ اگرچہ بعض فقہا نے "حي على الفلاح" پر امام اور مقتدیوں کے کھڑے ہونے کا قول کیا ہے، لیکن علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں کہ اِس کا مقصد یہ ہے کہ "حي على الفلاح" سے تاخیر نہ کریں، یعنی اِس کے بعد تک نہ بیٹھیں۔ یہ مطلب نہیں کہ شروع اقامت سے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ بالخصوص جب اہتمامِ صفوف میں کوتاہی زیادہ ہو تو امام کے لیے پہلے سے کھڑے ہو کر صفوں کے سیدھا کرنے کا اہتمام اور بھی زیادہ اہم ہے، تاہم اگر امام کے مصلّٰی پر آنے سے پہلے اقامت شروع ہو جائے تو اِس سے نماز پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

والدلیل علیٰ ذلك:

(ولها آداب) تركها لا يوجب إساءة، ولا عتابا كترك سنة الزوائد، لكن فعله أفضل ...

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة: ١/٧٧.

(والقيام) لإمام ومؤتم (حين قيل حي على الفلاح)،قال الطحطاوي: والظاهر أنه احترازٌ عن التأخيرِ لاالتقديم حتى لوقام أوّل الإقامة لابأسَ به. (۱)

ترجمہ: نماز باجماعت کے چند آداب ہیں جن کا ترک کرنا نہ گناہ ہے اور نہ موجبِ عتاب، جیسا کہ سنن غیر مؤکدہ کے ترک کا حکم ہے، البتہ اُن کا کرنا افضل ہے۔۔۔ان جملہ آداب میں سے امام اور مقتدیوں کا اُس وقت کھڑا ہونا ہے جب ''حي على الفلاح '' پڑھا جائے۔ طحطاویؒ کہتے ہیں کہ: ''ظاہر یہ ہے کہ اس سے مقصود تاخیر سے احتراز کرنا ہے تقدیم سے نہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص اقامت کے شروع سے کھڑا ہو تو اِس میں بھی کوئی حرج نہیں''۔

❁❁❁

اِمام کا مقتدیوں سے اونچی جگہ پر کھڑا ہونا

سوال نمبر(154):

کسی مسجد میں امام کا مصلّٰی مقتدیوں سے قدرے اوپر یا نیچے ہونا جائز ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ جواز اور عدمِ جواز کے حوالے سے یہ فرق کہاں تک معتبر ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

فقہائے کرام نے امام کا مقتدیوں سے اونچی یا نیچی جگہ پر کھڑے ہونے کو مکروہ لکھا ہے، تاہم یہ کراہت اس وقت ہے جب اونچی یا نیچی جگہ پر امام اکیلے ہو، چنانچہ اگر امام کے ساتھ چند مقتدی بھی اُس اونچی یا نیچی جگہ موجود ہوں جہاں پر امام کھڑے ہیں تو پھر دیگر مقتدیوں کا امام کے برعکس نیچی یا اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر اس کی اقتدا کرنا بلا کراہت درست ہے۔اونچائی یا نیچائی کی تحدید کے بارے میں معتبر قول ایک ہاتھ کا ہے۔

والدليل علىٰ ذلك:

ويكره أن يكون الإمام وحده على الدكان، وكذاالقلب في ظاهرالرواية كذافي الهداية، وإن كان بعض القوم معه فالأصح أنه لايكره كذافي المحيط، ثم قدرالارتفاع قامة، ولابأس بمادونها ذكره الطحاوي، وقيل:أنه مقدر بمايقع به الامتياز، وقيل: بمقدارالذراع اعتبارابالسترة وعليه الاعتماد.(۲)

(۱)حاشية الطحطاوي على الدّرالمختار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۱/ ۲۱۴،۲۱۵ المكتبةالعربية كوئته

(۲)الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة،الباب السابع فيمايفسد الصلاة وما يكره،الفصل الثاني:۱/۱۰۸.

ترجمہ:

اورامام کا(مقتدیوں کے بغیر) اکیلے چبوترے پر کھڑا ہونا مکروہ ہے اوراس طرح اس کا عکس بھی مکروہ ہے۔ ہاں اگر بعض مقتدی امام کے ساتھ کھڑے ہوں تو اصح قول کے مطابق یہ مکروہ نہیں، اسی طرح محیط میں بھی ہے۔ پھراوپر یا نیچے ہونے کی مقدار(مکروہ) انسانی قامت (قد) کے برابر ہے اگراس سے کم ہوتو کوئی مضائقہ نہیں امام طحاوی نے اس قول کوذکر کیا ہے اورکہا گیا ہے کہ اتنی مقدار ہوکہ امام اور مقتدیوں کا فرق واضح ہواور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سترہ کا اعتبار کرتے ہوئے ایک ذراع کی مقدار مراد ہے، یہی آخری قول معتمد ہے۔

❁❁❁

فاسق فاجر کی اقتدا

سوال نمبر(155):

ہمارے امام صاحب کی داڑھی سنت کے مطابق نہیں، یعنی داڑھی مٹھی سے کم ہے اور پھراس کوخضاب بھی دیتا ہے،تعویذاور گنڈوں کا کام بھی کرتا ہے توان خامیوں کے باوجوداس امام کے پیچھے نماز پڑھنادرست ہے یانہیں؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی اعتبار سے آپ کے لگائے گئے الزامات ثبوت کے محتاج ہیں۔ویسے آنکھیں بندکر کے کسی امام پرتہمت لگانا مناسب نہیں،البتہ اگر واقعی ایک شخص شرعی مقدار سے کم داڑھی رکھتا ہے یا تعویذ اور گنڈے کا پیشہ ورکاروباری ہے تو یہ امور بہرحال منصب امامت کے مناسب نہیں اس لیے ایسے شخص کی امامت کوفقہائے کرام مکروہ لکھتے ہیں،تاہم یہ اس وقت ہے کہ جب مقتدیوں میں ان جیسی کمزوریاں نہ پائی جاتی ہوں ''ورنہ اندھوں میں کانا راجا'' کے مصداق جب مقتدیوں کی کمزوریاں امام سے زیادہ ہوں تو پھراس کی اقتدا کی گنجائش ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

رجل أمّ قوما وهم له كارهون، إن كانت الكراهية لفساد فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة يكره له ذلك، وإن كان هو أحق بالإمامة لايكره له ذلك .(۱)

(۱)البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، قوله (ثم الأسن) ۱/ ۶۰۹

ترجمہ:
ایک شخص کسی قوم کی امامت کرائے اور وہ اس سے ناراض ہوں تو ان کی یہ ناراضگی اگر اس امام کی ذاتی خرابی کی وجہ سے ہو یا یہ کہ وہ لوگ (بوجہ شرائط امامت پائے جانے کے) امامت کے زیادہ حق دار ہوں تو پھر اس شخص کے لیے یہ امامت مکروہ ہے (لیکن اگر کوئی ذاتی خرابی امام میں نہ ہو) اور وہ امامت کا بھی زیادہ حق دار ہو تو پھر اس کے لیے یہ امامت کرانا مکروہ نہیں۔

❁❁❁

مخلوط تعلیمی ادارے میں پڑھانے والے کی امامت

سوال نمبر(156):

ہماری مسجد کا مولوی صاحب ایک پبلک سکول میں پڑھاتا ہے، وہاں پر مخلوط نظام تعلیم ہے، لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے پڑھتے ہیں۔ ایسے مولوی صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

محض کسی مخلوط تعلیمی ادارے میں پڑھانے سے کسی کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا صحیح نہیں، بلکہ بچیاں اگر چھوٹی ہوں یا پھر پردے کا لحاظ کر کے پڑھایا جاتا ہو تو ایسے شخص کی اقتدا میں کوئی حرج نہیں، البتہ اگر کسی ادارے میں ناجائز اختلاط سے دینی اور اخلاقی اقدار پائے مال ہو رہے ہوں جن کا ارتکاب یقیناً فسق و فجور ہے اور کوئی شخص وہاں شرعی حدود و قیود کی رعایت رکھے بغیر بے پردہ بالغ خواتین کو پڑھاتا ہو تو ایسے شخص کی اقتدا مکروہ ضرور ہے، لیکن ان لوگوں کے لیے جو خود شرعی احکامات کے پابند ہوں، ورنہ جو مقتدی خود بھی ایسے معاشرے کی پیداوار ہوں تو ان کے لیے ایسے شخص کی اقتدا کی گنجائش ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

رجل أمّ قوما وهم له كارهون، إن كانت الكراهية لفساد فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة يكرہ له ذلك، وإن كان هو أحق بالإمامة لايكره له ذلك .(۱)

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، قوله (ثم الأسن) ۱/ ۶۰۹

ترجمہ:
ایک شخص کسی قوم کی امامت کرائے اور وہ اس سے ناراض ہوں تو ان کی یہ ناراضگی اگر اس امام کی ذاتی خرابی کی وجہ سے ہو یا یہ کہ وہ لوگ (بوجہ شرائطِ امامت پائے جانے کے) امامت کے زیادہ حق دار ہوں تو پھر اس شخص کے لیے یہ امامت مکروہ ہے (لیکن اگر کوئی ذاتی خرابی امام میں نہ ہو) اور وہ امامت کا بھی زیادہ حق دار ہو تو پھر اس کے لیے یہ امامت کرانا مکروہ نہیں۔

❀❀❀

سودخور شخص کی امامت

سوال نمبر(157):

سودخور شخص کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سودی کاروبار اور اس سے حاصل ہونے والی کمائی حرام ہے، اس کا مرتکب فاسق شمار ہوتا ہے، لہٰذا فسق کی وجہ سے ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے۔ جہاں تک جواز اور عدم جواز کی بات ہے تو ایسے شخص کی امامت کراہت کے ساتھ جائز ہے، تاہم اُسے مستقل امام بنانا درست نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(ویکره إمامة عبد،وأعرابي، وفاسق) وفي ردالمحتار:من الفسق، وهوالخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر، كشارب الخمر، والزاني وآكل الربوا، ونحوذلك.(۱)

ترجمہ:
غلام، اَن پڑھ دیہاتی اور فاسق کی امامت مکروہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے کہ فسق استقامت کے حدود سے نکلنا ہے اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے، جیسے شراب پینے والا، زنا کار اور سودخور اور ان جیسے اور لوگ۔

❀❀❀

(۱) الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة: ۲/۲۹۸

بیٹھ کر نماز پڑھانے والے کی اقتدا

سوال نمبر (158):

اگر ایک امام کسی عذر کی وجہ سے چند نمازیں بیٹھ کر پڑھائے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

بينوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نماز میں امام کا حال مقتدیوں سے اعلیٰ یا کم از کم ان کے برابر ہونا چاہیے۔ جہاں کہیں امام کی حالت اپنے مقتدیوں کی حالت سے کمزور ہو تو ایسی صورت میں مقتدیوں کے لیے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں، مثلاً: امام اشارہ سے نماز پڑھاتا ہو اور مقتدی کھڑے ہو کر رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھتے ہوں، چنانچہ اس کو دیکھتے ہوئے قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ کھڑے ہوئے مقتدیوں کی اقتدا بیٹھ کر رکوع، سجدہ کرنے والے امام کے پیچھے درست نہ ہو، لیکن حدیث کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے آخری ایام میں بیٹھ کر نماز پڑھائی جب کہ صحابہ کرامؓ ان کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بوجہ عذر بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں، تاہم بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص کو موقع دیا جائے جو قیام پر قادر ہو۔

والدلیل علی ذلك:

(ويصلي القائم خلف القاعد) وقال محمدؒ :لايجوز، وهو القياس لقوة حال القائم، ونحن تركناه بالنص، وهو ماروي أن النبي ﷺ صلىّ آخر صلوته قاعدا والقوم خلفه قيام.(۱)

ترجمہ:

اور کھڑا شخص بیٹھے ہوئے شخص کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں اور یہی قیاس کا تقاضا بھی ہے، اس لیے کہ کھڑے ہونے والے کی حالت بیٹھ کر پڑھنے والے سے قوی ہے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ نص کی وجہ سے ہم قیاس کو ترک کرتے ہیں اور نص (بخاری و مسلم کی متفق علیہ) وہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آخری نماز بیٹھ کر پڑھائی جب کہ قوم (صحابہ کرام) آپ ﷺ کے پیچھے کھڑی ہو کر اقتدا کر رہی تھی۔

(۱) الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۲۹.

امام کا صف کے بیچ میں کھڑے ہونا

سوال نمبر(159):

اگر کسی جگہ مسجد میں محراب نہ ہوتو اب امام اگر آگے کھڑا ہوتا ہے تو پوری ایک صف بند ہو جاتی ہے۔اگر لوگ زیادہ ہوں تو کیا امام مقتدیوں سے مل کر صف کے بیچ میں کھڑا ہو سکتا ہے؟ شریعت کی روشنی میں رہنمائی کریں۔

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

امام اور مقتدیوں کی صف اوراس طرح مقتدیوں کی دوسری صفوں میں اتنا فاصلہ ہونا چاہیے کہ جس میں پچھلی صف والے نمازی بسہولت سجدہ کرسکیں،تاہم عذر کی بنا پر جہاں ایک نمازی دوسرے کی پشت پر سجدہ کرسکتا ہے، وہاں امام کا صف کے درمیان کھڑے ہونے میں بھی کوئی حرج نہیں،البتہ یہ ضروری ہے کہ امام کم ازکم اتنا آگے کھڑا ہو کہ اُس کی ایڑھیاں مقتدیوں کی ایڑھیوں سے مقدم ہوں۔

والدليل علىٰ ذلك:

ولو قام واحد بجنب الإمام،و خلفه صف كره إجماعا، أي للمؤتم... ويتخلص من الكراهة بالقهقري إلىٰ خلف إن لم يكن المحل ضيقا على الظاهر.(۱)

ترجمہ: اگر ایک مقتدی امام کے ایک جانب (نزدیک) کھڑا ہو جائے اوراس کے پیچھے لوگ باقاعدہ صف میں کھڑے ہوں تو مقتدی کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہے اوراس کراہت سے چھٹکارا حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مقتدی پیچھے ہٹ جائے،لیکن یہ اُس وقت جب جگہ تنگ نہ ہو(چنانچہ اگر جگہ تنگ ہو تو پھر کوئی کراہت نہیں)

❁❁❁

امام کے دونوں جانب مقتدیوں کا برابر ہونا

سوال نمبر(160):

امام محراب میں کھڑا ہو یا بوقتِ ضرورت باہر صحن میں کھڑا ہو جائے اور مقتدی اس کے پیچھے صف میں اس طرح

(۱)الدر المختار، كتاب الصلاة،باب الإمامة:۲/۳۰۹.

کھڑے ہوں کہ ایک طرف زیادہ اور ایک طرف کم ہوں تو کیا اس سے نماز پر فرق پڑتا ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

امامت کراتے وقت صف کے وسط میں اس طرح کھڑا ہونا چاہیے کہ پیچھے مقتدی آدھے دائیں اور آدھے بائیں طرف ہوں۔ امام چاہے محراب میں کھڑا ہو یا باہر صحن میں، بہرحال صف کے وسط میں کھڑا ہونا چاہیے اور مقتدیوں کو صف کے دائیں بائیں برابر مقدار میں کھڑا ہونا چاہیے، اگر کسی ایک جانب زیادہ مقتدی کھڑے ہو جائیں یا امام صف کے وسط کی بجائے صف کے کسی ایک جانب کھڑا ہو تو یہ عمل کراہت سے خالی نہیں۔

والدّليل على ذلك:

قوله: (ويقف وسطاً) أي أن يقوم في المحراب ليعتدل الطرفان، ولو قام في إحدى جانبي الصّفّ يكره. (۱)

ترجمہ:

اور امام صفوں کے درمیان میں کھڑا ہوگا، یعنی محراب میں اس طرح کھڑا ہو تاکہ دونوں طرف (مقتدی) برابر ہوں اور اگر صف کے کسی ایک جانب کھڑا ہو جائے تو مکروہ ہے۔

❁❁❁

اِمام کا مقررہ وقت سے تاخیر کرنا

سوال نمبر (161):

ہماری مسجد کے امام صاحب اکثر نماز کے لیے تاخیر سے آتے ہیں۔ امام صاحب کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے دس بارہ منٹ نکل جاتے ہیں جسے لوگ بھی برا مانتے ہیں۔ ایسے حالات میں جماعت میں تاخیر کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ اور کیا امام کے لیے نماز کے اوقاتِ مقررہ کا پابند رہنا ضروری ہے؟

بيّنوا تؤجروا

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة، مطلب: هل الإساءة دون الكراهة: ۲/۳۱۰

الجواب وباللہ التوفیق:

رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک اور قرونِ اولی میں نہ دنیاوی مشاغل زیادہ تھے اور نہ ہی لوگوں میں احکاماتِ الٰہیہ سے غفلت کی موجودہ صورتِ حال تھی، چونکہ گھڑیاں بھی نہیں تھیں، اس لیے جماعت کا یہ اصول تھا کہ وقت داخل ہونے کے بعد اذان دی جاتی اور اس کے بعد جب نمازی جمع ہو جاتے اور امام نکل آتے تو جماعت کھڑی ہو جاتی۔ آج کل ایک طرف دنیاوی مشاغل میں حد درجہ انہماک اور دوسری جانب اعمال میں سستی آچکی ہے، اِس لیے اِس غفلت اور بے اعتنائی کے پیشِ نظر گھڑیوں کی سہولت سے استفادہ ناگزیر ہو گیا ہے۔ ان حالات کے باعث گھڑی سے وقت کی تعیین اور امام کے لیے وقتِ معین کی پابندی ضروری ہے، البتہ کبھی کبھار بتقاضائے بشریت امام کو چار پانچ منٹ تاخیر پر ملامت کرنا مناسب نہیں بلکہ صبر وتحمل سے کام لے کر اس تاخیر کو عذر پر محمول کر کے امام پر زبان درازی اور طعن وتشنیع سے احتراز کرنا چاہیے۔ ہاں اگر ہمیشہ تاخیر ہوتی رہتی ہے تو نرمی سے اس کو سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

(ويجلس بينهما) بقدر مايحضر الملازمون مراعياً لوقت الندب .(۱)

ترجمہ:

اذان اور اقامت کے درمیان اوقاتِ مستحبہ کی رعایت کرتے ہوئے اندازہ کے مطابق اتنی تاخیر درست ہے جس میں جماعت کا اہتمام کرنے والے نمازی حاضر ہو جائیں۔

❁❁❁

حافظہ کی امامت

سوال نمبر(162):

ہمارے علاقے میں خصوصاً رمضان المبارک کے موقع پر خواتین بھی تراویح میں قرآنِ پاک کے ختم کا اہتمام کرتی ہیں، چنانچہ بہت ساری لڑکیاں جو قرآن حفظ کر چکی ہیں، گھر یا محلے کی عورتوں کی امامت کرا کے قرآن پاک سنا سکتی ہیں یا نہیں؟

بینوا توجروا

(۱) الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الأذان: ۲/۵٦ .

الجواب وباللہ التوفیق:

عورتوں کی مستقل جماعت مکروہِ تحریمی ہے،لیکن حفاظتِ قرآن کو مدِنظر رکھتے ہوئے جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ایسے میں امامت کرانے والی عورت صف کے درمیان میں کھڑی ہوگی،نہ کہ مرد امام کی طرح صف سے آگے،لیکن عورتوں کا علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنا بہرحال افضل ہے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

ويكره إمامة المرأة للنساء في الصلوات كلهامن الفرائض، والنوافل ...فإن فعلن وقفت الإمام وسطهن، وبقيامها وسطهن لاتزول الكراهة .(۱)

ترجمہ:

عورت کی امامت عورتوں کے لیے تمام نمازوں میں مکروہ ہے،چاہے فرض ہوں یا نفل اور اگر جماعت کرنی چاہیں تو امام (عورت) ان کے درمیان کھڑی ہوگی اور درمیان میں کھڑی ہونے کے باوجود کراہت ختم نہیں ہوتی۔

❁❁❁

اشارہ کے ساتھ پڑھنے والے کی اقتدا

سوال نمبر(163):

اگر ایک امام بیمار ہو جائے اور وہ بیٹھ کر نماز پڑھاتا ہے۔رُکوع اور سجدہ بھی اشارہ سے کرتا ہے،عذر کی اس حالت میں اس کی اقتدا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بیٹھا ہوا شخص اگر رکوع وسجدہ کرتے ہوئے امامت کراتا ہے تو اس کی گنجائش ہے،لیکن اشارہ کے ساتھ رکوع وسجدہ کرنے والے امام کی اقتدا،قیام،رکوع اور سجدہ پر قادر لوگوں کے لیے جائز نہیں۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں،جو اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرتا ہو۔

---

(۱)الفتاوی الهندية، كتاب الصلاة،باب الإمامة،الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۸۵/۱.

والدلیل علیٰ ذلك:

ویصح اقتداء القائم بالقاعدالذي برکع، ویسجد لااقتداء الراکع، والساجد بالمومي، هکذا في فتاوی قاضیخان.(۱)

ترجمہ:

کھڑے شخص کی اقتدا اس بیٹھے شخص کے پیچھے درست ہے جو (باقاعدہ) رکوع وسجدہ کرتا ہے، لیکن رکوع اور سجدہ کرنے والے شخص کی اقتدا اشارہ سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے درست نہیں، اس طرح فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

❀❀❀

نابینا امام کی اقتدا

سوال نمبر(164):

ہمارے امام صاحب نابینا ہیں، لیکن اس کے ساتھ ایک طالب علم ہے جو اس کی خدمت میں ہمہ وقت مصروف رہتا ہے۔ امام صاحب زبردست حافظِ قرآن اور قاری ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پاک باز انسان بھی ہے تو شرعاً اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نابینا کی امامت تب مکروہ ہے جب وہ نجاست سے بچنے پر قادر نہ ہو، چنانچہ اگر ایک نابینا شخص خود یا کسی خادم کی مدد سے نجاست سے بچنے پر قادر ہو تو پھر اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ کوئی نابینا شخص اگر حافظ، قاری اور متقی ہونے کی وجہ سے دوسروں سے افضل ہو تو وہی امامت کا زیادہ حق دار ہے۔

والدلیل علی ذلك:

(ویکرہ إمامة عبد، وأعرابي، وفاسق وأعمیٰ إلاأن یکون أعلم القوم) فهوأولیٰ. ......وفي ردالمحتار: قید کراهة إمامة الأعمیٰ في المحیط وغیرہ، بأن لایکون أفضل القوم، فإن کان أفضلهم

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الثالث في بیان من یصلح إماماً لغیرہ: ۱/۸۵.

فهو أولىٰ.(۱)

ترجمہ:

غلام، اعرابی، فاسق اور نابینا کی امامت مکروہ ہے، لیکن اگر نابینا زیادہ جاننے والا ہو تو پھر مکروہ نہیں، بلکہ اس کی امامت اولیٰ ہے......ردّ المحتار میں ہے کہ محیط وغیرہ میں نابینا کی امامت کی کراہت اس بات سے مقید ہے کہ وہ قوم میں افضل نہ ہو چنانچہ اگر وہ قوم میں افضل ہو تو وہی امامت کا زیادہ حق دار ہے۔

❁❁❁

فرض اور تراویح میں امام کا تبدیل ہونا

سوال نمبر(165):

رمضان المبارک میں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ فرض ایک امام پڑھاتا ہے اور تراویح کے لیے حافظ یا قاری صاحب کو آگے کیا جاتا ہے۔قاری صاحب تراویح پڑھا کر پھر وتر سابقہ امام پڑھاتا ہے۔ کیا شرعاً اس طرح فرض اور تراویح کا الگ الگ امام کو پڑھانا ضروری ہے؟ اگر ضروری نہیں تو جائز بھی ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فرض اور تراویح کے لیے الگ الگ امام کا ہونا ضروری نہیں، لیکن اگر فرض اور تراویح الگ الگ امام پڑھائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلك:

يجوز أن يصلي الفريضة أحدهما والآخر التراويح. (۲)

ترجمہ:

جائز ہے کہ ایک امام فرض پڑھائے اور دوسرا تراویح۔

---

(۱)الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۲/۲۹۸.

(۲)الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في التراويح: ۱/۴۷۶.

وتر میں غیر احناف کی اقتدا

سوال نمبر(166):

حرمین شریفین میں رمضان المبارک کے دوران باجماعت وتر پڑھنا کیسا ہے؟ جب کہ امام الحرمین دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر تکبیرِ تحریمہ کہہ کر تیسری رکعت پڑھاتے ہیں، ان کی اقتدا کی کیا صورت اختیار کی جائے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہِ حنفی کی معتبر کتب کے مطابق کسی حنفی کو غیر حنفی امام کے پیچھے وتر پڑھنا صرف اُس صورت میں درست ہے جب غیر حنفی امام دو رکعتوں کے بعد سلام نہ پھیرتا ہو، لہٰذا ایک امام اگر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتا ہے تو اُس کی اقتدا میں وتر پڑھ لینے سے کسی حنفی المسلک شخص کا ذمہ فارغ نہیں ہوگا، اگر پڑھ لیے جائیں تو ان کا اعادہ ضروری ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

المذهب الصحيح في صحة الاقتداء بالشافعي في الوتر إن لم يسلم علىٰ رأس الركعتين وعدمها إن سلّم. (١)

ترجمہ:

صحیح مذہب یہ ہے کہ شافعی المسلک امام کی اقتدا میں نماز وتر اس وقت درست ہوگی جب وہ دو رکعت پر سلام نہ پھیرے، ورنہ درست نہ ہوگی۔

انگریزی بال رکھنے والے شخص کی امامت

سوال نمبر(167):

ہماری مسجد میں ایک امام صاحب ہیں جو انگریزی بال رکھتے ہیں جو واضح طور پر خلاف سنت ہیں، اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کس حد تک قباحت لازم آتی ہے؟

(۱) البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل: ۲/۷۰

الجواب وباللہ التوفیق:

فیشن میں ہر روز تبدیلیاں آتی رہتی ہیں مگر انگریزی بال رکھنا یعنی ’’آگے سے لمبے اور پیچھے سے چھوٹے‘‘ شروع سے انگریزوں کا شعار رہا ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں ’’قزع‘‘ یعنی اِس طرح بال رکھنے سے ممانعت آئی ہے کہ سر کے اگلے حصے کے بال بڑے رکھے جائیں اور پچھلے حصے کے بال منڈوا دیے جائیں۔ مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے کفایت المفتی ۹/۱۷۰ پر آج کل کے انگریزی بالوں کو بھی قزع شمار کر کے مکروہ لکھا ہے۔ حضرت تھانویؒ بہشتی گوہر میں اِس طرح بال رکھنے کو مکروہ لکھتے ہیں، مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/۱۱۵ پر اِسے قزع کے حکم میں داخل سمجھ کرنا جائز قرار دیتے ہیں، لہٰذا غیر مسلموں کے ساتھ تشابہ اور قزع ممنوع میں داخل ہونے کی وجہ سے منصبِ امامت پر فائز اور مصلّٰی رسول پر جلوہ افروز حضرات کو زیب نہیں دیتا کہ انگریزی بال رکھے۔

جہاں تک اقتدا کا مسئلہ ہے تو اگر قوم کی نسبت امام کی مذہبی اور دینی حالت کمزور ہو تو اس کی امامت مکروہ ہے، لیکن اگر امام اور مقتدی سب ایک کشتی کے سوار ہوں یا ان کمزوریوں کے باوجود امام قوم سے بہتر ہو تو پھر اس کی اقتدا میں کوئی قباحت نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قال النبي ﷺ: من تشبّه بقومٍ فهو منهم. (۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے وہ اُنہی میں سے ہے۔

رجل أمّ قوما وهم له كارهون، إن كانت الكراهية لفساد فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة يكره له ذلك، وإن كان هو أحق بالإمامة لايكره له ذلك. (۲)

ترجمہ: ایک شخص کسی قوم کی امامت کرائے اور وہ اس سے ناراض ہوں تو ان کی یہ ناراضگی اگر اس امام کی ذاتی خرابی کی وجہ سے ہو یا یہ کہ وہ لوگ (بوجہ شرائطِ امامت پائے جانے کے) امامت کے زیادہ حق دار ہوں تو پھر اس شخص کے لیے یہ امامت مکروہ ہے (لیکن اگر کوئی ذاتی خرابی امام میں نہ ہو) اور وہ امامت کا بھی زیادہ حق دار ہو تو پھر اس کے لیے یہ امامت کرانا مکروہ نہیں۔

❁❁❁

(۱) ابی داود، کتاب اللباس، باب ما جاء في الاقبية، ۲/۲۰۳

(۲) البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان، قوله (ثم الأسن) ۱/۶۰۹

داڑھی منڈوانے والے امام کے پیچھے پڑھی گئی نمازیں

سوال نمبر(168):

داڑھی منڈوانے یا کم کرنے والے امام کی اقتدا کا کیا حکم ہے؟ اگر دوسرا امام مل جائے تو اس کے پیچھے پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

داڑھی منڈوانے یا ایک مشت سے کم کرنے والے امام کی اقتدا کا حکم دیگر فساق وفجار کی طرح ہے، جس طرح ان کی اقتدا مکروہ تحریمی ہے، اس طرح اس کی اقتدا کا بھی یہی حکم ہے۔ جہاں کہیں ایسا فاسق شخص امام ہو تو لوگوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس کو معزول کر کے اس کی جگہ کسی نیک اور خداترس عالمِ دین کو امام مقرر کرلیں، تاہم فاسق کی اقتدا بوقت ضرورت مرخص ہونے کی وجہ سے گزشتہ نمازوں کے اعادہ کی ضرورت نہیں، بلکہ اکیلے نماز پڑھنے سے بہتر ہے کہ ایسے شخص کی اقتدا کی جائے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

من صلیٰ خلف فاسق، أومبتدع نال فضل الجماعة.وفي ردالمحتار: أفاد أن الصلوة خلفهماأولیٰ من الإنفرادلکن لاینال کماینال خلف تقي ورع .(۱)

ترجمہ:

جو فاسق اور مبتدع کے پیچھے نماز پڑھے تو بھی جماعت کی فضیلت حاصل کرسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے بہتر ہے، لیکن بہرحال وہ ثواب تو حاصل نہیں کرسکتا جو متقی اور پرہیزگار امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

❁❁❁

(۱) الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۲/ ۳۰۱.

امام کا قرأت میں غلطی کرنا

سوال نمبر(169):

ایک امام اگر قرأت میں فحش غلطی کرتا رہے، مثلاً: اَنۡعَمۡتَ کی جگہ اَنۡعَمۡتُ پڑھتا ہے اور باوجود کوشش کے بوجہ عمر رسیدگی کے صحیح نہیں پڑھ سکتا تو ایسی صورت میں مقتدیوں کو کیا کرنا چاہیے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

قرأت کے دوران ایسی فحش غلطی جو معنی کی تغیر کو مستلزم ہو، نا قابل برداشت ہے، اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، چنانچہ جو امام صحیح تلفظ پر قادر نہ ہو اُسے چاہیے کہ اپنے الفاظ درست کرے، ورنہ اگر وہ درست کرنے پر قادر نہیں تو اہلِ محلّہ کو چاہیے کہ ایسے امام کی جگہ کسی دوسرے صحیح تلفظ پر قادر منصبِ امامت کے اہل شخص کو تلاش کر کے امام بنائیں۔

والدلیل علی ذلک:

وإن غيّر المعنىٰ تغييراً فاحشا، بأن قرأ: ﴿ وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴾ بنصب الميم، ورفع الرب، وماأشبه ذلك ممالو تعمّدبه يكفر، إذا قرأ خطأً فسدت صلوته.(۱)

ترجمہ:

اگر (قراءت میں غلطی کی وجہ سے) معنی واضح طور پر بدل جائے جیسا کہ ﴿وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ کو میم کے نصب اور ﴿ رَبُّهٗ ﴾ کے با کو رفع کے ساتھ پڑھے، یا اس کے مشابہ کوئی دوسری جگہ جس کو اگر عمداً غلط پڑھے تو کافر ہو جائے، ایسی جگہ اگر خطاءً غلط پڑھے گا تو نماز فاسد ہوگی۔

❁❁❁

مُردوں کو غسل دینے والے امام کی اقتدا

سوال نمبر(170):

جو امام صاحب مردوں کو غسل دیتا ہو، محلے کی تمام ترمیتوں کے غسل میں جا کر شریک ہوتا ہو۔ اپنے پرائے

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري: ۱/ ۸۱.

کو نہیں دیکھتا۔ کیا اس طرح کرنا ایک پیش امام کے لیے مناسب ہے، جب کہ وہ اچھے خاصے عالم دین بھی ہیں؟ ان کا یہ عمل کیسا ہے، نیز ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی قباحت تو نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ مردوں کو غسل دینا حقوق المسلمین کا ایک اہم شعبہ ہے۔ اگر اسی نظر سے دیکھا جائے تو اس وجہ سے کسی شخصیت کو موردِ لعن وطعن ٹھہرانا مناسب نہیں، بلکہ علما کرام کو اس عبادت کی فضیلت سے لوگوں کو خبردار و آگاہ کرنا چاہیے، چنانچہ حقوق المسلمین سمجھ کر بغیر کسی اجرت اور طمع یا لالچ کے اگر کوئی شخص کسی مردے کو غسل دے یا رہنمائی کے واسطے غسل دینے والوں کی نگرانی کرے تو اس سے کسی کی حیثیت متاثر نہیں ہونی چاہیے، بلکہ اس سے عزت وتکریم میں اضافہ ہونا چاہیے، اس لیے ایسے امام کی اقتدا میں کوئی اشکال نہیں، لیکن اگر کوئی شخص پیشہ ور غسال ہو، یعنی اجرت لے کر یا طمع ولالچ کی بنیاد پر یہ کام کرتا ہو تو اس پیشہ کی حقارت کی وجہ سے ایسے شخص کی امامت لوگوں کے لیے جماعت سے نفرت کا سبب بن سکتی ہے، لہٰذا اس کی امامت مکروہ ہوگی۔

والدلیل علیٰ ذلک

(ویکره تقديم العبد والاعرابی، والفاسق، والاعمیٰ وولد الزاناء) ...ولأن في تقديم هؤلآء تنفير الجماعة، فيكره وإن تقدموا جاز.(۱)

ترجمہ:

غلام اعرابی، فاسق، نابینا اور ولد الزنا (حرامی) کی امامت مکروہ ہے......اس لئے کہ ان لوگوں کو آگے کرنے میں جماعت سے نفرت دلانا ہے اس لئے یہ مکروہ ہے، البتہ اگر کہیں نماز پڑھانے کے لیے آگے ہو گئے تو نماز جائز ہے۔

❁❁❁

امام کا محراب میں کھڑا ہونا

سوال نمبر (171):

کسی مسجد کی محراب اگر اس طرح بنائی گئی ہو کہ اگر اس میں امام نماز پڑھاتے وقت سلام پھیرے تو اُس کو

(۱) الهداية، باب الإمامة: ۱/ ۱۲٤

ایک طرف کے یا دونوں اطراف کے مقتدی نظر نہ آتے ہوں تو ایسی صورت میں نماز کی صحت پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ اور اگر اسی محراب سے امام ایک بالشت پیچھے کی طرف نکل آئے جس سے دونوں اطراف کے مقتدی امام کو سلام پھیرتے وقت صحیح طریقے سے نظر آئیں تو ایسی صورت کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق امام کا محراب میں اس طرح کھڑا ہونا مکروہ ہے جس سے امام کے افعال مقتدیوں سے بالکل مخفی ہوں، البتہ اگر امام محراب میں اس طرح کھڑا ہو جائے کہ اس کی ساری ہیئت مقتدیوں سے مخفی نہ ہوتی ہو، مثلاً: امام محراب سے باہر کھڑا ہو اور سجدہ محراب کے اندر کرتا ہو تو ایسی صورت میں کوئی کراہت نہیں رہے گی۔

والدلیل علی ذلک:

ویکره قيام الإمام وحده في الطّاق وهو المحراب، ولا يكره سجوده فيه إذا كان قائما خارج المحراب. (۱)

ترجمہ:

اور امام کا اکیلے محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اور اگر امام محراب سے باہر کھڑا ہو اور صرف سجدہ محراب کے اندر کر رہا ہو تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔

❁❁❁

لقیط کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال نمبر (172):

ایک آدمی کو راستہ میں ایک بچہ ملا۔ اب اس آدمی نے اس کی پرورش کی، اگر یہ بچہ حافظ یا عالم بن گیا تو کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب السابع فيما يفسد الصلوة ومايكره فيها، الفصل الثاني فيمايكره: ١٠٨/١

الجواب وباللہ التوفیق:

جماعت میں مقتدیوں کی کثرت ملحوظِ نظر ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے ولدُ الزنا اور فاسق کے امام بننے کو مکروہ لکھا ہے، کیونکہ لوگ عموماً اُن سے نفرت کرتے ہیں جس کی وجہ سے بہت کم لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ لقیط کے والدین معلوم نہیں ہوتے اس لیے عام طور پر لوگوں کے ذہن اُس کے متعلق صاف نہیں ہوتے اور لوگ فطرتاً اُس سے نفرت کرتے ہیں، عموماً لقیط جاہل بھی ہوتا ہے، لہٰذا اگر ایسی صورت حال ہو تو لقیط کو امام بنانا مکروہ ہے۔

تاہم اگر اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں لوگ عار محسوس نہ کرتے ہوں اور یہ خود نماز وطہارت کے مسائل ضروریہ سے بخوبی واقف ہو تو اِس صورت میں اس کی امامت جائز ہے اور اگر عالم دین ہو تو پھر بہتر ہے۔

والدلیل علی ذلک:

ویکرہ تقدیم العبد... وولد الزنا ؛ لأنه لیس له أب یشفقه، فیغلب علیه الجهل، ولأن في تقدیم هؤلاء تنفیر الجماعة فیکره وإن تقدموا جاز لقوله علیه السلام : صلّوا خلف کلّ برّ وفاجر.(۱)

ترجمہ:

غلام کو امامت کے لیے آگے کرنا مکروہ ہے۔۔۔اور ولد زنا کا چونکہ کوئی باپ نہیں جو اس پر شفقت کرے، اِس لیے اُس پر جہل غالب ہوتا ہے اور اس لیے کہ ان لوگوں کو آگے کرنے میں جماعت سے نفرت دلانا ہے، اس لیے مکروہ ہے، البتہ اگر یہ لوگ آگے بڑھ گئے تو جائز ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نیکوکار اور بدکار کے پیچھے نماز پڑھو۔

❁❁❁

بیٹی کو سکول بھیجنے والے شخص کی اقتدا میں نماز پڑھنا

سوال نمبر(173):

ایک شخص لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے اور اپنی بیٹیوں کو عصری تعلیم دلوانے کے لیے سکول بھجواتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آج کل سکول وکالج میں پردہ محال ہے، کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ بعض لوگ عدم جواز کا کہتے ہیں، نیز اس طرح باتیں کرنے والوں کا حکم کیا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

(۱) الهدایة، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲٤

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے۔ تعلیم وتربیت کی ترغیب وگنجائش جس قدر اسلام نے دی، اتنی کسی اور مذہب نے نہیں دی ہے۔ عصری ضرورتوں کو پورا کرنے اور دین محمدی ﷺ کی خدمت کے لیے اگر شرعی حدود کی رعایت کرتے ہوئے عصری تعلیم حاصل کی جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، چنانچہ تجربہ سے ثابت ہے کہ جو لڑکا یا لڑکی عصری تعلیم سے آراستہ ہو کر مدارسِ دینیہ یا کسی اور دینی خدمت میں مشغول ہو، وہ بہتر طریقے سے کام کر سکتے ہیں اس لیے عصری تعلیم کو فرسودہ قرار دینا تنگ نظری اور اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارنے کے مترادف ہے۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ عصری اداروں میں بے پردگی، بد اخلاقی اور عریانیت کا پایا جانا محال ہے، کیونکہ بحمد اللہ ہمارے ملک میں بچیوں کی تعلیم کے لیے پرائیویٹ اور سرکاری سطح پر مستقل ادارے قائم ہیں۔ مخلوط تعلیمی اداروں میں بھی اکثر بچیاں ایسی ہیں جو عفت وپاکدامنی کے ساتھ اپنے مقصد 'حصولِ علم' میں منہمک رہتی ہیں۔

اس لیے اگر مذکورہ امام صاحب صحیح نیت سے بچیوں کو عصری تعلیم دِلاتے ہوں اور بچیوں کی صحیح تربیت اور نگہداشت کر سکتے ہوں اور ظاہری طور پر وہ کسی ایسی صریح گناہ میں ملوث نہ ہوں جو قرآن وحدیث کے صریح احکامات سے متصادم ہو تو مذکورہ شخص کی اقتدا میں نماز پڑھنا بلا تردد جائز ہے۔

مقتدیوں کو چاہیے کہ اپنی دینوی اور اخروی نجات وترقی کے لیے اپنے امام کی کمزوریوں سے صرفِ نظر کر کے اس کے محاسن پر نظر رکھیں ورنہ خواہ مخواہ کسی عالم کی اہانت منافق کے خصائل میں سے ہے۔ آپ ﷺ نے ایسے آدمی کو اپنی جماعت سے دور کرنے کا فرمان جاری فرمایا ہے۔

والدلیل علی ذلك:

ما رواه المنذريؒ عن أبي أمامة رضي الله عنه عن رسول الله ﷺ قال: ثلاث لا يستخف بهم إلا منافق : ذو الشيبة في الإسلام، وذو العلم، وإمام مقسط.(١)

ترجمہ:

ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''تین آدمی ایسے ہیں کہ اُن کو منافق ہی ہلکا سمجھ سکتا ہے: ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا عالم دین اور تیسرا عادِل حکمران''۔

(١) المنذري، الحافظ زكي الدين عبدالعظيم بن عبد القوي، الترغيب والترهيب، كتاب الترغيب والترهيب، الترغيب في إكرام العلماء وإجلالهم......الخ: ١/٦٥ دار إحياء التراث العربي، بيروت

عن عبادة بن صامت رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: "ليس من أمتي من لم يجلّ كبيرنا، ويرحم صغيرنا، ويعرف لعالمنا".(۱)

ترجمہ:

حضرت عبادۃ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''وہ شخص میری امت میں سے نہیں جو ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا، ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے علما کی قدر نہیں کرتا''۔

❁❁❁

اقتدا کے وقت امام کی حالت کا معلوم نہ ہونا

سوال نمبر(174):

ایک مقیم آدمی نے آخری رکعت میں مسافر امام کی اقتدا کی۔اس کو امام کے مسافر ہونے کا علم نہیں تھا تو اب وہ باقی تین رکعتیں کیسے پڑھے۔اگر وہ یہ سمجھ کر کہ امام مقیم ہے تو وہ تین رکعتوں میں سے دو میں قراءت کرلیتا ہے اور ایک رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنے پر اکتفا کرلیتا ہے تو کیا اس شخص کی نماز ہوجائے گی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہی عبارات کی رو سے اگر مقیم مقتدی کو امام کے مسافر ہونے کا علم نہ ہو اور اُسے مقیم سمجھ کر اپنی باقی نماز مسبوق کی طرح پوری کرلے، پھر نماز کے بعد اُسے معلوم ہوا کہ امام مسافر تھا تو اس کی نماز صحیح ہوجائے گی، کیونکہ ابتداءً امام کی حالت معلوم کرنا صحتِ اقتدا کے لیے شرط نہیں۔نماز کے دوران یا نماز کے بعد بھی معلوم ہوجائے تو نماز صحیح ہوجاتی ہے۔

والدليل على ذلك:

قوله: (وبعكسه صح فيهما) وهو اقتداء المقيم بالمسافر فهو صحيح في الوقت وبعده ... رجل صلى الظهر بالقوم بقرية، أو مصر ركعتين وهم لايدرون أمسافر هو أم مقيم فصلاتهم فاسدة، سواء كانوا مقيمين أم مسافرين ؛لأن الظاهر من حال من في موضع الإقامة أنه مقيم، والبناء على الظاهر واجب

---

(۱)الترغيب والترهيب،الترغيب في إكرام العلماء وإجلالهم......الخ:۱/۶۵

حتی یتبیّن خلافه، فإن سألوه فأخبرهم أنه مسافر جازت صلوتهم.(۱)

ترجمہ: (اوراس کے برعکس صحیح ہے)،یعنی مقیم کا مسافر کے پیچھے اقتدا کرنا خواہ وقت کے اندر ہو یا وقت گذرنے کے بعد درست ہے۔۔۔ایک مسافر آدمی نے کسی گاؤں یا شہر میں لوگوں کو نماز ظہر کی امامت کرائی اور مقتدیوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ امام مسافر ہے یا مقیم تو ان سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہوگی خواہ یہ مقتدی مقیم ہوں یا مسافر ہوں،اس لیے اقامت کی جگہ کی حالت سے اس کا مقیم ہونا معلوم ہورہا تھا اور ظاہر پر بنا کرنا تو واجب ہے، یہاں تک کہ وہ اس ظاہر کے خلاف نکلے،البتہ اگر نماز کے اختتام پر مقتدیوں نے امام سے اس کی حالت کے بارے میں دریافت کردیا اور اس نے اپنے مسافر ہونے کے بارے میں ان کو بتایا تو ان سب کی نماز جائز ہوجائے گی۔

❁❁❁

ٹی وی دیکھنے اور داڑھی کاٹنے والے کی امامت

سوال نمبر(175):

جو شخص باقاعدگی سے T.V دیکھتا ہو یا داڑھی کاٹتا ہو،اُس کے پیچھے فرض نماز میں اقتدا کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے امام کے لیے ضروری ہے کہ اُصولِ شریعت کا پابند رہے اور ہر اس فعل سے اجتناب کرے جس سے اس کی شخصیت پر منفی اثر پڑتا ہو،لہٰذا بغیر کسی ضرورت کے ٹی وی دیکھنا امام کے لیے کسی بھی طرح مناسب نہیں، جب کہ داڑھی کتروانا بھی ایک ناجائز فعل ہے جس کا ترک لازمی ہے،البتہ جہاں تک اس کے پیچھے نماز کا تعلق ہے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مقتدیوں کی حالت بھی امام کی طرح ہو تو اقتدا کی گنجائش ہے اور اگر تقویٰ کے اعتبار سے مقتدیوں کی حالت امام سے بہتر ہو تو پھر کسی متقی، متبعِ سنت آدمی کو امام بنانا چاہیے،تاہم جب تک یہ شخص امام رہے انفرادی نماز پڑھنے سے اس کے پیچھے نماز پڑھنا بہتر ہے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

رجل أمّ قوماً وهم له كارهون، إن كانت الكراهية لفساد فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة يكره له

(۱)البحرالرائق کتاب الصلوۃ،باب المسافر:۲/۲۳۷،۲۳۸

بلاء وإن كان هو أحق بالإمامة لا يكره له ذلك هكذا في المحيط.(۱)

ترجمہ:
ایک شخص کسی قوم کی امامت کرائے اور وہ اس سے ناراض ہوں تو ان کی یہ ناراضگی اگر اس امام کی ذاتی خرابی کی وجہ سے ہو یا یہ کہ وہ لوگ (بوجہ شرائطِ امامت پائے جانے کے) امامت کے زیادہ حق دار ہوں تو پھر اس شخص کے لیے امامت مکروہ ہے (لیکن اگر کوئی ذاتی خرابی امام میں نہ ہو) اور وہ امامت کا بھی زیادہ حق دار ہو تو پھر اس کے لیے یہ امامت کرانا مکروہ نہیں۔اسی طرح محیط میں بھی ہے۔

❁❁❁

سترہ سالہ بغیر داڑھی والے نوجوان کی امامت

سوال نمبر(176):

ایک لڑکا جس کی عمر سترہ سال ہے اور حافظِ قرآن ہے، لیکن اس کی داڑھی ابھی اچھی طرح نمودار نہیں ہوئی۔کیا اُس کی امامت شریعت کی رو سے جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے امامت کی شرائط میں سے ایک شرط بلوغت ہے اور فقہائے کرام نے بلوغت کی حد کم سے کم بارہ سال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال مقرر کی ہے، لہٰذا اگر کوئی لڑکا بارہ سال سے پندرہ سال تک اپنی بلوغت کا اقرار کرے تو اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی۔

صورتِ مسئولہ میں اگر مذکورہ لڑکے کی عمر واقعی سترہ سال ہو اور حافظِ قرآن بھی ہو، لیکن اس کی داڑھی ابھی نمودار نہ ہوئی ہو تو شرعاً وہ بالغ ہے، اس لیے اس کی امامت درست ہوگی اور داڑھی نہ نکلنے کا کوئی اعتبار نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(فإن لم يوجد فيهما) شيء (فحتى يتمّ لكلّ منهما خمس عشرة سنة، به يفتي وأدنى مدته له اثنا عشرة سنة.(۲)

---

(۱)البحرالرائق کتاب الصلوة،باب الإمامة،قوله:(ثم الأسن):۱/۶۰۹

(۲)تنویر الأبصار مع الدر المختار علی صدر المحتار، کتاب الحجر ... ۶/... ۲۱۱

ترجمہ:

اگر بلوغت کی علاماتِ مذکورہ میں سے کوئی بھی علامت ان دونوں میں نہ پائی جائے (اس وقت تک بلوغ کا حکم نہیں لگایا جائے گا) جب تک کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کی عمر پندرہ سال تک نہ پہنچ جائے۔ اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے اور لڑکے کے بلوغ کی کم مدت بارہ سال ہے۔

❁❁❁

نافرمان شاگرد کی اقتدا میں نماز پڑھنا

سوال نمبر(177):

ایک استاد کا اپنے شاگرد سے کسی بات پر اختلاف ہوا، استاد نے ناراض ہو کر شاگرد سے کہا کہ: ”میں آپ کو پڑھایا ہوا سبق نہیں بخشتا، لہٰذا آپ کے پیچھے نماز نہیں ہوتی“۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ایسا کہنے سے واقعی مذکورہ طالب علم امامت کا اہل نہیں ہوگا یا استاد کی اِس بات کا کوئی اعتبار نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے امام میں جن شرائط کا پایا جانا ضروری قرار دیا گیا ہے وہ شرائط اگر کسی شخص میں پائی جائیں تو ایسے شخص کو امامت کا اہل سمجھا جائے گا اور اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا درست ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں اُستاد کی نافرمانی اور ناراضگی اگرچہ ایک قبیح فعل ہے، تاہم اس کی وجہ سے مذکورہ شخص کی امامت کی اہلیت متاثر نہیں ہوتی، اس لیے اس کے پیچھے نماز ادا کرنا درست ہوگا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قال الحصكفيؒ: والصغرى ربط صلاة المؤتم بالإمام بشروط عشرة: نية المؤتم الاقتداء، واتحاد مكانهما وصلاتهما، وصحة صلاة إمامه. وفي ردّالمحتار قوله: (وصحة صلاة إمامه) فلو تبيّن فسادها فسقاً من الإمام، أونسيانا لمضيّ مدة المسح، أولوجود الحدث، أوغير ذلك لم تصح صلاة المقتدي لعدم صحة البناء. (١)

---

(١) ردالمحتار على درالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب: شروط الإمامة الكبرى: ٢/ ٢٨٤، ٢٨٦

ترجمہ:

امامتِ صغریٰ "مقتدی کی نماز کا دس شرائط کے ساتھ امام کی نماز سے مربوط ہونا ہے"۔ (وہ دس شرائط یہ ہیں:)

اول یہ کہ مقتدی نے اقتدا کی نیت کی ہو، دوسرا یہ کہ مقتدی اور امام ایک مکان میں نماز ادا کر رہے ہوں، تیسرا یہ کہ دونوں کی نماز ایک ہی ہو، چوتھی شرط یہ ہے کہ امام کی نماز صحیح ہو۔ ردّ المحتار میں چوتھی شرط کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ اگر امام کی نماز کا فساد ظاہر ہو جائے امام کے کسی فسق کی وجہ سے یا موزوں پر مسح کی مدت ختم ہونے کو امام بھول گیا ہو یا کسی حدث کے پائے جانے کو بھول گیا ہو یا اس کے علاوہ اور کوئی معاملہ ہو تو بنا صحیح نہ ہونے کی وجہ سے مقتدی کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔

❁❁❁

عابد کے پیچھے علما وطلبا کی نماز اور "کاف" کی جگہ "قاف" پڑھنے والے کی اقتدا

سوال نمبر(178):

مسجد کے امام نے ایک عبادت گذار عامی آدمی کو اپنا نائب مقرر کیا ہے جس کے پیچھے بسا اوقات علما وطلبا حضرات بھی اقتدا کر لیتے ہیں تو آیا اس صورت میں نائب بن کر اس کی امامت کرانا درست ہے یا نہیں؟ اور دوسرا یہ کہ یہی شخص نماز میں قرأت کرتے وقت "کاف" کی جگہ "قاف" ادا کرتا ہے تو کیا اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

چونکہ امام بذاتِ خود جماعت کرانے کا زیادہ مستحق ہوتا ہے، تاہم اگر کہیں ضرورت کی بنا پر اس نے کسی ایسے عابد آدمی کو جو نماز کے ضروری مسائل سے باخبر ہو، نائب بنایا تو اس نیابت کی وجہ سے یہ بہ نسبت اَعلم واَقرا کے جماعت کرانے کا زیادہ حق دار ہوتا ہے، البتہ مذکورہ نائب کی قرأت کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس کی یہ غلطی ایسی ہو جس سے معنیٰ میں فساد لازم آتا ہو تو یہ نماز کو فاسد کر دیتی ہے، لہٰذا اس آدمی کو اپنے حروف کی صحیح ادائیگی کی کوشش کرنی چاہیے ورنہ حروف کی غلط ادائیگی کی صورت میں معنیٰ میں تبدیلی آئے گی جو نماز کو فاسد کر دیتی ہے، لہٰذا امام صاحب کو چاہیے کہ ایسا نائب مقرر کرے جو کہ قرأت صحیح کرتا ہو تا کہ لوگوں کی نمازوں کی حفاظت ہو۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قال الحصکفي: (و) أعلم أن (صاحب البيت) ومثله إمام المسجد الراتب (أولیٰ بالإمامة من

غیرہ) مطلقاً. قال ابن عابدین الشاميؒ: قوله:(مطلقا) أي وإن کا ن غیرہ من الحاضرین من ھو أعلم وأقرأ منه.(۱)

ترجمہ:

جان لوکہ بے شک گھر کا مالک اور اسی طرح مسجد کا متعینہ امام دوسروں کی بہ نسبت نماز پڑھانے کے زیادہ حق دار ہیں۔علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ علامہ حصکفیؒ نے مطلقاً فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ حاضرین میں سے اعلم واقرا موجود ہوں پھر بھی یہ دونوں امامت کے زیادہ حق دار ہیں۔

قال في الخانیة والخلاصة: الأصل فیما إذا ذکر حرفاً مکان حرف، وغیّر المعنیٰ، إن أمکن الفصل بینھما بلامشقة تفسد، وإلا یمکن إلا بمشقة کالظاء مع الضاد المعجمتین، والصّاد مع السین المھملتین، والطاء مع التاء، قال أکثرھم: لاتفسد. وفي خزانة الأکمل: قال القاضي أبو عاصم: إن تعمّد ذلك تفسد، وإن جریٰ علیٰ لسانه، أو لایعرف التمیز، لاتفسد، وھو المختار.(۲)

ترجمہ:

خانیہ اور خلاصہ میں کہا ہے کہ:''اگر ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھا ہو اور معنی میں تبدیلی لائی تو اس میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر ان دونوں حرفوں کے درمیان بغیر مشقت کے فرق کرنا ممکن ہو تو نماز فاسد ہوگی اور اگر مشقت کے بغیر ان دو حرفوں میں فرق کرنا ممکن نہ ہو جیسے ظاء اور ضاد، صاد اور سین، طاء اور تاء تو (اِس صورت میں) اکثر فقہا کہتے ہیں کہ:''نماز فاسد نہیں ہوگی'' اور خزانۃ الأکمل میں ہے کہ قاضی ابو عاصمؒ فرماتے ہیں کہ:''اگر اِس طرح قصداً (ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف) پڑھا تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر اس کے زبان پر ویسے ہی جاری ہوجائے یا وہ ان دو حرفوں میں پوری طرح تمیز نہ کرسکتا ہو تو پھر اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔یہی قول فتویٰ کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔

❁❁❁

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوۃ، باب الإمامة، مطلب في تکرار الجماعة في المسجد:۲/۲۹۷

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوۃ، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا:۲/۳۹۶

نابالغ بچے کو مقتدی بنا کر جماعت کرانا

سوال نمبر(179):

ایک آدمی سے جماعت چھوٹ جائے تو گھر میں یا کسی اور جگہ نابالغ بچے کو مقتدی بنا کر با جماعت نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نماز پڑھنا درست ہو تو کیا جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعت کی رُو سے بغیر عذرِ شرعی کے جماعت کو ترک کرنا جائز نہیں۔ نماز با جماعت ادا کرنے کے لیے کم از کم دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، تاہم اگر مقتدی ایک عاقل، سمجھ دار بچہ ہو تب بھی جماعت ہو جاتی ہے۔ با جماعت نماز کے لیے مسجدِ شرعی کا ہونا زیادہ مناسب اور بہتر ہے، لیکن اگر مجبوری کی حالت میں گھر یا کسی دوسری جگہ جماعت ادا کی جائے تو اس پر بھی جماعت کا اطلاق ہوتا ہے اور جماعت کا ثواب ملنے کی امید ہے، تاہم مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت سے پھر بھی محرومی ہوگی۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قال الحصكفيؒ: (وأقلها اثنان) واحد مع الإمام. ولو مميزا قال ابن عابدينؒ: اي ولو كان الواحد المقتدي صبياً مميزاً قال في السراج: لو حلف لا يصلي جماعة وأمّ صبياً يعقل حنث، ولا عبرة لغير العاقل، بحر. (۱)

ترجمہ:

اور جماعت کے لیے کم از کم افراد کی تعداد دو ہے کہ امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو، اگر چہ وہ ایک مقتدی ممیز بچہ ہو۔ علامہ شامیؒ مصنف کے اس قول کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ: ’’اگر یہ ایک مقتدی کوئی سمجھدار بچہ ہو (تو بھی جماعت درست ہے)‘‘ ’السراج‘ میں ہے کہ اگر کسی نے قسم اُٹھائی کہ میں جماعت سے نماز نہیں پڑھوں گا اور پھر اس نے کسی ایسے بچے کو امامت کرائی جو کہ عاقل ہو تو حانث ہو جائے گا۔ بحر میں ہے کہ غیر عاقل بچے کا کوئی اعتبار نہیں۔

❀❀❀

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد: ۲/ ۲۸۹

حنفی کا کسی غیر حنفی کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال نمبر(180):

احناف کے نزدیک بعض چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جب کہ دوسرے مسلک والے ان چیزوں سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں۔اس قسم کے اختلاف کے ہوتے ہوئے کیا کسی حنفی کے لیے دوسرے مسلک والے کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہوگا؟اگر دوسرے مسلک والے کے پیچھے نماز جائز نہیں تو پھر حرمین شریفین میں ایک حنفی کے لیے کیا حکم ہے؟ نیز اس بات کی حقیقت کیا ہے کہ اگر کوئی حنفی کسی دوسرے مسلک کو اختیار کرے تو اس کو ستر درے لگائے جائیں گے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق ایک حنفی مسلک والے شخص کے لیے دوسرے مسلک والے امام کی اقتدا کرنے میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ وہ امام ایسا ہو جو نماز میں دوسرے مسلک کی واجبات وغیرہ کی رعایت رکھتا ہو،ایسے امام کی اقتدا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔محض مسلکی اختلاف کسی شخص کی امامت میں مانع نہیں ٹھہرتا۔تاہم اگر رعایت نہ کرنے کا یقین ہو تو پھر ایسے امام کی اقتدا کرنا صحیح نہیں اور اگر شک ہو تو اقتدا مکروہ ہے۔جہاں تک حرمین شریفین کے ائمہ کرام کا تعلق ہے تو وہ اگرچہ دوسرے مسلک سے تعلق رکھتے ہیں،لیکن وہ چونکہ نماز کے ارکان وشرائط اور واجبات میں دوسرے مذاہب کی مکمل رعایت رکھتے ہیں اس بنا پر ان کی اقتدا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مذاہب اربعہ کی حقانیت پر پوری امت کا اجماع ہے۔چاروں مذاہب برحق ہیں جن میں سے کسی بھی ایک فقہی مسلک کی تقلید کر لینے سے اُسی پر قائم رہنا ضروری ہے،دوسرے مسلک کی تقلید جائز نہیں رہے گی خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ فتنہ وفساد کا شدید خطرہ ہو اور خروج عن المذہب صرف اپنے نفس کی اتباع کے لیے ہو اور اگر بالفرض کسی مذہب کے مقلد نے سابقہ مذہب چھوڑ کر اخلاص کی بنیاد پر دوسرے مذہب کی تقلید اپنائی تو اس کی بھی گنجائش ہے۔اس میں بالذات کسی قسم کے مواخذہ کی اجازت نہیں،تاہم اگر امامِ وقت معروضی حالات وواقعات کے لحاظ سے سدباب کے طور پر سیاستاً مسلک کی تبدیلی کو ممنوع قرار دے تو پھر اس حاکم کے اس حکم پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

والدلیل علیٰ ذلك:

وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعيؒ فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلوة علىٰ

الاقتداء بالمقتدي عليه الإجماع... وفي رسالة (الاهتداء في الاقتداء) لملا علي القاري؟ ذهب عامة مشايخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط في موضع الخلاف، وإلا فلا... وفي حاشية الأشباه للخير الرملي: الذي يميل إليه خاطري: القول بعدم الكراهة إذا لم يتحقق منه مفسد... فتحصل أن الاقتداء بالمخالف المراعي في الفرائض أفضل من الانفراد إذا لم يجد غيره، وإلا فالاقتداء بالموافق أفضل.(۱)

ترجمہ: اور فروع میں جو شخص مخالف ہو، جیسے شافعی مسلک سے تعلق رکھنے والا تو اس کی اقتدا جائز ہے، جب تک اُس کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ اُس نے کسی ایسے کام کا ارتکاب کیا ہے جس سے مقتدی کے اعتقاد میں نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اِس پر علما کا اجماع ہے۔...... ملا علی قاریؒ کے رسالہ 'الاهتداء في الاقتداء' میں ہے کہ: عام مشائخ اس کے جواز کی طرف گئے ہیں، جب تک کہ وہ امام موضعِ اختلاف میں احتیاط کرتا ہو، البتہ اگر احتیاط نہیں کرتا تو پھر اُس کی اقتدا جائز نہیں...... اور الاشباہ پر خیر رملی کے حاشیہ میں ہے کہ جس طرف میرا جی مائل ہے وہ یہ ہے کہ جب تک اُس سے نماز کو فاسد کرنے والا کوئی عمل ثابت نہ ہو تو (اُس کی اقتدا) مکروہ نہیں...... پس حاصل یہ ہے کہ فروع میں مخالف شخص جب فرائض کی رعایت رکھتا ہو تو اُس کے پیچھے نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ یہ اُس وقت جب کوئی موافق امام نہ ملے، ورنہ پھر اقتدا بالموافق ہی افضل ہے۔

بے وضو نماز پڑھانا

سوال نمبر (181):

ایک شخص نے نماز پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد اُسے معلوم ہوا کہ میں بے وضو تھا۔ اب جماعت میں شریک ہونے والے بعض لوگوں کو تو وہ جانتا ہے، لیکن بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہیں وہ نہیں جانتا۔ ایسی صورت میں نماز کا کیا حکم ہوگا؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز کے لیے وضو شرط ہے اور بغیر وضو کے نماز جائز نہیں، چاہے امام ہو، یا مقتدی، لیکن اگر کسی شخص نے بھول کر وضو کیے بغیر نماز پڑھ لی تو اس شخص پر اس نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ اگر طہارت کے بغیر نماز

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب في الاقتداء بالشافعي ونحوه ۱:۲/۲ ۳۰۲،۳۰۳

پڑھائی ہوتو امام اور مقتدیوں سب پر اس نماز کا اعادہ ضروری ہے، اگر مقتدیوں کو اس بات کا علم نہ ہو تو امام کی ذمہ داری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، لوگوں کو فرداً فرداً یا اعلان کر کے اطلاع دے دے، تاہم جو لوگ ایسے ہوں کہ اُن کے بارے میں امام کو علم نہ ہو تو ان کے حق میں یہ معذور ہے بشرطیکہ حتی الامکان مقتدیوں کو اطلاع دینے کا اہتمام کیا ہو اور جن لوگوں کو پتہ نہ چل سکے وہ بھی عدمِ علم کی وجہ سے معذور سمجھے جائیں گے۔

والدليل علىٰ ذلك:

(وإذاظهر حدث إمامه بطلت فيلزم إعادتها) لتضمنهاصلوٰة المؤتم صحة وفسادا (كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهو محدث أوجنب). (١)

ترجمہ:

اور جب امام کا بے وضو ہونا ظاہر ہو جائے تو مقتدی کی نماز بھی باطل ہو جائے گی، لہٰذا اس پر اس نماز کا اعادہ لازم ہوگا، اس لیے کہ صحت وفساد کے اعتبار سے امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہوتی ہے، اسی طرح امام جب بے وضو یا حالتِ جنابت میں نماز پڑھائے تو اُس پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کو باخبر کرے۔

❁❁❁

ڈیوٹی میں غفلت کرنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال نمبر (182):

ہمارے محلّہ کا نماز پڑھانے والا امام سکول میں استاد ہے۔ مہینہ میں صرف ایک بار سکول جاتا ہے وہ بھی تنخواہ لینے کی غرض سے۔ کیا ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

کسی عالمِ دین امام پر یہ الزام لگانا کہ وہ مہینہ میں صرف ایک دن ڈیوٹی کے لیے سکول جاتا ہے، وہ بھی محض تنخواہ لینے کی غرض سے، اوّلاً تو یہ بات ثبوت کی محتاج ہے، لیکن اگر واقعی مسجد کا امام ایسی حرکت کرتا ہو تو اس کا یہ فعل حکومت کی خلاف ورزی متصور ہوگی جس کی وجہ سے اِس کی تنخواہ بھی حلال نہ ہوگی اس لیے ایسے امام کو چاہیے کہ ایسی حرکات سے پرہیز

(١) الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ٢/ ٣٣٩، ٣٤٠

کرے، تاکہ حرام خوری سے بچ سکے اور لوگوں میں نفرت کا سبب نہ بنے۔ اس طرح حرام کھانا چونکہ فسق ہے، اس لیے ایسے شخص کی اقتدا مکروہ تحریمی ہے، تاہم اگر کوئی اور امام میسر نہ ہو اور لوگ اس امام سے اس کی غلط حرکات کی بناپر نفرت نہ کرتے ہوں تو اس شخص کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

رجل أمّ قوما وهم له كارهون،إن كانت الكراهية لفساد فيه،أو لأنهم أحق بالإمامة منه يكره له ذلك، وإن كان هو أحق بالإمامة لايكره له ذلك.(۱)

ترجمہ:

ایک شخص کسی قوم کی امامت کراتا ہے اور وہ اس سے ناراض ہوں تو ان کی یہ ناراضگی اگر اس امام کی ذاتی خرابی کی وجہ سے ہو یا یہ کہ وہ لوگ (بوجہ شرائط امامت) امامت کے زیادہ حق دار ہوں تو پھر اس شخص کے لیے یہ امامت مکروہ ہے۔ (لیکن اگر کوئی ذاتی خرابی امام میں نہ ہو) اور وہ امامت کا حق دار ہو تو پھر اس کے لیے یہ امامت کرنا مکروہ نہیں۔

❁❁❁

'صاد' اور 'سین' میں فرق نہ کرنے والے کی امامت

سوال نمبر(183):

ہمارے محلے میں ایک امام صاحب پچھلے تیس سال سے امامت کر رہے ہیں۔ ان کی زبان میں تھوڑی سی لکنت ہے جس کی وجہ سے بعض الفاظ وحروف میں فرق نہیں کرسکتا، یعنی ضاد اور ظاء، سین اور صاد وغیرہ واضح نہیں پڑھ سکتا تو ایسے امام کی اقتدا کرنا درست ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی احکام کی رُو سے جس شخص کو امامت اور خطابت جیسے مناصب سے نوازا گیا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن کے الفاظ پر محنت کرے اور تجوید کے قواعد کی رعایت رکھے تاکہ حروف صحیح طریقہ سے ادا کرسکے، تاہم اگر کوئی شخص صرف صاد اور سین یا ضاد اور ظا یا ذال اور زا وغیرہ میں فرق نہیں کرسکتا ہے تو اس قسم کی غلطیوں سے

(۱) البحرالرائق، کتاب الصلوۃ، باب الإمامة، قوله:(ثم الأسن): ۶۰۹/۱

نماز فاسد نہیں ہوگی۔

والدلیل علیٰ ذلک:

وإن کان لا یمکن الفصل بین الحرفین إلا بمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء، اختلف المشایخ فیه،قال أکثرهم:لا تفسد صلاته .(۱)

ترجمہ:

اور اگر دو حرفوں کے درمیان مشقت کے بغیر فرق ممکن نہ ہو، جیسا کہ ظا اور ضاد، سین اور صاد، طا اور تا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اکثر کا کہنا یہ ہے کہ: ''اس کے ساتھ نماز فاسد نہیں ہوتی''۔

❁❁❁

کسی فاسق آدمی کو امام بنانا

سوال نمبر(184):

ایک آدمی جو کہ زانی اور فاسق ہے، اس کو اپنا امام بنانا کیسا ہے؟ اور اگر وہ زنا وفسق سے توبہ کرے تو اس کے پیچھے کبھی کبھار نماز پڑھنا یا اس کو باقاعدہ طور پر امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ کوئی شخص زنا کا مرتکب تو ہو لیکن لوگوں کو اس کا پتہ نہیں تو اس صورت میں اس کے پیچھے لوگوں کا نماز پڑھنا کیسا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ ایسا شخص جو زنا جیسے قبیح فعل کا مرتکب ہو، وہ امامت جیسے قابلِ تعظیم منصب کا اہل نہیں۔ بوجہ فسق ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔ مقتدیوں پر بالاتفاق ایسے امام کو منصبِ امامت سے سبکدوش کرنا لازم ہے، تاہم اگر ایسا شخص اپنے گزشتہ افعال پر نادم ہو اور آئندہ کے لیے ایسے افعال نہ کرنے کا عزم کر کے توبہ تائب ہو جائے تو اس کو امام بنانا جائز ہے اور اگر کوئی امام زناکار ہو اور مقتدیوں کو اس کا علم نہ ہو تو اُن کی نماز اس کے پیچھے درست ہوگی، اس کے اِس فعلِ بد کا مقتدیوں کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

---

(۱)الفتاوی الخانیة، کتاب الصلاة،باب الحدث في الصلاة،فصل في قراء ة القرآن:۱/ ۱٤۱

والدلیل علیٰ ذلك:

وفي المعراج قال أصحابنا : لا ينبغي أن يقتدي بالفاسق إلا في الجمعة ؛ لأنه في غيرها يجد إماماً غيره. قال في الفتح : وعليه فيكره في الجمعة إذا تعدّدت إقامتها في المصر علىٰ قول محمد المفتىٰ به؛ لأنه سبيل إلى التحول ...وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا... فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حالٍ.(۱)

ترجمہ:

اور معراج میں ہے کہ ہمارے علمائے احناف فرماتے ہیں کہ:''فاسق کی اقتدا کرنا مناسب نہیں، سوائے جمعہ کے، کیونکہ آدمی جمعہ کے علاوہ باقی نمازوں میں (کثرتِ مساجد و جماعات کی وجہ سے) دوسرا امام پا سکتا ہے''۔ فتح میں کہا ہے کہ:''امام محمدؒ کے مفتی بہ قول کے مطابق اگر کسی شہر میں متعدد جگہ نمازِ جمعہ ادا کی جاتی ہو تو پھر جمعہ کی نماز بھی فاسق کے پیچھے ادا کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اِس صورت میں دوسری جگہ جانے کا راستہ موجود ہے''۔۔۔اور جہاں تک فاسق کی بات ہے تو فقہا نے اس کو آگے کرنے کی کراہت کی علت یہ ذکر کی ہے کہ وہ امورِ دینیہ کی رعایت نہیں کرتا اور اِس لیے کہ اس کو امامت کے لیے آگے کرنے میں اس کی تعظیم لازم آتی ہے، حالانکہ شرعاً لوگوں پر اس کی اہانت واجب ہے۔ پس یہ مبتدع کی طرح ہے، اس کی امامت بہرحال مکروہ ہے۔

ويجتنب الفواحش الظاهرة وإن كان غيره أورع منه.(۲)

ترجمہ:

اور امام (کم از کم) ظاہری گناہوں سے بچتا ہو خواہ اس کے علاوہ کوئی اور شخص اس سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

❁❁❁

امامت کے لیے پگڑی لازم قرار دینا

سوال نمبر(185):

بعض حضرات امام کے ساتھ اس بات پر جھگڑتے رہتے ہیں کہ پگڑی باندھے بغیر ہم آپ کے پیچھے نماز نہیں

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، مطلب في تکرار الجماعۃ في المسجد: ۲/ ۲۹۸، ۲۹۹

(۲) الفتاوی الھندیۃ، کتاب الصلوۃ، باب في الإمامۃ، الفصل الثاني: ۱/ ۸۳

پڑھیں گے، اس لیے کہ پگڑی کے بغیر نماز پڑھانا ناجائز ہے۔ ازروئے شریعت اس مسئلے کی وضاحت کیجیے؟

بیّنوا توجروا

الجوب وباللّٰہ التوفیق:

بلاشک پگڑی حضرت رسول اللہ ﷺ نے پہنی ہے اور یہ سنت ہے، لیکن علمائے کرام کے ہاں یہ سننِ عادیہ میں سے ہے سننِ ہدیٰ میں سے نہیں کہ اس کے اہتمام نہ کرنے سے آدمی گنہگار ہو، تاہم اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے محبت وعقیدت کی وجہ سے سننِ عادیہ میں اتباع اپنا شیوہ بنادے تو موجبِ ثواب اور باعثِ برکت ہے۔

صورتِ مسئولہ میں پگڑی باندھ کر نماز پڑھنا مستحب اور باعث اجر وثواب ہے، لیکن پگڑی اس طرح لازم سمجھنا غلط ہے کہ اس کے بغیر نماز پڑھانا ناجائز تصور کیا جائے۔ عوام میں یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ پگڑی کے بغیر نماز مکروہ ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ صرف ٹوپی پر اکتفا کرکے نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں، البتہ پگڑی باندھ کر نماز پڑھنا بہتر وافضل ضرور ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وقد ذکروا أن المستحب أن یصلي في قمیص، وإزار، وعمامة، ولا یکره الاکتفاء بالقلنسوة، ولا عبرة بما اشتهربین العوام من کراهة ذلك، وکذا ما اشتهرأن المؤتم لو کان معتماً لعمامة والإمام مکتفیاً علیٰ قلنسوة یکره. (۱)

ترجمہ:

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ قمیص، شلوار اور پگڑی باندھ کر نماز پڑھی جائے، تاہم صرف ٹوپی پر اکتفا کرنا مکروہ نہیں، عوام کے درمیان جو یہ بات مشہور ہے کہ صرف ٹوپی پر اکتفا کرنا مکروہ ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح جو یہ بات مشہور ہوئی ہے کہ اگر مقتدی نے پگڑی باندھی ہو اور امام صرف ٹوپی پر اکتفا کیے ہوئے ہو تو یہ مکروہ ہے (شرعاً ان باتوں کا کوئی اعتبار نہیں)۔

(۱) عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة وما یکره فیها: ۲/۲۰۲

بابُ الجماعة

(جماعت کا بیان)

جماعت کی اہمیت اور حکمتِ مشروعیت:

اسلام میں جماعت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں جماعت سے نماز کی ادائیگی ستائیس درجہ افضل ہے“۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا: ”میرے جی میں آتا ہے کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر اذان دی جائے، کسی کو لوگوں کا امام مقرر کروں اور پھر لوگوں کے ہاں جا کر دیکھوں جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔(۱)

جماعت پر اس قدر زور اس لیے دیا گیا کہ اسلام میں مسلمانوں کی اجتماعیت نہایت اہم امر ہے اور تمام اسلامی عبادات سے اس کا برملا اظہار ہوتا ہے۔ جماعت کے ذریعے بھی مسلمانوں کی باہمی اجتماعیت اور نمازیوں کے درمیان الفت ومحبت کو تقویت ملتی ہے۔ اس کے علاوہ شعائرِ اسلام اور طاعتِ خداوندی کا برسرِ عام اعلان اور معاشرہ میں اس کی تشہیر ہوتی ہے۔ جاہلوں کو اہل علم سے استفادہ کرنے کا موقع ملتا ہے اور سست طبع لوگوں کے لیے عبادت کی انجام دہی آسان ہو جاتی ہے۔(۲)

جماعت کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

علامہ طحطاویؒ نے جماعت کی لغوی تعریف ”الفرقة المجتمعة“ سے کی ہے جب کہ شرعی تعریف یوں کی ہے:

”الإمام مع واحد سواء كان رجلا او امرأة حراً اوعبداً أو صبياً يعقل أو ملكا أو جنياً في مسجدٍ أو غيره“.

امام کے ساتھ کسی ایک شخص کا مل کر نماز ادا کرنا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام یا عاقل بچہ یا فرشتہ یا جن اور چاہے مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں ہو۔(۳)

---

(۱)الصحيح للبخاري، كتاب الأذان، باب فضل صلوة الجماعة وباب وجوب صلوة الجماعة: ۸۹/۱

(۲)حجة الله البالغة، مبحث في الجماعة وحكمة تشريعها: ۲۵/۲، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۲۳۲ (۳)حاشية الطحطاوي حواله سابقه، ص: ۲۳۲

جماعت کا حکم:

پنج وقتہ نمازوں کی جماعت کے بارے میں فقہائے احناف میں سے اکثر اور عامۃ المشائخ کا قول وجوب کا ہے۔ان مشائخ کا استدلال صیغہ امر ﴿و ارکعوا مع الراکعین﴾ (البقرۃ:۴۳) سے ہے جو اطلاق کے وقت وجوب پر محمول ہوتا ہے۔ مذکورہ مشائخ کا مطمحِ نظر وہ احادیث بھی ہیں جن میں جماعت کے ترک پر شدید وعید آئی ہے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کی مواظبت اور امتِ مسلمہ کا تعامل بھی ان کے ہاں وجوب کی دلیل ہے، تاہم متون اور صحیح روایات کے مطابق حنفیہ کے ہاں جماعت سنتِ مؤکدہ ہے جو کہ عملی طور پر وجوب کے قریب قریب ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے امام کرخی فرماتے ہیں کہ: ''جماعت سنتِ مؤکدہ ہے تاہم کسی شخص کے لیے بغیر عذر اس کو چھوڑنا جائز نہیں''۔ علامہ شرنبلالی فرماتے ہیں کہ: ''اگر کوئی شہر یا محلہ والے جماعت کو بلا عذر ترک کردیں تو ان کو ادائیگی کا حکم دیا جائے گا ورنہ ان سے قتال کیا جائے گا، اس لیے کہ جماعت شعائرِ اسلام اور خصائصِ دین میں سے ہے''۔(۱)

پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ نمازوں میں جماعت کا حکم:

(۱) عیدین اور جمعہ کی نماز کے لیے جماعت شرط ہے۔

(۲) تراویح کے لیے جماعت سنتِ کفایہ ہے۔

(۳) وتر رمضان کے لیے جماعت مستحب ہے اسی طرح صلوۃِ کسوف (سورج گرہن) کے لیے بھی جماعت مستحب ہے۔

(۴) رمضان کے علاوہ وتر اور نوافل کے لیے جماعت کا اہتمام مکروہ ہے، البتہ اہتمام اور تداعی کے بغیر نوافل کی جماعت بھی جائز ہے۔(۲)

جماعت کس پر واجب ہے؟

فقہائے کرام کے ہاں درج ذیل شرائط کی موجودگی میں جماعت کے لیے حاضر ہونا ضروری ہے:

(۱) مرد ہونا (۲) عاقل ہونا (۳) بالغ ہونا (۴) آزاد ہونا (۵) شرعی اعذار سے خالی ہونا

---

(۱) مراقي الفلاح علیٰ صدر حاشية الطحطاوي، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۲۳۱، ۲۳۲، بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في مایجب علی السامعین، والثاني الجماعة: ۱/ ۶۶۰۔ ۶۶۲، الفتاوی الهندية، کتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة: ۱/ ۸۲

(۲) حاشية الطحطاوي علیٰ مراقي الفلاح باب الإمامة، ص: ۲۳۲، الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۲/ ۲۳۲

جماعت کس پر واجب نہیں؟

مجبوری اور اعذار کی بنا پر جماعت کا وجوب معاف ہوجاتا ہے، جیسے کوئی شخص بیمار ہو، عمر دراز اور بوڑھا ہو، ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں یا پاؤں کٹا ہوا ہو، ایسا مفلوج ہو کہ چل نہ سکتا ہو، نابینا ہو، بارش ہو رہی ہو، سخت ٹھنڈک اور برف باری ہو، راستے میں کیچڑ ہو، رات بہت تاریک ہو اور روشنی کا انتظام نہ ہو، اندھیری رات ہو اور تیز ہوا چل رہی ہو، کسی مریض کا تیماردار ہو، سفر کا ارادہ ہو اور جماعت میں شرکت کی صورت میں قافلہ یا گاڑی چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو، مال ضائع ہونے کا خطرہ ہو، پیشاب یا پاخانہ کا تقاضا ہو یا سخت بھوک لگی ہو اور کھانا سامنے ہو؛ ان تمام صورتوں میں جماعت چھوڑنے کی اجازت ہے۔(۱)

جماعت کی کم سے کم مقدار:

جمعہ اور عیدین کے علاوہ بقیہ نمازوں کے لیے اگر امام کے ساتھ کوئی ایک مرد یا عورت یا عاقل بچہ ہو تو بھی باجماعت نماز کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے۔ اسی طرح جماعت کی فضیلت کے لیے مسجد ہونا بھی شرط نہیں، بلکہ امام کے ساتھ ایک مقتدی کا پایا جانا بہر صورت جماعت کہلائے گی، تاہم بلا عذر مسجد سے باہر نماز پڑھنے سے جماعت کے ثواب میں کمی آتی ہے۔(۲)

جماعت فوت ہوجائے تو کیا کیا جائے؟

اگر کسی شخص سے اپنے محلے میں نماز باجماعت فوت ہوجائے تو کسی اور مسجد جاکر باجماعت نماز پڑھنے کا اہتمام اس پر واجب نہیں، تاہم اگر وہ ایسا کرلے تو افضل ہے۔ اسی طرح اس کو یہ بھی حق ہے کہ وہ اپنے محلے کی مسجد میں اکیلے نماز پڑھ لے یا گھر جاکر اپنے گھر والوں کو جمع کرکے ان کو نماز پڑھائے۔(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل في من تجب علیه الجماعة:۱/۶۶۲،۶۶۳، الفتاوی الهندية، کتاب الصلوۃ، الباب الخامس، الفصل الأول في الجماعة:۱/۸۳، الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الإمامة:۲/۲۹۰-۲۹۴

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل في من تنعقد به الجماعة:۱/۶۶۴،۶۶۵، الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الإمامة:۲/۲۸۹، ۲۹۰

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل في بیان مایفعله بعدفوات الجماعة:۱/۶۶۵، الفتاوی الهندية، کتاب الصلوۃ، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة:۱/۸۲،۸۳

جماعتِ ثانیہ کا مسئلہ

جماعت فوت ہونے پر مسجد میں باقاعدہ دوسری جماعت کے اہتمام کرنے سے جماعت کی اہمیت باقی نہیں رہتی اس لیے فقہائے احنافؒ کے ہاں جماعت ثانیہ کے مسئلے میں کچھ تفصیل ہے، جس کی کئی صورتیں ہیں:

(الف) مسجدِ طریق یا وہ مسجد جس کے لیے کوئی امام ومؤذن مقرر نہ ہو، بلکہ گزرنے والوں کے مختلف گروہ آتے ہوں اور نماز ادا کر لیتے ہوں تو بہتر یہی ہے کہ ہر گروہ اذان واقامت کے ساتھ جماعت کر لیا کرے، تاہم اگر امام ومؤذن مقرر ہو تو ایسی صورت میں اذان واقامت کے بغیر جماعت ثانیہ پڑھ لیں۔

(ب) مسجدِ محلّہ، جس میں امام وغیرہ مقرر ہوں اور اہلِ محلّہ نے بہ آوازِ بلند آذان دے کر نماز ادا کر لی ہو تو ایسی مسجد میں تکرارِ جماعت مکروہِ تحریمی ہے۔

(ج) مسجدِ محلّہ ہو اور اہلیانِ محلّہ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے نماز ادا کر لی ہو تو اہلِ محلّہ کے لیے جماعتِ ثانیہ جائز ہے۔

(د) مسجدِ محلّہ ہو، اہلِ محلّہ نے نماز ادا کر لی ہو، لیکن آذان اتنی آہستہ دی ہو کہ لوگوں نے نہیں سنی ہو تو اب بھی جماعتِ ثانیہ جائز ہے۔

(ہ) قاضی ابویوسفؒ کے نزدیک اگر جماعتِ ثانیہ کی ہیئت جماعتِ اولیٰ سے مختلف ہو تو جماعتِ ثانیہ میں مضائقہ نہیں اور اختلافِ ہیئت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ پہلے جس جگہ (مثلاً محراب) جماعت ادا کی گئی تھی، اب وہاں سے ہٹ کر جماعت ادا کی جائے۔

(و) امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ جماعتِ ثانیہ اس وقت مکروہ ہے جب کہ اس کی دعوت دی جائے اور اجتماع کیا جائے۔ چند آدمی اتفاقاً پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں۔

(ز) عام فقہائے کرام نے جماعتِ ثانیہ کو اس وقت مکروہ کہا ہے جب کہ تین سے زیادہ لوگ ہوں، اس لیے کہ ان کے ہاں اسی مقدار پر تداعی کا اطلاق ہوتا ہے، لیکن یہ متاخرین کی تشریح ہے، اصحابِ مذہب اور متقدمین کے یہاں تعداد کی تحدید نہیں ملتی۔ بظاہر تداعی سے مراد دعوت دے کر لوگوں کو جمع کرنا ہے، خواہ تعداد تین سے زیادہ ہو یا کم ہو۔(۱)

❁❁❁❁❁

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد:۲/۲۸۸، ۲۸۹، معارف السنن، بحث الجماعة الثانية تحت باب ماجاء في الجماعة في مسجد قد صلي فيه مرة:۲/۲۸۵-۲۸۸، قاموس الفقه، مادة جماعت:۳/۱۱۹-۱۲۰

اذان سننے کے باوجود اکیلے نماز پڑھنا

سوال نمبر(186):

میں ایک کارخانہ میں ملازم ہوں، میرے ذمہ عصر سے لے کر عشا تک کی نمازوں کے وقت مشینری چلانے کی ڈیوٹی ہوتی ہے، اس دوران قریبی مساجد سے اذانیں سنائی دیتی ہیں، لیکن مشینری کو چالو حالت میں چھوڑ کر باجماعت نماز نہیں پڑھ سکتا اور اکیلے ہی نماز پڑھنی ہوتی ہے تو سوال یہ ہے کہ اذان سن کر ڈیوٹی کی جگہ میری نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ از رُوئے شریعت میری نماز کی کیا حیثیت ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

باجماعت نماز پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے۔ بغیر کسی عذر کے جماعت ترک کرنے پر احادیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، لہٰذا جہاں تک ممکن ہو باجماعت نماز پڑھنے کی کوشش کی جائے، ورنہ کم از کم مسجد میں اکیلے نماز پڑھنے کی فرصت نکالنی چاہیے، تاہم جس کے لیے عذر اور حرج کی بنا پر مسجد میں حاضری اور جماعت میں شرکت مشکل ہو تو وقت داخل ہونے کے بعد اذان سن کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

تجب على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلوة بالجماعة من غير حرج.(۱)

ترجمہ:

عاقل، بالغ، آزاد اور بغیر کسی حرج کے باجماعت نماز پڑھنے پر قادر مردوں پر باجماعت نماز پڑھنا واجب ہے۔

❁❁❁

حجرہ میں جماعت کرانا

سوال نمبر(187):

کسی حجرہ میں دس پندرہ آدمی مل کر باجماعت نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں جب کہ مسجد قریب ہو؟

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة: ۸۲/۱

الجواب وباللہ التوفیق:

اگرچہ گھر اور حجرے میں باجماعت نماز جائز ہے، لیکن اس میں یقیناً وہ ثواب نہیں ملتا جو ثواب مسجد میں جا کر نماز پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ مزید براں اس سے مسجد کا کردار اور مسلمانوں کا باہمی اتفاق واتحاد متاثر ہوتا ہے، اس لیے بلاضرورتِ شدیدہ حجرہ میں جماعت کرنے کی بجائے مسجد میں جانا چاہیے۔

والدليل علىٰ ذلك:

يمكنه أن يجمع بأهله في بيته... إنّ مذهب الإمام الحلواني بذلك أنّه لا ينال ثواب الجماعة، وأنه يكون بدعة، ومكروها بلاعذر... أن الأصح أنه لو جمع بأهله لايكره وينال فضيلة الجماعة لكن جماعة المسجد أفضل.(۱)

ترجمہ: آدمی کے لیے ممکن ہے کہ اپنے اہل وعیال کو گھر میں جمع کر کے باجماعت نماز پڑھ لے......امام حلوائیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے جماعت کا ثواب نہیں ملے گا اور بغیر عذر کے ایسا کرنا بدعت اور مکروہ ہے......لیکن صحیح یہ ہے کہ اگر گھر والوں کے ساتھ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو یہ مکروہ نہیں ہے اور اس سے جماعت کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے، البتہ مسجد میں نماز باجماعت پڑھنا افضل ہے۔

تجب على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلوٰة بالجماعة من غير حرج. وفي ردالمحتار: لقوله عليه السلام: "لاصلوة لجار المسجد إلافي المسجد".(۲)

ترجمہ: عاقل، بالغ، آزاد، بلاحرج جماعت سے نماز پڑھنے پر قادر مردوں پر باجماعت نماز پڑھنا واجب ہے۔ شامی میں ہے: آپ ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ: ''مسجد کے پڑوسی کی نماز (کامل) نہیں ہوتی، مگر مسجد ہی میں''

❁❁❁

جماعت میں دیوث کی موجودگی

سوال نمبر(188):

ایک شخص جو اپنی ناموس پر غیرت نہ کرتا ہو، بلکہ اس پر فخر کرتا ہو، اس کے اس ناکارہ عمل پر اکثر لوگ خبردار بھی

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ۲/ ۶۵.

(۲) الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۲/ ۲۹۰، ۲۹۱.

ہیں، باوجود اس کے وہ کبھی کبھار باجماعت نماز میں شریک ہوتا ہے تو کیا اس کی شرکت سے جماعت پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ نیز اس کے ساتھ صف میں کھڑے لوگوں کی نماز میں کوئی خرابی تو نہیں آتی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اسلام ایک آفاقی نظام ہونے کی حیثیت سے معاشرے کی ہر برائی کی مذمت کرتا ہے، پھر اگر کوئی اپنی عزت اور غیرت کا جنازہ نکال دے تو شریعت ایسے آدمی کو دیوث کے نام سے پکارتی ہے۔ چونکہ یہ ایک نہایت فسق وفجور والا عمل ہے، اس لیے ایسے آدمی کی اقتدا میں نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے، البتہ ایسے شخص کے مقتدی ہونے کی صورت میں دوسرے لوگوں کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لہٰذا باجماعت نماز کے دوران یہ آدمی صف میں کھڑا ہو جائے تو اِس صف سمیت تمام نمازیوں کی نماز بلا کراہت درست رہتی ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(وعن بريدة قال:قال رسول الله ﷺ"العهد")أي :الميثاق المؤكد بالأيمان (الذي بيننا) أي: معشر المسلمين (وبينهم الصلاة) قال القاضي :الضمير الغائب للمنافقين شبه الموجب لإبقائهم، وحقن دمائهم بالعهد المقتضي لإبقاء المعاهد، والكف عنه، والمعنىٰ أن العمدة في إجراء أحكام الإسلام عليهم تشبههم بالمسلمين في حضور صلاتهم،ولزوم جماعتهم، وإنقيادهم للأحكام الظاهرة، فإذا تركوا ذلك كانوا هم والكفار سواء.(۱)

ترجمہ:

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ’’مسلمانوں اور ان (منافقین) کے مابین جو پکا معاہدہ ہوا وہ نماز پر ہوا۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ’’بینھم‘‘ کی ضمیر منافقین کو راجع ہے‘‘، یعنی ان کو باقی رکھنے اور ان کی جانوں کی حفاظت کو اُس معاہدہ سے تشبیہ دی جس کی وجہ سے معاہد کی جان باقی رکھی جاتی ہے اور اُس کے ساتھ قتال سے رُکا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن پر احکام اسلام جاری کرنے کی وجہ اُن کی مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں حاضر ہونے، مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنے اور ظاہری احکام میں پیروی کرنے میں مشابہت ہے۔ اگر وہ یہ مشابہت چھوڑ

(۱)مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ،الفصل الثاني:۲/۲۷٦

دیں تو وہ باقی کفار کے برابر متصور ہوں گے۔

❁❁❁

انفراداً فرض نماز ادا کرتے وقت جماعت کھڑی ہو جانا

سوال نمبر (189):

ایک شخص مسجد میں وقتی فرض نماز ادا کر رہا ہو اور اِسی دوران جماعت کھڑی ہو جائے تو کیا نماز توڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے یا اپنی نماز مکمل کرلے؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کوئی شخص فرض نماز ادا کر رہا ہو اور اسی دوران جماعت کھڑی ہو جائے تو اگر اس نے اب تک پہلی رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہے تو نماز توڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے اور اگر پہلی رکعت کا سجدہ کیا ہے تو پھر دوسری رکعت ملا کر سلام پھیرے اور جماعت میں شریک ہو، اسی طرح اگر نماز چار رکعت والی ہے اور اس نے تیسری رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہے تو نماز توڑ دے اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ کیا ہے تو چوتھی رکعت ملا کر سلام پھیر لے۔ نماز مکمل کرنے کی صورت میں اس کا فرض پورا ہو جائے گا۔ اب اگر جماعت کے ساتھ ملتا ہے تو یہ اس کی نفل نماز شمار ہوگی اور یہ صرف ظہر وعشا میں ممکن ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(صلیٰ ركعة من الظهر فأقيم يتم شفعًا، ويقتدي)... وقيّد بالركعة التي تتمّ بالسجدة لأنه لولم يقيّد الأولىٰ بالسجدة فإنه يقطع ويشرع مع الإمام، وهو الصحيح... (ولو صلىٰ ثلاثا يتم ويقتدي متطوعاً)... ولو كان في الثالثة، ولم يقيّدها بالسجدة فإنه يقطعها. (۱)

ترجمہ:

ظہر کے فرض میں سے ایک رکعت پڑھی کہ جماعت کھڑی ہوگئی تو دو رکعت پوری کرے اور امام کی اقتدا کرے...... ماتن نے (دو رکعت پوری کرنے کو) ایک رکعت پڑھنے سے مقید کیا جو سجدہ کرنے سے پوری ہوتی ہے، اس لیے اگر پہلی رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہ کیا ہو تو وہ نماز توڑ کر امام کے ساتھ نماز شروع کرے گا، یہی صحیح (طریقہ) ہے اور اگر تین رکعتیں پڑھی ہوں تو (چار رکعت) پوری کر کے نفل اقتدا کی نیت باندھے اور اگر تیسری رکعت میں ہو لیکن اس کو سجدہ

(۱) البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۲/۱۲۳، ۱۲٤، ۱۲٦

کے ساتھ مقید نہ کیا ہو تو نماز کو توڑے گا (اور امام کی اقتدا کرے گا)

❁❁❁

خواتین کا جماعت میں شریک ہونا

سوال نمبر (190):

ہماری مسجد کی انتظامیہ (کمیٹی) میں بعض احباب کی رائے ہے کہ رمضان المبارک کے موقع پر تراویح کے دوران ختم قرآن کے لیے تہہ خانے میں مستورات کے لیے باجماعت نماز کا باپردہ انتظام ہو جب کہ بعض دیگر حضرات کا موقف ان کے خلاف ہے۔ فقہ حنفی کے حوالے سے رہنمائی فرمائیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فتنہ وفساد کے اس دور میں عورتوں کا مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا تشویش سے خالی نہیں، یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام مسجد میں عورتوں کی نماز میں شرکت کو مکروہِ تحریمی لکھتے ہیں، تاہم اگر کسی مسجد میں شرعی پردے کا معقول انتظام ہو اور کسی فتنے وفساد کا خطرہ نہ ہو (جو کہ مشکل ہے) تو ایسی صورت میں عورتوں کے لیے مرد امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن فتنہ وفساد کے نہ ہونے کے باوجود بھی عورتوں کے لیے گھروں میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز کے مقابلے میں بدرجہا بہتر ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(ویکرہ حضورهن الجماعة) ولو لجمعة، وعيد، ووعظ (مطلقا) ولو عجوزا ليلاً (على المذهب) المفتىٰ به لفساد الزمان.(۱)

ترجمہ:

اور جماعت میں عورتوں کا حاضر ہونا خواہ جمعہ کے لیے ہو یا عید کے لیے ہو یا وعظ کے لیے، مطلقاً خواہ بوڑھی عورت ہو اور رات کو آئے؛ مفتیٰ بہ مذہب کے مطابق فسادِ زمانہ کی وجہ سے یہ مکروہ ہے۔

❁❁❁

(۱) الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ: ۳۰۷/۲.

سلام پھیرنے کے بعد امام کا دعا پڑھنا

سوال نمبر(191):

فرض نماز کے بعد سلام پھیر کر امام کا بلند آواز سے "اللّٰھم أنت السلام ..." پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نماز کے بعد سلام پھیر کر امام کا مقتدیوں کی طرف رخ کر کے"اللّٰھم أنت السلام ... "پڑھنا روایات سے صراحتاً ثابت ہے،البتہ یہ دعا یا دیگر اوراد و وظائف کا پڑھنا پست آواز سے بہتر ہے،تاہم اگر مقتدیوں کو تعلیم دینا مقصود ہو تو بلند آواز سے بھی پڑھنا جائز ہے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

واختار للإمام، والمأموم أن یذکر اللّٰہ بعد الفراغ من الصلوۃ، ویخفیان ذلك إلّا أن یقصد التعلم.(۱)

ترجمہ:

امام اور مقتدی دونوں کے لیے شریعت نے یہ اختیار کیا ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور دونوں اس کو آہستہ پڑھیں الّا یہ کہ تعلیم مقصود ہو (یعنی پھر بلند آواز سے بھی پڑھ سکتے ہیں)

وعن ثوبانؓ أنّ رسول اللّٰہ ﷺ کان إذا انصرف من صلوته استغفر ثلاث مرات، ثم یقول: "اللّٰھم أنت السلام، ومنك السلام تبارکت یا ذا الجلال والإکرام".(۲)

ترجمہ:

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو تین مرتبہ استغفار پڑھتے اور پھر "اللّٰھم انت السلام الخ" پڑھتے تھے۔

(۱)عمدة القاري،باب الذکر بعد الصلاة:۱۲۶/۶.

(۲)سنن ابن ماجة، کتاب الصلاة،أبوب إقامة الصلاة،والسنة فیها،باب مایقال بعد التسلیم:٦٦

جماعت پانے کے لیے دوسری مسجد میں جانا

سوال نمبر(192):

ایک شخص سے اگر محلے کی مسجد میں جماعت فوت ہوجائے تو جماعت پانے کے لیے دوسری مسجد میں جانے کو شریعت کس نظر سے دیکھتی ہے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی شخص سے اپنے محلے کی مسجد کی جماعت فوت ہوجائے تو اس غرض سے دوسری مسجد میں جانا کہ وہاں جماعت کی نماز پڑھ کر جماعت کا ثواب پالے نہ صرف جائز، بلکہ بہتر ہے، البتہ اگر اپنے محلے کی مسجد میں اکیلے نماز پڑھ لے تو وہ بھی جائز ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

رجل فاتته الجماعة في مسجد حيّه، فإن ذهب إلىٰ مسجدٍ آخر، وصلّىٰ فيه بجماعة فهو حسن، وإن صلىٰ في مسجد حيّه، وحدَه فهو حسن. (١)

ترجمہ:

ایک شخص سے اپنے محلے کی مسجد میں جماعت فوت ہوگئی، پس اگر وہ دوسری مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھے تو یہ اچھا ہے اور اگر اپنے محلے کی مسجد میں اکیلے نماز پڑھ لے تو یہ بھی اچھا ہے۔

❁❁❁

گھر میں باجماعت نماز پڑھنے کا طریقہ

سوال نمبر(193):

کبھی کبھار اگر گھر میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوجائے تو کیا گھر میں باجماعت نماز پڑھنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو ایسا کیا طریقہ اختیار کیا جائے کہ گھر کے جملہ افراد مرد وخواتین سب اس میں شامل ہوسکیں؟

(١) إمام فخر الدين، حسن بن منصور الأوزجندي، الفتاوى الخانيه، باب التيمم، فصل في المسجد: ٦٧/١

الجواب وباللہ التوفیق:

مردوں کے لیے مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا ضروری ہے، بغیر کسی شرعی عذر کے گھر میں نماز پڑھنا مناسب نہیں۔ حضور پاک ﷺ نے ایسا کرنے والوں کے بارے میں سخت وعیدات سنائی ہیں، البتہ بوقتِ ضرورت کسی عذر کی وجہ سے اگر کبھی کبھار گھر میں جماعت پڑھنے کا اتفاق ہو جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مکان کے کسی پاک حصے میں سب سے آگے امام کھڑا ہو جائے اس کے بعد بالغ مردوں کی صف، اس کے بعد بچوں کی صف اور اس کے بعد عورتوں کی صف کھڑی ہو۔ یہی ترتیب حکمِ شرعی کے موافق ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ولو اجتمع الرّجال، والصّبیان، والإناث، والصبیّات، والمراهقات. یقوم الرّجال أقصی مایلي الإمام، ثم الصّبیان، ثم الإناث، ثم الصّبیّات المراهقات.(۱)

ترجمہ:

اگر مرد، بچے، عورتیں اور بچیاں جمع ہوں تو امام کے بالکل نزدیک مرد کھڑے ہوں، پھر بچے پھر عورتیں اور پھر مراہق (قریب البلوغ) بچیاں۔

❁❁❁

محلے کی مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں نماز پڑھنا

سوال نمبر (194):

اپنے محلے کی مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اگر محلے کے لوگ ادھر اُدھر ہو جائیں تو محلے کی مسجد کیسے آباد ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایسا کرنا محلے میں بے اتفاقی اور انتشار کی علامت سمجھی جاتی ہے جس سے حتی الوسع گریز کرنا چاہیے، البتہ اگر امام کی حالت قابلِ اطمینان نہ ہو یا دوسری مسجد میں کوئی ذمہ داری

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، باب في الإمامة، الفصل الخامس في بیان مقال الإمام والمأموم: ۱/۸۸، ۸۹.

ہو یا کوئی اور شرعی عذر ہو تو دوسری مسجد میں جانا بھی جائز ہے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

رجل صلّى في مسجدٍ جامع لكثرة الجمع لايصلي في مسجد حيّه؛ فإنّه يصلي في مسجد منزله..... لولم يكن لمسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب إليه، ويؤذن فيه، ويصلي، ولو كان وحده؛ لأنّه له حق عليه فيؤديه. (۱)

ترجمہ:

کوئی شخص کثرت جماعت کی وجہ سے جامع مسجد میں نماز پڑھتا ہو اور محلّہ کی مسجد میں نماز نہیں پڑھتا تو اس کو چاہیے کہ اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھے......اگر محلے کی مسجد کا مؤذن نہ ہو (یعنی کوئی اذان نہ دے) تو یہ جا کر وہاں اذان دے اور نماز پڑھے اگرچہ اکیلا ہو، کیونکہ اس مسجد کا اس پر حق ہے جو یہ اُسے ادا کرے۔

تین مقتدی اور تین صف

سوال نمبر(195):

ریل گاڑی میں سفر کرتے ہوئے جب نماز پڑھنی ہوتی ہے تو کبھی کبھار تین چار آدمی مل کر با جماعت نماز پڑھتے ہیں۔ جگہ چونکہ تنگ ہوتی ہے، اس لیے جتنے آدمی ہوں اُتنی ہی صفیں بنانی پڑتی ہیں تو اگر ہر صف میں ایک آدمی کھڑا ہو تو اس صورت میں باجماعت نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

ایسی جگہ پر باجماعت نماز پڑھنا جہاں مقتدیوں کے لیے امام کے پیچھے ایک صف کی صورت میں برابر کھڑا ہونا دشوار ہو تو پھر امام کے پیچھے اس طریقے سے کھڑا ہونا بھی درست ہے کہ ہر صف میں ایک آدمی کھڑا ہو، لیکن اس بات کی رعایت ضروری ہے کہ صفوں کے مابین فاصلہ اتنا زیادہ نہ ہو جو صحت اقتدا کے لیے رکاوٹ ہو، یعنی صفوں کے مابین عام گزرگاہ یا نہر جاری اور یا عورتوں کی صف حائل نہ رہے۔

(۱) الفتاوى الخانية، باب التيمم، فصل في المسجد: ۶۷/۱.

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ریل کے اندر جگہ کی تنگی کی وجہ سے ایک ایک آدمی کی صف بنا کر جماعت پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ اقتداء سے کوئی اور چیز مانع نہ ہو۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ولو قام الإمام في الطريق، واصطفّ الناس خلفه في الطريق على طولِ الطريق إن لم يكن بين الإمام، وبين من خلفه في الطريق مقدار مايمرّ فيه العجلة جازت صلوتهم.(١)

ترجمہ:

اگر امام راستے میں کھڑا ہو اور لوگ اُس کے پیچھے راستے کی لمبائی میں صف بنالیں تو اگر امام اور مقتدیوں کے مابین اتنا فاصلہ نہ ہو جس میں کوئی گاڑی گزر سکے تو ان کی نماز جائز ہے۔

❁❁❁

مسجد کی بالائی منزل میں باجماعت نماز پڑھنا

سوال نمبر(196):

مسجد کی بالائی منزل میں باجماعت نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ نیچے جگہ خالی ہو یا کسی ضرورت کی وجہ سے بند ہو، دونوں صورتوں کا حکم واضح کریں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسجد کی اوپر نیچے کی منزلیں سب مسجد کے حکم میں ہوتی ہیں، اِس لیے تمام منزلوں میں نماز پڑھنا اور جماعت کرانا درست ہے، تاہم مسجد کی جو منزل عام طور پر باجماعت نماز پڑھنے کے لیے مختص ہوتی ہے، بغیر کسی عذر کے اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری منزلوں میں جماعت پڑھنا مکروہ ہے، البتہ اگر وہ مخصوص منزل نمازیوں کی کثرت یا کسی اور وجہ سے تنگ ہو جائے تو بلا کراہت دوسری منزلوں میں باجماعت نماز پڑھنا درست ہے۔ نیز بلا ضرورت مسجد کی چھت پر چڑھ کر نماز پڑھنا مسجد کے احترام کے منافی ہے، اِس لیے فقہاے کرام کے ہاں ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

---

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الرابع: ٨٧/١.

والدلیل علیٰ ذلك:

الصُّعود علی سطح کلّ مسجد مکروہ، ولھذا إذا اشتد الحرّ یکرہ أن یصلوا بالجماعة فوقه، إلّا إذا ضاق المسجدُ، فحینئذٍ لایکرہ الصعود علی سطحه للضرورة .(١)

ترجمہ:

کسی بھی مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے، لہٰذا اگر سخت گرمی ہو تو بھی مسجد کے اوپر باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ جب مسجد تنگ ہو تو اس وقت ضرورت کے تحت چھت (بالائی منزل) کے اوپر چڑھ کر نماز باجماعت پڑھنا مکروہ نہیں۔

❁❁❁

جماعتِ ثانیہ

سوال نمبر(197):

مسجد میں جماعتِ ثانیہ کا کیا حکم ہے؟ نیز مسجد میں جماعتِ ثانیہ کرانے کے لیے کیا شرائط ہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہاے اُمت کی تصریح کے مطابق محلے کی مسجد میں جب اہلِ محلّہ اذان واقامت کے ساتھ ایک دفعہ باجماعت نماز ادا کرلیں تو اسی مسجد میں اسی ہیئت کے ساتھ دوسری جماعت کرانا مکروہِ تحریمی ہے، تاہم درجہ ذیل قیودات میں سے اگر کوئی قید مفقود ہو تو کراہت نہیں رہتی:

مثلاً: (١) مسجد محلّہ کی نہ ہو، بلکہ راستہ کی ہو .(٢) غیر اہل محلّہ نے مسجد میں اذان واقامت کے ساتھ باجماعت نماز پڑھی ہو، (٣) اہل محلّہ نے بغیر اذان کے آہستہ اذان کے ساتھ باجماعت نماز پڑھی ہو (۴) دوسری جماعت کی ہیئت تبدیل کی جائے، یعنی محراب سے ہٹ کر جماعت کرائی جائے ......تو ان تمام صورتوں میں دوسری جماعت بلاکراہت جائز ہے۔

---

(١) الفتاوی الھندیة، کتاب الکراھة، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۲

والدلیل علیٰ ذلك:

يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة إلا إذا صلى بهما فيه،أولا غير أهله،أوأهله لكن بمخافتة الأذان،ولو كرّر أهله بدونهما،أو كان مسجد طريق جاز إجماعا،كما في مسجد ليس له امام ولا مؤذن،ويصلى الناس فيه فوجاً فوجاً فإن الأفضل أن يصلي كل فريق بأذان،وإقامة علي حدة.(۱)

عن أبي يوسف: أنه اذالم تكن الجماعة على الهيئة الاولىٰ لا تكره وإلاتكره، وهو الصحيح و بالعدول عن المحراب تختلف الهيئة.(۲)

ترجمہ:مسجدِ محلّہ میں اذان واقامت کے ساتھ جماعتِ ثانیہ کرنا مکروہ ہے،البتہ اُس صورت میں مکروہ نہیں جب مسجدِ محلّہ میں اہلِ محلّہ کے علاوہ کسی اور نے جماعت کرائی ہو یا اہلِ محلّہ نے جماعت کرائی ہو،لیکن اذان آہستہ دی ہو(ایسی صورت میں)اگر اہلِ محلّہ نے دوبارہ بغیر اذان واقامت کے نماز پڑھ لی یا یہ مسجد راستہ کی ہو تو پھر بالاجماع اس میں جماعتِ ثانیہ جائز ہے،جیسا کہ اس مسجد میں جائز ہے جس کا مستقل امام ومؤذن نہ ہو اور لوگ اس میں گروہ در گروہ آ کر نماز پڑھ کر چلے جاتے ہوں۔اس میں افضل یہ ہے کہ ہر گروہ الگ الگ اذان واقامت کے ساتھ جماعت کرلیا کرے۔

امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ اگر جماعتِ ثانیہ اس ہیئت پر ادا نہ کی جائے جس پر جماعتِ اولیٰ ادا کی گئی تھی تو مکروہ نہیں اور اگر اُسی ہیئت پر ہو،تو پھر مکروہ ہے،یہی قول صحیح ہے۔اور محراب سے ہٹ کر(کسی دوسری جگہ جماعتِ ثانیہ کے امام کے)کھڑے ہوجانے سے ہیئت میں تبدیلی آتی ہے۔

❁❁❁

اسکول میں باجماعت نماز

سوال نمبر(198):

ہمارے سکول میں مستقل مسجد نہیں۔سردی کے موسم میں ظہر کی جماعت ہم اسکول کے گراؤنڈ میں کراتے ہیں۔بعض لوگ اسے مکروہ کہتے ہیں۔شریعت کے لحاظ سے اس مسئلہ کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

---

(۱)ردالمحتارعلى درالمختار، كتاب الصلوة،باب الإمامة،مطلب :في تكرار الجماعة في المسجد:۲/۲۸۸

(۲)ردالمحتارعلى درالمختار، كتاب الصلوة،باب الأذان،مطلب في المؤذن إذاكان غيرمحتسب في أذانه:۲/٦٤

الجواب وباللہ التوفیق:

امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ مسجد کے علاوہ بھی اگر کسی پاک مقام پر نماز ادا کرنا چاہے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ نعمتیں ایسی مرحمت فرمائی ہیں جو پچھلے انبیاءؑ میں سے کسی نبیؑ کو نہیں دی گئیں''، اُن میں سے ایک یہ ذکر فرمایا کہ: ''میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد بنادیا گیا ہے، یعنی میری امت جہاں بھی نماز ادا کرنا چاہے تو ان کی نماز ہو جاتی ہے''، لہٰذا اگر مسئولہ صورت میں انتظامی ضرورت کی بنیاد پر اسکول کے اندر ہی اساتذہ وطلبہ با جماعت نماز پڑھنا چاہیں تو ان کو با جماعت نماز کا ثواب اور فضیلت مل سکتی ہے، یہ مکروہ نہیں، تاہم مسجد میں با جماعت نماز پڑھنے کی جو فضیلت ہے یہ اُس تک نہیں پہنچ سکتی۔

والدلیل علیٰ ذلک:

عن جابر بن عبد اللہ قال: قال رسول اللہ ﷺ:" أعطیت خمسا لم یعطهن أحد من الأنبیاء قبلی نصرت بالرعب مسیرة شهر، وجعلت لی الأرض مسجداً وطهوراً وایما رجل من أمتي أدركته الصلاة فلیصل".(۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئی تھیں: ایک مہینہ کی مسافت تک مجھے رعب عطا کر کے میری مدد فرمائی گئی، پوری سرزمین کو میرے لیے مسجد اور پاکی کا ذریعہ بنایا گیا اور میری امت میں سے جس کسی پر جہاں بھی نماز کا وقت آجائے اس جگہ نماز پڑھ لے''۔

إن كانت الدار إذا أغلقت لم یكن فیها جماعة، وإذا فتح بابها كان لها جماعة، فلیس هذا مسجدا وإن كانوا لا یمنعون الناس من الصلاة فیه.(۲)

ترجمہ: اور اگر کوئی گھر ایسا ہو کہ جب اس کا دروازہ بند ہو، تب تو اس میں جماعت نہیں ہوتی ہے، لیکن جب یہ گھر کھلا ہو تو اس میں جماعت ہوتی ہو تو یہ گھر مسجد شرعی نہیں ہے، اگرچہ اس میں نماز کی ادائیگی سے کسی کو نہیں روکا جاتا ہو۔

❁❁❁

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصلوة، باب قول النبی ﷺ جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا: ۱/۶۲

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلوة، الباب السابع فیما یفسد الصلوة وما یكره فیها، الفصل الثاني: ۱/۱۱۰

مسجد کے ہال سے ملے ہوئے کمرے میں جماعت کرانا

سوال نمبر(199):

ایک جامع مسجد میں مسجد کی عمارت کے اندر ایک الگ کمرہ ہے جس میں بسا اوقات کسی مہمان وغیرہ کو بٹھایا جاتا ہے اور یہ مسجد کے احاطہ میں ہے۔ مسجد اور کمرہ کے درمیان ایک دیوار حائل ہے۔ بعض اوقات مسجد کے مرکزی محراب کو چھوڑ کر اس جگہ بلا کسی شرعی عذر کے نماز ادا کی جاتی ہے تو آیا اس میں باجماعت نماز ادا کرنا مسجد میں جماعت شمار ہوگی یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت مطہرہ کی رو سے زمین کا جو ٹکڑا مسجد کے لیے وقف ہو کر مسجد کے احاطے میں داخل ہو جائے تو اس احاطے میں ہر جگہ نماز پڑھنے سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ منبر و محراب فقط مسجد کے وسط کے تعین کے لیے بنائے جاتے ہیں۔

صورتِ مسئولہ میں مذکورہ کمرہ اگر مسجد کی زمین کے ساتھ وقف ہوا ہو اور یہ باقاعدہ مسجد کا حصہ ہو تو اس صورت میں اس کمرے میں باجماعت نماز ادا کرانا مسجد میں جماعت کے مترادف ہوگا، تاہم بہتر یہی ہے کہ مسجد کے مرکزی ہال اور وسط میں جماعت کرائی جائے اور بلا ضرورت اس کمرے میں جماعت نہ کرائی جائے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قوله: (أوجعل فوقه بيتا) ظاهره أنه لا فرق بين أن يكون البيت للمسجد،أو لا،إلا أنه يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجدا فيما إذا لم يكن وقفا علىٰ مصالح المسجد... قال في البحر:وحاصله أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله وعلوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ:﴿وأن المساجد لله﴾(۱)

ترجمہ:

(یا اگر اس مسجد کے اوپر گھر تعمیر کی جائے) تو اس میں کوئی فرق نہیں، کہ یہ گھر مسجد کے لیے ہو یا نہ ہو تاہم مسجد

(۱)ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الوقف،مطلب في أحكام المسجد:٥٤٧/٦

کے لیے اس گھر کے نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ اس کو مصالح مسجد کے لیے وقف نہ کیا گیا ہو۔ بحر میں کہا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ شرط لگائی ہو، کہ یہ مسجد ہی ہوگا، اس حیثیت سے کہ اس زمین کا اوپر اور نیچے مسجد ہی رہے گی، تا کہ اس سے بندے کا حق زائل کیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''مساجد اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں''۔

❁❁❁

ورکشاپ میں باجماعت نماز

سوال نمبر(200):

بازار میں ہمارا ورکشاپ ہے۔ ہم لوگوں سے مسجد کافی فاصلہ پر ہے، نیز مسجد میں بسا اوقات رش بھی ہوتی ہے۔ کبھی کبھار رش کی وجہ سے ہمارے لیے جماعت تک پہنچنا مشکل ہوتا ہے، اس لیے ہم نے ورکشاپ کی چھت پر نماز کے لیے جگہ بنائی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا چھت پر نماز پڑھنا مسجد کی طرح ہے اور اس میں ثواب ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے۔

بيّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ ہر ایسی جگہ جو کہ پاک صاف ہو اور اس پر کسی قسم کی نجاست نہ ہو، اس جگہ نماز اور جماعت کرائی جاسکتی ہے اور اس میں بلاشبہ جماعت کی نماز کا ثواب ہے، کیونکہ دو آدمیوں کی نماز اکیلے شخص کی نماز سے بہتر ہے، اسی طرح تین آدمیوں کی نماز دو اکیلے آدمیوں کی نماز سے بہتر ہے۔

صورتِ مسئولہ میں ورکشاپ کی چھت پر نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب تو ضرور حاصل ہوگا، لیکن اس کو مسجد شرعی نہیں کہہ سکتے، یعنی مسجد میں جماعت کا رتبہ اس سے زیادہ ہوگا، البتہ اس جگہ جماعت کرانے میں کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلك:

وإن كانت الدار إذا أغلقت لم يكن فيها جماعة، وإذا فتح بابها كان لها جماعة، فليس هذا مسجداً، وإن كانوا لا يمنعون الناس من الصلوٰة فيه.(۱)

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب السابع في مايفسد الصلوة ومايكره فيها، الفصل الثاني: ۱/ ۱۱۰

ترجمہ:

جولوگ سود کھاتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس حال میں اٹھیں گے جس طرح وہ شخص اٹھتا ہے کہ جسے شیطان نے چھوکر پاگل بنادیا ہو، یہ حالت ان کی اس لیے ہوگی کہ انہوں نے کہا تھا کہ "سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا" حالانکہ اللہ نے سوداگری کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

عن أبي هريرةؓ قال قال رسول ﷺ: "الرّبا سبعون حوبا أيسر ها أن ينكح الرّجل أمه." (١)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سود کے ستر درجے ہیں ان میں سب سے ادنیٰ درجہ کا گناہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے۔

❁❁❁

امام کا لفظِ "السلام" کہتے ہوئے مقتدی کا جماعت میں شامل ہونا

سوال نمبر (202):

جب ایک شخص دورانِ نماز امام صاحب کو ایسی حالت میں پائے کہ اس نے لفظ السلام کہہ دیا تھا اور علیکم نہیں کہا تھا اور اس کے ساتھ شریکِ جماعت ہو جائے تو کیا اس صورت میں اس شخص کی اقتدا صحیح ہوئی یا سرے سے نماز پڑھے گا، یعنی کیا وہ مسبوق کی حیثیت سے بقیہ رکعتیں مکمل کرے گا یا انفرادی طور پر ازسرِ نو نماز شروع کرے گا۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ امام کی اقتدا کے لیے ضروری ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ دورانِ نماز شریک ہو جائے، اگر کہیں امام نماز سے فارغ ہو گیا ہو اور ایسی حالت میں مقتدی اس کے ساتھ شریک ہو جائے تو اقتدا درست شمار نہیں ہوگی۔ صورتِ مسئولہ میں جب امام نے پہلا سلام پھیرتے ہوئے ابھی السلام کا لفظ بولا اور علیکم نہیں بولا کہ اتنے میں کوئی شخص آکر اس کی اقتدا کی نیت باندھ لے تو اس کی اقتدا صحیح نہیں کیونکہ امام کی نماز مکمل ہوگئی اور نماز سے عملاً فارغ ہو گیا، لہٰذا

(١) أبو عبدالله محمد بن يزيد ابن ماجة، سنن ابن ماجة، كتاب التجارات، باب التغليظ في الربا: ص ١٦٤

ترجمہ:

اور اگر کوئی گھر ایسا ہو کہ جب اس کا دروازہ بند ہو، تب تو اس میں جماعت نہیں ہوتی ہے، لیکن جب یہ گھر کھلا ہو تو اس میں جماعت ہوتی ہے، تب بھی یہ گھر مسجد شرعی نہیں ہے، اگر چہ اس میں نماز کی ادائیگی سے کسی کو نہیں روکا جاتا۔

❁❁❁

سودخور کے ساتھ صف میں کھڑا ہونا

سوال نمبر (201):

ایک شخص جو کہ حد درجے کا سود خور ہے۔ لوگوں کو سود پر قرضے بھی دیتا ہے اور سودی کاروبار کرتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ نماز اور روزہ کا بھی پابند ہے اور باقاعدگی سے نماز باجماعت ادا کرتا ہے۔ تو کیا ایسے شخص کے ساتھ نماز میں کھڑا ہونا صحیح ہے؟ اور کیا اس کی وجہ سے اس کے پاس کھڑے شخص یا باقی نمازیوں کی نماز پر کوئی اثر تو نہیں پڑتا؟ اور اس کا مسجد میں آنا کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سود ایک گناہِ کبیرہ ہے جس کے ارتکاب پر آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ قرآن کریم میں سود کھانے والے کے خلاف اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جنگ کا اعلان ہوا ہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ: ''سود کے تہتر درجے ہیں، ان میں سب سے ادنیٰ درجہ کا گناہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے''، تاہم اگر کوئی شخص اس گناہ میں ملوث ہونے کے باوجود نماز اور روزہ کی پابندی کرتا ہو تو وہ ان عبادات کے ثواب کا مستحق ہوگا اور ان کی ادائیگی سے یہ عبادات اس کے ذمہ سے ساقط ہوں گی، البتہ سود کھانے کا گناہ اپنی جگہ قائم رہے گا، نیز ایسے شخص کے ساتھ صف میں کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں، اس سے دوسروں کی نماز پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا۔

والدلیل علیٰ ذلك:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾(۱)

(۱) البقرة: ۲۷۵

وہ از سرِ نو تکبیرِ تحریمہ کہہ کر انفرادی نماز ادا کرے گا۔

والدلیل علی ذلك:

قال في التجنيس: الإمام إذا فرغ من صلوته، فلمّا قال السلام جاء رجل واقتدیٰ به قبل أن يقول عليكم لا يصير داخلا في صلوته ؛لأن هذا سلام.(۱)

ترجمہ:

تجنیس میں ہے کہ جب کوئی امام نماز سے فارغ ہو جائے تو جب وہ لفظ السلام کہے اس وقت کوئی شخص آئے اور امام کے پیچھے اقتدا کرلے اس سے پہلے کہ امام لفظ ''علیکم'' کہہ دے تو یہ شخص اس امام کے ساتھ نماز میں شریک متصور نہ ہوگا کیونکہ لفظ ''السلام'' سلام پھیرنا ہی تو ہے۔

❁❁❁

تبلیغی جماعت کا جماعتِ ثانیہ پڑھنا

سوال نمبر(203):

اگر تبلیغی جماعت کسی مسجد میں چلی جائے، وہاں پر جماعت ہو چکی ہو تو ایسی صورت میں تبلیغی جماعت کے دس بارہ ساتھی انفرادی نماز پڑھیں یا جماعت ثانیہ کی اجازت ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب کسی مسجد میں اہل محلّہ نے باقاعدہ اذان واقامت کے ساتھ باجماعت نماز پڑھی ہو تو پھر اسی جگہ پر دوبارہ باجماعت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر دوبارہ پڑھنے والے اہل محلّہ نہ ہوں، جیسے تبلیغی جماعت کے ساتھی جو باہر سے آئے ہوں اور وہ محراب سے ہٹ کر اذان واقامت کے بغیر دوبارہ باجماعت نماز پڑھیں تو جائز ہے، لیکن جماعت کے ساتھیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اِس کو عادت نہ بنائیں۔

والدلیل علیٰ ذلك:

عن أبي حنيفةؒ :ولو كانت الجماعة أكثر من الثلاثة يكره التكرار، وإلافلا،وعن أبي يوسفؒ:

(۱)ردالمحتارعلی الدرالمختار،كتاب الصلوة،باب صفة الصلوة،مطلب:لاينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتها رواية:۲/۱۶۲

إذالم تكن على الهيئة الأولى لاتكره، وإلافتكره، وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة.(۱)

ترجمہ:

امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ دوسری جماعت (پڑھنے والے) اگر تین سے زیادہ ہوں تو تکرار جماعت مکروہ ہے، ورنہ نہیں اور امام ابویوسفؒ سے روایت ہے کہ دوسری جماعت اگر پہلی جماعت کی ہیئت پر نہ ہو تو مکروہ نہیں، ورنہ مکروہ ہے، یہی قول صحیح ہے۔ اور ہیئت کی تبدیلی محراب سے ہٹ کر جماعت پڑھنے سے ہوگی۔

❁❁❁

نماز کے لیے عورتوں کا مسجد میں آنا

سوال نمبر(204):

کیا عورتیں مردوں کی طرح نماز پڑھنے کے لیے مسجد آسکتی ہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ عورتوں کی علیحدہ اور مستقل جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ عہد نبوی اور دور صحابہ میں عورتوں کی علیحدہ جماعت پڑھنے کا رواج نہیں تھا، البتہ اگر مردوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہوجائیں تو تبعاً نماز جائز ہوگی۔ خود زمانہ نبوت میں عورتوں کو عیدین، جمعہ اور دوسری نمازوں میں مردوں کی جماعت میں شامل ہوکر مردوں کے پیچھے الگ صف باندھ کر نماز پڑھنے کی اجازت تھی، لیکن عہد نبوی کے بعد زمانہ کے حالات اور لوگوں کی اخلاقی کیفیت بدل جانے کی وجہ سے صحابہ کرام نے عورتوں کو مسجد میں آکر مردوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب عورتوں کو منع فرمایا تو عورتوں نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں شکایت کی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر حضور ﷺ ان حالات کا مشاہدہ فرماتے تو ضرور عورتوں کو منع فرماتے۔ خود حضور ﷺ کے دور میں عورتیں مردوں کی طرح پابندی کے ساتھ مسجد نہیں آیا کرتی تھیں، خصوصاً پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد تو بہت کم حاضر ہوا کرتی تھیں اس لیے فقہائے کرام نے بھی ان تصریحات کی روشنی میں فساد زمانہ کی وجہ سے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے، تاہم اگر کہیں عورتیں مسجد میں مردوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہوجائیں اور ان کی

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب في أذانه: ۶۴/۲

صفیں مسجد میں علیحدہ ہوں تو اس طرح اقتدا درست رہے گی، بشرطیکہ عورتوں کے لیے الگ اس طرح انتظام ہو کہ کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

عن عمرة بنت عبد الرحمن أنها سمعت عائشه زوج النبي ﷺ تقول: لو أن رسول الله ﷺ رأى ما أحدث النساء، لمنعهن المسجد، كما منعت نساء بني اسرائيل، قال: فقلت لعمرة أنساء بني إسرائيل منعن المسجد، قالت: نعم.(١)

ترجمہ:

عمرۃ بنت عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ انہوں نے عائشہ سے سنا فرما رہی تھیں کہ: ''اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کے موجودہ حالات کا مشاہدہ فرماتے تو انہیں ضرور منع فرماتے، جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں منع کی گئی تھیں''۔ ابن سعید کہتے ہیں کہ: ''میں نے عمرہ سے پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کی عورتیں مساجد سے منع کی گئی تھیں''؟ تو فرمانے لگیں: ''ہاں''۔

قوله:(لا يحضرن الجماعات)...لأنه لا يؤمن الفتنة من خروجهن. أطلقه فشمل الشابة والعجوز والصلاة النهارية والليلية. قال المصنف في الكافي: والفتوىٰ اليوم على الكراهة في الصلاة كلها لظهور الفساد.(٢)

ترجمہ:

عورتیں جماعت کی نماز میں حاضر نہیں ہونگیں۔۔۔۔اس لیے کہ ان کا نکلنا فتنہ سے خالی نہیں۔ یہ حکم عام ہے جوان اور بوڑھی عورت، اسی طرح دن اور رات کی تمام نمازوں کو شامل ہے۔ کافی میں مصنف نے کہا ہے کہ: ''آج کے زمانے میں فساد ظاہر ہونے کی وجہ سے فتویٰ یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے ان کا نکلنا مکروہ ہے''۔

---

(١)صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النسآء إلى المساجد: ١/١٨٣

(٢)البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٦٢٧، ٦٢٨

باب البناء والاستخلاف

(بنا، یعنی نماز ٹوٹ جانے کے بعد وضو کر کے وہاں سے دوبارہ شروع کرنے اور استخلاف، یعنی امام کا دورانِ نماز اپنی جگہ کسی کو نائب مقرر کرنے کا بیان)

بناء کی تعریف:

بناء في الصلوة سے مراد نماز کے دوران وضوٹوٹ جانے کے بعد نماز از سر نو ادا کرنے کی بجائے ادا شدہ حصہ پر باقی نماز کو مرتب کرنا ہے، یعنی اعادہ کے بغیر دوبارہ وضو کر کے نماز کی تکمیل کا نام بناء ہے۔ حنفیہ کے ہاں مرد و عورت اور امام و مقتدی ہر ایک کے لیے بناء کرنے کی اجازت ورخصت اگر چہ موجود ہے، لیکن استیناف، یعنی از سر نو نماز پڑھنا اور اعادہ کرنا بہر صورت بناء سے افضل ہے۔

یاد رہے کہ بناء کرنا حنفیہ کے ہاں چند شرائط سے مشروط ہے، اگر ان شرائط میں سے کوئی بھی شرط نہ ہو تو بناء کرنے کی بجائے اعادہ واجب ہوگا۔ شرائط کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

استخلاف کی تعریف:

استخلاف کا لغوی معنی ہے "نائب اور جانشین بنانا" جب کہ اصطلاحِ فقہ میں استخلاف في الصلوة سے مراد یہ ہے کہ اگر دورانِ نماز امام کو کوئی ناقضِ وضو صورت پیش آئے یا وہ قراءت کرنے پر قادر نہ رہے تو وہ اپنی جگہ کسی اور کو جانشین مقرر کرلے تاکہ وہ نماز کو آخر تک پہنچا دے۔ جن شرائط کے ساتھ نمازی کے لیے "بناء في الصلوة " کی اجازت ہوتی ہے انہی شرائط کی موجودگی میں استخلاف بھی جائز ہوتا ہے۔ جو شخص ابتداے نماز سے امام بننے کی صلاحیت رکھے وہ شخص بعد میں امام کا خلیفہ اور نائب بھی بن سکتا ہے۔

استخلاف کا طریقہ:

استخلاف کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی امام کو بلا قصد وارادہ کوئی ناقضِ وضو صورت پیش آئے تو ناک پر ہاتھ رکھ کر پیچھے ہو جائے اور اشارے کے ذریعے پہلی صف سے کوئی مناسب اور اہل شخص امامت کے لیے آگے کرلے۔ امام کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ ایسا شخص اپنا جانشین بنائے جو ابتداے نماز سے اس کے ساتھ شریک ہو۔ اگر مسبوق کو آگے کرنا چاہے تو وہ اشارے کے ذریعے انکار کرلے، تاہم اگر مسبوق آگے ہو جائے تو وہ سلام پھیرنے کے لیے کسی اور کو

آگے کرلے تاکہ وہ مقتدیوں کے ساتھ سلام پھیرلے۔اگر مسبوق شخص دوسرے مقتدیوں کے سلام پھیرنے کے بعد تکلم کرلے یا قہقہہ لگائے یا خود ہی اپنی نماز توڑ دے تو مقتدیوں کی نماز درست ہو جائے گی، البتہ اس کی اپنی نماز ٹوٹ جائے گی۔

استخلاف کے وقت امام اپنے جانشین کو اشاروں کے ذریعے بقیہ رکعتوں یا سجدوں کی تعداد بتا سکتا ہے۔استخلاف کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ محدث امام کے مسجد سے نکلنے سے پہلے پہلے اس کا جانشین اور خلیفہ محراب تک پہنچ جائے۔

بناء اور استخلاف کی شرائط:

۱۔حدث موجبِ وضو ہو، موجبِ غسل نہ ہو۔

۲۔حدث نادر الوجود نہ ہو، لہٰذا قہقہہ، بے ہوشی، جنون، احتلام اور نوم سے ٹوٹ جانے والی نماز پر بناء یا استخلاف جائز نہیں۔

۳۔حدث سماوی ہو، یعنی نہ تو نفسِ حدث بندہ کے اختیار میں ہو اور نہ ہی کسی بندے کی وجہ سے اس کا سبب پایا گیا ہو، لہٰذا اگر خود ہی کسی ذریعے سے وضو توڑ دیا یا کسی کے مارنے، کاٹنے یا زخمی کرنے سے خون وغیرہ نکل آیا تو بناء واستخلاف جائز نہیں۔

۴۔حدث اور نجاست نمازی کے بدن سے متعلق ہو، لہٰذا اگر کسی شخص پر باہر سے اتنی نجاست گر جائے جو نماز کے منافی ہو تو بناء واستخلاف جائز نہیں۔

۵۔حدث کے ہوتے ہوئے کوئی رکن ادا نہ کرے اور نہ ہی رکن کی ادائیگی کے بقدر وقت گزارے۔

۶۔وضو کرنے کے دوران بلاضرورت کوئی ایسا عمل نہ کرے جو نماز کے منافی ہو، البتہ جو اُمور وضو کے لیے ضروری ہیں ان کی اجازت ہوگی۔

۷۔اگر محدث مقتدی ہو تو وضو سے فراغت کے بعد واپس اپنے امام کی اقتدا کی طرف لوٹ آئے۔اسی طرح محدث امام بھی آکر اپنے خلیفہ کے پیچھے نماز پوری کرلے، تاہم اگر امام فارغ ہو چکا ہے تو واپس آنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہیں پر اپنی نماز پوری کرلے۔

۸۔وضو کرنے میں بلاعذر ایک رکن کے بقدر تاخیر نہ کرے۔

۹۔حدثِ سماوی کے بعد کوئی اور سابقہ حدث ظاہر نہ ہو، مثلاً حدث پیش آنے کے کچھ دیر بعد مسح علی الخفین کا وقت مکمل ہو جائے یا تیمم کرنے والا پانی دیکھ لے۔

۱۰۔محدث امام کا جانشین امامت کا اہل ہو۔(۱)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الاستخلاف:۲/۳۵۱، الفتاویٰ الهندية، الباب السادس في الحدث في الصلوة وفصل في الاستخلاف:۱/۹۳۔۹۶

دورانِ نماز وضوٹوٹنا

سوال نمبر(205):

ایک شخص جمعہ کے دن جماعت میں شریک ہوا اور اچانک اُس کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ وہاں تیمم کرے یا صف کو چیر کر باہر آئے اور وضو کرنے کے بعد دوبارہ شامل ہو جائے؟ کونسی صورت زیادہ مناسب ہے۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے نماز کی صحت جن شرائط پر موقوف ہے ان میں سے ایک طہارت بھی ہے، لہٰذا اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوگی۔

صورتِ مسئولہ میں اگر نمازی کا دورانِ نماز وضو ٹوٹ گیا تو پانی کی موجودگی میں تیمم کی گنجائش نہیں، اِس لیے ضروری ہے کہ وہ صف سے نکل کر وضو کرے اور دوبارہ جماعت میں شریک ہو کر اپنی نماز پوری کرے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

من سبقه حدث توضأ وبنیٰ.(۱)

ترجمہ:

جس کو (دورانِ نماز) حدث لاحق ہو جائے تو وہ وضو بنائے اور پھر امام کے ساتھ شریک ہو (سابقہ نماز پر) بنا کرے۔

❁❁❁

سجدۂ سہو کے لزوم کے بعد استخلاف (امام کے لیے کسی کو نائب بنانے) کا طریقہ کار

سوال نمبر(206):

سجدہ سہو لازم ہونے کے بعد اگر امام کو حدث (ناپاکی) پیش آئے اور وہ کسی کو اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کرنا

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلوة، الباب السادس في الحدث في الصلوة: ۱/۹۳

چاہے تو اس کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ اور اس کو اپنی جگہ مقرر کرنے اور سمجھانے کے لیے رہنمائی کیسے کرے گا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

امام بوقتِ ضرورت کسی ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کرے گا جو استخلاف (امام کا نائب بننے) کے مسائل جانتا ہو اور فقہاے کرام کے بیان کردہ اشاروں سے بھی واقف ہو، تاکہ اشاروں سے سمجھانے میں کوئی مشکل نہ ہو۔ سجدۂ تلاوت لازم ہونے کے بعد اگر نا پاکی پیش آئے تو امام پیشانی اور زبان پر انگلی رکھے گا جس کا معنی یہ ہوگا کہ میرے اوپر سجدۂ تلاوت لازم ہوا ہے اور سجدۂ سہو کے لزوم کی صورت میں دل پر انگلی رکھے گا۔

صورتِ مسئولہ میں امام استخلاف کے بعد دل پر انگلی رکھ کر سجدہ سہو کے لزوم کا عندیہ دے گا اور نائب اس کے اشارہ کے مطابق آخر میں سجدہ سہو کرے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولسجدة التلاوة يضع إصبعه على الجبهة واللسان، وللسهو علىٰ قلبه هكذافي الظهيرية. هذاإذا لم يعلم الخليفة ذلك، أماإذاعلم فلاحاجة.(١)

ترجمہ:

سجدۂ تلاوت کے لیے اپنی انگلی پیشانی اور زبان پر رکھے گا اور سجدہ سہو کے لیے اپنے دل پر۔ اِسی طرح ظہیریہ میں ہے۔ یہ اشارہ کرنے کی ضرورت اُس وقت ہے جب خلیفہ کو اس کا علم نہ ہو، اگر اس کو پہلے سے معلوم ہو تو پھر (اشارہ کرنے کی) کوئی ضرورت نہیں۔

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب السادس في الحدث في الصلوة، فصل في الاستخلاف: ٩٦/١

باب السنن والنوافل

(سنن اور نوافل کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

فرض نمازوں کی مشروعیت کی بنیادی حکمت خالق ومخلوق کے مابین ربط وتعلق اور مناجات کی کیفیت کو برقرار رکھنا ہوتا ہے جس سے بندہ کو دن رات اپنے رب کے احسانات اور اس کی طرف سے لازم کردہ فرائض اور ذمہ داریوں کا احساس ہوتا رہتا ہے، تاہم دنیاوی مشاغل کی کثرت سے انسان پھر بھی غفلت کا شکار ہوتا رہتا ہے، لہٰذا فرائض کی ادائیگی سے قبل کچھ سنتوں کو بھی مشروع قرار دیا، تاکہ ان کے ذریعے ایک مرتبہ پھر توجہ بحال ہو جائے اور فرائض میں مطلوب خشوع وخضوع اور دنیا سے بے رغبتی کا بنیادی عنصر پیدا ہو۔ اسی طرح فرائض کی ادائیگی میں ممکن ہے کہ بندہ سے کچھ کمی کوتاہی ہو جائے، اس لیے فرائض کے بعد بھی کچھ سنتوں کو مشروع قرار دیا گیا، تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمتِ کاملہ سے ان سنن کو فرائض کی تکمیل کا ذریعہ بنا دے۔

علامہ شرنبلالیؒ فرماتے ہیں کہ سنن ونوافل کی مشروعیت کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے شیطان کی امید اور طمع دم توڑ لیتی ہے وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جو شخص غیر فرض شدہ نمازوں کے بارے میں میری اطاعت نہیں کر رہا تو وہ فرائض کے بارے میں بھلا میری کیا رعایت رکھے گا۔(۱)

سنن ونوافل کی تعریف اور ان سے متعلقہ اصطلاحات کی تشریح:

(۱) نفل:

نفل کا لغوی معنی ہے ''زیادتی''، چونکہ سنن ونوافل بھی فرائض اور واجبات کی تکمیل کے لیے بطورِ اضافہ اور زیادتی کے مشروع ہوئے ہیں، اس لیے فرائض اور واجبات کے علاوہ ہر عبادت کو فقہاے کرام نفل سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ علامہ شرنبلالیؒ فرماتے ہیں:

"والنّفل ماقابل الفرض والواجب".

اس تعبیر کے مطابق سننِ مؤکدہ، غیر مؤکدہ، مستحبات اور عام نوافل سبھی کو نفل کہا جا سکتا ہے۔ عام طور پر فقہاے کرام

(۱) مراقي الفلاح مع الطحطاوي، کتاب الصلوة، فصل في بيان النوافل، ص:۳۱٤، الموسوعة الفقهية، مادة صلوة التطوع :۱۵۳،۱۵۲/۲۷

یہی تعبیر استعمال کرتے ہیں اوران سب کوایک ہی باب میں ذکر کرتے رہتے ہیں۔اسی طرح تطوع یاتبرع کی اصطلاحات بھی نفل کے مترادف ہیں۔

نفل کادوسرااطلاق خاص ہے''وھو مالیس بفرض ولا واجب ولا مسنون من العبادۃ'' کہ جوعبادت نہ توفرض ہو،نہ واجب اورنہ سنت(مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ)اس کونفل کہتے ہیں۔مذکورہ تعریفات کے مطابق سنت اورنفل کے مابین نسبت عموم وخصوص کی ہے،لہٰذاہرسنت نفل توہے،لیکن ہرنفل سنت نہیں۔(۱)

(۲)سنت:

سنت کالغوی معنیٰ ہے''طریقہ اورراستہ''جب کہ شریعت کی اصطلاح میں سنت کامعنیٰ ہے:

"ھي الطریقة المسلوکة في الدین من غیرافتراض ولا وجوب"

یعنی فرضیت یاوجوب کے بغیروہ طریقہ اورراستہ جس پر چلنادین اورشریعت کے اعتبار سے مستحسن ہو،سنت کہلاتاہے۔

علامہ شامیؒ نے مشروعاتِ اربعہ یعنی فرض،واجب،سنت اورنفل کی تقسیم انتہائی جامع انداز سے کی ہے جس سے سنن،مستحبات،مندوبات اورنوافل کی تعریف اورحکم کابخوبی اندازہ ہوجاتاہے،باب السنن والنوافل کی وسعت کے پیشِ نظرمذکورہ تحقیق پیش خدمت ہے۔

جوچیز شریعت میں مطلوب ہے،یعنی اس کاکرناشرعاً جائزہے اس کی کئی صورتیں ہیں:

(۱)اگراس کے طلب(بجالانے)اورعدمِ ترک(چھوڑنے سے بچنے)پردلیل قطعی موجودہوتوفرض ہے۔

(۲)اگراس کے طلب اورعدمِ ترک پردلیل توہو،لیکن قطعی ہونے کی بجائے ظنی ہوتوواجب ہے۔

(۳)اگراس کاکرنامطلوب ہواورعدمِ ترک پرکوئی دلیل نہ ہوتواس کی دوصورتیں ہیں:

(الف)......اگرنبی کریمﷺ نے بذاتِ خودیااس کے صحابہ کرامؓ نے اس پرمداومت اورہمیشگی اختیارکی ہوتوسنت ہے۔پھراس کی دوقسمیں ہیں:

۱۔ سنن الھدی،یعنی سننِ مؤکدہ یاسننِ راتبہ:

یہ وہ سنن ہیں جن پرنبی کریمﷺ نے مداومت اختیارکی ہواوران کی مشروعیت کامقصد تکمیلِ دین اورتکمیل فرائض

(۱)مراقي الفلاح مع الطحطاوي والموسوعة الفقھیة حوالہ سابقہ،الدرالمختارمع ردالمحتار،کتاب الصلوۃ،باب الوتروالنوافل:۲ /۴۳۸

وواجبات ہو، جیسے اذان، اقامت اور جماعت وغیرہ۔ مذکورہ سنن کو شعائرِ اسلام کی حیثیت حاصل ہونے کی وجہ سے ان کا حکم عمل کے اعتبار سے واجبات کے قریب قریب ہے، لہٰذا بلا عذر ان کا چھوڑنا مکروہِ تحریمی اور قابلِ مؤاخذہ جرم ہے اور اس کے ترک پر اصرار کرنے والا فسق، گمراہی اور ملامت کا مستحق ہے۔

۲۔ سنن الزوائد یا سنن غیر مؤکدہ:

یہ وہ سنن ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے کی ہوں، لیکن کبھی کبھی ان کا چھوڑنا بھی ثابت ہو۔ یہ وہ سنن ہیں جو زیادہ تر آپ ﷺ کی عادات واطوار سے متعلق ہیں۔ اسی طرح عبادات میں بھی بعض چیزیں آپ ﷺ کی "مواظبت مع الترك احیاناً" سے ثابت ہیں، تاہم چونکہ وہ اشیاء شعائرِ دین اور تکمیلِ فرائض وواجبات کی حیثیت کے حامل نہیں، اس لیے ان کو سنن الزوائد سے تعبیر کیا جاتا ہے، تاہم یہ بات ذہن نشین رہے کہ غیر مؤکد سنتوں کو چھوڑنا بھی کراہت سے خالی نہیں اگرچہ چھوڑنے والے کو فسق، گمراہی یا ملامت سے موصوف کرنا درست نہیں۔

(ب)......اور اگر نبی کریم ﷺ نے کبھی کبھار کیا ہو تو مندوب، مستحب، نفل، ادب، تبرع اور تطوع وغیرہ کہلاتا ہے۔ مذکورہ اشیاء درجے میں سننِ زوائد سے کم ہیں، لہٰذا کرنے والا ثواب اور اجر کا مستحق ہے اور ان کا چھوڑنا موجبِ کراہت تو نہیں، البتہ خلافِ اولیٰ ضرور ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ خلافِ اولویت بعض مواقع پر کراہت تک بھی پہنچ سکتا ہے۔(۱)

سنن ونوافل کی مشروعیت:

علامہ شامیؒ کی مذکورہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ مذکورہ اشیا میں سے ہر ایک بذات خود نبی کریم ﷺ یا اس کے صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے لہٰذا دلیل قطعی وظنی، مواظبت اور عدمِ مواظبت کے تفاوت سے قطع نظر کرتے ہوئے ان میں سے ہر ایک کی مشروعیت پر فقہائے کرام کا اتفاق ہے۔(۱)

سننِ مؤکدہ کی تفصیل:

سننِ مؤکدہ کی تعداد حنفیہ کے ہاں بارہ ہے: نمازِ فجر سے پہلے دو رکعت، ظہر سے پہلے چار رکعت، ظہر کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت اور عشا کے بعد دو رکعت۔ اسی طرح جمعہ کی نماز سے پہلے اور بعد میں چار رکعت

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطهارة، باب الوضوء، مطلب في السنة وتعريفها: ۱/۲۱۸، ومطلب لافرق بين المندوب والمستحب والنفل والتطوع: ۱/۲٤٦، وکتاب الصلوة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في بيان السنة والمستحب والمندوب: ۲/٤۲٤، وباب الوتر والنوافل، مطلب في السنن والنوافل: ۲/٤٥۱

ادا کرنا بھی سنتِ مؤکدہ ہے۔ مذکورہ سنن کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے.

"مامن عبدمسلم يصلي في كل يوم ثنتي عشرة ركعة تطوعا من غير الفريضة إلا بنى الله له بيتا في الجنة".(۱)

ترمذی اور نسائی کی روایات میں ان سنن کی تعیین بھی کی گئی ہے۔

فجر کی سنتیں:

فجر کی دو رکعتیں تمام سنتوں میں زیادہ مؤکد ہیں، یہاں تک کہ امام ابوحنیفہؒ نے ان کو واجب کے قریب تر قرار دیا ہے۔ دراصل اس کی وجہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ: "ان دو رکعتوں کو چھوڑنا مت، اگرچہ گھوڑے تم لوگوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں"۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: "فجر کی دو رکعت سنتیں مجھے دنیا اور اس کے سارے ساز و سامان سے زیادہ پسندیدہ ہیں"۔ اسی اہمیت کی وجہ سے یہ بعض احکام میں دوسری سنتوں سے ممتاز ہیں، مثلاً:

۱۔ بلا عذر ان کو بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح سواری پر بیٹھ کر ادا کرنا بھی جائز نہیں۔

۲۔ فجر کی سنتوں کے منکر کے بارے میں بعض فقہائے کرام نے کفر کا اندیشہ ظاہر کیا ہے، تاہم عالمگیری نے تمام سنن کے لیے یہی حکم ذکر کیا ہے۔

۳۔ فجر کی سنتیں اگر فرض نماز کے ساتھ فوت ہو جائیں تو نماز کی قضا کرتے وقت سنتوں کی قضا بھی کی جائے گی۔ آپ ﷺ نے لیلۃ التعریس کے موقع پر سنتوں کو بھی ادا فرمایا تھا، البتہ فرض نماز اپنے وقت میں پڑھ لی ہو تو تنہا سنتوں کی قضا امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے ہاں درست نہیں، تاہم امام محمدؒ کے ہاں اسی دن طلوع شمس سے زوال تک ادا کرنا درست ہے۔ علامہ شامیؒ نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے۔

۴۔ فجر کی سنتوں میں افضل یہ ہے کہ ان کو اول وقت میں گھر کے اندر، یعنی مسجد جانے سے پہلے ادا کیا جائے اور تخفیف کے ساتھ پڑھ لیے جائیں جب کہ دوسری سنتوں میں افضل یہ ہے کہ ان کو فرض نماز کے قریب ادا کر لیا جائے۔

۵۔ عالم اور فقیہ شخص اگر لوگوں کے مسائل میں مشغول ہو تو وہ فجر کی سنتوں کے علاوہ دوسرے سنن کو چھوڑ سکتا ہے۔ علامہ شامیؒ کے ہاں قاضی اور وہ طالب علم جس کا درس فوت ہو رہا ہو، اسی حکم میں داخل ہیں۔

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، باب الوتر والنوافل، مطلب في السنن والنوافل: ۴۵۱/۲، ۴۵۲، بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في الصلاة المسنونة: ۲۶۴/۲، مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان النوافل، ص: ۳۱۵، ۳۱۶

۶۔ فجر کی سنتوں کی اول رکعت میں سورتِ کافرون اور دوسری رکعت میں سورتِ اخلاص پڑھنا افضل ہے۔(۱)
۷۔ جماعت قائم ہونے کے بعد سنتیں پڑھنا جائز نہیں، البتہ فجر کی سنتیں اس دوران مسجد کی حدود سے باہر پڑھی جاسکتی ہیں بشرطیکہ جماعت فوت ہونے کا خطرہ نہ ہو۔(۲)

ظہر کی سنتیں:

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ فجر کی سنتوں کے بعد سب سے زیادہ مؤکد، ظہر سے قبل پڑھی جانے والی چار سنتیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: ''جس شخص نے ظہر سے قبل چار رکعت سنتیں چھوڑ دیں اس کو میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی''۔

ظہر کی چار رکعتوں کو ایک سلام کے ساتھ ادا کرنا مسنون ہے۔ فجر کی سنتوں کے علاوہ بقیہ سنتوں کی قضا اگرچہ مشروع نہیں، تاہم اگر ظہر سے قبل کی چار سنتیں پڑھنے سے پہلے جماعت کھڑی ہوجائے تو جماعت ادا کرنے کے بعد اگر ظہر کا وقت باقی ہو تو ان کو ادا کرنا فقہا کے ہاں درست ہے، لہٰذا شیخین کے ہاں ظہر کے بعد دو رکعتیں ادا کرنے کے بعد مذکورہ چار رکعتوں کی قضا کی جائے گی جب کہ امام محمدؒ کے ہاں اولاً ان چار رکعتوں کی قضا کی جائے گی، اس کے بعد بقیہ دو رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ مفتیٰ بہ قول شیخین کا ہے۔(۳)

سنن غیر مؤکدہ:

سنن غیر مؤکدہ یہ ہیں:
۱۔ عصر کی نماز سے پہلے چار رکعتیں پڑھنا۔ امام قدوری نے بعض دوسری روایات کو دیکھ کر دو رکعت پڑھنے کو بھی سنت قرار دیا ہے۔
۲۔ عشا کی نماز سے پہلے چار رکعتیں پڑھنا
۳۔ عشا کی نماز کے بعد چار رکعتیں پڑھنا

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۵۳، ۴۵۴، بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في قضاء السنن: ۲/۲۷۳، ۲۷٤، مراقي الفلاح، کتاب الصلوة، فصل في بیان النوافل، ص: ۳۱۵، الفتاوی الهندیة، کتاب الصلوة، الباب التاسع في النوافل: ۱/۱۱۲

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في مایکره منها: ۲/۲٦۷

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۵۱ـ۴۵٤

مذکورہ سنن کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے کافی فضائل نقل کئے گئے ہیں۔خود آپ ﷺ بھی ان کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔(۱)

سننِ مؤکدہ وغیر مؤکدہ کے مشترک احکام:

۱۔سننِ مؤکدہ وغیر مؤکدہ فرائض کے تابع ہوتے ہیں،لہٰذا جو وقت فرائض کے لیے مختص ہے وہی وقت ان سنتوں کے لیے بھی ہے۔(۲)

۲۔سنن چاہے مؤکدہ ہوں یا غیر مؤکدہ اور چاہے فرائض کے ساتھ فوت ہو جائیں یا فرائض کے بغیر،ان کی قضا لانا سنت نہیں،اس لیے کہ قضا فرائض اور واجبات کا خاصہ ہے،البتہ فجر اور ظہر کی سنتوں کے بارے میں تفصیل گزر چکی۔(۳)

۳۔سنن کی تمام رکعتوں میں قراءت کرنا فرض ہے،اس لیے کہ سنن ونوافل کا ہر شفع (دو رکعت کا جوڑا) ایک مستقل نماز کی حیثیت رکھتا ہے۔(۴)

۴۔تمام سنن ونوافل میں افضل یہ ہے کہ ان کو گھر ہی میں ادا کیا جائے،تاہم اگر کسی شغل کی وجہ سے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو مسجد ہی میں پڑھ لے۔علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ جہاں خشوع وخضوع زیادہ مہیا ہو،وہاں پڑھ لے۔

مسجد میں ادائیگی کے وقت یہ خیال رہے کہ امام نماز میں نہ ہو۔اگر امام نماز میں ہو تو اس دوران صرف فجر کی سنتوں کو مسجد کی حدود سے باہر یا کسی ستون کی آڑ میں ادا کرنا درست ہے،بقیہ سنن کی ادائیگی اس دوران جائز نہیں۔فجر کی سنتوں کو بلا کسی حائل صفوں کے پیچھے یا صف کے درمیان پڑھنا سخت مکروہ ہے۔(۵)

۵۔سنتیں پڑھنے کے بعد فرض نماز پڑھنے تک بلا ضرورت دنیوی بات چیت اور معاملات مکروہ ہیں۔ایسا کرنے کی صورت میں بعض فقہا کے ہاں سنتوں کا اعادہ کیا جائے گا،لیکن مفتیٰ بہ قول کے مطابق اعادہ کی ضرورت نہیں،البتہ ثواب

---

(۱) مراقي الفلاح،كتاب الصلوة،فصل في بيان النوافل،ص:۳۱۷

(۲) بدائع الصنائع،كتاب الصلوة،فصل في الصلوة المسنونة : ۲/۲٦٤

(۳) بدائع الصنائع،كتاب الصلوة،فصل في قضاء السنن : ۲/۲۷۳،الفتاوى الهندية،الباب التاسع في النوافل:۱/۱۱۲

(٤) بدائع الصنائع،كتاب الصلوة،فصل في صفة القراءة في التطوع: ۲/۲٦۷

(٥) الدر المختار مع رد المحتار،كتاب الصلوة،باب الوتر والنوافل:۲/٤٦٤،الفتاوى الهندية،الباب التاسع في النوافل:۱/۱۱۳

متاثر ہوتا ہے۔اسی طرح جوسنتیں فرائض کے بعد ہیں ان کا ثواب بھی ان چیزوں سے متاثر ہوتا ہے۔(۱)

۶۔سنن مؤکدہ اگر چار رکعت کی ہوں تو قعدہ اولیٰ میں صرف تشہد پڑھنا ضروری ہے،اسی طرح تیسری رکعت کے لیے اٹھنے کے بعد ثنا پڑھنا بھی درست نہیں، اس لیے کہ سنن مؤکدہ واجبات وفرائض کے زیادہ مشابہ ہیں،البتہ سنن غیر مؤکدہ اور نوافل میں قعدہ اولیٰ کے دوران درود شریف پڑھنا یا تیسری رکعت میں ثنا وتعوذ پڑھنا سب کچھ جائز ہے،تاہم علامہ شامیؒ نے نوافل وسنن غیر مؤکدہ میں بھی ایسا کرنے کو ٹھوس دلائل سے رد کر دیا ہے،لہٰذا درود شریف،ثنا اور تعوذ سے احتراز کرنا زیادہ مناسب ہے۔(۲)

چند مکروہات کا تذکرہ:

امام جس جگہ فرض پڑھائے،اس کے لیے اسی جگہ سنتیں پڑھنا مکروہ ہے،لہٰذا وہ اپنی جگہ سے چند قدم ہٹ کر سنتیں پڑھ لے۔مقتدی کے لیے ایسا کرنا مکروہ تو نہیں،البتہ جگہ بدلنا یا کم از کم ہیئت بدلنا اس کے لیے بھی افضل ہے۔اسی طرح اقامت یا جماعت کے دوران سنتیں پڑھنا بھی مکروہ ہے۔(۳)

چند مشہور سنت اور مستحب نمازیں:

(۱)اوّابین:

مغرب کے بعد چھ رکعت نفل پڑھنے کو ''صلاۃ الاوابین'' کہتے ہیں۔اس کی وجہ وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعت پڑھے گا وہ اوّابین (گناہ کے بعد فوراً توبہ کرنے والوں) میں سے شمار کیا جائے گا۔بعض روایات میں اس کی تعداد چار سے بیس تک آئی ہے،تاہم چھ رکعت والی روایات زیادہ قوی ہیں۔صلوۃ الاوابین کی ادائیگی صاحبین کے ہاں تین سلاموں کے ساتھ جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں دو سلاموں کے ساتھ افضل ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ مغرب کی نماز کے بعد اور ان رکعتوں کی ادائیگی کے دوران باتیں کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔(۴)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الوتر والنوافل:۲/٤٦١،الفتاوی الهندیة حواله سابقه

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوۃ،باب الوتر والنوافل،مطلب قولهم کل شفع من النفل صلوۃ لیس مطردا: ۲/٤٥٦،٤٥٧، مراقي الفلاح، کتاب الصلوۃ،فصل في بیان النوافل،ص:۳۱۸

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ،فصل في مایکره منها: ۲/۲٦۷

(٤) مراقي الفلاح، کتاب الصلوۃ،فصل في بیان النوافل،ص:۳۱۷

(۲) تحیۃ المسجد:

مسجد میں داخل ہونے کے بعد مسجد کی عظمت کے طور پر دو رکعت نماز ادا کرنے کو "صلوۃ تحیۃ المسجد" کہتے ہیں جس کے مسنون ہونے پر فقہا کا اتفاق ہے، تاہم اگر داخل ہونے کا وقت مکروہ ہو تو تحیۃ المسجد پڑھنے سے گریز کرنا چاہیے۔ ایسی صورت میں تسبیح وتہلیل اور درود شریف پڑھنا بھی مسجد کی عظمت کے طور پر کافی ہو سکتے ہیں۔ یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو بغیر وضو کے کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں داخل ہو جائے تو وہ بھی محض "سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" کہہ کر مسجد کا حق ادا کرے۔ مسجد حرام میں داخل ہونے والے شخص کے لیے تحیۃ المسجد کے طور پر طواف کرنا چاہیے۔

مسجد میں داخل ہونے کے بعد اگر فوراً فرض نماز یا کسی اور نماز میں مصروف ہوا تو اسی نماز کے ضمن میں تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جائے گی، چاہے اس کے لیے مستقل نیت کی ہو یا نہیں، تاہم اگر ویسے ہی بیٹھ گیا تو تاخیر کرنے سے تحیۃ المسجد ساقط نہیں ہوتی، بلکہ بعد میں بھی ادا کر سکتا ہے۔ جو شخص مسجد میں بار بار آتا ہو اس کے لیے دن میں ایک مرتبہ تحیۃ المسجد پڑھنا کافی ہے۔(۱)

(۳) تحیۃ الوضوء:

وضو کرنے کے بعد اعضا خشک ہونے سے پہلے پہلے شکرانہ کے طور پر دو رکعت ادا کرنا "تحیۃ الوضوء" کہلاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے والے کے لیے جنت واجب ہونے کی خوشخبری دی ہے۔ تحیۃ المسجد کی طرح تحیۃ الوضوء بھی دوسری نمازوں کے ضمن میں ادا ہو سکتی ہے۔(۲)

(۴) صلاۃ الضحیٰ یعنی چاشت کی نماز:

راجح قول کے مطابق چاشت کی نماز مستحب ہے۔ یہ طلوع آفتاب کے بعد سے زوال آفتاب تک پڑھی جا سکتی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں منقول ہیں، تاہم چار رکعت پڑھنا حضرت عائشہ کی روایت سے ثابت ہے اور اس پر محدثین کی ایک جماعت کا تواتر بھی ثابت ہے۔ چاشت کی نماز میں سورۃ شمس

---

(۱) مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحىٰ وإحياء الليالي، ص: ۳۲۰، الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في تحية المسجد: ۲/۴۵۸۔ ۴۶۰

(۲) مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالي، ص: ۳۲۱، الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في سنة الوضوء: ۲/۴۶۴

اور سورۃ ضحیٰ پڑھنے کو فقہا نے مستحب قرار دیا ہے۔(۱)

(۵) صلاۃ السفر:

یہ بھی مسنون ہے کہ سفر کے لیے نکلنے سے پہلے دو رکعت گھر پر نماز پڑھ کر نکلے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''کسی شخص نے اپنے اہل کے لیے ان دو رکعتوں سے بہتر نہیں چھوڑا جو وہ اپنے اہل خانہ کے پاس پڑھ کر سفر کے لیے نکلے''۔ سفر سے واپسی پر بھی دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے۔ بہتر یہ ہے کہ دو رکعتیں محلہ کی مسجد میں ادا کرے۔ آپ ﷺ کا معمول مبارک یہی تھا۔(۲)

(۶) صلاۃ اللیل یعنی تہجد:

قیام اللیل یا صلاۃ اللیل سے مراد ہر وہ نماز ہے جو عشا کی نماز کے بعد ادا کی جائے، تاہم تہجد سے وہ خاص نماز مراد ہے جو رات کے آخری پہر اٹھ کر ادا کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے تہجد کی نماز کو صالحین کی عادت، قربت الٰہی اور تکفیرِ ذنوب کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ تہجد کی نماز دو رکعت سے لے کر آٹھ رکعت تک آپ ﷺ سے ثابت ہے، تاہم اکثر روایات میں آٹھ رکعت کا تذکرہ ہے، جس کے بعد آپ ﷺ نے وتر بھی ادا فرمایا ہے۔(۳)

(۷) صلاۃ الاستخارۃ:

کسی اہم اور عظیم کام کی انجام دہی سے قبل دو رکعت نفل ادا کرنا اور اس کے بعد مخصوص دعا ''اللّٰھم إنّي أستخيرك بعلمك...... '' پڑھنا صلاۃ استخارہ کہلاتا ہے۔ استخارہ ان امور میں کیا جاتا ہے جن کا خیر یا شر ہونا متعین نہ ہو، البتہ خیر کے امور کے لیے وقت کے تعیین کے سلسلے میں بھی استخارہ کیا جاسکتا ہے۔ استخارہ مسلسل سات مرتبہ کرنا مسنون ہے۔ استخارہ کے بعد جس جانب شرح صدر ہو جائے اس پر عمل کر لیا جائے۔(۴)

---

(۱) مراقي الفلاح حواله بالا، الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في سنة الضحى: ۲/ ٤٦٥، ٤٦٦

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في ركعتي السفر: ۲/ ٤٦٦

(۳) مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحىٰ وإحياء الليالي، ص: ۳۲۱، ۳۲۲، الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة الليل: ۲/ ٤٦٢۔ ٤٦٨

(٤) مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحىٰ وإحياء الليالي، ص: ۳۲۲، ۳۲۳، الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في ركعتي الاستخارة: ۲/ ٤٧٠

(۸) صلاۃ الاشراق:

طلوعِ آفتاب کے بعد (مکروہ وقت کے ختم ہوجانے کے بعد) دو یا چار رکعت کی ادائیگی کو امام طحاویؒ نے صلاۃ اشراق کا نام دیا ہے۔ عام طور پر محدثین اور فقہا نے نمازِ چاشت اور اشراق کو ایک ہی نماز مانا ہے، لیکن یہ دراصل مستقل نمازیں ہیں۔ اشراق کا وقت دن کے چوتھائی حصہ پر ختم ہوجاتا ہے اور چاشت کا وقت اس کے بعد شروع ہوتا ہے۔(۱)

مذکورہ نمازوں کے علاوہ احادیث مبارکہ سے صلاۃ الحاجۃ، صلوۃ التسبیح اور صلوۃ توبہ واستغفار بھی خاص کیفیت کے ساتھ پڑھنا ثابت ہے۔ اسی طرح فقہائے کرام نے عیدین، دس ذی الحج، پندرھویں شعبان، رمضان کے آخری عشرہ اور جمعہ کی راتوں کو عبادت اور نوافل کے ساتھ جاگ کر گزارنا بھی مستحب قرار دیا ہے، تاہم مذکورہ راتوں کے دوران مساجد میں چراغاں اور خصوصی اہتمام کرنے کو فقہائے کرام نے مکروہ اور بدعت قرار دیا ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ سے ان راتوں میں اجتماع اور اہتمام کی کوئی دلیل ثابت نہیں۔(۲)

عام نوافل کے احکام:

(۱) عام نوافل کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں، بلکہ دن میں مکروہ اوقات کے علاوہ اور رات کو کسی بھی وقت نوافل پڑھے جاسکتے ہیں۔(۳)

(۲) عام نوافل میں حنفیہ کے ہاں دن کے وقت چار چار رکعت پڑھنا بالاتفاق افضل ہے، تاہم رات کے نوافل میں امام ابوحنیفہؒ کے ہاں چار چار رکعت اور صاحبین کے ہاں دو رکعت پڑھنا افضل ہے۔ علامہ حصکفیؒ نے صاحبین کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔

(۳) دن کے نوافل میں ایک سلام کے ساتھ چار رکعت اور رات کے نوافل میں ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت ادا کرنا درست ہے۔(۴)

---

(۱) حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلوة،باب الوتروالنوافل:۱/۲۸۷،قاموس الفقه،مادة صلوة:۴/۲۸۰

(۲) مراقي الفلاح، كتاب الصلوة،فصل في تحية المسجدوصلاة الضحى وإحياء الليالي،ص:۳۲۴_۳۲۶، الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الوتروالنوافل،مطلب في ركعتي الاستخارة:۲/۴۶۹_۴۷۲

(۳) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة،الباب التاسع في النوافل:۱/۱۱۳

(۴) مراقي الفلاح،فصل في تحية المسجدوصلاة الضحىٰ وإحياء الليالي،ص:۳۱۹،الدرالمختارمع ردالمحتار، باب الوتروالنوافل:۲/۴۵۵

(۴) نفل نمازوں میں امام ابوحنیفہؒ کے ہاں طول قیام، یعنی زیادہ قراءت کرنا افضل ہے، امام محمدؒ کے ہاں کثرتِ سجود اور کثرتِ رکعات افضل ہے جب کہ امام ابویوسفؒ نے ان اقوال میں تطبیق یوں کی ہے کہ اگر مخصوص حصے کی تلاوت اپنے اوپر لازم کردی ہو تو پھر زیادہ رکعتوں میں اس تلاوت کو پورا کرنا افضل ہے اور اگر تلاوت مخصوص نہ ہو تو پھر طول قیام افضل ہے۔ (۱)

(۵) حنفیہ کے ہاں نفل نماز شروع کرنے کے بعد اس کو پورا کرنا واجب ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اس کو دانستہ طور پر توڑ دے یا غیر دانستہ طور پر خود فاسد ہو جائے تو اس کی قضا لازمی ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا شروع کردیا تو حنفیہ کے ہاں اس کو توڑ کر بعد میں اس کی قضا کرلے، تاہم اگر اسی وقت نماز پوری کرلے تو کراہت و اساءت کے ساتھ ادا ہو جائے گی اور قضا واجب نہیں۔ (۲)

(۶) نفل نماز چاہے دو رکعت کی نیت سے شروع کی ہو یا چار یا آٹھ رکعت کی نیت سے، فاسد کرنے کے بعد بہر صورت صرف دو رکعتوں کی قضا ضروری ہوگی، البتہ کسی امام کے پیچھے دو سے زیادہ رکعتوں کی اقتدا کرنے کے بعد نماز فاسد ہو جائے تو مقتدی پر تمام رکعتوں کی قضا واجب ہوگی۔ (۳)

زائد نوافل (سنن، مستحبات اور نوافل) کے مابین فرق کے لیے امتیازی اصول:

(۱) نوافل، مستحبات اور سنن مؤکدہ و غیر مؤکدہ کو بلا عذر بیٹھ کر ادا کرنا جائز ہے، تاہم ایسی صورت میں نماز کا اجر و ثواب نصف رہے گا۔ فجر کی سنتیں اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔ صحیح قول کے مطابق نماز تراویح بھی بلا عذر بیٹھ کر ادا کی جاسکتی ہے۔ کھڑے ہو کر نماز شروع کرنے کے بعد بیٹھنا یا بیٹھ کر شروع کرنے کے بعد کھڑا ہونا بھی جائز ہے۔

(۲) نوافل اور سنن کو بلا عذر سواری پر بیٹھ کر ادا کرنا جائز ہے اگرچہ رخ قبلہ کی طرف نہ ہو۔

(۳) نوافل یا سنن پڑھنے والا تھک کر عصا، دیوار یا خادم کے ذریعے ٹیک لگا سکتا ہے۔

(۴) نوافل اور سنن کی تمام رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔

---

(۱) مراقي الفلاح، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحیٰ وإحياء الليالي، ص:۳۱۹، ۳۲۰، الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۵۷، ۴۵۸

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صلاة التطوع: ۲/۲۷۹، ۲۸۰

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان مقدار مايلزم بالشروع: ۲/۲۸۲، الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلوة، الباب التاسع في النوافل: ۱/۱۱۴، ۱۱۵

(۵) فرائض میں قعدہ اولیٰ بالاتفاق فرض نہیں جب کہ سنن ونوافل میں امام محمدؒ کے ہاں فرض ہے۔

(۶) نوافل وسنن میں تراویح کے علاوہ بقیہ نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کرنا سنت نہیں جب کہ فرائض میں جماعت سنت مؤکدہ ہے۔(۱)

(۷) نوافل میں کسی خاص وقت اور مقدار کی تعیین نہیں، بلکہ مکروہ اوقات کے علاوہ کسی بھی وقت اور کسی بھی مقدار میں نفل نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

(۸) نوافل وسنن مطلق نماز کی نیت کے ساتھ ادا ہو سکتے ہیں جب کہ فرائض میں تعیین نیت ضروری ہے۔

(۹) فرائض میں صاحب ترتیب شخص کے لیے ترتیب کی رعایت ضروری ہے جب کہ سنن ونوافل میں ضروری نہیں۔(۲)

نوافل میں مکروہ امور:

نوافل میں مکروہ امور دو قسم کے ہیں۔ایک کا تعلق نوافل کی مقدار کے ساتھ ہے جب کہ دوسری قسم کا تعلق وقت کے ساتھ ہے۔

نوافل کی مقدار سے متعلق مکروہات:

عامۃ المشائخ کے ہاں دن میں ایک سلام کے ساتھ چار سے زیادہ اور رات میں آٹھ سے زیادہ نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔

نوافل کے وقت سے متعلق مکروہات:

بارہ اوقات میں حنفیہ کے ہاں نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ان میں سے تین اوقات ایسے ہیں جن میں کراہت کی وجہ وقت کی کراہت ہے جب کہ بقیہ اوقات میں کراہت وقت کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی خارجی امر کی وجہ سے ہوتا ہے۔

پہلی قسم کے اوقات درج ذیل ہیں:

(۱) سورج کے طلوع ہونے کے وقت، یہاں تک کہ کسی قدر بلند ہو جائے۔

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوۃ،باب الوتر والنوافل،مطلب في کراهة الاقتداء في النفل علیٰ سبیل التداعي:۲/۵۰۰،۵۰۱

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ،فصل في مایفارق التطوع الفرض:۲/۲۹۶۔۳۰۱،مراقي الفلاح،فصل في صلاۃ النفل جالساً، ص:۳۲۷۔۳۳۰

(۲) استوائے شمس کے وقت، یہاں تک کہ زوال ہوجائے۔

(۳) اصفرار شمس کے وقت، یعنی غروب سے کچھ قبل وقت سے لے کر سورج غروب ہونے تک

ان تین اوقات میں ہر جگہ، ہر دن، ہر ایک نفل (چاہے صلوۃ طواف، تحیۃ المسجد یا تحیۃ الوضو کیوں نہ ہو) مکروہ ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے جمعہ کے دن زوال کے وقت اور امام شافعیؒ نے مکہ میں ہر وقت نفل پڑھنا جائز قرار دیا ہے۔ بقیہ اوقات درج ذیل ہیں:

(۱) طلوع فجر سے نماز فجر تک

(۲) نماز فجر سے طلوع شمس تک

(۳) صلاۃ عصر کے بعد سورج ڈوبنے تک

مذکورہ تین اوقات میں فرائض اور واجبات پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، البتہ نوافل جس قسم کے بھی ہوں، حنفیہ کے ہاں ان کا پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح نذر کی وجہ سے یا نفلی نماز توڑنے کی وجہ سے واجب شدہ نمازیں ادا کرنا بھی ظاہر الروایۃ کے مطابق ان اوقات میں ادا کرنا مکروہ ہے اگرچہ امام ابو یوسفؒ کے ہاں ایسی نمازیں ان اوقات میں پڑھی جاسکتی ہیں۔

(۴) غروب آفتاب کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے

(۵) کسی بھی نماز کے لیے اقامت شروع ہوجانے کے بعد سنن ونوافل پڑھنا مکروہ ہے، البتہ فجر کی دو رکعت سنتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۶) جمعہ کے خطبہ کے دوران

(۷) خطبہ کے لیے امام کے اٹھ جانے کے بعد، اگرچہ ابھی تک خطبہ شروع نہ کیا ہو۔

(۸) خطبہ سے فراغت کے بعد اور جمعہ کی نماز شروع ہونے سے پہلے

(۹) عید کی نماز سے پہلے گھر یا عید گاہ میں نفل ادا کرنا اور عید کی نماز کے بعد صرف عید گاہ میں نفل ادا کرنا مکروہ ہے۔(۱)

❁❁❁❁❁

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل في مایکرہ من التطوع: ۲/۲۹۰-۲۹۶

باب السنن والنوافل

(سنن اور نوافل کا بیان)

سننِ ہدیٰ اور زوائد میں فرق

سوال نمبر(207):

سنن ہدیٰ اور زوائد میں کیا فرق ہے؟ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنن کی کس قسم سے تعلق رکھتا ہے؟ کیا عذر کی وجہ سے چارپائی وغیرہ پر کھانا کھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

روایات میں دو قسم کی سنن منقول ہیں: پہلی قسم وہ ہے جسے سنن ہدیٰ کہا جاتا ہے، مثلاً: نمازوں کی سنتیں، نماز باجماعت، اذان، اقامت وغیرہ یہ عبادت کی نیت سے ادا کی جاتی ہیں، ان کے کرنے پر ثواب ملتا ہے، نہ کرنے پر آدمی عقاب کا مستحق ہوجاتا ہے، اس لیے سنن ہدیٰ میں حضورﷺ کا اتباع ضروری ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس سے تعبیر سنن زوائد یا سنن عادیہ سے کی جاتی ہے، ان کا تعلق حضورﷺ کی عادات و اطوار سے ہے، مثلاً: لباس، کھانے پینے کا طریقہ، اٹھنا بیٹھنا وغیرہ، ان کا حکم یہ ہے کہ ان میں حضورﷺ کا اتباع افضل و بہتر ہے، عملی طور پر ان کو ترک کرنا نامناسب ضرور ہے، لیکن عذر اور ضرورت کے دائرے کو مدنظر رکھ کر رخصت پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے۔ حضورﷺ سے کھانا زمین پر ثابت ہے، اس لیے زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے، لیکن اگر زمین پر بیٹھنے سے کوئی عذر مانع ہو تو چارپائی یا کسی اونچی جگہ پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے، لیکن اس بات کا خیال رہے کہ سنن زوائد کو چھوڑنے کا معمول نہ بننے پائے کیونکہ حضورﷺ کا ہر ہر عمل اپنے اندر لامحدود انوارات وبرکات رکھتا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

السنة نوعان: سنة الهدى، وتركها يوجب إساءة وكراهية كالجماعة، والآذان، والإقامة، ونحوها، وسنة الزوائد وتركها لا يوجب ذلك كسير النبي ﷺ في لباسه، وقيامه، وقعوده.(۱)

(۱) ردّالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، مطلب في السنة وتعريفها: ۱/۲۱۸

ترجمہ:

سنت کی دو قسمیں ہیں: سنن ہدیٰ اُن کا چھوڑنا برائی اور کراہت کا سبب بنتا ہے، جیسا کہ جماعت کی نماز، اذان اور اقامت وغیرہ۔ اور (دوسری قسم ہے:) سنن زوائد اس کا چھوڑنا گناہ نہیں، جیسے حضور ﷺ کی سیرت لباس میں کھڑے ہونے میں اور بیٹھنے میں۔

❀❀❀

ظہر کی چار رکعت سنت کا جماعت کی وجہ سے رہ جانا

سوال نمبر (208):

ظہر کی جماعت پڑھی جارہی تھی تو ایک شخص سنت چھوڑ کر جماعت میں شامل ہوگیا، اب فرض کے بعد سنت پڑھے گا یا نہیں؟ اگر پڑھے گا تو کس ترتیب سے پڑھے گا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب ظہر کی جماعت کھڑی ہو جائے تو سنت چھوڑ کر جماعت میں شامل ہونا چاہیے۔ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد سنت پڑھ لے، البتہ چار رکعت سنت دو رکعت سے پہلے پڑھے یا بعد میں؟ اس میں فقہائے احناف کا اختلاف ہے، امام محمدؒ کے نزدیک دو رکعت سے پہلے پڑھ لینا چاہیے جب کہ امام ابو یوسفؒ دو رکعت کے بعد پڑھ لینے کے قائل ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں اکثر امام محمد کا قول ذکر کیا جاتا ہے، لیکن مفتی بہ قول امام ابو یوسفؒ کا ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ دو رکعت سنت پڑھ لینے کے بعد چار رکعت سنت پڑھے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(ثم يقضيها قبل شفعة) أي الركعتين اللتين بعده، وهذا عند محمدؒ، وعند أبي يوسفؒ: يقضيها بعد شفعة... وتأخيرها عن الظهر لا يقتضي تأخيرها عن شفعة، ووجه تقديم الشفع على الأربع أنها فاتت عن محلها فلا يفوت الشفع عن محله، وهو الاتصال بالفرض، وهو المعتمد. لما رواه ابن ماجة عن عائشةؓ: كان رسول الله ﷺ إذا فاتته الأربع قبل الظهر صلاها بعد الركعتين بعد الظهر.(۱)

---

(۱) القاري، علي بن محمد سلطان، شرح النقاية، كتاب الصلوة، فصل في إدراك الفريضة: ۱/ ۲۵۲، ایچ ایم سعید، کراچی

ترجمہ:

(ظہر کی چار رکعت سنت جب فرض سے پہلے نہ پڑھے) تو دو رکعت سے پہلے ادا کرے گا۔ یہ امام محمدؒ کے ہاں ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دو رکعت کے بعد ادا کرے گا۔۔۔۔ چار رکعت کا ظہر کی فرض نماز سے مؤخر کرنا دو رکعت کو مؤخر کرنے کا تقاضہ نہیں کرتا اور دو رکعت کو چار رکعت سے پہلے پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ چار رکعت تو اپنے محل سے فوت ہوگئیں، ابھی دو رکعت کو اپنے محل سے فوت نہیں کیا جائے گا اور اِس کا محل فرض کے متصل بعد ہے۔ یہی قول معتمد ہے، اس لیے کہ ابن ماجہ حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ حضورﷺ سے جب ظہر کی چار رکعت سنت فوت ہو جاتی تھی تو ظہر کی دو رکعت کے بعد پڑھ لیا کرتے تھے۔

❁❁❁

فجر کی جماعت کے دوران سنتوں کا پڑھنا

سوال نمبر (209):

ایک شخص مسجد میں داخل ہوا تو فجر کی جماعت کھڑی تھی، اب یہ شخص جماعت میں شامل ہو جائے یا سنتیں پڑھے؟ نیز کن کن حالتوں میں سنتیں چھوڑ کر جماعت میں شامل ہو سکتا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فجر کی سنتیں دوسری نمازوں کی سنتوں سے زیادہ مؤکد ہیں اس لیے ان کا اہتمام ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ سفر میں بھی ان کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ فجر کی جماعت کھڑی ہو اور کوئی شخص مسجد میں داخل ہو جائے تو یہ شخص سنتیں پڑھے یا جماعت میں شامل ہو؟ اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں: ظاہر مذہب تو یہ ہے کہ جب فرض کی ایک رکعت امام کے ساتھ پانے کی امید ہو تو سنتیں پڑھ لے، ورنہ ترک کردے۔ جب کہ دوسرا مذہب یہ ہے کہ اگر تشہد پانے کی امید ہو تو پڑھ لے ورنہ چھوڑ دے۔ علامہ حصکفیؒ اور ابن عابدینؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ ائمہ ثلاثہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تشہد میں امام کو پانے والا جماعت کی فضیلت پالے گا، لہٰذا اگر فجر کی جماعت کھڑی ہو اور سنتیں نہ پڑھی ہوں اور امام کو تشہد میں پانے کی امید ہو تو سنتیں پڑھ لے، ورنہ ترک کردے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(وإذا خاف فوت) رکعتي (الفجر لاشتغاله بسنتها ترکها وإلا) بأن رجا إدراك رکعة في ظاهر المذهب. وقیل التشهد، واعتمده المصنف الشرنبلالي تبعا للبحر...الأن المدار هنا علیٰ إدراك فضل الجماعة، وقد اتفقوا علیٰ إدراکه بإدراك التشهد.(۱)

ترجمہ:

جب سنتوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے فجر کے فرض فوت ہونے کا اندیشہ ہوتو چھوڑ دے، ورنہ اگر ظاہر مذہب کے مطابق ایک رکعت پانے کی امید ہوتو ترک نہ کرے اور کہا گیا ہے کہ تشہد پانے کی امید ہوتو ترک نہ کرے۔ شرنبلالیؒ نے بحر کی متابعت کرتے ہوئے اس قول پر اعتماد کیا ہے، کیونکہ مدار جماعت کی فضیلت پانے پر ہے اور ائمہ احناف نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ تشہد پانے سے جماعت کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے۔

❁❁❁

سنتوں کے لیے افضل جگہ

سوال نمبر(210):

کتبِ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورﷺ گھر میں سنت پڑھنے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے اور صحابہ کرامؓ کے معمولات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضورﷺ کے ساتھ خاص ہے۔سوال یہ ہے کہ سنت گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حضورﷺ فرض نمازوں کے علاوہ سنت ونفل کا اکثر گھر میں اہتمام فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ عائشہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔آپﷺ صحابہ کرامؓ کو بھی سنت ونفل گھر میں پڑھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے اور فرماتے کہ اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، لہٰذا یہ صرف حضورﷺ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ امت کو بھی اس کی ترغیب

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوۃ، باب إدراك الفریضة، مطلب:هل الإساءة دون الکراهة أوأفحش:۲/ ۵۱۰، ۵۱۱

دی گئی ہے، اس لیے اتباع سنت کی خاطر سنتیں گھر میں پڑھنا افضل ہے، لیکن مسجد میں پڑھ لینا بھی جائز ہے، صرف اولویت کی بات ہے۔ پھر اگر گھریلو مشاغل اور سرگرمیوں کی وجہ سے گھر میں سنت پڑھنا دشوار ہو یا رہ جانے کا اندیشہ ہو تو مسجد میں پڑھنا افضل ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

عن عبداللّٰہ ابن شقیقؓ قال: سألت عائشة عن صلوة رسول اللّٰہ ﷺ عن تطوعه فقالت: كان يصلي في بيتي قبل الظهر أربعاً، ثمّ يخرج فيصلي بالناس، ثم يدخل فيصلي ركعتين، و كان يصلي بالنّاس المغرب، ثم يدخل فيصلي ركعتين، ويصلي بالناس العشاء، ويدخل بيتي فيصلي ركعتين...و كان إذا طلع الفجر صلّى ركعتين. (۱)

ترجمہ:

عبداللّٰہ بن شقیقؓ نے فرمایا کہ: ''میں نے حضرت عائشہؓ سے حضور ﷺ کے نوافل کے بارے میں سوال کیا تو فرمانے لگیں کہ حضور ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعت گھر میں پڑھ لیا کرتے تھے، پھر نکلتے اور لوگوں کو باجماعت نماز پڑھاتے تھے، پھر گھر داخل ہوتے اور دو رکعت پڑھ لیتے تھے۔ اور لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاتے تو پھر گھر میں دو رکعت پڑھتے۔ اور لوگوں کو عشا کی نماز پڑھاتے تو پھر میرے گھر تشریف لا کر دو رکعت پڑھ لیا کرتے تھے۔۔۔۔ اور جب فجر طلوع ہوتی تو دو رکعت پڑھ لیتے تھے''۔

❁❁❁

باجماعت صلوٰۃ تسبیح پڑھنا

سوال نمبر(211):

باجماعت صلوٰۃ تسبیح کی قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟ ہمارے ہاں بعض لوگ باجماعت پڑھنے کو جائز، جب کہ بعض لوگ ناجائز خیال کرتے ہیں؟

بیّنوا تؤجروا

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین و قصرھا، باب جواز النافلۃ قائماوقاعدا......: ۱/۲۵۲

الجواب وباللہ التوفیق:

قیامِ رمضان، یعنی تراویح کے علاوہ کسی نفل نماز کی جماعت کے اہتمام کا ذکر نہیں ملتا، اس لیے فقہا نوافل کی جماعت کو مکروہ سمجھتے ہیں، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ صلوٰۃِ تسبیح بھی نوافل میں شمار ہوتی ہے، اس لیے اس کا باجماعت ادا کرنا درست نہیں، بلکہ خلاف سنت ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ومنها: أن الجماعة في التطوع ليست بسنة، إلا في قيام رمضان، وفي الفرض واجبة.(۱)

ترجمہ:

نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا سنت نہیں، سوائے قیامِ رمضان یعنی تراویح کے (کہ اُس کا باجماعت پڑھنا ثابت ہے) اور فرض نماز باجماعت پڑھنا واجب ہے۔

❁❁❁

نمازِ حاجت ادا کرنا

سوال نمبر(212):

نمازِ حاجت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا نمازِ حاجت کا کوئی خاص وقت ہے یا عام نوافل کی طرح کسی بھی وقت نمازِ حاجت پڑھی جاسکتی ہے، جیسا کہ مکروہ اوقات کے علاوہ تمام اوقات میں نوافل ادا کیے جاسکتے ہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نمازِ حاجت کی حیثیت عام نوافل کی طرح ہے جو اوقاتِ مکروہہ کے علاوہ تمام اوقات میں پڑھی جاسکتی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی کو اللہ کی طرف یا کسی بندے کی طرف کوئی حاجت ہو تو اچھے طریقے سے وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھ کر دعا مانگے۔ نوافل میں یہ قاعدہ ہے کہ جس نیت سے پڑھے جاتے ہیں اُسی نیت کا اعتبار ہوتا ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص حاجت کی نیت کر کے نفل پڑھے گا تو نمازِ حاجت شمار ہوگی۔ اگر شکر کی نیت کرے گا تو نمازِ شکر متصور ہوگی۔

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، فصل فیما یفارق التطوع الفرض: ۲/ ۳۰۰

والدّلیل علیٰ ذلک:

عن عبداللہ بن ابي أوفیٰ قال:قال رسول اللہ ﷺ: من کا نت له إلی الله حاجة،أو إلیٰ أحد من بني آدم، فلیتوضأ، ولیحسن الوضوء،ثم لیصل رکعتین.(۱)

ترجمہ:

عبداللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ: ''حضور علیہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کواللہ کی طرف یابنی آدم کی طرف کوئی حاجت ہوتو چاہیے کہ اچھی طرح وضوکرے، پھر دورکعت نماز پڑھے''۔

❁❁❁

اشراق کی نماز

سوال نمبر(213):

سورج طلوع ہونے کے بعد لوگ چار رکعت نفل پڑھتے ہیں۔شرعی لحاظ سے اس طرح نفل پڑھنے کا کیا حکم ہے اوراس نماز کی رکعتوں کی تعداد کتنی ہونی چاہیے؟نیز صلاۃِ حاجت کی رکعتوں کی تعداد کیا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

طلوعِ آفتاب کے بعد جونماز پڑھی جاتی ہے اُسے اشراق کہتے ہیں۔ حدیث میں اِس کی رکعتوں کی تعداد دو منقول ہے۔اور صلوٰۃ حاجت کی رکعتوں کی تعداد:دو، چار اور بارہ رکعت تک منقول ہے،البتہ اِس کے متعلق بھی زیادہ درست قول دورکعت کا ہے۔نمازِ اشراق اور نماز حاجت دونوں الگ الگ مستقل نوافل ہیں۔طلوعِ شمس کے بعد جولوگ چاررکعت نوافل ادا کرتے ہیں عموماًاس میں دورکعت نمازِ اشراق اوردورکعت نماز حاجت کی نیت سے پڑھتے ہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

عن أنس ؓ قال قال رسول اللہ ﷺ:من صلیٰ الفجر في جما عة،ثم قعد یذکراللہ،حتیٰ تطلع الشمس،ثم صلیٰ رکعتین کا نت له کأجرحجة وعمرة.قال:قال رسول اللہ ﷺ : تامة تامة تامة.(۲)

(۱)جامع الترمذي،أبواب الوتر،باب ماجاء في صلوة الحاجة:۱/۱۰۸

(۲)جامع الترمذي،أبواب السفر،باب ذکرمایستحب من الجلوس في المسجد.....:۱/۱۳۰

ترجمہ:
حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: ''حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے فجر جماعت سے پڑھ لی، پھر بیٹھ کر طلوع شمس تک اللہ کے ذکر میں مشغول ہوگیا، پھر دو رکعت نماز پڑھی تو اس کو ایک حج اور عمرے کا ثواب ملے گا''۔ راوی کہتے ہیں کہ: ''آپ ﷺ نے (تاکید کے لیے) تین مرتبہ فرمایا کہ: پورے حج وعمرے کا ثواب ہوگا''۔

وأربع صلوة الحاجة: قيل: ركعتان، وفي الحاوي أنها اثنتا عشرة. قال ابن عابدين: وأما في شرح المنية فذكر أنها ركعتان. (۱)

ترجمہ:
اور (نفل نمازوں میں سے) چار رکعت نماز حاجت کی ہے، بعض کا کہنا ہے کہ: ''یہ دو رکعت ہے اور حاوی میں مذکور ہے کہ بارہ رکعتیں ہیں، ابن عابدین کہتے ہیں کہ شرح المنیۃ میں ذکر کیا گیا ہے کہ نمازِ حاجت دو رکعت ہے''۔

❁❁❁

سجدۂ شکر ادا کرنا

سوال نمبر (214):

عام طور پر کسی نعمت کے شکر میں لوگ سجدہ ادا کرتے ہیں اور اسی طرح نماز پڑھ لینے کے بعد حالتِ دعا میں سجدہ ادا کرتے ہیں، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز سجدہ شکر اوقاتِ مکروہہ میں کرنا کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سجدۂ شکر کے متعلق فقہائے کرام کی آرا مختلف ہیں: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے اس کا نہ کرنا بہتر ہے، البتہ صاحبین کے نزدیک کسی نعمت کا شکر ادا کرنے کی نیت سے سجدہ شکر ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ افضل ہے اور اس پر ثواب بھی ملے گا۔ فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔ سجدہ شکر کے علاوہ عام طور پر نماز کے بعد جو سجدہ ادا کیا جاتا ہے یہ مکروہ ہے اس سے احتراز ضروری ہے۔ جن اوقات میں نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، ان اوقات میں سجدہ شکر بھی مکروہ رہے گا۔

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، فصل في صلوة الحاجة: ۲/ ۴۷۲، ۴۷۳

والدّلیل علیٰ ذلك:

وسجدة الشكر لا عبرة لها عندأبي حنيفة، وهي مكروهة عنده لايثاب عليها، وتركها أولىٰ. و قال أبويوسف ومحمد : هي قربة يثاب عليها.... قال في الحجة: ولايمنع العباد من سجدة الشكر؛ لما فيها من الخضوع، والتعبد، وعليه الفتوىٰ..... ومايفعل عقيب الصلوات مكروه؛ لأن الجهال يعتقدونها سنة، أوواجبة، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه.(۱)

ترجمہ: ابوحنیفہؒ کے ہاں سجدہ شکر کا کوئی اعتبار نہیں، آپ کے ہاں یہ مکروہ ہے اس پر کوئی ثواب نہیں ملے گا، اس لیے اس کا نہ کرنا بہتر ہے۔ ابویوسف اور محمدؒ فرماتے ہیں: یہ ثواب کا کام ہے، اس پر اجر ملے گا...... الحجۃ میں مذکور ہے کہ لوگوں کو سجدہ شکر کرنے سے نہیں روکا جائے گا، کیونکہ اس میں عاجزی اور بندگی کا اظہار ہے، اسی پر فتویٰ ہے...... اور نمازوں کے بعد جو سجدہ کیا جاتا ہے یہ مکروہ ہے اس لیے کہ جاہل لوگ اِسے سنت اور واجب خیال کرتے ہیں اور ہر وہ مباح چیز جسے لوگ سنت یا واجب سمجھنے لگیں، مکروہ ہوتا ہے۔

تکبیر اولیٰ کی فضیلت پانے کی حد

سوال نمبر(215):

احادیث میں تکبیر اولیٰ کی جو فضیلت آئی ہے مقتدی اس کے ثواب کا کب تک حقدار رہتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

احادیثِ مبارکہ میں تکبیر اولیٰ کی بہت فضیلت آئی ہے، تاکہ ہر شخص باجماعت نماز کا اہتمام کرنے والا بنے۔ فضیلت پانے کا مقتدی کب تک حقدار رہتا ہے؟ اس میں علمائے کرام کے متعدد اقوال ہیں: بعض کے نزدیک اگر مقتدی کی تکبیر امام کی تکبیر کے ساتھ متصل ہوجائے تو اس کو تکبیر اولیٰ کی فضیلت ملے گی۔ بعض کے نزدیک سورۂ فاتحہ کے اختتام تک شرکت کر لینے سے ثواب مل جاتا ہے، جب کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جو شخص پہلی رکعت پالے تو تکبیر اولیٰ میں شامل سمجھا جائے گا۔ اس قول میں وسعت ہے اور سب سے زیادہ راجح قول بھی یہی ہے۔

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/۱۳۵، ۱۳۶

والدلیل علیٰ ذلک:

اما فضیلة تکبیرة الافتتاح، فتکلموا في وقت إدراکها والصحیح أن من أدرك الرکعة الأولیٰ فقد أدرك فضیلة تکبیرة الافتتاح.(۱)

ترجمہ:

تکبیر اولیٰ کی فضیلت پانے کے وقت میں علماء نے کلام کیا ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ جس نے پہلی رکعت پالی تو اس نے تکبیر اولیٰ کی فضیلت بھی پالی۔

❁❁❁

نماز کے بغیر سجدہ شکر ادا کرنا

سوال نمبر(216):

بعض لوگ نماز کے بعد متصل سجدہ شکر ادا کرتے ہیں۔ ہمارے محلے کے کچھ افراد اس عمل کو مکروہ خیال کرتے ہیں اور کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ نماز کے بعد سجدہ شکر ادا کرنا مسنون ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے اس کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سجدہ شکر ادا کرنا ان اوقات میں مکروہ ہے، جن اوقات میں نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ اوقاتِ مکروہہ کے علاوہ سجدہ شکر ادا کرنا درست ہے، بشرطیکہ سببِ شکر موجود ہو جیسے کعب بن مالک کو اپنی توبہ کی قبولیت کی خبر ملی تو فوراً سجدہ میں گر گئے، تاہم نماز کے بعد متصل بعض لوگ جو سجدہ شکر ادا کرتے ہیں یہ مکروہ ہے، اس لیے کہ عوام الناس اس طرح سجدہ ادا کرنے کو مسنون سمجھنے لگتے ہیں اور ہر وہ مباح جس کے کرنے سے مسنون ہونے کا اعتقاد پیدا ہوتا ہو، مکروہ کے زمرے میں شامل ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ومایفعل عقیب الصلوات مکروہ؛ لأن الجهال یعتقدونها سنة أو واجبة، وکل مباح یؤدي إلیه

---

(۱)الفتاوی الهندیة، کتاب الصلوة، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الأول في فرائض الصلوة: ۱/ ۶۹

فمکروه.(۱)

ترجمہ:

اور نمازوں کے بعد جو سجدہ کیا جاتا ہے یہ مکروہ ہے، اس لیے کہ جاہل لوگ اِسے سنت اور واجب خیال کرتے ہیں اور ہر وہ مباح چیز جسے لوگ سنت یا واجب سمجھنے لگیں، مکروہ ہوتا ہے۔

❁❁❁

نماز میں ثناء پڑھنا

سوال نمبر(217):

نماز میں سبحنك اللّٰھمّ پڑھنے کی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ صرف پہلی رکعت میں پڑھنی چاہیے یا ہر رکعت میں ضروری ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نماز نفل ہو یا فرض ہو، اس میں ثنا پڑھنا مسنون ہے۔اس کے پڑھنے کا محل تکبیر تحریمہ کے بعد اور تعوذ وتسمیہ سے پہلے ہے۔ثنا صرف پہلی رکعت میں پڑھی جائے گی، البتہ چار رکعت نفل پڑھنے والا تیسری رکعت میں اور مسبوق بقیہ رکعتیں پڑھنے سے قبل پہلی رکعت میں پڑھ سکتا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

سننها(الصلوة) رفع اليدين للتحريمة ونشر أصابعه...والثناء، والتعوذ، والتسمية.(۲)

ترجمہ:

نماز کی سنتوں میں تحریمہ کے لیے دونوں ہاتھ اٹھانا اور انگلیوں کو پھیلانا۔۔۔اور ثنا، تعوذ اور تسمیہ پڑھنا ہے۔

فإذا قام إلیٰ قضاء ماسبق یأتي بالثناء.(۳)

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة،الباب الثالث عشرفي سجود التلاوة:۱/۱۳۶

(۲) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة،الباب الرابع في صفة الصلوة،الفصل الثالث في سنن الصلوة:۱/۷۲

(۳) أيضا،الباب الخامس في الإمامة،الفصل السابع في المسبوق:۱/۹۱

ترجمہ:

جب مسبوق بقیہ رکعتیں پڑھنے کے لیے کھڑا ہو جائے تو (پہلی رکعت میں) ثنا پڑھے گا۔

❁❁❁

چار رکعت نفل کی نیت باندھنا

سوال نمبر(218):

ایک شخص نے چار رکعت نفل نماز کی نیت باندھ لی، لیکن صرف دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر لیا۔ تو کیا اس پر مزید دو رکعتوں کی قضا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہ حنفی کی رو سے نفل نماز شروع کرنے سے لازم ہو جاتی ہے، تاہم چار رکعت نفل نماز کی نیت باندھنے سے صرف دو رکعت واجب ہوتی ہیں، اس لیے دو رکعت پر سلام پھیرنا جائز ہے۔ باقی دو رکعت چونکہ اس پر واجب نہیں، اس لیے دو رکعت پر سلام پھیرنے سے بقیہ دو کی قضا بھی لازم نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

نویٰ أن يتطوع أربعًا، فهو شارع الركعتين عند أبي حنيفةؒ ومحمدؒ كذافي القنية.(۱)

ترجمہ:

چار رکعت نفل کی نیت کی تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے ہاں یہ دو رکعتوں (کی نماز) شروع کرنے والا ہے۔ اسی طرح قنیہ میں آیا ہے۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب التاسع في النوافل: ۱/۱۱۳

فجر کی سنتیں رہ جانا

سوال نمبر(219):

فجر کی سنت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا چھوڑنے کے بعد اس کی قضا واجب ہے؟ اور اس کی صورت کیا ہوگی؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

روایات میں فجر کی سنتوں کی تاکید عام سنتوں کی نسبت زیادہ آئی ہے، یہی وجہ ہے کہ احنافؒ کے نزدیک اگر فجر کی جماعت مکمل چھوٹنے کا اندیشہ نہ ہو تو سنت پڑھ لینی چاہیے، البتہ اگر جماعت مکمل فوت ہو رہی ہو تو پھر سنتیں پڑھنے کی بجائے جماعت میں شریک ہونا زیادہ بہتر ہے، البتہ اس کی قضا میں تفصیل یہ ہے کہ اس کو فرض کے تابع کرکے پڑھا جاسکتا ہے۔ اگر فرض پڑھی ہو تو صرف سنت کی قضا ضروری نہیں۔ اور فرض کے ساتھ بھی اُس وقت سنتوں کی قضا کرے گا جب اُسی روز زوال سے پہلے قضا پڑھ رہا ہو، چنانچہ زوال کے بعد صرف فرض نماز کی قضا کی جائے گی سنتوں کی نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

وأما سنة الفجر: فإن فاتت مع الفرض تقضیٰ مع الفرض استحساناً ؛...... وأما إذا فاتت وحدها لاتقضیٰ عند أبي حنيفة وأبي يوسف، وقال محمدؒ : تقضیٰ إذا ارتفعت الشمس قبل الزوال.(۱)

ترجمہ:

اور فجر کی سنتیں اگر کسی سے فرض نماز کے ساتھ فوت ہو جائیں تو استحساناً فرض کے ساتھ ان کی قضا بھی پڑھی جائے گی اور جب فجر کی سنتیں اکیلے فوت ہو جائیں تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک ان کی قضا نہیں لائی جائے گی، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ طلوعِ شمس سے لے کر زوال تک ان کی قضا لائی جاسکتی ہے۔

قوله:(ولا يقضيها إلا بطريق التبعية) أي لا يقضي سنة الفجر إلا إذا فاتت الفجر، فيقضيها تبعا لقضائه لو قبل الزوال.(۲)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في قضاء السنن:۲/۲۷۳،۲۷۴

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة، مطلب: هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش:۲/۵۱۲

ترجمہ: اور سنتوں کی قضا نہیں کرے گا مگر صرف تبعاً، یعنی فجر کی سنتوں کی قضا نہیں کرے گا، مگر جب فجر کی فرض نماز اس سے فوت ہوجائے تو پھر فجر کی سنتوں کی قضا فرض کے تابع کیا جائے گا بشرطیکہ فرض کی قضا زوال سے پہلے کرتا ہو۔

❁❁❁

ظہر کی چار سنتیں فرض کے بعد پڑھنے کی ترتیب

سوال نمبر(220):

اگر کسی شخص سے ظہر کی فرض سے پہلے چار رکعت سنت رہ جائے تو فرض نماز پڑھنے کے بعد کس طرح وہ اسے ادا کرے گا؟ آیا پہلے دو رکعت سنت پڑھے گا یا چار رکعت ان دونوں میں مفتی بہ قول کونسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق جب کسی شخص سے ظہر کے فرض سے پہلے چار رکعت سنت مؤکدہ رہ جائیں تو فرض کے بعد ان کو ادا کرنے سے ان کی حیثیت سنتوں جیسی رہے گی۔ اب یہ کہ فرض نماز کے بعد پہلے دو رکعت سنت پڑھنا افضل ہے یا چار رکعت؟ تو فقہائے کرام کا اس میں اختلاف ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک ان چار رکعت کو دو رکعت سنت سے پہلے ادا کرنا چاہیے، یعنی فرض نماز کے بعد پہلے چار رکعت پڑھے گا پھر دو رکعت، لیکن علامہ شامیؒ، علامہ ابن الہمامؒ اور علامہ قاضی خانؒ جیسے حضرات کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ان کو دو رکعت سنت کے بعد ادا کیا جائے۔ علامہ شامیؒ نے اس قول کو امام صاحبؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک حدیث میں بھی اس پر تصریح موجود ہے کہ حضور ﷺ دو رکعت کے بعد چار رکعت کو ادا کرتے تھے، اس لیے راجح یہ ہے کہ چار رکعت سنت کو دو رکعت سنت کے بعد ادا کیا جائے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

لكن رجح في الفتح تقديم الركعتين. قال في الامداد: وفي فتاوىٰ العتابي أنه المختار، وفي مبسوط شيخ الإسلام أنه الأصح لحديث عائشةؓ " أنه عليه الصلوة والسلام كان إذا فاتته الأربع قبل الظهر يصليهن بعد الركعتين" وهو قول أبي حنيفةؒ وكذا في جامع قاضي خان.(۱)

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة، مطلب: هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش: ۲/ ۵۱۴

ترجمہ:

لیکن فتح القدیر میں دو رکعت سنت کی تقدیم کا قول راجح قرار دیا ہے، امداد میں کہا ہے کہ فتاویٰ عتابی میں ہے کہ یہی قول مختار ہے۔ اور شیخ الاسلام کی مبسوط میں ہے کہ دو رکعت سنتوں کی تقدیم کا قول اصح ہے حضرت عائشہؓ کی اس روایت کی رُو سے آپ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ سے نماز ظہر کی چار رکعت سنت چھوٹ جاتی تھی تو آپ ﷺ ان کو دو رکعت سنت کے بعد ادا فرمایا کرتے۔ یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا بھی ہے اور اسی طرح جامع قاضی خان میں بھی مذکور ہے۔

❁❁❁

باجماعت نوافل ادا کرنا

سوال نمبر(221):

نفلی نماز باجماعت ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا چند افراد اکھٹے ہو کر جماعت سے نفل پڑھیں تو شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہ حنفیؒ کی رُو سے نوافل کی باجماعت ادائیگی کے لیے بلانے اور کثیر تعداد میں افراد کا باجماعت نفل پڑھنا بالاتفاق مکروہِ تحریمی ہے۔ اور کثیر تعداد یہ ہے کہ امام کے علاوہ چار مقتدی ہوں۔ اگر مقتدی تین ہوں تو کراہت میں اختلاف ہے اور ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ نفل کی جماعت بلا کراہت جائز ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر نوافل باجماعت ادا کرنے کے لیے باقاعدہ بلانے کا اہتمام نہ ہو اور عادت بھی نہ ہو اور پڑھنے والوں کی تعداد دو سے زائد نہ ہو تو جائز ہے ورنہ مکروہ ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قال الحصکفیؒ: یکره ذلك لو علیٰ سبیل التداعي بأن یقتدي أربعة بواحد کمافي الدرر. قال ابن عابدین: أما اقتداء واحد بواحد أو اثنین بواحد فلا یکره، وثلاثة بواحد فیه خلاف، بحر عن الکافي. وهل یحصل بهذا الاقتداء فضیلة الجماعة؟ ظاهر ماقدمناه من أن الجماعة في التطوع لیست بسنة

يفيد عدمه. (۱)

ترجمہ:

علامہ حصکفیؒ کہتے ہیں: نفل نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے اگر لوگوں کے بلانے کا اہتمام ہو، بایں صورت کہ چار آدمی مقتدی ہوں اور ایک امام ہو، جیسا کہ درر میں ہے اور اگر ایک مقتدی اور ایک امام ہو یا دو مقتدی ایک امام کی اقتدا کریں تو یہ دو صورتیں مکروہ نہیں اور تین مقتدی اور ایک امام کی باجماعت نفل نماز پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ یہ بحر میں کافی سے نقل کیا ہے۔ اور کیا اس اقتدا کے ساتھ جماعت کی فضیلت حاصل ہوتی ہے؟ ہم نے پہلے جو یہ ذکر کیا کہ جماعت کے ساتھ نفل نماز پڑھنا مسنون نہیں ہے۔ تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے جماعت کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔

❁❁❁

تراویح کے بعد نفل کی جماعت

سوال نمبر (222):

ہماری مسجد میں تراویح کے بعد نمازیوں میں سے ہی چند افراد مل کر کچھ دیر بعد ایک شخص کو امام بنا کر باجماعت نفل نماز ۱۰،۱۲ رکعت کا اہتمام کرتے ہیں جس میں ختمِ قرآن پاک بھی کرتے ہیں۔ شریعت کی رو سے یہ درست ہے یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے نفلی نماز کی جماعت کے لیے تداعی جماعت ناجائز ہے۔ تداعی سے مراد جماعت کا اہتمام کرنا، لوگوں کو بلانا اور اعلان وغیرہ ہے۔ اگر تداعی کے بغیر دو تین افراد مل کر نفل نماز جماعت سے پڑھ لیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

---

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة، مطلب: في كراهة الاقتداء في النفل علىٰ سبيل التداعي: ۲/ ۵۰۰

صورتِ مسئولہ میں تراویح کے بعد چار یا اس سے زائد افراد کا مل کر باجماعت نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہیے، البتہ اگر سب اہلِ محلہ متفق ہوں تو تراویح کی نماز کے دورانیہ کو بڑھا کر زیادہ سے زیادہ تلاوت کا اہتمام کیا جائے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

إذا صلوا التراویح، ثمّ أرادوا أن یصلوها ثانیا، یصلون فرادیٰ لا بجماعة؛ لأن الثانیة تطوع مطلق، والتطوع المطلق بجماعة مکروہ. (۱)

ترجمہ:

جب لوگوں نے ایک مرتبہ تراویح کی نماز پڑھ لی، پھر انہوں نے دوبارہ اسے پڑھنے کا ارادہ کیا تو وہ اکیلے اکیلے پڑھیں نہ کہ جماعت کے ساتھ، کیونکہ (تراویح کو) دوبارہ پڑھنا نفل کی حیثیت رکھتا ہے، اور مطلق نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے۔

ولو صلی التراویح، ثم أرادوا أن یصلوا ثانیا یصلون فرادی. (۲)

ترجمہ:

اگر کسی مسجد میں تراویح کی نماز ہو چکی ہو، پھر لوگوں نے دوبارہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو وہ اکیلے اکیلے پڑھیں گے۔

❁❁❁

میاں بیوی کا باجماعت نفل پڑھنا

سوال نمبر (223):

میاں بیوی کا مل کر باجماعت نفل نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في سننها: ۲/ ۲۷۸

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلوة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراویح: ۱/ ۱۱۶

الجواب وباللہ التوفیق:

نفل نماز کی باجماعت ادائیگی اوراس کے لیے لوگوں کا بلانا مکروہ ہے،تاہم صرف ایک یادومقتدیوں کے ساتھ نفل نماز کی جماعت مکروہ نہیں،لہٰذا میاں کا بیوی کو پیچھے صف میں کھڑی کر کے نفل نماز باجماعت ادا کرنا بلاکراہت جائز ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

بامامة الرجل للمرأة جائزة إذا نوى الإمام إمامتها،ولم يكن في الخلوة،أماإذا كان الإمام في الخلوة فإن كان الإمام لهن،أولبعضهن محرما،فإنه يجوزويكره.(۱)

ترجمہ:

مرد کی امامت عورت کے لیے جائز ہے، بشرط یہ کہ امام عورت کی امامت کی نیت کرے اورامام خلوت (تنہائی) میں نہ ہو۔اوراگرامام تنہائی میں ہواوران سب کا،یاان میں سے بعض کا محرم ہوتو یہ کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

قال الحصكفي:(ولايصلي الوترو)لا(التطوع بجماعة خارج رمضان) أي يكره ذلك لو علىٰ سبيل التداعي،أن يقتدي أربعة بواحد كما في الدرر.قال ابن عابدين:قوله(أربعة بواحد)أمااقتداء واحدبواحدأواثنين بواحد فلايكره.(۲)

ترجمہ:

اوررمضان المبارک کے علاوہ وتریانفل نماز باجماعت ادانہیں کی جائے گی، یعنی نفل یاوتر نماز باجماعت پڑھنامکروہ ہے اگراس میں لوگوں کو بلایاجاتاہو۔بایں صورت کہ چارمقتدی ہوں،اورایک امام ہو،جیساکہ درر میں ہے۔علامہ شامیؒ(اربعة بواحد) کے حاشیہ پرفرماتے ہیں کہ ایک مقتدی کاایک امام کی اقتدا کرنا،یادومقتدیوں کاایک امام کی اقتدا کرنامکروہ نہیں۔

(۱)الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة،الباب الخامس في الإمامة،الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره:۱/۸۵

(۲) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الوتروالنوافل،مطلب في كراهة الاقتداء في النفل على سبيل التداعي:۲/۵۰۰

نفل نماز میں تعدد نیت

سوال نمبر(224):

اگرایک آدمی اشراق یا کوئی اور نفل پڑھ رہا ہو،اوراس کے ساتھ صلوۃ التوبۃ،تحیۃالمسجد اور صلوۃ الحاجۃ کی نیت بھی کرلے تواس کوان سارے نوافل کاثواب ملے گایاجونفل پڑھ رہاہے،اس کاثواب ملے گا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اگرکوئی شخص نوافل میں تعدّد کی نیت کرے تواس کی نیت درست ہوگی اوردونوں اداہوجائیں گی،مثلاً:دورکعت سے صلوۃ التوبۃ اور تحیۃ المسجد دونوں کی نیت کرے تودونوں اداہو جائیں گی،البتہ جہاں تک ثواب کی کمی وزیادتی کاتعلق ہے تو یہ ایک واضح بات ہے کہ الگ الگ پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے،کیونکہ اس میں نماز کے ارکان دودومرتبہ اداہوتے ہیں،لہٰذااس کاثواب زیادہ ہوگا۔

والدلیل علیٰ ذلك:

وأما إذانوی نافلتین کماإذانوی برکعتي الفجرالتحیة،والسنة أجزأت عنهما.(١)

ترجمہ:

اوراگردونفل نمازوں کی نیت کرے،جیساکہ اگرفجرکی دورکعت میں تحیۃ المسجداورسنت دونوں کی نیت کرے تودونوں اداہوجائیں گی۔

ظہرکی سنتیں پڑھنے کے دوران جماعت کھڑی ہونا

سوال نمبر(225):

کوئی شخص ظہرکی سنت پڑھ رہاہواورجماعت کھڑی ہوجائے تویہ شخص جماعت میں شریک ہونے کے لیے کون ساطریقہ اختیارکرے گا؟

---

(١) زین الدین،ابن نجیم،الأشباہ والنظائر،المبحث السادس في بیان الجمع بین عبادتین:ص ٢٠،ایچ،ایم سعید،کراچي

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعت کی رو سے عبادت کو باطل کرنا درست نہیں، بشرطیکہ اس سے اعلیٰ درجہ کی عبادت کے ضائع ہوجانے کا خطرہ نہ ہو، جیسا کہ اگر سنن میں مشغول ہونے کی صورت میں جماعت کے چھوٹ جانے کا خطرہ ہو تو سنن میں مشغول نہ ہونا چاہیے۔ اگر ظہر کی سنتیں شروع کی ہوں تو اگر پہلی رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو سنتیں توڑ کر جماعت میں شریک ہو، اگر سجدہ کیا ہو تو دو رکعتیں مکمل کر کے سلام پھیر دے، اور اگر تیسری رکعت میں ہو اور سجدہ نہ کیا ہو تو سلام پھیر کر جماعت میں شریک ہو اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ کر چکا ہو تو چوتھی رکعت بھی ملائے اور سنتوں کو پورا کرنے کے بعد جماعت میں شریک ہوجائے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ثم اعلم أن هذا كله حيث لم يقم إلى الثالثة أما إن قام إليها، وقيدها بسجدة، ففي رواية النوادر يضيف إليها رابعة، ويسلم، وإن لم يقيدها بسجدة. قال في الخانية: ولم يذكر في النوادر. واختلف المشايخ فيه قيل: يتمها أربعا، ويخفف القراءة، وقيل: يعود إلىٰ القعدة ويسلم، وهذا أشبه. قال في شرح المنية: والأوجه أن يتمها. (١)

ترجمہ:

یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے کہ جب کوئی شخص تیسری رکعت کے لیے کھڑا نہ ہوا ہو، اگر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوا ہو اور اسی رکعت کا سجدہ بھی کر چکا ہو تو نوادر کی روایت میں یہ بات مذکور ہے کہ اس کے ساتھ چوتھی رکعت بھی ملائے گا اور سلام پھیرے گا اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو خانیہ میں ہے، جو نوادر میں مذکور نہیں کہ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ چوتھی رکعت بھی خفیف قرأت کے ساتھ پڑھے گا اور بعض فرماتے ہیں کہ قعدہ کی طرف لوٹے گا اور سلام پھیرے گا اور یہی قول مناسب ہے۔ شرح المنیۃ میں ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اس (چوتھی رکعت) کو پورا کرے۔

(١) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة، مطلب: صلو ركعة واحدة باطلة......: ٢/٥٠٧

فجر کی سنتیں فرض کے بعد متصل پڑھنا

سوال نمبر(226):

ہمارے علاقے میں فجر کی جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں کی سُنتیں رہ جاتی ہیں۔امام کے سلام پھیرنے کے بعد لوگ فوری طور پر طلوعِ آفتاب کا انتظار کیے بغیر سنتیں پڑھتے ہیں،اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

احادیث مبارکہ میں مکروہ اوقات کے اندر نماز کی ادائیگی سے ممانعت وارد ہوئی ہے۔منجملہ اوقاتِ مکروہہ میں سے ایک نمازِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک کا وقت بھی ہے،لہٰذا مذکورہ وقت کے اندر فجر کی سنتوں کی قضا جائز نہیں،تاہم طلوعِ شمس سے زوالِ شمس تک اسی دن کی فجر نماز کی قضا لاتے ہوئے تبعاً سنتوں کی قضا بھی لائی جاسکتی ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

عن عمران أن النبيّ ﷺ نهیٰ عن الصلوة بعد الصبح حتی تشرق الشمس،وبعدالعصرحتی تغرب .(۱)

ترجمہ:

حضرت عمرانؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور عصر کی نماز کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے،غروبِ آفتاب تک۔

(ویکره أن یتنفل بعد الفجر حتیٰ تطلع الشمس،وبعد العصر حتیٰ تغرب) لماروي أنه علیه السلام:نهیٰ عن ذلك .(۲)

ترجمہ:

فجر سے لے کر طلوعِ شمس تک اور عصر کی نماز کے بعد سے لے کر غروبِ شمس تک نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

---

(۱) صحیح البخاري، کتاب الصلاة،باب مواقیت الصلاة وفضلها:۱/۸۲

(۲)الهدایة، کتاب الصلاة،فصل في أوقات التي تکره فیها الصلاة:۱/۸۳

کیوں کہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

❁❁❁

سنت اور فرض کے درمیان وقفہ کرنا

سوال نمبر(227):

اگر کوئی ظہر کی سنتیں پڑھ کر سوجائے اور تقریبا ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ بعد فرض نماز باجماعت ادا کرے تو کیا سنت وفرض کے درمیان مذکورہ وقفہ کراہت کا سبب بنتا ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ سنن کی ادائیگی فرائض کے لیے تکملہ وتتمہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے ان کے درمیان ایسا فاصلہ لانا جس سے ان کے اتصال پر اثر پڑے مناسب نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں سنن اور فرائض کے درمیان اتنی طویل مقدار کا وقفہ مناسب نہیں، کیونکہ اس طرح وقفہ ثواب میں کمی کا باعث ہے جس سے احتراز بہتر ہے، لیکن سنتوں کا لوٹانا ضروری نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قال التمرتاشي: ولو تكلم بين السنة والفرض لايسقطها، ولكن ينقص ثوابها.(١)

ترجمہ:

اگر سنت اور فرض کے درمیان کسی نے باتیں کیں تو یہ باتیں کرنا سنت کو ساقط نہیں کرتا، تاہم اس کے ثواب میں کمی کا باعث بنتا ہے۔

❁❁❁

(١) التمرتاشي، محمد بن عبدالله بن أحمد، تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوفل: ٢/ ٤٦١

دو رکعت نفل کی بجائے چار پڑھنا

سوال نمبر (228):

اگر کوئی شخص دو رکعت نفل کی نیت باندھ لے اور پھر چار رکعت پڑھ لے تو اس کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی شخص دو رکعت نفل کی نیت باندھ لے تو دو رکعت مکمل کرنے کے بعد اگر تشہد کی مقدار بیٹھ نہ گیا ہو اور تیسری رکعت پڑھی تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔ اور اگر دو رکعت کے بعد قدرِ تشہد بیٹھ گیا ہو تو اب اُٹھنے پر ایک رکعت پڑھنے کے بعد ایک اور رکعت بھی ملائے گا، اس طرح چار رکعتیں مکمل ہو جائیں گی۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ولو قام المتطوع إلی الثالثة فتذکر أنه لم یقعد، یعود، وإن کانت سنّة الظهر، وعن علی البزدویؒ: أنه لایعود، وإن لم ینو أربعا، وقام إلی الثالثة یعود اجماعًا، وتفسد إن لم یعد، کذافي البرجندي.(۱)

ترجمہ:

نفل پڑھنے والا اگر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا پھر اسے یاد آیا کہ اس نے (دو رکعتوں کے بعد) قعدہ نہیں کیا تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ لوٹے خواہ ظہر کی سنتوں میں ہی یہ صورت پیش آتی ہو۔ اور علی بزدویؒ سے منقول ہے کہ وہ نہ لوٹے اور اگر اس (نفل پڑھنے والے) نے چار رکعت کی نیت نہیں کی تھی اور وہ تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا تو اس کے لیے بالاجماع حکم یہ ہے کہ وہ التحیات بیٹھنے کے لیے لوٹے اور اگر وہ نہ لوٹا تو (اس کی وہ) نماز فاسد ہوگی۔

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، باب في النوافل: ۱/ ۱۱۴

فجر کی سنتیں پڑھتے ہوئے جماعت کھڑی ہونا

سوال نمبر(229):

اگر کوئی آدمی فجر کی سنت پڑھ رہا ہو اور جماعت کھڑی ہو جائے تو یہ شخص کیا کرے گا؟ سنتوں کو پورا کرے گا یا نماز توڑ کر پھر اس کی قضا لائے گا؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر کوئی شخص فجر کی سنتیں پڑھ رہا ہو اور اس وقت جماعت کھڑی ہو جائے تو وہ غور کرے، اگر سنتیں پڑھنے سے جماعت فوت ہو جانے کا غالب گمان ہو تو اس وقت فقہائے کرام نے یہ صورت بیان کی ہے کہ اگر ممکن ہو تو سنن (یعنی ثنا و تعوذ وغیرہ) کو ترک کر دے اور ایک آیت پڑھنے پر اکتفا کرے، تاہم اگر اس طرح بھی جماعت پانا ممکن نہ ہو تو سنتیں توڑ کر فرض نماز میں شامل ہو جائے اور طلوع شمس کے بعد قضا پڑھ لے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

وعن القاضي الزرنجري: لو خاف أن تفوته الركعتان يصلي السنة، ويترك الثناء، والتعوذ، وسنة القراءة، ويقتصر علىٰ آية واحدة، ليكون جمعا بينهما، وكذافي سنة الظهر.(١)

ترجمہ:

اور قاضی زرنجریؒ فرماتے ہیں کہ اگر فجر کی سنتیں پڑھنے والے کو جماعت کے فوت ہو جانے کا ڈر ہو تو اس کو چاہیے کہ سنتیں پڑھے اور ثنا و تعوذ اور اسی طرح مسنون قرأت کو ترک کرے اور قرأت میں ایک آیت پڑھنے پر اکتفا کرے، تاکہ دونوں کے مابین اجتماع ہو جائے، یہی معاملہ ظہر کی سنتوں کا بھی ہے۔

❁❁❁❁❁

---

(١) ردالمحتار كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة مطلب هل اساءة دون الكراهة أو أفحش: ٥١٢/٢

باب الوتر

(وتر کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

یہ بات اپنی جگہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ پنجگانہ نماز انسان کو دن رات اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد دلاتی رہتی ہے، تاہم اشغالِ دنیوی کی کثرت انسان کو پھر اپنے محسنِ حقیقی سے دور لے جاتی ہے۔اس نسبت کو قوی کرنے اور فرائض میں کمی کوتاہی کو پورا کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے فرائض سے پہلے اور بعد میں کچھ سنتیں بھی مشروع فرمائی ہیں، تاہم ان سنن میں سے وتر پر جتنی مواظبت رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے فرمائی ہے اور اس کے متعلق جتنی اہمیت وارد ہوئی ہے، اس کو دیکھ کر امام ابوحنیفہؒ نے اس کو وجوب کا درجہ دیا ہے۔احادیثِ مبارکہ میں وتر کے ترک پر وعید اور تعاملِ امت کو دیکھ کر یہی رائے زیادہ قرین قیاس ہے۔(۱)

وتر کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

عربی زبان میں ''وتر'' طاق عدد کو کہتے ہیں جب کہ فقہ کی اصطلاح میں وتر ان تین رکعتوں کو کہتے ہیں جو عشا کی نماز کے بعد ایک سلام سے ادا کی جائیں اور جن کی آخری رکعت میں دعائے قنوت بھی پڑھی جائے۔(۲)

وتر کا وجوب اور مشروعیت:

امام ابوحنیفہؒ سے وتر کے بارے میں تین روایات ثابت ہیں: فرض، واجب اور سنت۔علامہ حصکفیؒ نے ان تینوں اقوال میں تطبیق کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"وھو فرض عملاً وواجب اعتقاداً، وسنۃ ثبوتاً".

عمل کے ضروری ہونے کے اعتبار سے وتر فرض کی طرح ہے، اعتقاد کے اعتبار سے واجب کی طرح ہے اور اس کا ثبوت سنت قولی اور فعلی سے ہے۔

امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور ائمہ ثلاثہ اگرچہ وتر کو سنت مؤکدہ قرار دیتے ہیں، لیکن ''سنتِ مؤکدہ'' کی اصطلاح

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل في الصلوۃ الواجبة: ۲/ ۲۲۱_۲۲۵

(۲) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، کتاب الصلوۃ، باب الوتر واحکامه، ص: ۳۰٤

ائمہ ثلاثہ کے ہاں وجوب کی طرح ہے، کیونکہ ان کے ہاں سنت اور فرض کے درمیان کوئی اور درجہ نہیں، لہٰذا وتر میں فرائض کی علامات: کسی اور نماز کا تابع نہ ہونا، مستقل اذان، اقامت، جماعت، صرف پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی فرضیت نہ ہونے کی وجہ سے ان حضرات نے اس کو سنت قرار دیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی رائے اپنی جگہ مسلم ہے کہ وتر میں فرائض کی علامات موجود نہیں، لیکن یہ بھی تو ایک حقیقت ہے کہ وتر میں سنن کی علامات بھی نہیں، اس لیے کہ سنتوں کی قضا نہیں، حالانکہ وتر کی قضا پر یہ حضرات بھی متفق ہیں۔ اسی طرح سنن کے برعکس وتر کی ادائیگی بیٹھ کر یا سواری پر جائز نہیں، سنن اور نوافل کے قاعدے کے بالکل برعکس اس کی رکعتیں طاق، یعنی تین ہیں، اس کے لیے مستقل نیت ہے اور اس کے ترک کرنے پر امام کے لیے تادیب اور بعض صورتوں میں قتال کی بھی اجازت ہے۔ اور جہاں تک عشا کی تبعیت کی بات ہے تو یہ بات من کل الوجوہ تسلیم نہیں، اس لیے کہ عشا کو آخر رات تک مؤخر کرنا سخت مکروہ ہے جب کہ وتر کو اس وقت تک مؤخر کرنا مستحب اور یہ عدمِ تبعیت کی دلیل ہے اور جہاں تک اذان، اقامت اور جماعت کی بات ہے تو یہ شعائر اسلام ہیں جو کہ بالاتفاق فرائض کے ساتھ خاص ہیں، لہٰذا عیدین، خسوف اور کسوف میں بھی ان کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

وتر کے وجوب پر حنفیہ نے درج ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

"الوتر حق واجب فمن لم يوتر فليس منا".

ترجمہ: وتر ایک واجب حق ہے جو شخص وتر نہ پڑھے، وہ ہم میں سے نہیں۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ کی روایت ہے:

"أوتروا ياأهل القرآن، فمن لم يوتر فليس منا".

ترجمہ: اے اہلِ قرآن، وتر پڑھا کرو، جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

یہاں بھی امر وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نماز کا اضافہ فرمایا ہے جو سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔ دوسری روایت میں "زادكم صلاة" آیا ہے اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اضافہ اور زیادت اس شئ کے جنس سے ہوتی ہے جس کی تعداد اور مقدار پہلے سے مقرر ہو اور یہ صفت صرف فرائض کی ہے۔(۱)

اس کے علاوہ حسن بصریؒ اور علامہ طحاویؒ نے اس پر سلف وخلف، یعنی جملہ مسلمانوں کا اجماع بھی نقل

(۱) سنن الترمذي، أبواب الوتر، باب ماجاء في فضل الوتر: ۱/ ۱۰۳

فرمایا ہے۔(۱)

وتر کی رکعات کی تعداد:

حنفیہ کے ہاں وتر ایک سلام اور دو قعدوں کے ساتھ تین رکعت کی ادائیگی کا نام ہے۔حنفیہ کے ہاں وتر کی یہی کیفیت رمضان وغیر رمضان سب میں برابر ہے۔امام شافعیؒ کے ہاں وتر کی رکعات کی تعداد میں اختیار ہے،تاہم یہ رکعات ایک سے لے کر گیارہ تک طاق اعداد میں سے ہوں گی،جب کہ امام زھریؒ صرف رمضان میں تین رکعت کے قائل ہیں،غیر رمضان میں ان کے ہاں وتر کی صرف ایک رکعت ہے۔(۲)

نماز وتر سے متعلق بنیادی اصول وقواعد:

حنفیہ کے ہاں وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح ادا کی جائے گی،تاہم جو امور امتیازی حیثیت کے حامل ہیں،وہ درج ذیل ہیں:

(۱) وتر کی نماز میں فرائض کی طرح تعیین نیت بالاتفاق ضروری ہے،لہٰذا عشا کی نماز کے بعد بلانیت مذکورہ طریقے سے تین رکعت کی ادائیگی کو وتر نہیں کہا جائے گا۔(۳)

(۲) وتر کی تینوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانا فرض ہے۔نبی کریم ﷺ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ آپ پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ،دوسری رکعت میں سورۂ کافرون اور تیسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھتے۔اگر کوئی شخص اتباعِ نبی ﷺ اور سنت کی نیت سے ایسا کرنا چاہے تو بہتر ہے،تاہم اس پر اتنی مواظبت نہ کرے کہ لوگ اس کو ضروری سمجھنے لگ جائیں۔(۴)

(۳) تیسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہونے کے بعد تکبیر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھائے۔مذکورہ تکبیر کہنا

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوة،فصل في الصلوة الواجبة:۲/۲۲۱۔۲۲۵،مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي،باب الوتر وأحكامه، ص:۳۰٤،الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة،باب الوتر والنوافل:۲/٤۳۸،٤۳۹

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة،فصل في مقدار الوتر:۲/۲۲۵،۲۲٦

(۳) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،باب الوتر وأحكامه،ص:۳۰٤،الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثامن في صلوة الوتر:۱/۱۱۱

(٤) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة،فصل في صفة القراءة فيه:۲/۲۲۸،۲۲۹

واجب ہے، البتہ ہاتھ اٹھانا سنت ہے، تاہم اگر کوئی شخص قضاء شدہ نماز وتر کی قضا لانا چاہے تو وہ لوگوں کے سامنے دعائے قنوت کے لیے ہاتھ نہ اٹھائے تاکہ لوگ نماز قضا کرنے کی وجہ سے اس کو غافل اور بے نمازی نہ سمجھیں۔ اگر قضا کرتے وقت کوئی اور شخص ساتھ نہ ہو تو پھر ہاتھ اٹھانا مسنون ہے۔ کانوں تک ہاتھ اٹھانے کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے ہاں ہاتھوں کو دوبارہ اسی طرح باندھا جائے گا۔ امام ابویوسفؒ کے ہاں قنوت پڑھتے وقت دعا کی کیفیت کے مطابق ہاتھوں کو سینے کے برابر لاکر آسمان کی طرف اٹھانا چاہیے، تاہم فقہائے کرام نے بالاجماع اس کو نماز کا منافی عمل قرار دیا ہے۔ امام محمدؒ کے ہاں ارسال، یعنی ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا بہتر ہے۔

تکبیر اور رفع یدین کے بعد دعائے قنوت پڑھنا حنفیہ کے راجح قول کے مطابق واجب ہے، تاہم دعائے قنوت فقہائے کرام کے ہاں کسی متعین دعا کا نام ہے، البتہ مستحب یہ ہے کہ وہی دعائیں پڑھی جائیں جو صحابہ کرامؓ سے منقول ہیں تاکہ جاہل لوگ نماز میں عام باتوں میں مشغول نہ ہو جائیں۔ مشہور دعا وہی ہے جو عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے:

"اللهم إنا نستعينك و نستغفرك و نؤمن بك و نتو كل عليك....."

اس کے علاوہ "اللهم اهدنا فيمن هديت..........." والی دعا بھی مختلف روایات میں منقول ہے۔

جو شخص ان دعاؤں کو نہ پڑھ سکے وہ "اللهم ربنا آتنا في الدنيا حسنة ...." والی دعا پڑھ لے یا "اللهم اغفرلی" تین مرتبہ پڑھ لے یا تین مرتبہ "یارب یارب" پڑھ لے۔ بہر حال جو بھی دعا ایسی ہو جو مخلوق کے کلام سے مشابہ نہ ہو، پڑھ لی جائے، تاہم دعا کو سورت "اذا السماء انشقت" کی مقدار تک محدود رکھنا افضل ہے۔ علامہ شرنبلالیؒ نے دعائے قنوت کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کو بھی مستحب قرار دیا ہے، تاہم ہندیہ نے درود نہ پڑھنے کو مشائخ کا قول قرار دیا ہے۔ دعائے قنوت کے بعد رکوع کرلے اور بقیہ نماز عام نماز کی طرح پوری کرلے۔

دعائے قنوت پڑھتے وقت اخفاء کرنا سنت ہے، چاہے امام ہو یا مقتدی یا منفرد اور چاہے ادا ہو یا قضا اور چاہے رمضان ہو یا غیر رمضان، تاہم فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عجم کے جن علاقوں میں جہالت کی وجہ سے لوگ دعائے قنوت پڑھنا نہیں جانتے ان علاقوں میں امام کے لیے مناسب جہر سے پڑھنا مستحب ہے تاکہ لوگ امام سے سن کر سیکھ سکیں۔

اگر امام دعائے قنوت میں "اللهم انا نستعينك" کے بعد "اللهم اهدنا فيمن هديت" والی دعا بھی پڑھنا چاہے تو امام ابویوسفؒ کے ہاں مقتدی اس کے ساتھ مذکورہ دعا پڑھ سکتے ہیں، تاہم امام محمدؒ کے ہاں مقتدی صرف

آمین کہنے پر اکتفا کریں۔ امام محمدؒ کا قول نماز کے خشوع وخضوع اور حنفیہ کے اصول کے عین مطابق ہے۔(۱)

وتر کا وقت:

وتر کا اصل وقت وہی ہے جو عشا کا ہے، تاہم امام ابوحنیفہؒ کے ہاں عشا کی نماز کو وتر پر مقدم کرنا اور ان دونوں کے مابین ترتیب کی رعایت رکھنا واجب ہے، لہٰذا عشا کی نماز سے پہلے وتر کی ادائیگی شرعاً نا جائز ہے، تاہم مذکورہ ترتیب کی رعایت عمومی حالات میں ہے۔ نسیان یا کسی اور عذر کی وجہ سے اگر صرف عشا کی نماز باطل ہو کر اتفاقاً وتر مقدم ہو جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں صرف عشا کی نماز کا اعادہ کیا جائے گا، وتر کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ صاحبین اور امام شافعیؒ کے ہاں سنت ہونے کی وجہ سے وتر عشا کے تابع ہے، اس لیے عشا کے ساتھ وتر کا بھی اعادہ کیا جائے گا۔

وتر کا مستحب وقت بالاتفاق رات کا آخری حصہ ہے، تاہم یہ اس شخص کے لیے ہے جس کو رات کے آخری پہر بیدار ہونے کی عادت ہو۔ جس شخص کو بیدار ہونے کی عادت اور یقین نہ ہو تو اس کے لیے اول رات میں ادا کرنا زیادہ بہتر ہے۔(۲)

دعائے قنوت سے متعلق متفرق مسائل:

(۱) اگر کوئی شخص دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا اور رکوع کے دوران یا رکوع سے اٹھنے کے بعد یاد آیا تو اب نہ تو دعائے قنوت پڑھے اور نہ ہی رکوع سے قیام کی طرف واپس آئے، اس لیے کہ رکوع کو چھوڑ کر قنوت کے لیے کھڑا ہونا ''واجب کے لیے فرض کو چھوڑ دینا'' ہے جو کہ مبطلِ صلوۃ تو نہیں، لیکن موجبِ کراہت واساءت بہرصورت ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں صرف سجدہ سہو کر لے تو کافی ہے اور اگر بالفرض کوئی شخص واپس کھڑا ہو گیا اور قنوت پڑھ ہی لیا تب بھی سجدہ سہو واجب ہوگا، البتہ رکوع کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ قرأت مکمل کرنے کے بعد ادا شدہ رکوع، دوبارہ اٹھنے اور قنوت پڑھنے سے باطل نہیں ہوگا، ہاں اگر قنوت کے ساتھ ساتھ فاتحہ یا سورت بھی بھول گیا ہو تو ایسی صورت میں رکوع کا اعادہ کرنا فرض ہوگا، اس لیے کہ قرأت اور رکوع کے درمیان ترتیب فرض ہے، لہٰذا قرأت مکمل کرنے کے بعد پھر رکوع کیا جائے گا جب کہ پہلی صورت میں قرأت مکمل تھی، صرف قنوت رہ گیا تھا اور قنوت و رکوع کے مابین ترتیب فرض نہیں۔

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل في صفة القراءة فيه: ۲/۲۲۹، وفصل في القنوت: ۲/۲۳۲، ۲۳۳، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب الوتر وأحكامه، ص: ۳۰۵، ۳۰۷-۳۱۲، الفتاوی الهندية، کتاب الصلوۃ، الباب الثامن في صلوۃ الوتر: ۱/۱۱۱، الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۴۲-۴۴۴

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل في بيان وقته: ۲/۲۲۶-۲۲۸

فقہائے کرام کے ہاں اس دوسری صورت میں اگر کوئی شخص دوبارہ رکوع کے دوران امام کے ساتھ شریک ہوجائے تو وہ رکعت پانے والا ہوگا جب کہ پہلی صورت میں رکوع پانے سے وہ مدرک رکعت نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس صورت میں رکوع کا اعادہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں، لہٰذا وہ رکوع لغو ہے۔(۱)

(۲) اگر مقتدی کے دعائے قنوت شروع کرنے یا مکمل کرنے سے پہلے ہی امام رکوع میں چلا جائے تو اگر دعاے قنوت پڑھ کر امام کو رکوع میں پانا ممکن ہو تو دعائے قنوت پوری کرلے پھر رکوع میں جائے اور اگر رکوع کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو امام کی اتباع کرتے ہوئے اس کے ساتھ ہی رکوع میں چلا جائے اور دعائے قنوت کو درمیان ہی میں چھوڑ دے، اس لیے کہ امام کی متابعت واجب ہے اور مقتدی کے لیے دعائے قنوت پڑھنا سنت ہے اس کے برعکس اگر تشہد پڑھنا باقی ہو اور امام سلام پھیر دے تو امام کی متابعت کی بجائے جلدی جلدی تشہد پورا کر کے سلام پھیرلے اس لیے کہ تشہد پڑھنا امام کی متابعت سے زیادہ ضروری ہے۔علامہ شامی اس کے لیے قاعدہ ذکر فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"متابعة الإمام في الفرائض والواجبات من غيرتاخيرواجبة مالم يعارضهاواجب، فلايفوته بل يأتي به ثم يتابعه، بخلاف ماإذا عارضه سنة ؛ لانّ ترك السنة أولىٰ من تأخيرالواجب".(۲)

(۳) اگر کوئی شخص وتر کی تیسری رکعت کے رکوع میں امام کو پائے تو وہ حکماً دعائے قنوت کو پانے والا تصور کیا جائے گا، یعنی جب وہ فوت شدہ رکعتوں کو ادا کرے تو دعائے قنوت پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

(۴) اگر کوئی شخص مسبوق ہو اور وتر کی تیسری رکعت میں امام کو پالے تو امام کے ساتھ دعائے قنوت پڑھے، پھر بعد میں دعائے قنوت پڑھنے کی ضرورت نہیں۔(۳)

---

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي،باب الوترو أحكامه، ص:۳۱۲،۳۱۳،الدرالمختارمع ردالمحتار، كتاب الصلوة،باب الوتروالنوافل:۲/ ٤٤٦،٤٤٧

(۲) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي،باب الوترو أحكامه، ص:۳۱۳،الدرالمختارمع ردالمحتار، كتاب الصلوة،باب الوتروالنوافل:۲/ ٤٤٧

(۳) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي،باب الوترو أحكامه، ص:۳۱۳

(۵) وتر کی قضا واجب ہے، چاہے قصداً چھوڑ دیا جائے یا کسی عذر کی وجہ سے، قضا لاتے وقت قنوت پڑھنا بھی ضروری ہے۔(۱)

(۶) وتر کی نماز عام دنوں میں تنہا ادا کی جائے گی، البتہ صرف رمضان المبارک میں جماعت کے ساتھ ادا کرنا مستحب ہے۔ قاضی خان کی رائے یہ ہے کہ رمضان میں جماعت کے ساتھ وتر ادا کرنا رات کے آخری پہر ادا کرنے سے بہتر ہے۔ علامہ شرنبلالیؒ نے عقلی ونقلی دلائل سے اسی کو ترجیح دی ہے۔ بعض فقہائے کرام کے ہاں رمضان کے علاوہ بھی ایک دو افراد مل کر تداعی اور اہتمام کے بغیر جماعت کے ساتھ وتر ادا کرلیں تو کوئی کراہت نہیں، البتہ فرائض کی طرح اہتمام ہو تو بلاشبہ مکروہ ہے۔(۲)

وتر میں شافعی المسلک امام کی اقتدا:

حنفیہ کے ہاں اگر کوئی شافعی المسلک امام، حنفیہ کے مذہب کے مطابق ایک سلام اور دو تشہد کے ساتھ وتر پڑھ رہا ہو تو حنفی شخص کے لیے اس کی اقتداء جائز ہے، البتہ اگر وہ امام وتر دو سلاموں کے ساتھ پڑھتا ہو تو پھر حنفی کے لیے اس کی اقتدا درست نہیں اگر شافعی المسلک امام رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھنا چاہے تو مقتدی بھی اس کے ساتھ رکوع کے بعد ہی دعائے قنوت پڑھ لے اس لیے کہ دعائے قنوت کا رکوع سے پہلے یا بعد میں پڑھنا صحابہؓ کے درمیان مختلف فیہ مسئلہ ہے، لہٰذا ایسے مسائل میں خلافِ مسلک امام کی اقتدا جائز ہے، تاہم اگر امام دعائے قنوت جہراً پڑھ رہا ہو تو امام محمدؒ کے ہاں مقتدی صرف آمین کہنے پر اکتفا کرے جب کہ امام ابو یوسفؒ کے ہاں مقتدی بھی جہر کرسکتا ہے۔(۳)

فجر میں دعائے قنوت اور قنوتِ نازلہ کا حکم:

حنفیہ کے ہاں دعائے قنوت پڑھنا صرف وتر کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا کسی اور نماز میں دعائے قنوت پڑھنے کی اجازت نہیں، تاہم کسی مصیبت، تکلیف یا جنگ کی صورت میں فجر کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد قنوتِ نازلہ ''اللھم اھدنافی من ھدیت ....'' یا دوسری مسنون دعائیں پڑھنا جائز ہے۔ حنفیہ کے ہاں مذکورہ دعاؤں میں امام جہر کرے گا اور مقتدی صرف آمین کہنے پر اکتفا کرے گا۔

---

(۱) الفتاوی الھندیۃ، الباب الثامن فی صلوۃ الوتر: ۱/۱۱۱

(۲) الفتاوی الھندیۃ، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱/۱۱۶

(۳) الدرالمحتار مع ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۴۴، ۴۴۵

شوافع کے ہاں عام حالات میں بھی امام تمام جہری نمازوں میں دعائے قنوت یا قنوتِ نازلہ پڑھ سکتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں وتر میں شافعی المسلک امام کی اقتدا اگرچہ جائز ہے، لیکن اگر کسی دوسری نماز میں شافعی المسلک امام کی اقتدا کرتے ہوئے دعائے قنوت یا قنوتِ نازلہ پڑھنے کی نوبت آئے تو وہ امام کی اقتدا نہ کرے بلکہ اگلے رکن کی ادائیگی تک ارسال، یعنی ہاتھ لٹکاتے ہوئے خاموشی سے انتظار کرتا رہے، اس لیے کہ قنوتِ نازلہ کی مشروعیت حنفیہ کے ہاں مخصوص حالات میں ہے اور وہ بھی صرف فجر کی نماز تک محدود ہے۔(۱)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۴۶، ومطلب في القنوت النازلة: ۲/۴۴۸، ۴۴۹، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب الوتر وأحكامه، ص: ۳۱۲

باب الوتر

(وتر کا بیان)

غیر حنفی کی اقتدا میں وتر پڑھنا

سوال نمبر(230):

حرمین شریفین میں رمضان کے مہینے میں باجماعت وتر اس طرح پڑھتے ہیں کہ دو رکعات کے بعد سلام پھیر کر نئے تحریمہ کے ساتھ ایک رکعت وتر ادا کرتے ہیں۔ کیا حنفی ایسے شخص کی اقتدا میں نماز وتر ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے احناف کے مطابق کسی حنفی کو غیر حنفی امام کے پیچھے وتر پڑھنا اس صورت میں درست ہے جب غیر حنفی وتر کی پہلی دو رکعتوں کے بعد سلام نہ پھیرتا ہو، ورنہ حنفی کا ایسے امام کی اقتدا میں وتر پڑھنے سے ذمہ فارغ نہیں ہوگا، تاہم حرمین شریفین میں جماعت میں شرکت کرکے وتر دوبارہ پڑھنا زیادہ مناسب ہے، یعنی اگر غیر حنفی وتر پڑھاتے ہوئے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرے تو اعادہ کرے۔ اگر فصل نہ کرے تو پھر دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(وصح الاقتداء فیہ بشافعي) ففي غیرہ أولیٰ إن لم یتحقق منه مایفسدها في اعتقادہ في الأصح.(۱)

ترجمہ:

وتر کسی شافعی کی اقتدا میں ادا کرنا درست ہے اور غیر وتر میں تو بطریق اولیٰ درست ہے جب تک کوئی ایسا امر متحقق نہ ہوجائے جو نماز کو اس (حنفی مقتدی) کے اعتقاد کے مطابق فاسد کردیتا ہو۔

(علی الأصح فیھما) أي في جواز أصل الاقتداء فیه بشافعي، وفي اشتراط عدم فصله، خلافا لما في الإرشاد، من أنه لایجوز أصلاً بإجماع أصحابنا ؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل، وخلا فالما قاله

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۴۴۴

الرازي من أنه يصح وإن فصله ويصلي معه بقية الوتر.(۱)

ترجمہ:

زیادہ صحیح قول کے مطابق دونوں صورتوں میں، یعنی شافعی کی اقتدا کے جواز اور تین رکعتوں کو ایک نیت سے پڑھنے کی شرط کی صورت میں، برخلاف اس قول کے جو ارشاد میں مذکور ہے کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک سرے سے جائز نہیں، کیونکہ فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتدا کر رہا ہے۔ اور اس قول کا بھی خلاف ہے جو رازیؒ نے ذکر کیا ہے کہ مطلقاً درست ہے، اگرچہ فصل کرے اور باقی وتر اس کے ساتھ پڑھے۔

❀❀❀

وتر کا سلام

سوال نمبر(231):

وتر میں کتنی دفعہ سلام ہے؟ بعض لوگ دو سلام کے قائل ہیں۔ شریعت کی رو سے اس کی وضاحت کریں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

صحیح روایات اور فقہائے کرام کی عبارات کے مطابق وتر کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھی جائیں گی۔ حضرت عائشہؓ نے حضورﷺ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ علیہ السلام تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور آخر میں ہی سلام پھیرتے تھے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

عن عائشةؓ قالت: كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث لا يسلم إلا في آخرهن، وهذا وتر أمير المؤمنين عمر بن الخطاب، وعنه أخذه أهل المدينة.(۲)

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، مطلب: الاقتداء بالشافعي: ۲/۴۴۴

(۲) الحاكم النيسابوري، أبو عبدالله محمد بن عبدالله، المستدرك على الصحيحين، كتاب الوتر، رقم الحديث (۱۱۴۰/۲۴): ۱/۴۴۷، دارالكتب العلمية، بيروت

ترجمہ:

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے اور صرف آخر میں سلام پھیرتے تھے۔ یہ امیر المؤمنین عمر ابن خطابؓ کی وتر ہے اور آپ ہی سے اہل مدینہ نے نقل کی ہے۔

❁❁❁

وتر کی قضا

سوال نمبر (232):

ایک آدمی کے ذمہ کئی نمازوں کی قضا لازم ہے، لیکن تعداد معلوم نہیں۔ ایک عالم نے بتایا کہ جو نمازیں یقینی طور پر فوت ہوئی ہیں ان کی قضا لاؤ، اگر یاد نہیں تو اندازے سے پڑھتے رہو۔ اگر مطلوبہ تعداد سے بڑھ گئی تو نفل شمار ہوں گے، لیکن وتر میں چوتھی رکعت ملانا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ تین رکعت نفل کہیں بھی ثابت نہیں۔ اب دو امور حل طلب ہیں (۱) کیا وتر کی قضا بھی دوسری فرض نمازوں کی طرح لازمی ہے؟ (۲) کیا چوتھی رکعت ملانے سے نماز درست رہے گی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہ حنفی کی رو سے دیگر فرض نمازوں کی طرح وتر کی قضا بھی واجب ہے اور جس شخص کی جتنی نمازیں فوت ہوئی ہوں، اس قدر نمازوں کی قضا لازم ہوگی، البتہ اگر اس کو وتر کے فوت ہونے کا یقین نہیں اور احتیاطاً وتر کی قضا لانا چاہتا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ تیسری رکعت میں قنوت پڑھنے کے بعد قعدہ کر کے اس کے بعد چوتھی رکعت ملاتے ہوئے اس میں فاتحہ اور سورت بھی پڑھ لے۔ اسی طرح چار رکعت تین قعدوں کے ساتھ پڑھ لے۔ اگر واقعی اس کے ذمہ وتر ہو تو یہ نماز اس کی قضا سمجھی جائے گی ورنہ نفل نماز شمار ہوگی۔ دعائے قنوت پڑھنے سے نفل پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ویقرأ في الركعات كلها الفاتحة مع السورة، كذا في الظهيرية، وفي الفتاوى: رجل يقضي الفوائت فإنه يقضي الوتر، وإن لم يستيقن أنه هل بقي عليه وتر أو لم يبق فإنه يصلي ثلاث ركعات ويقنت، ثم يقعد قدر التشهد، ثم يصلي ركعة أخرىٰ فإن كان وتر أفقد أدّاه، وإن لم يكن فقد صلىٰ التطوع

اربعاً لا یضره القنوت في التطوع.(۱)

ترجمہ:

تمام رکعتوں میں سورت کے ساتھ فاتحہ پڑھے گا، جیسا کہ ظہیریہ میں مذکور ہے اور فتاویٰ میں ہے کہ آدمی جب فوت شدہ نمازوں کی قضا لائے گا تو وتر کی قضا بھی لائے گا۔ اگر یقین نہ ہو کہ اس کے ذمہ وتر ہے یا نہیں تو پھر تین رکعتیں پڑھے گا اور دعائے قنوت بھی، پھر قعدہ بقدر تشہد کرنے کے بعد ایک اور رکعت ملالے۔ اگر اس کے ذمہ وتر ہو تو ادا ہو گیا اور اگر نہ ہو تو یہ نماز نفل ہو جائے گی اور قنوت نفل نماز کو نقصان نہیں پہنچاتا۔

❁❁❁

وتر کے بعد نوافل پڑھنے کا طریقہ

سوال نمبر(233):

وتر کے بعد لوگ بیٹھ کر نفل پڑھتے ہیں اور بعض کھڑے ہو کر۔ زیادہ اجر کس طرح پڑھنے میں ہے، بیٹھ کر پڑھنے والے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے وتر کے بعد بیٹھ کر نفل پڑھے ہیں، لہٰذا بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نوافل بیٹھ کر پڑھنے کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں، لیکن اجر بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنے کی صورت میں آدھا ملتا ہے۔ جہاں تک وتر کے بعد نفل کا تعلق ہے تو اس میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض علما کے نزدیک وتر کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھنا کھڑے ہو کر پڑھنے سے افضل ہے، کیونکہ اس طرح سنت کے زیادہ قریب ہے، لیکن راجح قول یہ ہے کہ وتر کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھنا حضور ﷺ کی خصوصیت تھی، لہٰذا امت کا کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے، البتہ بیٹھ کر ادا کرنے سے آدھا ثواب ملے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قولہ:(أجر غیر النبي ﷺ علی النصف إلا بعذر) أما النبي ﷺ فمن خصائصه أن نافلته قاعدا مع القدرة على القيام كنافلته قائماً،ففي صحيح مسلم عن عبدالله بن عمروؓ،قلت:حدثت يا رسول الله!

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة،الباب الحادي عشرفي قضاء الفوائت:۱/۱۲۴،۱۲۵

أنك قلت: صلوة الرجل قاعداًعلى نصف الصلوة وأنت تصلي قاعداًقال:أجل ولكني لست كأحد منكم.(١)

ترجمہ:

آپ ﷺ کے علاوہ بیٹھ کر نفل پڑھنے والے کو آدھا ثواب ملے گا اگر عذر نہ ہو۔ یہ حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے آپ ﷺ کا قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا ایسا ہے جیسا کہ کھڑے ہو کر نفل پڑھنا۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ: ''آدمی کی بیٹھ کر نفل پڑھنے کا ثواب نصف بنتا ہے، حالانکہ آپ ﷺ خود بیٹھ کر پڑھتے ہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، لیکن میں تم جیسا نہیں ہوں''۔

❁❁❁

وتر میں دعائے قنوت کے علاوہ کوئی اور دعا پڑھنا

سوال نمبر(234):

اگر کسی کو دعائے قنوت یاد نہ ہو تو وہ کوئی اور دعا پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پڑھ سکتا ہے تو کونسی دعا پڑھے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ وتر میں دعائے قنوت (مشہور دعا) ''اللھم انا نستیعنك'' پڑھنا سنت ہے۔ اگر کسی کو اچھی طرح یاد نہ ہو تو اس کی جگہ دوسری دعا پڑھنا بھی جائز ہے۔ علمائے کرام نے ''اللھم ربنا اتنا'' والی دعا یا ''اللھم اغفرلی'' تین مرتبہ پڑھنے کو بھی درست قرار دیا ہے، البتہ دعائے قنوت یاد کرنے کی خوب کوشش کرے اور جب تک یاد نہ ہو تو مذکورہ بالا دعاؤں پر اکتفا کرے۔

والدّليل علىٰ ذلك:

ومن لا يحسن القنوت يقول:﴿ربنااتنا في الدنيا حسنة......﴾ وقال أبو الليث يقول:اللهم اغفرلي يكررها ثلا ثاً.(٢)

---

(١) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الصلوة،باب الوتروالنوافل،مبحث:المسائل الستةعشرية:٢/٤٨٤

(٢) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الصلوة،باب الوتروالنوافل،مطلب في منكرالوتروالسنن أوالإجماع:٢/٤٤٣

ترجمہ:

جس کو قنوت اچھی طرح یاد نہ ہو، وہ " ربنا اٰتنا في الدنیا حسنة" کی دعا پڑھ لے، ابواللیث نے کہا کہ: ''اللھم اغفر لی'' تین مرتبہ مکرر پڑھے۔

❁❁❁

وتر بیٹھ کر پڑھنا

سوال نمبر(235):

اگر کوئی شخص بغیر عذر کے وتر کی نماز بیٹھ کر پڑھتا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ فرض اور واجب نماز قیام پر قادر ہونے کے باوجود بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ قیام نماز کے ارکان میں سے ہے جس کا بلاعذر چھوڑنا ناجائز ہے۔ وتر فقہ حنفی کے مفتی بہ قول کی رو سے واجب ہے۔

اس لیے صورتِ مسئولہ میں وتر بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں، ہاں عذر کی صورت میں بیٹھ کر پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وفي المحیط: لا یجوز الوتر قاعداً مع القدرة علی القیام، ولا علی راحلته من غیر عذر.(۱)

ترجمہ:

کھڑے ہونے پر قدرت رکھنے کے باوجود بیٹھ کر وتر پڑھنا جائز نہیں۔ اور نہ سواری پر بغیر عذر کے۔

❁❁❁

(۱) البحرالرائق، کتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، تحت قوله: (الوتر واجب): ۲/۶۷

دعائے قنوت کا بعض حصہ چھوڑنا

سوال نمبر(236):

اگر کوئی شخص دعائے قنوت میں دعا کا بعض حصہ چھوڑ دے یا نصف حصہ سے کم پڑھے تو کیا اس سے سجدہ سہو لازم ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ وتر نماز میں دعائے قنوت پڑھنا واجب ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص بھول کر دعا نہ پڑھے تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا، لیکن قنوت میں کوئی خاص دعا متعین نہیں، بلکہ مطلق دعا پڑھنا واجب ہے، لہٰذا اگر مشہور دعا کا بعض حصہ پڑھا جائے یا کوئی اور دعا پڑھ لی جائے تو واجب ادا ہو کر ذمہ فارغ ہوگا، اس لیے صورتِ مذکورہ میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

قال بعض مشایخنا......لیس فیه سوی قوله"اللهم إنا نستعینك"....وقال بعضهم:لا بل لیس فیه شيء موقت أصلاً لما ذکر نا،والأولیٰ أن یقرأ" اللهم إنا نستعینك ".(۱)

ترجمہ: ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ " اللهم انا نستعینك" کے سوا کوئی دوسری دعا پڑھنا درست نہیں۔۔۔اور بعض نے فرمایا کہ درحقیقت کوئی خاص دعا مقرر نہیں، اس دلیل کی بنا پر جس کو ہم نے ذکر کیا، البتہ بہتر یہ ہے کہ اللهم انا نستعینك پڑھ لے۔

والقنوت واجب علی الصحیح، کذافی الجوهریة النیریة،اذافرغ من القراة فی الرکعة الثالثة کبّر ورفع یدیه حذاء اذنیه،ویقنت قبل الرکوع فی جمیع السنة.(۲)

ترجمہ: اور صحیح قول کے مطابق دعائے قنوت پڑھنا واجب ہے، اسی طرح الجوہرۃ النیرۃ نامی کتاب میں ہے کہ جب تیسری رکعت میں قرات سے فارغ ہوجائے تو رکوع میں جانے سے پہلے تکبیر کہے اور دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر اوپر کرے اور دعائے قنوت پڑھے اور یہ عمل پورے سال کرے گا۔

---

(۱) الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلوة،الفصل الثالث عشرفي التراویح،حقنا إلی مسائل الوتر:۴۸۹/۱

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة،الباب الثامن فی الوتر:۱۱۱/۱

دعائے قنوت کے لیے تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھانا

سوال نمبر(237):

دعائے قنوت کے لیے تکبیر کہتے ہوئے دونوں کانوں کے برابر ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں۔اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

دعائے قنوت کے لیے تکبیر کہتے وقت دونوں ہاتھ کانوں کے برابر اٹھانا سنت ہے،جیسا کہ تکبیرِ تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھانا سنت ہے،لیکن یہ اس وقت ہے جب اپنے وقت میں وتر پڑھ رہا ہو،اگر کہیں لوگوں کے سامنے وتر کی قضا لاتا ہو تو پھر ہاتھ نہ اٹھائے تاکہ کوئی اس کی کوتاہی پر مطلع نہ ہو۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(رافعاً یدیه)أي سنة إلى حذاء أذنيه كتكبيرة الإحرام،وهذا......لوفي الوقت أما في القضاء عند الناس فلا يرفع.(۱)

ترجمہ:

(دعائے قنوت کے لیے تکبیر کہتے وقت)دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھائے رکھنا سنت ہے،جیسا کہ تکبیرِ تحریمہ کے وقت۔اور یہ ہاتھ اٹھانا اس وقت ہے جب وتر اپنے وقت میں پڑھ رہا ہو،ورنہ لوگوں کے سامنے قضا وتر پڑھنے کی صورت میں ہاتھ نہ اٹھائے۔

قنوتِ نازلہ پڑھنا

سوال نمبر(238):

قنوتِ نازلہ حضورﷺ کے ساتھ خاص تھی یا امت بھی پڑھ سکتی ہے؟اس کی وضاحت کریں۔نیز قنوتِ نازلہ پڑھنے کا صحیح وقت کون سا ہے؟

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار،كتاب الصلوة،باب الوتر والنوافل،مطلب في منكر الوتر والسنن أو الإجماع:۲/۴۴۲

الجواب وباللہ التوفیق:

جب مسلمانوں پر اجتماعی خوف، قحط یا آفت آئے تو حضورﷺ کے اتباع میں قنوتِ نازلہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔ فقہائے کرام کی عبارات کی روشنی میں قنوتِ نازلہ صرف حضورﷺ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ امت بھی ناخوشگوار حالات میں پڑھ سکتی ہے، البتہ فقہ حنفی کے مطابق قنوتِ نازلہ صرف فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد پڑھی جائے گی۔ دوسری نمازوں میں پڑھنا درست نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وهو صريح في أن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر دون غيرها من الصلوات الجهرية أو السرية.(۱)

ترجمہ:

(فجر کے علاوہ قنوتِ نازلہ پڑھنا کسی اور نماز میں درست نہیں) اس میں اس بات پر تصریح ہے کہ قنوتِ نازلہ ہمارے نزدیک صرف فجر کے ساتھ خاص ہے فجر کے علاوہ کسی جہری یا سری نماز میں جائز نہیں۔

❁❁❁

وتر میں دعائے قنوت سے پہلے تکبیر

سوال نمبر(239):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وتر میں دعائے قنوت سے پہلے جو تکبیر پڑھی جاتی ہے، وہ واجب ہے یا سنت؟ جواب دے کر مشکور فرماویں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

وتر میں دعائے قنوت سے پہلے جو تکبیر پڑھی جاتی ہے اس کے وجوب اور عدمِ وجوب کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات اس کے وجوب کے قائل ہیں، لہٰذا ان کے ہاں ترکِ تکبیر کی صورت میں سجدۂ سہو واجب

---

۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، مطلب في القنوت النازلة:۲/۴۴۹

ہوتا ہے۔ جب کہ بعض حضرات اس تکبیر کے عدمِ وجوب کے قائل ہیں، لہٰذا اس کے ترک سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس کے عدمِ وجوب کو ترجیح دی ہے، لہٰذا اس تکبیر کو مسنون تکبیر کا حکم دینا زیادہ مناسب ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قوله:(وكذا تكبير قنوته)أي الوتر......وجزم الزيلعي بوجوب السجود بتركه.وذكرفي الظهيرية أنه لوتركه لارواية فيه،وقيل يجب السجود اعتبارًا بتكبيرات العيد،وقيل لا .وينبغي ترجيح عدم الوجوب؛لأنه الأصل،ولادليل عليه،بخلاف تكبيرات العيد.(۱)

ترجمہ:

اوراسی طرح وتر کے قنوت کی تکبیر کا حکم ہے۔ اور علامہ زیلعیؒ نے قنوت کی تکبیر ترک کرنے کی صورت میں سجدہ سہو واجب ہونے پر جزم کیا ہے۔ ظہیریہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی نے اس کو ترک کیا تو اس میں کوئی روایت موجود نہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ سجودِ سہو عیدین کی تکبیرات کی طرح واجب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ واجب نہیں۔ اور مناسب یہ ہے کہ عدمِ وجوب کو ترجیح دی جائے، کیونکہ تکبیرات میں عدمِ وجوب اصل ہے اور اس کے وجوب پر کوئی دلیل بھی موجود نہیں ہے۔ بخلاف عیدین کی تکبیرات کے۔

❀❀❀

بلا عذر وتر نماز بیٹھ کر پڑھنا

سوال نمبر(240):

فقہائے احناف کا اس بات میں اختلاف ہے کہ وتر نماز واجب ہے یا سنت؟ تو اس کی سنیت کو دیکھتے ہوئے کیا بلا عذر بیٹھ کر اسے ادا کرنا جائز ہے؟

بینوا توجروا

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ، مطلب لاینبغي أن یعدل عن الدرایۃ إذا وافقتھا روایۃ: ۱۶۳/۲

الجواب وباللہ التوفیق:

وتر نماز کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے ہاں سنت اور بعض کے ہاں واجب ہے، لیکن راجح قول اس کے وجوب کا ہے، تاہم اس اختلاف کے باوجود تمام فقہائے احناف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وتر نماز بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(الوتر واجب) في الأصح......وجه الوجوب قوله ﷺ "الوتر حق فمن لم يوتر فليس مني الوتر حق، فمن لم يوتر فليس مني الوتر حق، فمن لم يوتر فليس مني" رواه أبوداؤد، والحاكم وصححهٗ.

قال العلامة الطحطاويؒ: (قوله : وعلى) أي في قوله ﷺ "الوتر واجب على كل مسلم"، وأجمعوا على أنه لايصلي بدون نية الوتر، وأنه لايصح من قعود، ولا على الدابة إلا من عذر.(۱)

ترجمہ:

(وتر پڑھنا واجب ہے) صحیح قول کے مطابق......اس کے وجوب کی وجہ نبی ﷺ کا یہ فرمان مبارک ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وتر حق ہے جس شخص نے وتر نماز نہیں پڑھی وہ مجھ سے نہیں۔ وتر حق ہے جس شخص نے وتر نماز نہیں پڑھی وہ مجھ سے نہیں۔ وتر حق ہے جس شخص نے وتر نماز نہیں پڑھی وہ مجھ سے نہیں'' اس روایت کو امام ابوداؤدؒ اور حاکم نے نقل کیا ہے۔ اور اس کی صحت کا قول کیا ہے۔ علامہ طحطاویؒ ''علی'' کے بارے میں فرماتے ہیں جو کہ حدیث شریف میں آیا ہے ''نبی ﷺ کے اس ارشاد میں کہ "الوتر واجب على كل مسلم" کہ وتر نماز ہر مسلمان پر واجب ہے''۔ اور علما نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ وتر نماز بغیر نیت کے ادا نہیں ہوگی۔ اور یہ کہ بلا عذر بیٹھ کر اس کا پڑھنا جائز نہیں۔ اور نہ ہی سواری پر، البتہ عذر کی صورت میں بیٹھ کر یا سواری پر پڑھی جائے تو جائز ہے۔

❁❁❁

شوال کا چاند نظر آنے کے باوجود وتر باجماعت پڑھنا

سوال نمبر (241):

تیسویں رمضان کی رات نماز عشا کے بعد لوگوں نے باجماعت تراویح اور وتر ادا کی۔ پھر اس کے بعد چاند کی

(۱) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الوتر، ص:۳۰٤

شہادت آئی اور رؤیتِ ہلال کمیٹی نے عید کا اعلان کیا تو آیا اس صورت میں وتر نماز ادا ہوئی ؟ کیونکہ سننے میں آیا ہے کہ غیر رمضان میں وتر نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا درست نہیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

رمضان المبارک میں تراویح کی طرح وتر نماز کے باجماعت پڑھنے کو بعض فقہائے کرام نے سنت لکھا ہے اور بعض نے اسے افضل قرار دیا ہے اور غیر رمضان میں باجماعت وتر پڑھنا اگر عادت اور دوام کے طور پر ہو تو خلاف شرع ہونے کی وجہ سے بدعت کے زمرے میں آتا ہے اور فقہائے کرام نے اس کے بارے میں جو "لا یجوز" فرمایا ہے اس سے عدمِ صحت مراد نہیں، بلکہ مراد اس سے "صحة مع الکراھة" ہے۔

رمضان المبارک میں چونکہ لوگ اس بات کے مامور ہوتے ہیں کہ جب تک شوال کا چاند دیکھنے کی شہادت موصول نہ ہو، تراویح پڑھیں اور وتر بھی جماعت سے پڑھیں، الا یہ کہ رمضان المبارک کے تیس روزے پورے ہوجائیں۔ پہلی صورت میں جب کہ رمضان کے روزے انتیس ہوں اور لوگوں نے تراویح اور وتر دونوں جماعت سے پڑھ لیں، اس کے بعد چاند دیکھنے کی شہادت موصول ہوئی تو اب اس سے وتر کے باجماعت ادا کرنے پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور وہ بغیر کسی کراہت کے ادا ہوگئی، لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قال الحصكفي:(ولا يصلي الوترو)لا(التطوع بجماعة خارج رمضان) أي يكره ذلك لوعلى سبيل التداعي،بأن يقتدي أربعة بواحد كما في الدرر،ولا خلاف في صحة الاقتداء إذلامانع.نهر.

قال ابن عابدينؒ:قوله:(أي يكره ذلك)أشارإلى ماقالوامن أن المراد من قول القدوري في مختصره لايجوزالكراهة،لاعدم أصل الجواز،لكن في الخلاصة عن القدوري أنه لايكره......ثم إن كان ذلك أحيانا كمافعل عمرؓ كان مباحا غيرمكروه،وان كان على سبيل المواظبة كان بدعة مكروهة؛لأنه خلاف المتوارث،وعليه يحمل ماذكره القدوري في مختصره،وماذكره في غير مختصره يحمل على الأول.(۱)

(۱) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الصلوة،باب الوتروالنوافل،مطلب في كراهة الاقتداء في النفل على سبيل التداعي:۲/۵۰۰

ترجمہ:

اور رمضان المبارک کے علاوہ وتر یا نفل کو باجماعت ادا نہیں کیا جائے گی، یعنی نفل یا وتر نماز باجماعت پڑھنا اگر عام جماعت کی طرح لوگوں کو بلا کر بایں صورت ادا ہو چار مقتدی ہوں اور ایک امام ہو تو یہ مکروہ ہے، جیسا کہ دُرر میں ہے۔ اور اقتدا کی صحت میں کسی کا اختلاف نہیں، کیونکہ صحتِ اقتدا سے کوئی مانع موجود نہیں۔ علامہ ابن عابدینؒ علامہ حصکفی کے قول "ویکرہ" نقل کر کے فرماتے ہیں کہ: "اس میں ان حضرات کی طرف اشارہ ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ صاحبِ قدوری کا قول "لایجوز" جو اس نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے اس سے مراد کراہت ہے، نہ کہ عدمِ جواز، لیکن خلاصہ میں قدوری کے حوالہ سے اس کو غیر مکروہ کہا گیا ہے۔ پھر یہ (یعنی نفل یا وتر نماز باجماعت پڑھنا) اگر کبھی کبھار ہو، جیسا کہ حضرت عمرؓ کیا کرتے تھے تو یہ مباح ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں اور اگر بطریقِ مواظبت ہو تو پھر یہ بدعت اور مکروہ ہے، کیونکہ یہ خلافِ شرع ہے۔ اور اسی پر صاحبِ قدوری کا قول محمول ہے جو انہوں نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے اور جو صاحبِ قدوری کا مختصر کے علاوہ اقوال ہیں تو وہ پہلی صورت پر حمل کیے جائیں گے۔

❁❁❁

وتر کی رکعتوں کی تعداد میں شک ہونا

سوال نمبر (242):

اگر کوئی آدمی وتر کی نماز پڑھ رہا ہو اور رکعتوں کی تعداد بھول جائے کہ یہ کونسی رکعت ہے، دوسری رکعت ہے یا تیسری رکعت تو اس صورت میں وہ کیا طریقہ اختیار کرے گا اور کونسی رکعت میں قنوت پڑھے گا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کو تعدادِ رکعات میں شک ہو جائے کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں اور کتنی باقی ہیں تو دیکھا جائے گا کہ اس کا شک بطورِ عادت ہے یا نہیں۔ اگر بطورِ عادت نہ ہو، بلکہ اس کو پہلی مرتبہ شک لاحق ہوا ہو تو اس صورت میں یہ شخص نماز کو دوبارہ پڑھے گا اور اگر یہ شک اس کی عادت بن گئی ہو اور کثرت سے اس کو آتا رہتا ہو تو ایسی صورت میں جس طرف غلبۂ ظن پیدا ہو جائے، اس پر عمل کرے گا، چاہے غلبۂ ظن کم رکعتوں کے بارے میں ہو یا زیادہ کے بارے میں اور اگر غلبۂ ظن بھی پیدا نہ ہو تو ایسی صورت میں کم پر عمل کرے۔

صورتِ مسئولہ میں وتر کی نماز پڑھتے ہوئے اگر ایک رکعت پڑھنا یقینی ہو اور اب دوسری یا تیسری میں شک ہو تو دو رکعتیں مزید پڑھے، تاکہ بات یقینی ہو جائے، لیکن اس میں ایک بات ضروری ہے کہ مزید رکعتیں جب پڑھنے لگے تو ہر رکعت میں قعدہ کرے گا، تاکہ قعدۂ اخیرہ یقینی طور پر ادا ہو جائے اور اخیر میں سجدۂ سہو کرنے سے نماز درست ہو جائے گی۔ جہاں تک دعائے قنوت پڑھنے کا مسئلہ ہے تو اس میں بعض کا قول یہ ہے کہ اخیر رکعت میں قنوت پڑھے گا۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ ہر رکعت میں قنوت پڑھے گا اور فقہائے کرام نے اس دوسرے قول کو احوط اور اصح قرار دیا ہے، لہٰذا اس پر عمل کیا جائے۔

والدليل علىٰ ذلك:

ذكر الناطقي في أجناسه لو شك أنه في الأولى، أو الثانية، أو الثالثة، فإنه يقنت في الركعة التي هو فيها، ثم يقعد، ثم يقوم فيصلي ركعتين بقعدتين، ويقنت فيهما احتياطا، وفي قول آخر لا يقنت في الكل أصلا، والأول أصح. (۱)

ترجمہ:

ناطقیؒ نے اپنی اجناس نامی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ اگر کسی کو وتر کی نماز میں شک ہوا کہ وہ پہلی رکعت میں ہے یا دوسری میں ہے یا تیسری میں تو (اس صورت میں حکم یہ ہے کہ) وہ جس رکعت میں ہے اس میں قنوت پڑھے، پھر قعدہ کرے، پھر کھڑا ہو اور دو رکعتیں دو قعدوں سے پڑھے اور ان دونوں رکعتوں میں بھی احتیاطاً قنوت پڑھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ (مذکورہ صورت میں) کسی رکعت میں بھی قنوت نہ پڑھے، پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

۞۞۞۞۞

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثامن في صلوة الوتر: ۱/۱۱۱

باب التراویح

(تراویح کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

رمضان کا مہینہ بلاشبہ امتِ محمدیہ کے لیے سراسر باعثِ خیر و برکت ہوتا ہے، جس میں روزہ رکھنے کے ساتھ ساتھ ہر خاص و عام کو دوسری عبادات میں بھی رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ بھی اس مہینے میں عبادات پر خصوصی توجہ فرماتے اور صحابہ کرامؓ کو بھی عبادت کا شوق دلاتے جس کی واضح دلیل رمضان کی بعض راتوں میں صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ان کو باجماعت نمازِ تراویح پڑھانا ہے۔ چونکہ جماعت شعائرِ اسلام میں سے بنیادی شعار ہے جس کے ذریعے علی الاعلان بندگی اور طاعت کا اظہار ہوتا ہے اور طبعی طور پر انسان دوسرے لوگوں کو دیکھ کر ایک خاص ماحول میں کسی بڑے کام کی انجام دہی کو بھی ہلکا سمجھتا ہے، اس لیے رمضان جیسے مقدس مہینے کی عظمت اور اس کی برکات کو سمیٹنے کے لیے رات کے وقت نمازِ تراویح میں جماعت کو سنت قرار دیا گیا تا کہ مسلمانوں کو اس مقدس مہینے میں عبادت کے لیے ایک قوی محرک اور سبب مہیا ہو سکے۔

تراویح کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

تراویح ''ترویحہ'' کی جمع ہے جو راحت سے ماخوذ ہے۔ چونکہ اس نماز میں ہر چار رکعت پر استراحت کے لیے تھوڑا سا وقفہ رکھا جاتا ہے، اس لیے اس نماز کو نمازِ تراویح کہتے ہیں، یعنی اس وجہ تسمیہ کو ہم ''تسمیة الشيء باسم لازمه'' کہہ سکتے ہیں۔ چونکہ نماز خود بھی اہلِ ایمان کے لیے آخرت میں راحت کا ذریعہ ہے اس وجہ سے بھی اس کو تراویح کہنا درست ہے۔ اصطلاحِ فقہ میں حنفیہ کے ہاں ''رمضان کی راتوں میں دس تسلیمات کے ساتھ بیس رکعتوں کی ادائیگی'' کا نام تراویح ہے۔(۱)

تراویح کی مشروعیت:

تراویح کی مشروعیت نبی کریم ﷺ کے قول و فعل ہر ایک سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"افترض الله عليكم صيامه وسننت لكم قيامه".

(۱) مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في التراويح، ص:۳۳۳، ۳۳۴، بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في قدر الترويح: ۲/۲۷۴

تم پر رمضان کا روزہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرض کردیا ہے اور میں اس کا قیام، یعنی صلوۃِ تراویح تمہارے لیے سنت قرار دیتا ہوں۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بذاتِ خود دو تین رات مسلسل صحابہؓ کو باجماعت صلوۃ تراویح پڑھائی، تاہم اس ڈر سے اس کو چھوڑ دیا کہ کہیں یہ امت پر فرض نہ ہو جائے۔(۱)

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ''صلوۃ تراویح'' کا یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کے آخری رمضان کا واقعہ ہے جس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے دوسرے سال لوگوں کو ایک امام کے پیچھے بیس رکعت پڑھنے پر جمع کردیا جس پر حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور تمام صحابہ کرامؓ نے مواظبت اختیار کی۔اسی طرح تراویح کی مشروعیت پر پوری امت کا اجماع واتفاق بھی ہے۔(۲)

تراویح کا حکم:

تراویح سنتِ مؤکدہ ہے، مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی۔اس کا سنتِ مؤکدہ ہونا جس طرح حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی مواظبت سے ثابت ہے، اسی طرح خود نبی کریم ﷺ کے قول وفعل سے بھی اس کا سنت ہونا ثابت ہے، لہٰذا جو شخص تراویح کی مشروعیت اور سنت ہونے سے انکار کرے تو وہ بدعتی، گم راہ اور مردود الشہادۃ ہے۔(۳)

تراویح کی رکعتوں کی تعداد:

جمہور فقہائے کرام (حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے ہاں تراویح کی نماز دس تسلیمات کے ساتھ کل بیس رکعتیں ہیں۔اسی تعداد پر حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ کی امامت میں لوگوں کو جمع کیا تھا اور اسی پر صحابہ کرامؓ کی مواظبت بھی رہی۔امام مالکؒ کے ایک قول کے میں تراویح کی تعداد ۳۶ ہے۔(۴)

---

(۱) الصحیح للبخاري، کتاب الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد الثناء أما بعد: ۱/ ۱۲۵، ۱۲۶

(۲) مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، کتاب الصلوة، فصل في التراویح، ص: ۳۳۴، ۳۳۵، الموسوعة الفقهیة، مادة صلاة التراویح: ۲۷/ ۱۳۹

(۳) مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، کتاب الصلوة، فصل في التراویح، ص: ۳۳۴، ۳۳۵، الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، مبحث في صلوة التراویح: ۲/ ۴۹۳

(٤) بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في قدر الترویح: ۲/ ۲۷٤، ۲۷۵

یادرہے کہ مذکورہ بیس رکعتوں کودس سلاموں اور پانچ ترویحات کے ساتھ ادا کرنا مسنون ہے۔اگر کسی نے ایک ہی سلام کے ساتھ تمام تراویح پڑھ لیں اور ہر دورکعت کے بعد قعدہ میں بیٹھ گیا تو کراہت کے ساتھ اداہوجائیں گی،البتہ اگر ہر دورکعت کے بعد قعدہ نہ کیا تو تمام بیس رکعات صرف دورکعتیں متصور کی جائیں گی۔(۱)

اسی طرح اگر کسی شخص نے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھتے ہوئے بیس رکعتوں یا پانچ ترویحات میں زیادتی کی تو ایسا کرنا مکروہ ہوگا،اس لیے کہ بیس رکعات سے زیادہ پڑھنا مستحب یا نفل ہے اور مستحبات ونوافل جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے،تاہم اگر کوئی شخص اکیلے تراویح پڑھنا چاہے تو وہ امام مالکؒ کے قول کے مطابق ۳۶ رکعت تک بھی پڑھ سکتا ہے جس کے استحباب کا کوئی بھی منکر نہیں۔(۲)

تراویح کے جواز کا وقت:

حنفیہ کے راجح قول کے مطابق تراویح کا وقت عشا کی نماز پڑھنے کے بعد شروع ہوجاتا ہے اور اس کا آخری وقت طلوعِ فجر تک ہے۔عشا کی سنتوں کی طرح تراویح بھی عشا کی نماز کی تابع ہیں،لہٰذا عشا کی نماز سے پہلے تراویح ادا کرنا درست نہیں اگرچہ عشا کا وقت داخل ہو۔

جہاں تک وتر کی بات ہے تو تراویح کی نماز پر اس کی تقدیم وتاخیر کا کوئی اثر نہیں،لہٰذا اگر عشا کی نماز پڑھنے کے بعد کسی شخص سے تراویح کی بعض یا تمام رکعتیں فوت ہوگئیں اور اس دوران امام وتر کے لیے کھڑا ہوگیا تو وہ امام کے ساتھ وتر پڑھ کر جماعت کا ثواب حاصل کرلے اور بعد میں رہ جانے والی تراویح پڑھ لے۔عام حالات میں علامہ شرنبلالیؒ کے ہاں وتر کو تراویح سے مؤخر کرنا افضل ہے۔

تراویح کا مستحب وقت:

تراویح کا مستحب وقت یہ ہے کہ ایک تہائی شب (ثلث اللیل) یا نصف شب سے کچھ پہلے تک نماز مؤخر کی جائے۔نصف شب کے بعد تراویح کی ادائیگی بعض فقہا کے ہاں مکروہ ہے،تاہم صحیح قول کے مطابق اس کو نصف شب

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة،فصل في سننها:۲/۲۷۶،۲۷۷ الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة،باب الوتر والنوافل،مبحث في صلوة التراويح:۲/۴۹۳

(۱) فتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية، كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في مقدار التراويح:۱/۲۳۴،الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة،الباب التاسع،فصل في التراويح:۱/۱۱۵

سے مؤخر کرنا بھی بلا کراہت درست ہے اس لیے کہ تراویح ''صلاۃ اللیل'' میں سے ہے اور صلاۃ اللیل میں تاخیر افضل ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر فوت ہونے کا خطرہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ مؤخر کئے بغیر جلدی پڑھ لے۔(۱)

تراویح کی جماعت کا حکم:

تراویح باجماعت پڑھنے کو علامہ مرغینانیؒ نے سنتِ عین قرار دیا ہے، یعنی ہر شخص کے لیے باجماعت پڑھنا مستقل سنت ہے، تاہم علامہ حصکفیؒ، شامیؒ، عالمگیری اور صدرالشہید وغیرہ نے تراویح کی جماعت کو سنتِ کفائی قرار دیا ہے، اس لیے کہ بعض صحابہ کرامؓ اور تابعین سے تراویح کی نماز اکیلے پڑھنا بھی ثابت ہے۔ یہی قول اکثر فقہائے کرام کے ہاں زیادہ صحیح ہے۔

جماعت کے ساتھ پڑھنا اگرچہ افضل ہے، تاہم اگر کوئی شخص جماعت کے لیے حاضر نہ ہو سکے تو اس پر نہ تو کوئی ملامت ہے اور نہ ہی وہ تارکِ سنت کہلائے گا، البتہ اگر کوئی شخص لوگوں کی نظروں میں مقتدیٰ اور پیشوا کی حیثیت رکھتا ہو اور اس کی حاضری سے تکثیرِ جماعت کا فائدہ ہو رہا ہو تو ایسے شخص کے لیے تراویح کی جماعت کو چھوڑنا مناسب نہیں۔

اسی طرح اگر کسی جگہ کے لوگ تمام کے تمام تراویح کی نماز اکیلے پڑھ لیں تو سنت چھوڑنے کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے اور اگر چند افراد جماعت کے ساتھ پڑھ لیں تو سب کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔(۲)

تراویح کی نماز کو گھر میں باجماعت پڑھنے کا حکم:

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جن نمازوں میں جماعت کو سنت قرار دیا گیا ہے ان سب کے لیے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ان کو مسجد کے اندر باجماعت ادا کرلیا جائے۔ اگر کوئی شخص ان نمازوں کو گھر کے اندر باجماعت ادا کرلے تو بے شک جماعت کی فضیلت تو مل جائے گی، لیکن مسجد کے اندر جماعت پڑھنے سے جو فضیلتیں مل رہی تھیں، مثلاً: تکثیر

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في قدر التروبح: ۲/۲۷۵، الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الوتر و النوافل مبحث فی صلوة التراویح: ۲/۴۹۳ـ۴۹۵، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، فصل في صلاة التراويح، ص: ۳۳۶

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الوتر و النوافل، مبحث في صلوة التراويح: ۲/۴۹۵، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، فصل في صلاة التراويح، ص: ۳۳۵، ۳۳۶، الفتاوى الهندية، کتاب الصلوة، الباب التاسع، فصل في التراويح: ۱/۱۱۶

جماعت، اعتکاف کا ثواب، مسجد کی فضیلت، شعائرِ اسلام کا برملا اظہار اور لوگوں کو طاعات پر برانگیختہ کرنے کے ثواب سے محروم رہ جائے گا۔(۱)

نمازِ تراویح دو جگہ پڑھنے کا حکم:

اگر کوئی شخص ایک مسجد میں تراویح کی نماز پڑھالے تو دوسری مسجد میں اس کے لیے تراویح پڑھانا جائز نہیں، اس لیے کہ ایک ہی وقت میں ایک سنت کا تکرار جائز نہیں، تاہم اگر مقتدی ایک مسجد میں باجماعت تراویح پڑھ لے تو دوسری مسجد میں بھی باجماعت پڑھ سکتا ہے، البتہ وتر دوبارہ نہ پڑھے۔(۲)

نمازِ تراویح کی سنتیں:

(۱) جماعت کے ساتھ ادا کرنا

(۲) مسجد میں ادا کرنا

(۳) ادا کرتے وقت تراویح، قیامِ رمضان یا سنتِ وقت کی نیت کرے۔ صرف نماز یا نفل کا ارادہ کافی نہیں، کیوں کہ یہ ایک مستقل نماز ہے، لہٰذا اگر فرض پڑھنے والے یا مطلق نماز پڑھانے والے امام کی اقتدا میں نمازِ تراویح ادا کی جائے تو صحیح تر قول کے مطابق ایسا کرنا درست نہ ہوگا۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ ہر دو رکعت پر مستقل نیت کرے، لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یک بارگی نیت کافی ہوگی، اس لیے کہ تمام رکعات ایک ہی نماز کے درجے میں ہیں۔(۳)

(۴) ہر رکعت میں دس آیات پڑھی جائیں۔ مذکورہ رائے حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہؒ سے نقل کی ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے، کیونکہ پورے ماہ میں کل چھ سو رکعت تراویح ادا کی جاتی ہیں اور آیاتِ قرآنی چھ ہزار سے کچھ زیادہ ہیں تو اس طرح بہ سہولت پورے ماہ میں ایک ختم ہو سکے گا۔ بعض فقہا نے مغرب یا عشا کی قرأت کے بقدر پڑھنا افضل قرار دیا ہے جبکہ حضرت عمرؓ سے ایک رکعت میں تیس، پچیس اور بیس آیات بھی ثابت ہے، تاہم علامہ کاسانیؒ

---

(۱) حواله جات سابقه

(۲) بدائع الصنائع، فصل في سننها: ۲/۲۷۸ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في صلاة التراويح، ص: ۳۳۵، الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب التاسع، فصل في التراويح: ۱/۱۱٦

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في سننها: ۲/۲۷۵، ۲۷٦، فتاوى قاضي خان على هامش الهندية، كتاب الصوم، باب التراويح، فصل في نية التراويح: ۱/۲۳٦، ۲۳۷

فرماتے ہیں کہ امام کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ مقتدیوں کے شوق ورغبت کو دیکھ کر قرأت کرے، اس لیے کہ مقتدیوں کی رعایت رکھنے سے تکثیرِ جماعت کا فائدہ حاصل ہوگا جو کہ تطویل قرأت سے بہتر ہے۔ شیخین کے ہاں تمام رکعتوں میں برابر برابر تلاوت کرنا افضل ہے جب کہ امام محمدؒ کے ہاں پہلی رکعت میں نسبتاً زیادہ تلاوت افضل ہے اسی طرح تمام ترویحات میں یکسانیت کے ساتھ قرأت کرنا بھی افضل ہے تاکہ لوگوں کو تھکن کا احساس نہ ہو۔

(۵) ہر دو رکعتوں کو الگ الگ سلام کے ساتھ پڑھنا سنت ہے۔(۱)

(۶) افضل یہ ہے کہ تمام تراویح ایک ہی امام پڑھالے، تاہم اگر دو امام ہوں تو مستحب یہ ہے کہ ایک امام ایک ترویح، یعنی چار رکعت مکمل کر کے دوسرے امام کو موقع دے۔ ایک امام کے لیے فرض پڑھانا اور دوسرے کے لیے تراویح پڑھانا بلا کراہت جائز ہے۔ حضرت عمرؓ اور ابی بن کعب کی عام عادت ایسی ہی تھی۔(۲)

(۷) تراویح کو کھڑے ہوکر ادا کرنا سنت ہے۔ بلا عذر بیٹھ کر ادا کرنا جائز تو ہے، البتہ استحباب اور سنت متوارثہ کے خلاف ہے۔

(۸) امام ہر چار رکعات (ترویحہ) کے بعد ان چار رکعات کے بقدر استراحت اور آرام کرے جس میں تسبیح وتہلیل، درود شریف اور تنہا نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ قاضی خان فرماتے ہیں کہ اہلِ مکہ ہر ترویحہ کے درمیان مکمل طواف کرتے تھے جب کہ اہل مدینہ ہر ترویحہ میں چار رکعت نفل پڑھ لیتے تھے، لہٰذا اہل مدینہ کے ہاں تراویح کی بیس رکعات ان چار ترویحات کی وجہ سے ۳۶ تک پہنچ جاتی تھیں۔ غالباً امام مالک کا استدلال اہلِ مدینہ کے اسی تعامل سے ہے۔

اسی طرح بیس رکعات مکمل کرنے کے بعد بیٹھنا بھی سلف سے ثابت ہے۔ چار رکعات کے بعد جلسۂ استراحت، یعنی ترویحہ چھوڑ کر دس رکعات کے بعد بیٹھنا مکروہ اور سلف کے عمل کے مخالف ہے۔(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في سننها: ۲/ ۲۷۶، ۲۷۷

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في سننها: ۲/ ۲۷۸، الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب التاسع، فصل في التراويح: ۱/ ۱۱۶

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في سننها: ۲/ ۲۷۸، فتاوى قاضي خان على هامش الهندية، كتاب الصوم، باب التراويح، فصل في مقدار التراويح: ۱/ ۲۳۵

چند متفرق مسائل:

(۱) عقل مند اور باشعور بچے کی امامت کو بعض فقہا نے تراویح میں جائز قرار دیا ہے، تاہم عامۃ المشائخ کا فتویٰ عدمِ جواز پر ہے۔(۱)

(۲) تراویح فوت ہو جائے تو اس کی قضا نہیں کی جائے گی، یعنی نہ تو جماعت کے ساتھ اور نہ بغیر جماعت کے۔(۲)

(۳) رمضان کے مہینے میں تراویح کی طرح وتر بھی جماعت کے ساتھ پڑھنا گھر میں تنہا پڑھنے سے افضل ہے۔(۳)

(۴) تراویح میں ایک مرتبہ ختم کرنا سنت ہے، لہٰذا قوم کی سستی کی وجہ سے اس کو چھوڑنا مناسب نہیں۔ دو مرتبہ یا ہر ایک عشرہ میں ایک ایک ختم کر کے تین مرتبہ ختم کرنا زیادہ فضیلت کا حامل ہے۔ بعض مشائخ نے اس بات کو زیادہ بہتر سمجھا ہے کہ ستائیس رمضان کو قرآن مجید ختم کر دیا جائے۔ اسی کے پیشِ نظر انہوں نے اپنے مصاحف ۵۴۰ رکوع پر تقسیم کر لیے تھے۔(۴)

(۵) اگر تمام لوگ عشا کی نماز باجماعت نہ پڑھ سکیں تو ان کے لیے تراویح میں جماعت کرنا درست نہیں، تاہم اگر کوئی ایک شخص تنہا فرض کی جماعت سے رہ جائے تو وہ فرض نماز تنہا ادا کرنے کے بعد باجماعت تراویح میں شریک ہو جائے۔(۵)

❁❁❁❁❁

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب التاسع، فصل في التراويح: ۱/۱۱۶،۱۱۷

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان أدائها إذا فاتت: ۲/۲۷۸، فتاوى قاضي خان على هامش الهندية، كتاب الصوم، باب التراويح، فصل في وقت التراويح: ۱/۲۳۶

(۳) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب التاسع، فصل في التراويح: ۱/۱۱۶،۱۱۷

(٤) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب التاسع، فصل في التراويح: ۱/۱۱۷،۱۱۸، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، فصل في صلوة التراويح، ص: ۳۳۷

(۵) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، مبحث في صلوة التراويح: ۲/٤۹۹

باب التراویح

(تراویح کا بیان)

بیس رکعات تراویح پڑھنا

سوال نمبر(243):

ہمارے محلے کا ایک ساتھی اس بات پر اصرار کر رہا ہے کہ تراویح بیس رکعات پڑھنے کا حکم کسی حدیث میں مذکور نہیں۔اس کے برعکس مولوی صاحب یہ بات جزم کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ تراویح کے بیس رکعات ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے۔اس حوالے سے دینی رہنمائی فرمائیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

رمضان المبارک کے مہینے میں تراویح پڑھنا حضور اکرم ﷺ کی سنت ہے،جس پر آج تک امت کا تعامل چلا رہا ہے۔جہاں تک رکعات کی تعداد کا مسئلہ ہے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق ؓ نے جب ایک قاری کی اقتدا میں بیس رکعات تراویح پڑھنے کا حکم دیا تو صحابہ کرام ؓ میں سے کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی تو گویا صحابہ کرام ؓ کا بیس رکعات تراویح پر اجماع ثابت ہوا۔اصولی طور پر یہ فیصلہ مرفوع روایت کے حکم میں ہے،اس لیے کہ عبادات میں خلاف قیاس حکم کرنا اس بات کا مقتضی ہے کہ ضرور آپ ﷺ نے بیس رکعات تراویح کا حکم فرمایا تھا۔اس کے علاوہ حضور ﷺ نے خود خلفاے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم بھی صادر فرمایا ہے۔حضرت عمر فاروق ؓ کی شان سے یہ امر بعید ہے کہ وہ کوئی ایسا حکم دیں جو خلاف شریعت ہو اور پھر تمام صحابہ کرام ؓ جو ایمان کے پہاڑ تھے،کیسے ایک خلاف سنت کام پر اجماع قائم کر سکتے ہیں؟ یہ تو گویا صحابہ کرام ؓ پر الزام ہے،پھر صحابہ کرام ؓ سے بڑا عالم آج کیسے پیدا ہوا کہ صحابہ نے جس عمل کو دین سمجھا،اس عمل کو وہ خلاف دین سمجھتا ہے۔علاوہ ازیں جب یہ بات ثابت ہوئی کہ بیس رکعات تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے تو اجماع کے خلاف کہنا کسی بھی طرح درست نہیں اور ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بیس رکعات سے کم تراویح نہیں۔

والدليل علىٰ ذلك:

أكثر أهل العلم على ما روي عن عليؓ وعمرؓ، وغيرهما من أصحاب النبي ﷺ عشرين ركعة، وهو قول سفيان الثوريؒ، وابن المباركؒ، والشافعي. وقال الشافعيؒ: وهكذ أدركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة.(۱)

ترجمہ:

اکثر اہل علم کی رائے وہی ہے جو حضرت علیؓ وحضرت عمرؓ اوران کے علاوہ صحابہ رسول ﷺ سے روایت کی گئی ہے، یعنی بیس رکعت تراویح اور یہ قول سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ شافعی کا ہے اور امام شافعیؒ نے تو یوں فرمایا کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں اسی طرح لوگوں کو پایا کہ وہ بیس رکعات تراویح پڑھتے ہیں۔

ثم وقعت المواظبة عليها في أثناء خلافة عمرؓ، ووافقه علىٰ ذلك عامة الصحابةؓ، كما ورد ذلك في السنن، ثم مازال الناس من ذلك الصدر إلىٰ يومنا هذا علىٰ إقامتها من غير نكير وكيف لا وقد ثبت عن النبي ﷺ: "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ" كما رواه أبو داؤد.(۲)

ترجمہ:

بیس رکعات تراویح حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں اہتمام سے پڑھی جانے لگی اور صحابہ کرامؓ نے موافقت کی، جیسا کہ روایات میں مذکور ہے، پھر اس زمانے سے لے کر آج تک متواتر بغیر نکیر کے پڑھی جاتی رہیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا، حالانکہ حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔

(۱) جامع الترمذي، أبواب الصوم، باب ماجاء في قيام شهر رمضان: ۱/۱۶۶

(۲) البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، تحت قوله: (وسن في رمضان عشرون ركعة): ۲/۱۱۷

وتر کے بعد تراویح پڑھنا

سوال نمبر (244):

اگر کسی شخص سے تراویح کی چند رکعتیں رہ جائیں اور امام وتر کی نماز جماعت سے پڑھ رہا ہو تو کیا مذکورہ شخص امام کے ساتھ وتر پڑھنے کے بعد تراویح پڑھ سکتا ہے؟ یا وتر پڑھنے سے پہلے تراویح مکمل کرلے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

تراویح پڑھنے کا بہتر وقت عشا کی نماز کے بعد اور وتر سے پہلے کا ہے، تاہم اگر کسی شخص سے باجماعت تراویح میں چند رکعتیں فوت ہوجائیں تو بہتر یہ ہے کہ وہ امام کے ساتھ وتر باجماعت ادا کرے اور اس کے بعد بقیہ تراویح پڑھے۔ لہٰذا مذکورہ شخص امام کے ساتھ وتر ادا کرے اور جب فارغ ہوجائے تو بقیہ تراویح پڑھے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وإذافاتته ترويحة أو ترويحتان، فلو اشتغل بهايفوته الوتر بالجماعة يشتغل بالوتر، ثم يصلي مافاته من التراويح، وبه كان يفتي.(۱)

ترجمہ:

اور جب کسی شخص سے تراویح میں ایک ترویحہ (چار رکعت) یا دو ترویحے فوت ہوجائیں، پس اگر وہ ان کی ادائیگی میں مشغول ہوتا ہے تو اس سے وتر کی جماعت فوت ہوتی ہے، لہٰذا وہ وتر جماعت سے پڑھے، پھر بقیہ تراویح ادا کرے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، فصل في التراويح: ۱/۱۱۷

ترویحہ کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا

سوال نمبر (245):

ہمارے ہاں تراویح کی ہر چار رکعات کے بعد بلند آواز سے ذکر کا اہتمام ہوتا ہے۔ازروئے شریعت اس عمل کی وضاحت کریں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

ترویحہ (چار رکعت تراویح) کے بعد بقدرِ ترویحہ بیٹھ کر ذکر اور تسبیحات کا استحباب فقہائے کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے، مگر بلند آواز سے ذکر کرنے کا کوئی صریح جزئیہ نہیں ملتا، اجتماعی طور پر جہراً ذکر، اگر کسی کو اس سے تکلیف نہ ہو تو پھر جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ خاموشی اور پست آواز سے ذکر کیا جائے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(یجلس)ندباً(بین کل أربعة بقدرها) ویخیرون بین تسبیح،وقراءة،وسکوت.(۱)

ترجمہ:

ہر چار رکعات کے بعد بقدرِ ترویحہ بیٹھنا مستحب ہے ان کو اختیار ہے کہ ذکر کریں، تلاوت کریں یا خاموش بیٹھیں۔

ایک حافظِ قرآن کا مکرر ختمِ قرآن کرنا

سوال نمبر (246):

رمضان کے مہینے میں ایک حافظ اگر تراویح میں ایک مرتبہ قرآن پاک سنادے تو اس حافظ قرآن کے پیچھے دوسرا ختم جائز ہے یا نہیں؟ اور دوسرا ختم سنت ہے یا نفل؟ کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس حافظِ قرآن کا پہلا ختم سنت ہے جو کہ اس نے کیا ہے۔اب اس کا دوسرا ختم نفل ہے، لہٰذا اس کے پیچھے سنت والوں کی اقتدا درست نہیں؟

(۱)الدرالمختارعلی صدرردالمحتار، کتاب الصلوة،باب الوتروالنوافل:۲/۴۹۶،۴۹۷

الجواب وباللہ التوفیق:

رمضان شریف میں تراویح میں ایک مرتبہ ختمِ قرآن مسنون ہے، لیکن ایک ختم کرنے کے بعد دوسرا باعثِ فضیلت ہے، جبکہ تین مرتبہ کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ اگر کوئی حافظِ قرآن ایک مرتبہ تراویح میں ختم قرآن کرے تو وہ دوسری اور تیسری مرتبہ پڑھ سکتا ہے، چاہے اسی مسجد میں ہو یا کسی دوسری مسجد میں اور جہاں تک اقتدا کی بات ہے تو اقتدا نفس تراویح میں ہوتا ہے جو کہ امام اور مقتدی دونوں کے لیے سنت کا درجہ رکھتا ہے تو وہ لوگ جنہوں نے پہلی مرتبہ ختم قرآن میں شرکت نہیں کی، اب اگر ایسے امام کے پیچھے تراویح پڑھتے ہیں جس نے ایک مرتبہ ختمِ قرآن کیا ہو تو ان کی سنت ادا ہو جائے گی اور دونوں کے لیے یہ ختم باعثِ فضیلت وثواب ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

السنة في التراويح إنما هو الختم مرة......والختم مرتين فضلية،والختم ثلاث مرات أفضل كذافي السراج الوهاج.(۱)

ترجمہ:

تراویح میں ایک مرتبہ ختم قرآن سنت ہے اور دو مرتبہ اولیٰ ہے اور تین مرتبہ سب سے افضل ہے۔

❀❀❀

خواتین کا مردوں سے دور کھڑے ہو کر تراویح پڑھنا

سوال نمبر(247):

زید رمضان میں تراویح پڑھاتا ہے اس کے پیچھے خواتین اور مرد کھڑے ہیں، لیکن خواتین مردوں سے الگ کمرے میں تراویح پڑھتی ہیں جہاں ان کے لیے الگ انتظام کیا گیا ہے۔ اس طرح اتنی دوری کے ہوتے ہوئے خواتین کا نماز پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، فصل في التراويح: ۱/۱۱۷

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہ کی رو سے مسجد میں امام کے اقتدا کی درستگی کے لیے صفوف کا اتصال ضروری نہیں، بلکہ انفصال کے باوجود بھی اقتدا درست رہے گی، البتہ بلاعذر اتصالِ صفوف کو نظرانداز کرنا موجب کراہت ہے اور یہی حکم فنائے مسجد کا بھی ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر خواتین پردے کا اہتمام کرتے ہوئے ایسے کمرے میں نماز پڑھیں جو مسجد یا فنائے مسجد میں داخل ہو تو اقتدا درست رہے گی، تاہم جس کمرے میں خواتین کھڑی ہوں، اس کمرے اور امام کے درمیان کوئی راستہ نہ ہو یا راستہ ہو، لیکن اس میں صفیں بنی ہوئی ہوں تو بھی اقتدا درست رہے گی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ویجوز ابتداء جار المسجد بإمام المسجد، وهو في بيته، إذا لم يكن بينه وبين المسجد طريق عام، وإن كان طريق عام، ولكن سدته الصفوف جاز الاقتداء لمن في بيته بإمام المسجد.(۱)

ترجمہ:

اور مسجد کے پڑوسی کے لیے مسجد کے امام کی اقتدا کرنا درست ہے، اس حال میں کہ مقتدی اپنے گھر میں اقتدا کرے، جبکہ اس کے گھر اور مسجد کے درمیان راستہ نہ ہو اور اگر درمیان میں راستہ ہو، لیکن اس میں صفیں بنائی گئی ہوں تب بھی اس شخص کی اقتدا درست رہے گی جس نے مسجد کے امام کا اقتدا اپنے گھر سے کی ہے۔

معذور کی اقتدا میں تراویح پڑھنا

سوال نمبر(248):

ہمارے محلے کا ایک حافظ صاحب معذور ہونے کی وجہ سے فرض نمازوں کی امامت نہیں کرتا۔ اگر وہ تراویح میں بھی قرآن نہیں سنائے گا تو قرآن بھول جائے گا تو تراویح اور نوافل میں امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں احناف اور شوافع کے مابین اختلاف کی وجہ سے شافعی مسلک اپنانے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الفصل الرابع في بيان يمنع صحة الاقتداء:۱/۸۸

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے جو شخص معذور ہو، وہ غیر معذور لوگوں کا امام نہیں بن سکتا، چاہے فرض نماز میں ہو یا نفل میں، اس لیے اگر حافظ صاحب سے قرآن بھول جانے کا خطرہ ہو تو پھر معذور لوگوں کی تراویح میں امامت کرے یا انفرادی طور پر نوافل میں قرآن پڑھے یا ویسے ہی تلاوت کرتا رہے۔ اس مسئلہ میں کوئی خاص مجبوری نہیں کہ حنفی کو اپنے مسلک چھوڑنے کی اجازت دی جائے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(ولا يصلي الطاهر خلف من هو في معنى المستحاضة......) لأن الصحيح أقوىٰ حالاً من المعذور. (۱)

ترجمہ:

باوضو (صحت مند) شخص اس شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھے گا جو معذور کے حکم میں ہو، اس لیے کہ صحیح آدمی کی حالت معذور سے قوی ہے۔

❁❁❁

گھر میں باجماعت تراویح پڑھنا

سوال نمبر (249):

اگر چند افراد عورتوں سمیت گھر میں اکٹھے تراویح پڑھتے ہوں اور ان میں قرآن بھی سنایا جائے۔ تو کیا یہ جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہی نقطہ نظر سے تراویح کی جماعت اور اس میں ختم قرآن سنت ہے، تاہم اگر کچھ لوگ گھر میں جماعت کے ساتھ پڑھے اور پردے میں رہ کر اس میں عورتیں بھی شریک ہوں تو یہ جائز ہے، البتہ مردوں کے حق میں بہتر یہی

---

(۱) الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۱۲۸

ہے کہ وہ مسجد میں تراویح پڑھ لیا کریں اور عورتیں گھر میں انفراداً انفراداً پڑھ لیں، کیونکہ مردوں کا گھر میں نماز پڑھنے کی صورت میں دو فضیلتوں میں سے جماعت کی فضیلت تو مل جائے گی، لیکن مسجد کی فضیلت سے محروم ہو جائیں گے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

وإن صلى بجماعة في البيت اختلف فيه المشايخ، والصحيح أن للجماعة في البيت فضيلة، وللجماعة في المسجد فضيلة أخرى، فإذا صلّىٰ في البيت بجماعه فقد حاز فضيلة أدائها بالجماعة، وترك الفضيلة الأخرى.(۱)

ترجمہ:

اور اگر کوئی شخص تراویح گھر میں جماعت کے ساتھ ادا کر دے تو اس میں مشائخ کا اختلاف پایا جاتا ہے، صحیح قول یہ ہے کہ گھر میں نماز باجماعت پڑھنے میں جماعت کی فضیلت ہے اور نماز باجماعت مسجد میں پڑھنے کی صورت میں دوسری فضیلت (جو کہ مسجد کی فضیلت ہے) پائی جاتی ہے، پس جب اس نے گھر میں باجماعت نماز پڑھی تو انہوں نے ایک فضیلت (جو کہ باجماعت تراویح پڑھنا ہے) پر تو عمل کیا، لیکن دوسری فضیلت (جو کہ مسجد کی ہے) اس سے محروم ہو گئے۔

إمامة الرجل للمرأة جائزة، إذا نوىٰ الإمام إمامتها، و لم يكن في الخلوة أما إذا كان الإمام في الخلوة، فإن كان الإمام لهن، أولبعضهن محرما فإنه يجوزو يكره.(۲)

ترجمہ:

مرد کی امامت عورت کے لیے جائز ہے، بشرط یہ کہ امام عورت کی امامت کی نیت کرے اور امام خلوت (تنہائی) میں نہ ہو اور اگر امام تنہائی میں ہو اور امام ان سب کا یا ان میں سے بعض کا محرم ہو تو پھر کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوفل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۶

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة: ۱/۸۵

عورتوں کا باجماعت نماز تراویح پڑھنا

سوال نمبر (250):

ہمارے گھرانے میں ایک حافظ ہے۔رمضان کے مہینہ میں اگر وہ قرآن نہ سنائے تو بھول جائے گی۔اگر چند عورتیں اس کے ساتھ تراویح میں شامل ہوں اور وہ ان کو قرآن سنائے تو کیا ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہ حنفی کی رو سے صرف عورتوں کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہِ تحریمی ہے خواہ تراویح ہو یا دوسری نماز۔

صورتِ مسئولہ میں اگر ایک حافظ ہو اور قرآن نہ سنانے کی وجہ سے بھول جانے کا اندیشہ ہو، تب بھی تراویح باجماعت پڑھانے کی اجازت نہیں۔لہٰذا اکیلے تراویح پڑھنا عورتوں کے لیے ضروری ہے اور قرآن یاد رکھنے کے لیے تنہا نماز میں دُھرایا کرے یا کوئی دوسرا جائز طریقہ اختیار کرے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

(و) يكره تحريمًا(جماعة النساءِ)قال ابن عابدين:قوله:(ولو في التراويح) أفاد أن الكراهة في كل ماتشرع فيه جماعة الرجال فرضًا،أو نفلًا.(۱)

ترجمہ:

عورتوں کی جماعت مکروہِ تحریمی ہے، اگرچہ تراویح ہو۔یہ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ کراہت ان تمام نمازوں میں ہے جن میں مردوں کی جماعت مشروع کی گئی ہو چاہے فرض نماز ہو یا نفل۔

❁❁❁

تراویح میں ختمِ قرآن پر اُجرت

سوال نمبر (251):

حفاظِ کرام تراویح میں قرآن سناتے ہیں۔لوگ ان کو ختم کی رات کچھ پیسے وغیرہ دے دیتے ہیں، حالانکہ پہلے

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة،باب الإمامة،مطلب إذاصلى الشافعي قبل الحنفي......:۲/۳۰۵

سے کوئی اجرت مقرر نہیں ہوتی تو کیاان کے لیے یہ پیسے لیناجائز ہے؟ بعض لوگوں سے سنا ہے کہ تراویح پر کچھ لینادیناحرام ہے اورایسے قاری صاحب کے پیچھے تراویح پڑھناجائز نہیں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رو سے حافظِ قرآن کے لیے ختمِ قرآن پر مقتدیوں سے باقاعدہ اُجرت کامعاہدہ اورتعین کرنے کے بعد کچھ لیناجائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب کوآمدنی کاذریعہ بناناایک حافظ وعالم کوزیب نہیں دیتا،تاہم اُجرت اورمقتدیوں کے اعزاز واکرام کے مابین فرق کرناضروری ہے۔اُجرت توتب بنتی ہے جب حافظ قرآن اورمقتدیوں کے مابین باقاعدہ معاہدہ ہواور پھرختم کے وقت اُسے وہی مقررہ رقم دی جائےتوان پیسوں سے احترازضروری ہے۔

البتہ اگرکہیں حافظِ قرآن نے نہ ہی اُجرت کامطالبہ کیاہواورنہ ہی اس نیت سے ان کوقرآن سنایاہوکہ مقتدیوں کی طرف سے مجھے قرآن سنانے پررقم ملے گی تواس صورت میں اگرمقتدیوں نے حافظ قرآن کواعزازاواکراماً کوئی چیز دے دی اورحافظ صاحب اس کوقبول کرلےتو یہ جائز ہےاوراس حافظ قرآن کے پیچھے تراویح پڑھناجائز ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

واختلفوافي الاستئجارعلى قراءة القرآن مدة معلومة:قال بعضهم:لايجوز، وقال بعضهم:يجوز،وهو المختار،والصواب أن يقال على تعليم القرآن،فإن الخلاف فيه كماعلمت لافي القراء ة المجردة، فإنه لاضرورة فيها.(۱)

ترجمہ:

اورفقہائے کرام کے ہاں مدتِ معلومہ تک قرأتِ قرآن پراجرت لینے میں اختلاف پایاجاتا ہے۔بعض کے ہاں لیناجائز نہیں ہےاوربعض کے ہاں جائز ہےاوریہی قول مختار ہے۔اوردرست یہ ہے کہ علی تعلیم القرآن کہاجائے(بجائے علی قراءة القرآن کے)،اس لیے کہ اختلاف توتعلیم القرآن پراجرت لینے میں ہے،نہ کہ قرأتِ

(۱) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الإجارة،باب الإجارةالفاسدة،مطلب:تحرير مهم في عدم جوازالإستئجارعلى التلاوة:۹/۷۷

قرآن پر، اس لیے کہ وہاں تو ضرورت ہی مفقود ہے۔

❁❁❁

تراویح کی آخری رکعت میں سورۂ بقرہ ''المفلحون'' تک پڑھنا

سوال نمبر(252):

نمازِ تراویح میں ختمِ قرآن کے موقع پر آخری دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں سورۃ الناس پڑھی جاتی ہے اور دوسری میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بقرہ کو المفلحون تک پڑھا جاتا ہے تو یہ مروجہ طریقہ اختیار کرنا درست ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قرآنِ کریم کی تلاوت اور اس کا ختم سراپا خیر ہی خیر ہے، تاہم ایک مرتبہ قرآن ختم کرنے کے بعد بہتر یہ ہے کہ پھر سے شروع کیا جائے۔ حدیث شریف میں حضورِ پاک ﷺ کا ارشاد منقول ہے:

قال رجل یارسول اللّٰہ أي العمل أحب إلی اللّٰہ؟ قال: الحال المرتحل.(۱)

ایک آدمی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ: ''اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو محبوب عمل حال مرتحل ہے'' یعنی قرآن کو شروع کر کے ختم کرنے کے بعد پھر سے ازسرِ نو شروع کیا جائے۔

ایک دوسری حدیث میں بروایت اُبی بن کعبؓ مروی ہے کہ حضور پاک ﷺ جب سورۃ الناس پڑھتے تو اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھ کر سورۂ بقرہ کو بھی المفلحون تک پڑھتے تھے۔ علامہ سیوطیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں اس کو سنت لکھا ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دورانِ ختم آخری دو رکعتوں میں اگر حافظ اول رکعت میں سورۃ الناس اور دوسری رکعت میں سورۂ بقرہ المفلحون تک تلاوت کرے تو یہ ایک مسنون و مستحب عمل ہے، اس لیے اس کا اہتمام بہت بہتر ہے۔

---

(۱) جامع الترمذي، أبواب تفسیر القرآن: ۲/۱۲۳

والدلیل علیٰ ذلک:

یسن إذافرغ من الختمة أن یشرع في أخریٰ عقب الختم،لحدیث الترمذي،وغیره أحب الأعمال إلی اللہ الحال المرتحل الذي یضرب من أول القرآن إلی آخره کلماأحل ارتحل،وأخرج الدارمي بسند حسن عن ابن عباسؓ عن أبي بن کعبؓ أن النبي ﷺ کان إذا قرأ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ افتتح من الحمد،ثم قرأ من البقرة إلی ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ثم دعابدعاء الختمة،ثم قام.(۱)

ترجمہ: ایک ختم سے فارغ ہوتے ہی دوسرا ختم شروع کر دینا مسنون ہے اور اس کی بابت ترمذی وغیرہ کی یہ حدیث سند قرار دی گئی ہے کہ خدا کے نزدیک سب سے بڑھ کر پسندیدہ عمل اس شخص کا ہے جو قرآن کو شروع کر کے اُسے پڑھتا ہے اور جب ختم کرتا ہے تو پھر آغاز کر دیتا ہے۔اور دارمیؒ نے سندِ حسن کے ساتھ بواسطہ ابن عباسؓ، اُبی بن کعبؓ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ جس وقت ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ چکتے تو الحمد سے پھر شروع کر دیتے اور اس کو پڑھ لینے کے بعد سورۂ بقرہ میں سے بھی ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ تک قرأت فرماتے اور اس کے بعد ختم قرآن کی دُعا فرما کر تشریف لے جاتے تھے۔

❁❁❁

تراویح کی دو رکعتوں میں قعدہ چھوڑنے کے اثرات

سوال نمبر(253):

چند مسائل میں وضاحت مطلوب ہے۔قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں۔

(۱) ایک آدمی تراویح کی (دوسری رکعت پر) بیٹھتا نہیں اور چار رکعت پوری کر لے۔اس میں کون سی دو نفل ہوں گی اور کون سی دو تراویح؟

(۲) ان چار میں جو دو رکعتیں نفل ہو گئیں، ان میں جو قرأت کی ہے، وہ دوبارہ پڑھے گا یا نہیں جب ختم قرآن کا ارادہ ہو؟

(۳) اور اگر دوسری رکعت پر قعدہ بھی کیا ہو اور چار رکعتیں پوری کر لے تو پھر کیا صورت ہو گی؟

(۴) اگر تین رکعتیں پڑھ لے اور دوسری رکعت پر نہ بیٹھے تو کیا کرے گا؟

(۵) اگر امام پہلی یا تیسری رکعت پر بیٹھ کر سلام پھیرے اور مقتدی اس کو اطلاع دینا چاہے تو کیسے دے گا؟

(۱) السیوطي،جلال الدین بن عبدالرحمن،الإتقان في علوم القرآن،النوع الخامس والثلاثون في آداب تلاوته وتألیفه: ۱۱۱/۰، سهیل اکیڈمي،لاهور

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی شخص دو رکعت تراویح کی نیت باندھ لے اور پھر دوسری رکعت کا قعدہ چھوڑ کر چار رکعت پوری کرلے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ سے دو روایتیں آئی ہیں۔ایک روایت میں فساد پر قول کیا ہے اور دوسری میں عدمِ فساد مروی ہے۔چنانچہ محمد بن فضیلؒ نے دوسری روایت کو صحیح مانا ہے۔اس وجہ سے ادھر عدمِ فساد کا قول کیا جائے گا۔

لیکن واضح رہے کہ ان میں اب دو رکعتیں نفل کی شمار ہوں گی،چنانچہ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ اول دو نفل کی اور اخیر دو تراویح کی شمار کی جائیں گے۔

(۲) جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا کہ مذکورہ مسئلہ میں دو رکعتیں نفل کی شمار ہوں گی،اس وجہ سے اگر تراویح میں ختمِ قرآن شروع کیا ہے تو اول دو رکعتوں میں جو تلاوت کی گئی،وہ ختمِ قرآن کا حصہ نہیں سمجھا جائے گا،بلکہ مکمل ختم قرآن کی سعادت حاصل کرنے کے لیے ان دو رکعتوں کی قرأت کو دوبارہ ادا کیا جائے گا۔

(۳) اگر چار رکعتیں پوری کرلے اور دوسری رکعت پر قعدہ کیا ہو تو اس وقت یہ چار رکعتیں تراویح میں سے شمار ہوں گی۔

(۴،۵) اگر تین رکعتیں پڑھی ہوں اور قعدہ اولیٰ نہیں کیا تو ایسی صورت میں صحیح قول کے مطابق نماز فاسد ہے۔از سرِ نو نماز پڑھنا ضروری ہے۔اور اگر قعدہ اولیٰ کیا ہے تو دو رکعتیں صحیح ہیں۔اور صاحبینؒ کے قول کے مطابق "لزم النفل بالشروع" کے قاعدہ کی وجہ سے اس پر دو رکعت ادا کرنا واجب ہے۔

علاوہ ازیں اگر امام پہلی یا تیسری رکعت پر بیٹھ جائے تو نمازیوں کو چاہیے کہ امام کو اللہ اکبر،سبحان اللہ جیسے الفاظ سے تنبیہ کریں،تاہم علاقائی زبان میں تنبیہ جائز نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

وفي الفتاوى:ولو صلى أربعا بتسليمة،ولم يقعد في الثانية، ففي الاستحسان لا تفسد،وهو أظهر الروايتين عن أبي حنيفة،وأبي يوسف،وإذالم تفسد قال محمد بن فضل:تنوب الأربع عن تسليمة واحدة،وهو الصحيح كذافي السراج الوهاج.(۱)

ترجمہ: فتاویٰ میں ہے کہ اگر کسی نے (تراویح میں) چار رکعتیں ایک سلام سے پڑھیں اور دوسری رکعت میں قعدہ نہ کیا تو از روئے استحسان اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف دو روایتوں میں سے زیادہ ظاہر روایت

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة،الباب التاسع في النوافل في التراويح:۱/۱۱۸

میں یہی ہے اور جب (مذکورہ صورت میں) نماز فاسد نہیں ہوتی تو وہ چار رکعتیں (تراویح کی) ایک سلام (یعنی دو رکعتوں) کے قائم مقام ہوں گی اور یہی حکم صحیح ہے۔

ولو صلى التطوع ثلاث ركعاتٍ، ولم يقعد على رأس الركعتين، الأصح أنه تفسد صلوته.(۱)

ترجمہ: اگر کسی شخص نے تین رکعت نفل نماز پڑھ لی اور دو رکعتوں کے بعد التحیات کے لیے نہیں بیٹھا تو زیادہ صحیح حکم یہ ہے کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ولو صلى عشر ركعاتٍ بتسليمة واحدة، وقعد في كل ركعتين، فعلى قولهما يجوز عن أربع ركعاتٍ، وعلى قول أبي حنيفة في الروايات الظاهرة يجوز عن أربع تسليمات، وعلى قول العامة وهو الصحيح يجوز عن خمس تسليمات كل ركعتين عن تسليمة.(۲)

ترجمہ: اگر کسی نے ایک سلام کے ساتھ دس رکعات تراویح پڑھ لیں اور ہر دو رکعتوں کے بعد تشہد پڑھتا رہا تو صاحبینؒ کے قول کے مطابق چار رکعتوں کے قائم مقام ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق، جو ظاہر الروایۃ بھی ہے، یہ (ایک سلام کے ساتھ دس رکعتیں) چار سلاموں (آٹھ رکعتوں) کے قائم مقام ہیں اور عام فقہائے کرام کے نزدیک، جو کہ صحیح قول بھی ہے، یہ (ایک سلام کے ساتھ دس رکعتیں) پانچ سلاموں کے ساتھ (دس رکعتوں) کے قائم مقام ہیں گویا کہ یہ ہر دو رکعتوں کے بعد ایک سلام ہو۔

❁❁❁

لاؤڈ سپیکر پر ختم قرآن

سوال نمبر (254):

رمضان المبارک میں لاؤڈ سپیکر پر ختم قرآن کرنا کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اسلام انسان کو دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبے کا درس دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے قرآن کی تلاوت اور ذکر جیسی فضیلت والی عبادات کو بلند آواز سے ایسی اوقات میں کرنے سے منع فرمایا ہے، جن میں یہ

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب التاسع في النوافل: ۱/۱۱۳

(۲) الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، نوع آخر فيما اذا صلي ترويحة واحدة بتسليمة واحدة: ۱/۴۸۲

دوسروں کوایذارسانی کا سبب بنتے ہوں۔

تراویح میں لاؤڈسپیکر پرقرآن سناتے وقت اگرآواز غائب لوگوں تک پہنچتی ہوتو یہ چونکہ ان کے آرام ودیگرمصروفیات میں خلل ڈالنے اوران کی ایذارسانی کا سبب بنتا ہے،اس لیے اس سے احترازضروری ہے۔ اور لاؤڈسپیکر پرتلاوت کی آوازاتنی اونچی ہونی چاہیے کہ صرف حاضرین کو سنائی دے اور باہرلوگوں کے آرام ودیگر مصروفیات میں خلل کاباعث نہ بنے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

قوله: (ورفع صوت بذكر) أقول:اضطرب كلام صاحب البزازية في ذلك، فتارة قال:إنه حرام، وتارة قال:إنه جائز. وفي الفتاوى الخيرية من الكراهية الاستحسان..........وهناك أحاديث اقتضت طلب الإسرار، والجمع بينهما بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال،كماجمع بذلك بين أحاديث الجهر،والإخفاء بالقراءة،ولايعارض ذلك حديث"خيرالذكرالخفي"لأنه حيث خيف الرياء أوتأذي المصلين أوالنيام،فإن خلامماذكر،فقال بعض أهل العلم: إن الجهرأفضل.(۱)

ترجمہ:

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ ذکر میں آواز بلند کرے۔علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ:''اس کے بارے میں صاحب بزازیہ کےقول میں اضطراب معلوم ہوتا ہے۔کبھی فرماتے ہیں کہ:''یہ حرام ہے اورکبھی فرماتے ہیں کہ:'' جائز ہے''۔اورفتاویٰ خیریہ میں کراہت اوراستحسان دونوں کاقول ہے۔۔۔۔اوراحادیث اخفا کی ترغیب دے رہے ہیں۔اوران میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ یہ اختلاف اشخاص اوراحوال کے اختلاف سے ہے۔جس طرح کہ تلاوت کے جہراوراخفامیں تطبیق ہوئی ہے۔اوریہ اس حدیث کے معارض نہ ہوئی جس میں کہا گیاہے کہ بہترین ذکرسری ہے،کیونکہ وہ ریاکاری اورنمازیوں یاسونے والوں کوتکلیف دینے کی صورت میں ہے۔اگران چیزوں کاخوف نہ ہوتو بعض اہلِ علم کاقول یہ ہے کہ جہرافضل ہے۔

لاضرر ولاضرار.(۲)

ترجمہ: نہ ضرر پہنچے اورنہ ضرر پہنچایا جائے۔

(۱) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الصلوة،باب مايفسدالصلوةومايكره فيها،مطلب في رفع الصوت بالذكر:۲/٤۳٤. (۲) الأتاسي،محمدخالد،شرح المجلة،المادة(۱۹):۱/۵۲،مكتبة حقانية،بشاور

باب سجود السہو

(سجدۂ سہو کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

بھول چوک انسان کی سرشت اور فطرت میں ہے، اس لیے شریعت نے اس قسم کی کوتاہیوں کی تلافی کے لیے ذرائع بھی مقرر کیے ہیں۔ فوت شدہ فرائض وواجبات کی قضا، سجدۂ سہو، دورانِ حج دم اور صدقہ کا وجوب انہی ذرائع میں سے بنیادی ذرائع ہیں جن کی مشروعیت کا بنیادی مقصد عبادات میں آنے والی کمی، کوتاہی کو پورا کرنا ہے۔(۱)

سہو کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

فقہائے کرام کے ہاں سہو اور نسیان کا معنی ایک ہی ہے، یعنی ''غفلت'' اور ضرورت کے وقت کسی شے کا عدم استحضار۔

"عدم استحضار الشيء وقت الحاجة"

بعض فقہا اور حکما نے سہو اور نسیان کے مابین کچھ باریک فرق بھی ذکر کیے ہیں۔

اصطلاح شریعت میں نماز کے آخر میں ان دو سجدوں کا نام ہے جو کسی خلل یعنی بلاارادہ واجب شدہ چیز کو چھوڑنے یا ممنوعہ چیز کے ارتکاب کی تلافی کے لیے ادا کئے جاتے ہیں۔

"هو ما يكون في آخر الصلوة أو بعدها لجبر خلل بترك بعض مأمور به، أو فعل بعض منهي عنه دون تعمد".(۲)

سجدۂ سہو کی مشروعیت اور اس کا حکم:

سجدۂ سہو کی مشروعیت نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کی مواظبت سے ثابت ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان الواجبات الأصلية في الصلاة، أما سجود السهو: ۱/۶۹۰، الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/۵۳۹

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/۵۳۹، ۵۴۰

(۲) الموسوعة الفقهية، مادة، سجود السهو: ۲۴/۲۳۴

کے قولی احادیث میں بھی اس کے اکثر احکام کا تذکرہ موجود ہے۔ابوداؤد کی روایت ہے:

"لکل سهو سجدتان بعدما سلّم".(۱)

ہر سہو کے لیے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے ہیں۔

مذکورہ روایات کو مدنظر رکھ کر حنفیہ کے راجح قول کے مطابق سجدۂ سہو واجب ہے۔علامہ کاسانیؒ نے عقلی ونقلی دلائل سے اس کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔(۲)

سجدۂ سہو کن چیزوں سے واجب ہوتا ہے؟

نماز میں جو چیزیں فوت ہوجائیں وہ تین قسم کی ہوسکتی ہیں:فرائض،سنن اور واجبات۔فرائض چھوٹ جائیں تو اگر قضا کر کے ان کا تدارک کرنا ممکن ہو تو تدارک کیا جائے گا اور نماز درست ہوجائے گی ورنہ نماز فاسد ہوجائے گی،مثلاً:پہلی رکعت میں ایک سجدہ چھوٹ گیا،دوسری رکعت میں یاد آیا تو اس کو ادا کرلے ورنہ نماز فاسد ہوجائے گی۔

سنتیں چھوٹ جائیں تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔واجبات کو قصداً ترک کردے،تب بھی سجدۂ سہو کافی نہیں ہوگا،البتہ واجبات سہواً چھوٹ جائیں تو اب سجدۂ سہو واجب ہوگا۔(۳)

علامہ شرنبلالیؒ اور حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ عمداً واجب چھوڑنے کی صورت میں نقصان کا ازالہ سجدۂ سہو کے ذریعے ناممکن ہے،ایسی صورت میں نماز کا اعادہ واجب ہے،تاہم فقہائے کرام نے درج ذیل صورتوں میں عمداً چھوڑے ہوئے واجب کی سجدۂ سہو کے ذریعے تلافی کو جائز کہا ہے۔ان صورتوں میں نماز کے جواز کے باوجود عمداً واجب چھوڑنے کا وبال نمازی کے ذمہ باقی رہے گا،لہٰذا اعادہ کرنا بہر صورت اولیٰ ہے۔ان صورتوں میں فقہائے کرام نے نام بدل کر اس کو"سجدہ عذر" سے تعبیر کیا ہے۔وہ صورتیں یہ ہیں۔

(۱)قعدہ اولیٰ کو چھوڑ دینا

(۲)قعدہ اولیٰ میں درود شریف پڑھنا

---

(۱) سنن أبي داؤد، کتاب الصلوة،باب من نسي أن یتشهد:۱/۱۵۶،سنن ابن ماجة، کتاب إقامة الصلوة،باب ماجاء في من سجدها بعد السلام،ص:۸۵

(۲)بدائع الصنائع، کتاب الصلوة،قبیل فصل في بیان سبب الوجوب:۱/۶۹۰،۶۹۱

(۳)الفتاوی الهندیة، کتاب الصلوة،الباب الثاني عشر في سجود السهو:۱/۱۲۶،مراقي الفلاح، کتاب الصلوة،باب سجود السهو،ص:۳۷٤

(۳) افعالِ صلوۃ میں شک ہو اور سوچتے سوچتے ایک رکن، یعنی تین تسبیحات کے بقدر تاخیر ہوگئی۔

(۴) پہلی رکعت کے ایک سجدہ کو نماز کے آخر تک مؤخر کردے۔

(۵) سورۂ فاتحہ کو عمداً چھوڑ دے۔(۱)

سجدۂ سہو واجب ہونے کے اصولی اسباب:

درحقیقت سجدۂ سہو کسی واجب کو سہواً چھوڑ دینے سے واجب ہوتا ہے، تاہم فقہائے کرام نے آسانی کی خاطر اس کے لیے چند اصولی صورتیں ذکر کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) کسی واجب کو سہواً چھوڑ دینا۔ واجب سے مراد نماز کے واجباتِ اصلیہ ہیں، لہٰذا تلاوت میں ترتیب کی رعایت یا آیتِ سجدہ کی تلاوت کے فوراً بعد سجدہ کی ادائیگی وغیرہ ایسے واجبات ہیں جن کے چھوڑنے پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، تاہم عالمگیری اور علامہ کاسانیؒ نے تلاوت کے بعد سجدۂ تلاوت کی تاخیر پر سجدۂ سہو کو واجب قرار دیا ہے۔(۲)

(۲) کسی واجب کو سہواً اپنی جگہ سے مقدم کرنا۔

(۳) کسی واجب کو سہواً اپنی جگہ سے مؤخر کرنا۔

(۴) کسی واجب میں سہواً کمی یا ایسی زیادتی کرنا جو نماز کے جنس سے ہو۔ اگر نماز کے جنس سے نہ ہو تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

(۵) کسی واجب کو سہواً تکرار کے ساتھ ادا کرنا۔

(۶) کسی رکن کو سہواً اپنی جگہ سے مقدم کرنا۔

(۷) کسی رکن کو سہواً اپنی جگہ سے مؤخر کرنا۔

(۸) کسی رکن کو سہواً تکرار کے ساتھ ادا کرنا۔

(۹) کسی رکن میں سہواً ایسی زیادتی کرنا جو زیادتی نماز کے جنس سے ہو۔(۳)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب سجود السھو:۲/۵٤۳، مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، کتاب الصلوۃ، باب سجود السھو، ص:۳۷٦

(۲) الفتاوی الھندیة، کتاب الصلوۃ، الباب الثاني عشر في سجود السھو:۱/۱۲٦، ۱۲۷، بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل في بیان سبب الوجوب:۱/٦۹۲

(۳) الفتاوی الھندیة حواله بالا، مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، باب سجود السھو، ص: ۳۷٤، ۳۷٥، البنایة علی الھدایة، باب سجود السھو:۲/۷۲۲

شک کی وجہ سے سجدۂ سہو:

سجدۂ سہو کے واجب ہونے کی ایک وجہ نماز میں شک بھی ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو رکعات کی تعداد میں شک ہوجائے اور پتہ نہ چلے کہ اس نے کتنی رکعات پڑھیں تو نیت توڑ کر از سرِنو نماز ادا کرے، تاہم یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کو پہلی بار شک آیا ہو، یعنی وہ شک کا عادی نہ ہو۔اگر بار بار شک آنے کی نوبت آتی ہو تو رجحان قلب کو دیکھے گا اور جدھر رجحان ہو اس پر عمل کرے گا۔اگر کسی طرف بھی رجحان نہ ہو تو جن دو عددوں میں شک ہو تو ان میں کمتر کو بنیاد بنا کر نماز پوری کرے گا اور ایسی صورت میں ہر اس رکعت پر بیٹھ کر قعدہ کرے گا، جس کے بارے میں شبہ ہو کہ اس رکعت میں قعدہ ہونا چاہیے۔مذکورہ صورت میں سجدۂ سہو بھی کرنا ہوگا۔اسی طرح تحری اور رجحانِ قلب والی صورت میں اگر سوچ و بچار اتنے وقت کے لیے ہو جس میں ایک رکن ادا ہو سکے تو تاخیرِ رکن کی وجہ سے وہاں بھی سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ (۱)

سجدۂ سہو کا مسنون طریقہ:

سجدۂ سہو کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ قعدہ میں تشہد پڑھنے کے بعد صرف دائیں طرف ایک سلام پھیرا جائے۔ اس کے بعد تکبیر کہتے ہوئے دو سجدے کرلے، ایک سجدہ کرنے سے سجدۂ سہو ادا نہیں ہوگا۔سجدے عام کیفیت اور معمول کے مطابق ہوں گے، البتہ علامہ شرنبلالیؒ فرماتے ہیں کہ سجدہ کی تسبیحات کے ساتھ "سبحان من لاینام ولا یسهو" بھی پڑھ لے، اس لیے کہ یہ مقامِ سہو کے مناسب الفاظ ہیں۔

دو سجدے ادا کرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر قعدہ کرنا چاہیے جس میں از سرِنو تشہد، درود اور دعا پڑھنی چاہیے۔ سجدۂ سہو کے بعد والے قعدہ میں تشہد اور سلام کی حیثیت اگرچہ واجب کی ہے، تاہم خود یہ قعدہ رکن نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص سجدۂ سہو ادا کرنے کے بعد قعدہ چھوڑ دے تو نماز فاسد نہیں ہوگی اگرچہ واجبات چھوڑنے کی وجہ سے نماز اسی وقت میں واجب الاعادہ ہے۔

قاضی خان اور ظہیر الدین وغیرہ فقہا کی رائے یہ ہے کہ سجدۂ سہو سے پہلے والے قعدے میں بھی تشہد کے

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ومما يتصل بذلك مسائل الشك: ۱/ ۱۳۰، بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان سبب الوجوب: ۱/ ۶۹۵، ۶۹۶، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/ ۵۶۰_۵۶۲

ساتھ درود پڑھنا چاہیے۔عالمگیری نے بھی اس کو احوط قرار دیا ہے۔(۱)

سجدۂ سہو سے پہلے سلام کی حیثیت:

حنفیہ کے ہاں مفتیٰ بہ قول کے مطابق صرف دائیں طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرنا چاہیے، چاہے سجدۂ سہو نماز میں کمی کوتاہی کی وجہ سے ہو یا کسی رکن یا واجب کی زیادتی کی وجہ سے۔اگر کسی نے تشہد پڑھنے کے بعد سلام سے پہلے ہی سجدۂ سہو ادا کرلیا تو درست ہے، تاہم ایسا کرنا سنت کے خلاف ہے۔صاحب ہدایہ اور علامہ کاسانی وغیرہ کا رجحان یہ ہے کہ سجدۂ سہو کے لیے ایک سلام نہیں، بلکہ دو سلام کرے گا۔جب کہ علامہ فخر الاسلام کے قول کے مطابق ایک سلام کرے گا، لیکن یہ ایک سلام نمازی اپنے سامنے کی جانب کرے گا تاکہ ''سلامِ سہو'' اور ''سلامِ قطع'' میں فرق پیدا ہو، تاہم عام مشائخ اور فقہا نے پہلے والے قول ہی کو اختیار کیا ہے۔(۲)

سجدۂ سہو کے چند بنیادی احکام:

(۱) سجدۂ سہو واجب ہونے کے بعد دو صورتوں میں ساقط ہوتا ہے۔ایک اس وقت جب نمازی بالکل آخر وقت نماز پڑھ رہا ہو اور سجدۂ سہو ادا کرنے کی وجہ سے نماز کا وقت نکل رہا ہو۔دوسری صورت یہ ہے کہ جب نمازی سلام پھیر لینے کے بعد کوئی ایسا عمل کرلے جو نماز کے منافی ہو، مثلاً: وضو ٹوٹ جائے یا باتیں کرنے لگے تو ان صورتوں میں سجدۂ سہو ساقط ہوجاتا ہے۔البتہ اعادہ واجب ہوگا۔(۳)

(۲) سجدۂ سہو میں فرائض اور نوافل میں کوئی فرق نہیں۔جن امور کی تقدیم وتاخیر یا ترک وتبدیلی کی وجہ سے سجدۂ سہو

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان محل سجود السهو: ۷۱۵/۱، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب سجود السهو، ص: ۳۷٤، الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲٦،۱۲٥/۱

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في قدر سلام السهو وصفته: ۷۱٦/۱، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب سجود السهو، ص: ۳۷۷،۳۷٦، الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲٥/۱، الهداية مع البناية، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۷۲۸،۷۲۳،۷۲۲/۲

(۳) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲٥/۱، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ٥٤۲/۲

واجب ہوتا ہے ان میں فرض وواجب اور سنن ونوافل کا حکم ایک ہی ہے۔(۱)

(۳) بنیادی طور پر سہو کا واقعہ جمعہ یا عیدین میں پیش آیا ہو یا عام نمازوں میں، سب کا حکم یکساں ہے، لیکن چونکہ جمعہ وعیدین میں ازدحام اور ہجوم کی وجہ سے سجدۂ سہو کرنے کی صورت میں انتشار کا اندیشہ ہے، اس لیے سجدۂ سہو نہیں کیا جائے گا، تاہم اگر اتنی کثرت نہ ہو تو چھوڑنا مناسب نہیں۔

(۴) اگر امام پر سجدۂ سہو واجب ہو جائے تو اس کے ساتھ ساتھ مقتدی پر بھی واجب ہوگا، چاہے مقتدی اس کے ساتھ سہو کے وقت موجود رہا ہو یا نہیں۔ اسی طرح اگر مقتدی امام کو اس حالت میں پالے کہ وہ سجدۂ سہو ادا کر رہا ہو تو وہ اس کے ساتھ شریک ہو جائے۔ اگر امام نے سہو کے دونوں سجدے پڑھ لیے ہوں تو مسبوق مقتدی کے لیے بعد میں سجدۂ سہو کی قضا لانے کی ضرورت نہیں۔(۲)

(۵) اگر مقتدی امام کے پیچھے نماز میں غلطی کرلے تو اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں، اس لیے کہ وہ امام کا تابع ہے۔ یہی حکم لاحق، یعنی اس شخص کا بھی ہے جو ابتدا سے امام کے ساتھ شریک ہو، لیکن درمیان میں نیند یا حدث پیش آنے کی وجہ سے نماز کے کچھ ارکان اس سے فوت ہو گئے ہوں تو ایسا شخص اگر ان ارکان کی ادائیگی کے وقت کچھ غلطی کرلے تو اس پر سجدۂ سہو نہیں۔

(۶) مسبوق، یعنی وہ شخص جس سے ایک دو رکعتیں رہ گئی ہوں، امام کے ساتھ سجدۂ سہو ادا کرے گا، اس کے بعد بقیہ نماز پوری کرے گا جس کے آخر میں سجدۂ سہو کرنے کی ضرورت نہیں، تاہم اگر بقیہ نماز میں اس سے کمی کوتاہی ہوگئی تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ یہی حکم اس مقیم شخص کا بھی ہے جو کسی مسافر امام کے پیچھے دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بقیہ نماز خود ادا کر رہا ہو، ایسا مقیم اگر بقیہ نماز میں غلطی کرلے تو اس پر بھی راجح قول کے مطابق سجدۂ سہو لازم ہے۔

(۷) لاحق شخص کا امام اگر سجدۂ سہو کر رہا ہو تو لاحق شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اولاً وہ ارکان ادا کرلے جو اس سے نیند یا حدث کے دوران فوت ہو گئے ہیں، اس کے بعد اگر سجدۂ سہو کو پالے تو ادا کرلے ورنہ نماز پوری کرنے کے بعد سجدۂ سہو کرلے۔ ارکان کی ادائیگی سے پہلے امام کے ساتھ سجدۂ سہو پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ یہ سجدۂ سہو بدستور اس کے ذمہ

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲٦/۱، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۵٦۰/۲

(۲) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲۸/۱، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۵٦۰/۲

باقی رہے گا۔

(۸) مسبوق کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ امام کے اول سلام کے ساتھ بقیہ نماز کے لیے کھڑا نہ ہو، ممکن ہے کہ اس کا امام سجدۂ سہوادا کرنے میں نسیان یا تاخیر کا شکار ہو، تاہم کھڑے ہوجانے کے بعد اگر اس کا امام سجدۂ سہوادا کرنے لگے تو وہ واپس ہو کر امام کے ساتھ سجدۂ سہوادا کرلے بشرطیکہ اس نے اگلی رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا ہو۔ اگر مقید کیا ہو تو واپس ہو کر امام کے ساتھ سجدۂ سہوادا کرنا مفسد صلاۃ ہے۔ ایسی صورت میں واپس ہونے کی بجائے وہ نماز کے آخر میں خود ہی سجدۂ سہوادا کرلے۔(۱)

(۹) ایک نماز میں صرف ایک مرتبہ سجدۂ سہو پڑھنے کی اجازت ہے اگرچہ موجب سہوافعال کا ارتکاب کثرت سے ہوجائے۔(۲)

(۱۰) اگر کسی شخص کو اس بات میں شک ہوجائے کہ اس نے سجدۂ سہو پڑھ لیا ہے یا نہیں تو وہ تحری اور رجحانِ قلب سے کام لے لے۔ اگر تحری نہ ہو سکے تو اس کو دوبارہ سجدۂ سہو پڑھنے کی اجازت نہیں، اس لیے کہ سجدۂ سہو میں تکرار اور کثرت غیر مشروع اور ناجائز ہے۔(۳)

(۱۱) اگر امام سجدۂ سہو کرنا بھول گیا ہو تو سلام پھیر لینے کے بعد جب تک بات چیت یا نماز کے کسی منافی عمل کا ارتکاب نہ کرے یا مسجد سے نہ نکلے تو اس پر سجدۂ سہوادا کرنا واجب ہوگا۔

(۱۲) کسی بھی شک کی صورت میں امام کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ چہرہ پھیرے بغیر کسی طریقے سے مقتدیوں کو دیکھ کر رکعتوں کی تعداد وغیرہ معلوم کرلے۔ اس سے سجدۂ سہولازم نہیں آتا۔(۴، ۵)

❁❁❁❁❁

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ،فصل في بیان من یجب علیه سجود السهو: ۱/۷۱۸، ۷۱۹، الفتاوی الهندیة، کتاب الصلوۃ،الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۸، ۱۲۹

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ،فصل في بیان سبب الوجوب: ۱/۷۰۰،الفتاوی الهندیة، کتاب الصلوۃ،الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۳۰

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ،فصل في بیان سبب الوجوب: ۱/۶۹۴، الفتاوی الهندیة، کتاب الصلوۃ،الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۳۰

(٤) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوۃ،باب سجود السهو : ۲/۵۵۸

(٥) الفتاوی الهندیة ، کتاب الصلوۃ،الباب الثاني عشر في سجود السهو، ومما یتصل بذلك مسائل: ۱/۱۳۱

باب سجود السهو

(سجدۂ سہو کا بیان)

سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو یاد آ جانا

سوال نمبر(255):

اگر کوئی شخص نماز کا کوئی واجب بھول کر ترک کر دے اور آخر میں سجدۂ سہو بھی بھول جائے تو سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کر سکتا ہے یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

اگر کسی شخص پر سجدۂ سہو لازم ہو جائے اور سجدۂ سہو کئے بغیر سلام پھیر لے تو جب تک نماز کے منافی کوئی کام نہ کیا ہو، سجدۂ سہو کر سکتا ہے، لیکن اگر سجدۂ سہو کرنے سے پہلے کوئی بات کر لی یا کوئی کام نماز کے منافی کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔

والدّليل علىٰ ذلك:

وإذاسلم يريد به قطع الصلوة،وعليه سحود السهو،فعليه أن يسجد للسهو،وبطلت نية القطع عند هم جميعا.(١)

ترجمہ:

نماز ختم کرنے کے ارادے سے سلام پھیر لے اور اس پر سجدۂ سہو ہو تو اس پر لازم ہے کہ سجدۂ سہو کر لے اور سب کے ہاں نماز ختم کرنے کی نیت باطل ہو جائے گی۔

❁❁❁

(١)الفتاوى التاتارخانية،كتاب الصلوة،الفصل السابع عشرفي سجودالسهو:١/٥٣٠

سجدۂ سہو میں سہو ہونا

سوال نمبر(256):

اگر کسی شخص پر سہولازم ہوجائے اور وہ آخر میں سلام پھیر کر سجدۂ سہو کے بعد قعدہ کے دوران تشہد کی بجائے سورۂ فاتحہ پڑھ لیتا ہے تو دوبارہ سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سجدۂ سہو کے لزوم کے اسباب میں سے اگر کوئی سبب پایا جائے تو سجدۂ سہولازم ہوجاتا ہے۔ پھر سجدۂ سہو میں اگر دوبارہ کوئی سبب سجدۂ سہو موجود ہوجائے تو دوبارہ سجدۂ سہولازم نہیں ہوتا۔

لہٰذا اس شخص پر سجدۂ سہو کے قعدہ میں تشہد کی بجائے سورۂ فاتحہ پڑھ لینے سے سجدۂ سہولازم نہیں ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

السهو في سجود السهو لا يوجب السهو ؛لأنه لا يتناهي، كذا في التهذيب.(۱)

ترجمہ:

سجدۂ سہو میں سہو ہوجانا سجدۂ سہولازم نہیں کرتا، کیونکہ اس طرح ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑے گا۔

سجدۂ سہو کا چھوٹنا

سوال نمبر(257):

اگر ایک آدمی نماز کے کسی واجب کو بھول جائے تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے۔ اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/ ۱۳۰

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے جب کسی سے نماز کے واجبات میں سے کوئی واجب چھوٹ جائے تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہوجاتا ہے، اگر وہ سلام پھیر کر سجدۂ سہو کیے بغیر نماز ختم کردے تو راجح قول کے مطابق اس پر نماز دوبارہ پڑھنا واجب ہے، کیونکہ واجب کے چھوٹنے سے اس کی نماز ناقص ہوگئی ہے، جس کا تدارک سجدۂ سہو سے ممکن تھا، جب اس نے سجدۂ سہو بھی چھوڑ دیا تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہوجاتا ہے، چاہے نماز کا وقت ابھی باقی ہو یا فوت ہوگیا ہو۔ اگر وقت باقی ہو تو اسی وقت پڑھ لے، ورنہ قضا لائے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وجوب الإعادة في أداء الصلوة مع كراهة التحريم بما قبل خروج الوقت، أمابعده فتستحب ــــ وترجيح القول بالوجوب في الوقت وبعده.(۱)

ترجمہ:

مکروہِ تحریمی کے ساتھ پڑھی گئی نماز کا وقت نکلنے سے پہلے دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ وقت نکلنے کے بعد مستحب ہے۔۔۔۔اور راجح قول وجوب کا ہے، وقت کے اندر ہو یا وقت کے بعد ہو۔

❁❁❁

رکن کی تاخیر سے سجدۂ سہو

سوال نمبر(258):

کوئی شخص پہلی رکعت مکمل کرنے کے بعد دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہونے کی بجائے بھول کر قعدہ کرلے اور یاد آنے پر دوبارہ کھڑا ہوجائے تو اس شخص پر سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سجدۂ سہو کے وجوب کے لیے ایک سبب تاخیرِ رکن ہے، لیکن تاخیر کی مقدار سب سے کم رکن کے برابر ہوگی جو کہ ایک بار "سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھنا ہے۔

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ، مطلب: کل صلوۃ أدیت مع......: ۱۴۸/۲

لہٰذا پہلی یا تیسری رکعت پڑھنے کے بعد اگر کوئی شخص اٹھنے کی بجائے قعدہ میں بیٹھ جائے تو اگر بیٹھنے کی مقدار ایک بار ''سبحان ربی الاعلیٰ'' کہنے کے برابر ہو تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ اور اگر کم ہو تو لازم نہ ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وكذا القعدة في آخر الركعة الأولى أو الثالثة، فيجب تركها، ويلزم من فعلها أيضاً تأخير القيام إلى الثانية أو الرابعة عن محله، وهذا إذا كانت القعدة طويلة، أما الجلسة الخفيفة، فتركها غير واجب.(۱)

ترجمہ:

اور اسی طرح پہلی یا تیسری رکعت کے آخر میں قعدہ کرنا، کیونکہ اس کا چھوڑنا واجب ہے۔ اس طرح اس کے کرنے سے دوسری یا چوتھی رکعت کے قیام کا اپنے محل سے تاخیر لازم آتی ہے۔ یہ حکم تب ہے، جب قعدہ لمبا ہو، مختصر جلسے کا چھوڑنا واجب نہیں (اور نہ ہی اس سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے)۔

❁❁❁

امام کے سجدۂ سہو کے سلام کے ساتھ مسبوق کا سلام پھیرنا

سوال نمبر (259):

جو شخص ایک رکعت فوت ہونے کے بعد امام کے ساتھ ملا اور امام نے سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیرا تو مسبوق نے بھی سلام پھیرا۔ کیا سلام پھیرنے سے مسبوق پر سجدۂ سہو لازم ہوگا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مسبوق سجدۂ سہو کرنے میں امام کی تابعداری کرے گا، لیکن امام کے ساتھ سلام نہیں پھیرے گا، تاہم اگر مسبوق نے امام سے پہلے یا امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں، اس لیے کہ امام کی اقتدا میں ہے، اس کے برعکس اگر نماز کے آخر میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی سلام پھیر دے تو پھر منفرد نمازی ہونے کی حیثیت سے اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ یہ مذکورہ احکام بھول کر سلام پھیرنے کے ہیں، اگر کہیں جان بوجھ کر مسبوق نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا ہو تو پھر سجدۂ سہو سے نقصان کی تلافی ممکن نہیں رہے گی، بلکہ نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ، مطلب: لاینبغي أن یعدل عن الدرایۃ......: ۱٦٤/۲

والدلیل علیٰ ذلک:

(والمسبوق یسجد مع إمامه)قید با لسجود؛لأنه لایتا بعه في السلام،بل یسجد معه...... فإن سلم:فإن کان عامدافسدت،وإلالا،ولاسجود علیه إن سلم سهواً قبل الإمام،أو معه،وإن سلّم بعده لزمه؛ لکونه منفرداً حینئذ.(۱)

ترجمہ: مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے گا۔سجدہ ذکر کیا،اس لیے کہ سلام میں امام کی متابعت نہیں کرے گا، بلکہ اس کے ساتھ سجدہ کرے گا۔اگر سلام پھیرا تو (دیکھا جائے گا) اگر جان بوجھ کر سلام پھیرا تو نماز فاسد ہوگی، ورنہ نہیں اور اگر امام کے ساتھ یا اُس سے پہلے سلام پھیرا ہو تو ایسی صورت میں اس پر سجدہ سہو نہیں، اور اگر امام کے بعد سلام پھیرا ہو تو اس وقت منفرد ہونے کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

❁❁❁

مسبوق کا اپنے سہو پر سجدۂ سہو

سوال نمبر (260):

امام کے آخری قعدہ میں مسبوق تشہد کے بعد درود شریف پڑھ لے تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ نیز اگر امام کے فارغ ہونے کے بعد پڑھ لے تو پھر کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

پہلی رکعت فوت ہونے کے بعد امام کے ساتھ کسی بھی رکعت میں شریک ہونے والا مسبوق کہلاتا ہے۔ مسبوق سے امام کی اقتدا کے دوران کوئی سہو ہو جائے تو اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا اور جب تک امام نے سلام نہ پھیرا ہو، اس وقت تک مسبوق امام کی اقتدا میں داخل شمار ہوگا۔امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق منفرد کے حکم میں ہوتا ہے، اس لیے اب سہو کی وجہ سے سجدۂ سہو کرے گا۔

سوالِ مذکور میں امام کے سلام پھیرنے سے قبل مسبوق کے درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا اگرچہ امام التحیات پڑھ کر فارغ ہو گیا ہو۔ہاں اگر امام کے سلام پھیرنے کے بعد سہواً درود شریف پڑھ لے اور پھر

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوۃ، باب سجود السهو:۲/٥٤٦،٥٤٧

کھڑے ہوکر نماز پوری کرے تو آخر میں سجدۂ سہو کرے گا۔

والدلیل علی ذلک:

إن المسبوق يتابع إمامه في سجود السهو،ثم إذا قام إلى القضاء وسها،فإنه يسجد ثانيا...لأن المسبوق فيمايقضي كالمنفرد.(١)

ترجمہ:

مسبوق سجدۂ سہو میں امام کی تابع داری کرے گا، پھر بقیہ نماز کی ادائیگی میں اگر سہو ہوجائے تو دوبارہ سجدۂ سہو کرے گا۔۔۔کیونکہ مسبوق بقیہ ادائیگی میں منفرد جیسا ہے۔

❁❁❁

سجدۂ سہو کے بعد فوت شدہ سجدہ یاد آنا

سوال نمبر(261):

کسی شخص سے ایک سجدہ رہ گیا، بعد میں غفلت کی وجہ سے سجدۂ سہو بھی واجب ہوا۔ سجدۂ سہو کے بعد قعدہ میں فوت شدہ سجدہ یاد آنے پر کیا کرے گا، کیونکہ سجدہ کا نماز میں ادا کرنا ضروری ہے، جبکہ سجدۂ سہو سلام کے بعد کیا جاتا ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نماز میں اگر سجدہ فوت ہوجائے تو یاد آنے پر قضا لانا ضروری ہے، لیکن ترتیب فوت ہونے کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ اگر فوت شدہ سجدہ آخری قعدہ میں تشہد کے بعد یاد آئے تو اس وقت قضا لائے، اور تشہد سمیت قعدۂ اخیرہ دوبارہ ادا کرے، پھر سجدۂ سہو ادا کرے۔

سوال مذکور میں فوت شدہ سجدہ، سجدۂ سہو کر لینے کے بعد قعدہ اخیرہ میں یاد آنے پر اسی وقت قضا لائے، چونکہ قضا سجدہ کے ساتھ قعدہ اخیرہ باطل ہوجاتا ہے، اس لیے قضا لانے کے بعد دو قعدے اور سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ جس کی ترتیب اس طرح ہوگی کہ سیدھا سجدے میں چلا جائے، پھر قعدہ میں بیٹھ جائے، تشہد کے بعد سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرلے، پھر قعدہ میں بیٹھ کر تشہد پڑھ کر سلام پھیرے۔

(١) البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب سجود السهو، قبيل قوله(وبسهو إمامه لا بسهوه):١٧٥/٢

والدّليل علىٰ ذلك:

(رعاية الترتيب) بين القراءة،والركوع و(فيمايتكرر في كل ركعة كالسجدة) أو في كل الصلوة كعدد ركعاتها،حتى لو نسي سجدة من الأولىٰ قضاها،ولو بعدالسلام قبل الكلام لكنه يتشهدثم يسجد للسهوثم يتشهد؛لأنه يبطل بالعود إلى الصلبية. (١)

ترجمہ:

نماز کے واجبات میں سے قرأت اور رکوع میں ترتیب کی رعایت بھی واجب ہے۔ اور اس میں بھی، جو ہر رکعت میں مکرر ہو، مثلاً: سجدہ یا پوری نماز میں جیسے تعداد رکعات، یہاں تک کہ اگر پہلی رکعت کا سجدہ بھول جائے تو بات چیت سے پہلے اور سلام کے بعد قضا لائے، لیکن تشہد پڑھے گا، پھر سجدۂ سہو کرے گا، پھر تشہد پڑھے گا، کیونکہ آخری تشہد نماز والے سجدہ کی قضا کی وجہ سے باطل ہو گیا۔

❀❀❀

ایک رکعت میں فاتحہ کا تکرار

سوال نمبر (262):

اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ پڑھ لینے کے بعد غلطی سے یا کسی اور وجہ سے دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو ایسا کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

نماز میں جس طرح واجب چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے، اسی طرح واجب کی تاخیر سے بھی سجدۂ سہو لازم ہو جاتا ہے۔ سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی سورت کا ملانا واجب ہے اور فاتحہ دوبارہ پڑھنے سے واجب کی تاخیر لازم آتی ہے جو موجب سجدۂ سہو ہے، اس لیے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

---

(١) الدرالمختار على صدرردالمحتار، كتاب الصلوة،باب صفة الصلوة:٢/١٥٢-١٥٦

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولو قرأالفاتحةمرتين يجب عليه السجود لتأخيرالسورة،كذا في الذخيرة.(١)

ترجمہ:

اگر سورہ فاتحہ دو مرتبہ پڑھ لی تو اس پر سورت میں تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

❁❁❁

پہلے قعدے میں درود پڑھنا

سوال نمبر(263):

چار رکعت نماز پڑھنے والا شخص اگر پہلے قعدہ میں تشہد پڑھ لینے کے بعد درود شریف پڑھ لیتا ہے تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق سجدۂ سہو واجب امور کے ترک یا تاخیر اور رکن کی تاخیر سے واجب ہوتا ہے۔قعدہ اولیٰ میں تشہد پڑھنے کی بقدر بیٹھنا واجب ہے،لہٰذا اگر کوئی شخص چار رکعت نماز پڑھ رہا ہو،لیکن قعدہ اولیٰ میں تشہد پورا کر لینے کے بعد قیام کے لیے کھڑا ہونے کی بجائے درود شریف پڑھنا شروع کردے اور چار کلمات تک درود پڑھ لے تو اس کا یہ فعل تاخیر رکن شمار ہو کر سجدۂ سہو واجب ہوگا،لہٰذا اسے چاہیے کہ ایسی صورت میں سجدۂ سہو ادا کر لے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

لو كرر التشهد في القعدة الأولى،فعليه السهو لتأخير القيام،وكذالو صلى على النبيﷺ فيها لتأخيره.واختلفوا في قدره،والأصح وجوبه باللهم صل على محمد،وإن لم يقل"وعلى آله".(٢)

---

(١)البحرالرائق،كتاب الصلوة،باب سجودالسهو،تحت قوله(يجب بعدالسلام سجدتان):٢/١٦٦

(٢) أيضا:٢/١٧٢

ترجمہ:

اگر تشہد قعدہ اولی میں دوبار پڑھا تو اس پر تاخیرِ قیام کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہے۔ اور اسی طرح قعدہ اولی میں درود پڑھنے سے بھی لازم ہوگا۔ فقہائے کرام نے درود کی مقدار میں اختلاف کیا ہے، صحیح قول کے مطابق "اللھم صل علیٰ محمد" پڑھنے سے واجب ہوگا، اگرچہ "وعلیٰ آله" نہ پڑھا ہو۔

❁❁❁

جہری نماز میں امام کا پوشیدہ قرأت کرنا

سوال نمبر(264):

امام نے مغرب کی نماز میں سورۂ فاتحہ آہستہ آواز سے شروع کی، یاد آنے پر شروع سے پڑھے گا یا جہاں تک آہستہ آواز سے پڑھی ہے، وہاں سے شروع کرے گا؟ نیز ایسی صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

امام کے لیے جہری نمازوں میں بلند آواز سے، اور سرّی نمازوں میں آہستہ آواز سے قرأت کرنا واجب ہے۔ سرّی نماز میں امام بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہو یا جہری نماز میں آہستہ پڑھ رہا ہو تو یاد آنے پر جہاں تک پڑھا ہو، وہاں سے شروع کرے گا۔ اگر اتنی مقدار پڑھی ہو جس سے نماز جائز ہوتی ہو تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ اگر اس سے کم ہو تو سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(ومنها الجهر والإخفاء) حتى لو جهر فيما يخافت، أو خافت فيما يجهر وجب عليه سجود السهو، واختلفوا في مقدار ما يجب به السهو منهما قيل: يعتبر في الفصلين بقدر ما تجوز به الصلوة، وهو الأصح.(۱)

ترجمہ:

نماز کے واجبات میں سے جہر اور اخفا بھی ہے۔ اگر سری نمازوں میں بلند آواز سے پڑھے یا جہری نمازوں میں آہستہ آواز سے پڑھے تو سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ علما نے اس مقدار میں اختلاف کیا ہے، جس سے سجدۂ سہو لازم

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۸

ہوتا ہے۔ایک قول یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں اعتبار اس مقدار کا ہوگا جس سے نماز جائز ہو جاتی ہو، اور یہ زیادہ درست قول ہے۔

في آخر شرح المنية أن الإمام لو سهافخافت بالفاتحة في الجهرية ثم تذكر يجهر بالسورة ولا يعيد، ولو خافت بآية أو أكثر يتمها جهرا ولا يعيد.(۱)

ترجمہ:

اگر امام جہری نماز میں بھول کر سری قرأت شروع کرے تو یاد آنے پر سورت جہر کے ساتھ پڑھے گا اور اعادہ نہیں کرے گا۔ایک آیت یا اس سے زیادہ آہستہ پڑھی ہو تو جہر کے ساتھ مکمل کرے گا اور اعادہ نہیں کرے گا۔

❁❁❁

جماعت کی نماز میں کثرتِ تعداد کی صورت میں سجدۂ سہو

سوال نمبر(265):

عید کی نماز یا جمعہ کی نماز میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے امام سجدۂ سہو لازم ہونے کے باوجود چھوڑ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر سجدۂ سہو چھوڑ سکتا ہے تو پھر یہ حکم جمعہ اور عیدین تک محدود ہے یا جس نماز میں لوگوں کی کثرت ہو، سب کو شامل ہے؟ وضاحت کریں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اگر عیدین یا جمعہ کی نماز میں نمازیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ سجدۂ سہو کرنے سے نماز میں خلل پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو پھر سجدۂ سہو چھوڑ دینا افضل ہے۔اور یہی حکم عیدین اور نماز جمعہ کے علاوہ ان نمازوں کا بھی ہے، جہاں کثیر تعداد کی وجہ سے نماز میں خلل پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہو۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(والسهو في صلوة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء) والمختار عند المتأخرين عدمه في

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، فصل في القراءة: ۲/۲۵۰

الأولين لدفع الفتنة. قال ابن عابدين: الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذلك. (۱)

ترجمہ:

سجدۂ سہو کا حکم عید، جمعہ، فرض، نفل سب کے لیے برابر ہے۔ متاخرین علما کے نزدیک فتنہ ختم کرنے کے لیے مذکورہ پہلے دو (عید اور جمعہ) میں سجدۂ سہو نہ کرنے کا قول مختار ہے۔ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں ''ظاہر قول یہ ہے کہ جماعت کی کثرت کی صورت میں ان دونوں کے ماسوا بھی یہی حکم ہے''۔

❀❀❀

پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہونا

سوال نمبر (266):

ایک شخص نے چار رکعت والی فرض نماز شروع کی اور آخری قعدہ بھی کر لیا، پھر بھول کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا تو اب یہ شخص اپنی نماز کیسے مکمل کرے گا۔ اور اگر آخری قعدہ نہیں کیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اگر اُسے یاد آ گیا تو بیٹھ جائے، ورنہ چھ رکعت پوری کرے۔ اور ہر صورت میں اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ اور اگر قعدہ اخیرہ نہیں کیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو فرض نماز درست نہیں ہوئی، اسے لوٹانا ہوگا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

رجلٌ صلى الظهر خمسًا، وقعد في الرابعة قدر التشهد إن تذكر قبل أن يقيد الخامسة بالسجدة أنها الخامسة عاد إلى القعدة، وسلم ويسجد للسهو، وإن تذكر بعد ما قيد الخامسة بالسجدة أنها الخامسة، لا يعود إلى القعدة، ولا يسلم، بل يضيف إليها ركعة أخرى، حتى يصير شفعًا ويتشهد، و يسلم ويسجد للسهو استحسانًا.... وان لم يقعد على رأس الرابعة حتى قام الى الخامسة....

---

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/ ۵۶۰

...وان قيدالخامسة بالسجدةفسد ظهره عندناوتحولت صلوته نفلا(۱)

ترجمہ: کسی آدمی نے نمازِ ظہر پانچ رکعتیں پڑھیں اور وہ چوتھی رکعت پر بقدر تشہد التحیات کے لیے بیٹھا تھا (تو اس کا حکم یہ ہے کہ) اس پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے یاد آگیا کہ وہ اس کی پانچویں رکعت ہے تو وہ قعدہ کے لیے لوٹے اور سلام پھیرے اور سجدۂ سہو کرے۔ اور اگر اسے پانچویں رکعت کا سجدہ کر لینے کے بعد یاد آیا کہ وہ اس کی پانچویں رکعت ہے تو وہ قعدہ کے لیے نہ لوٹے اور نہ سلام پھیرے، بلکہ ایک رکعت اور ملا کر دوگانہ پورا کرے، پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرے اور از روئے استحسان سجدۂ سہو کرے اور اگر وہ چوتھی رکعت کے بعد قعدہ کے لیے نہیں بیٹھا، بلکہ پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا۔۔۔۔ تو اگر اس نے پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر لیا تو اس کی ظہر کی نماز فاسد ہو کر نفل میں تبدیل ہو گی۔

❁❁❁

امام کے سجدہ سہو کے وقت مسبوق کا سلام پھیرنا

سوال نمبر (267):

امام کو دورانِ نماز سہو ہو گیا ہو تو سجدۂ سہو کرتے وقت مسبوق مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیرے گا یا بلا سلام پھیرے سجدۂ سہو کرے گا۔ اگر سلام پھیرے تو کیا اس کی نماز ٹوٹ جائے گی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرتے وقت سلام نہ پھیرے، بلکہ بغیر سلام کے سجدۂ سہو کرے۔ کیونکہ سلام کے ساتھ تو نمازی نماز سے نکل جاتا ہے اور مسبوق کی نماز تو باقی ہے۔ اگر مسبوق نے سلام پھیرا اور حال یہ ہے کہ اسے اپنا مسبوق ہونا یاد ہو، یعنی یہ یاد ہے کہ اس کے ذمہ نماز کا کچھ حصہ باقی ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، تاہم اگر بھول کر سلام پھیرا ہو، یعنی اسے اپنا مسبوق ہونا یاد نہ ہو اور سلام پھیرا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قوله:(والمسبوق يسجدمع إمامه) قيدبالسجود؛لأنه لايتابعه في السلام،بل يسجد معه ويتشهد

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة،الباب الثاني عشرفي سجودالسهو،فصل:۱/۱۲۹

فإذاسلم الإمام قام إلی القضاء،فإن سلم فإن کان عامدًا،فسدت وإلالا.(۱)

ترجمہ: اور مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے گا۔علامہ حصکفیؒ نے اس کو سجدہ کے ساتھ مقید کیا ہے،جس کی وجہ یہ ہے کہ مسبوق سلام میں امام کی متابعت نہیں کرے گا،بلکہ صرف امام کے ساتھ سجدہ کرے گا اور تشہد پڑھے گا۔اور جب امام سلام پھیرے تو یہ اپنی بقیہ نماز پوری کرے گا۔اور اگر اس نے بھی امام کے ساتھ سلام قصداً پھیرا ہو تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر بھول کر پھیرا ہو،تو پھر فاسد نہ ہوگی۔

❁❁❁

سجدۂ سہو کے وجوب کے اسباب

سوال نمبر(268):

نماز کن امور سے فاسد ہوتی ہے اور سجدۂ سہو کن اُمور سے لازم ہوتا ہے؟تفصیلی جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نماز اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر فرض کی ہوئی عبادت ہے جس میں بعض امور فرض ہیں اور وہ نماز کے ارکان کہلاتے ہیں۔اگر یہ اُمور بھول کر رہ جاتے ہوں اور نماز کے دوران ان کا لوٹانا ممکن ہو تو لوٹانے سے تدارک کیا جائے گا، ورنہ نماز فاسد رہے گی۔اور نماز میں بعض چیزیں واجب ہیں جن کو بھول کر چھوڑنے پر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔جن اُمور سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے،فقہائے کرام نے ان کی نشاندہی کی ہے،جیسا کہ واجب کو ترک کرنا،کسی واجب کو مؤخر کرنا، کسی رکن کی تقدیم وتاخیر اور کسی واجب کا تغیر،لیکن ان سب تعبیرات کا خلاصہ یہ ہے کہ ترکِ واجب سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے،کیونکہ اصل میں واجب کی تاخیر یا کسی رُکن کی تقدیم وتاخیر وغیرہ سب ترکِ واجب ہی سے عبارت ہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ولایجب السجود إلا بترك واجب،أو تأخیره،أو تأخیر رکن،أو تقدیمه،أو تکراره،أو تغییر واجب بأن یجهر فیمایخافت،وفي الحقیقة وجوبه بشيء واحد وهو ترك الواجب.(۲)

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوۃ،باب سجود السهو:۲/۵٤٦

(۲) الفتاوی الهندیة،الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲٦

ترجمہ:
اور سجدۂ سہو تب واجب ہوتا ہے جب کوئی واجب چھوٹ جائے یا واجب کی ادائیگی میں تاخیر ہو جائے یا کسی فرض کی ادائیگی میں تاخیر ہو جائے یا کسی فرض کو اپنے مقام سے پہلے ادا کردے یا کسی فرض کا تکرار کردے یا واجب میں تبدیلی لائے، مثلاً: جن نمازوں میں قرأت آہستہ آواز سے پڑھی جاتی ہے، ان میں قرأت اونچی آواز سے پڑھ لے۔ اور در حقیقت (ان سب صورتوں میں) سجدۂ سہو کا واجب ہونا ایک ہی چیز سے ہے اور وہ ہے کسی واجب کا چھوٹ جانا۔

❁❁❁

ایک دفعہ سجدۂ سہو کرنے کے بعد دوبارہ سجدۂ سہو کرنا

سوال نمبر(269):

اگر کسی شخص سے ایک مرتبہ نماز میں سہو ہو جائے اور وہ آخر میں سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے اور پھر تشہد کے لیے بیٹھ جائے اور تشہد میں دوبارہ اس سے سہو ہو جائے، مثلاً: تشہد کی بجائے سورۂ فاتحہ یا کوئی چیز شروع کرے تو کیا اس پر دوبارہ سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نماز میں کوئی واجب رہ جانے یا فرائض میں تاخیر ہو جانے سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق ایک مرتبہ سجدۂ سہو کرنے کے بعد اگر دوبارہ سہو ہو جائے تو اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر ایک بار سجدۂ سہو کیا ہو تو دوسری مرتبہ سجدۂ سہو لازم نہیں، کیونکہ اس سے ایک غیر متناہی سلسلہ قائم ہوگا۔

والدلیل علیٰ ذلك:

السهو في سجود السهو لا يوجب السهو؛ لأنه لا يتناهي، كذا في التهذيب. (١)

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، فصل: ١/ ١٣٠

ترجمہ:

سجدۂ سہو میں بھول ہونے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، کیونکہ اس طرح ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑے گا۔

❁❁❁

چار رکعت نفل نماز میں قعدہ اولیٰ کا ترک

سوال نمبر(270):

کیا فرماتے ہیں، علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے چار رکعت نفل کی نیت باندھ لی۔ دو رکعت ادا کرنے کے بعد سیدھا کھڑا ہوا اور قعدہ اولی ترک کیا۔اس کے بعد بقیہ دو رکعت ادا کر دیں تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نفل نماز میں اگر کوئی شخص قعدہ اولی ترک کرے تو اس کے حکم میں فقہائے احناف ؒ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جب تک اس نے تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو، واپس لوٹے گا۔اور بعض فرماتے ہیں کہ واپس نہیں لوٹے گا بلکہ آخر میں سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرے گا۔

لیکن بنیادی طور پر یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے۔جن حضرات کی رائے یہ ہے کہ لوٹے گا تو وہ اس بات کو سامنے رکھتے ہیں کہ نفل نماز کا ہر ہر شفعہ الگ نماز کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا ان کے نزدیک پہلا قعدہ فرض ہے تو جب اس کو ترک کر کے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوا، گویا فرض کو ترک کیا، لہٰذا قعدہ کی طرف لوٹے گا۔اور جو حضرات کہتے ہیں کہ نہیں لوٹے گا، وہ حضرات ان چار رکعت کو ایک نماز شمار کرتے ہیں، لہٰذا وہ حضرات اس کے وجوب کو مدنظر رکھ کر واپس نہ لوٹنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

علامہ طحطاویؒ نے اس میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ یہ قعدہ فرض تب متصور ہوگا کہ جب نمازی قعدہ کے لیے بیٹھ جائے، لیکن اگر نمازی نے اس کو بالکل ترک کر دیا تو پھر اس کو واجب تصور کر کے سجدۂ سہو سے اس کی نماز صحیح ہوگی۔علامہ شامیؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ نہیں لوٹے گا اور اس قول کو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے، لہٰذا نفل نماز میں قعدہ اولی ترک کرنے پر سجدۂ سہو سے نماز صحیح ہوگی۔

والدليل على ذلك:

قال الحصكفي: النفل فيعود مالم يقيد بالسجدة. قال الشامي: تحت هذه العبارة قوله: (اما النفل فيعود ...) جزم به في المعراج والسراج، وعلله ابن وهبان بأن كل شفع منه صلوة على حدة، ولاسيما على قول محمد بأن القعدة الأولى منه فرض فكانت كالأخيرة، وفيها يقعد وإن قام. وحكى في المحيط فيه خلافاً، وكذا في شرح التمرتاشي قيل: يعود وقيل: لا. وفي الخلاصة: والأربع قبل الظهر كالتطوع، وكذا الوتر عند محمد، وتمامه في النهر لكن في التاتارخانية عن العتابية قيل في التطوع يعود مالم يقيد بالسجدة، والصحيح أنه لا يعود. (۱)

ترجمہ:

اگر نفل نماز میں کوئی قعدہ اولیٰ بھول کر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو وہ واپس لوٹے گا، جب تک کہ اس نے تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو، اسی پر معراج اور سراج میں اتفاق کیا گیا ہے۔ اور علامہ ابن وہبان نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس میں سے ہر ایک شفعہ علیحدہ نماز ہے۔ خاص کر امام محمدؒ کے قول کے مطابق، اس لیے کہ اس کے نزدیک قعدہ اولیٰ فرض ہے، پس یہ قعدہ اخیرہ کی طرح ہوگا۔ اور اس میں بیٹھے گا، اگر چہ وہ کھڑا ہوا ہو۔ اور صاحب محیط نے اس میں اختلاف نقل کیا ہے۔ اسی طرح شرح تمرتاشی میں بھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ بعض کے ہاں لوٹے گا اور بعض کے ہاں نہیں لوٹے گا۔ اور خلاصہ میں ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعت سنت نماز اور اسی طرح وتر، دونوں امام محمدؒ کے نزدیک نفل نماز کی طرح ہیں۔ اور سب کا خلاصہ نہر میں مذکور ہے، لیکن تاتارخانیہ میں عتابی کے حوالہ سے ہے کہ بعض کے نزدیک نفل میں لوٹے گا، جب تک کہ تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو۔ اور صحیح یہ ہے کہ نہیں لوٹے گا۔

❁❁❁

مقتدی کا غلطی سے پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہونا

سوال نمبر (271):

ایک شخص شروع سے امام کے ساتھ نماز میں شریک تھا اور جب امام نے سلام پھیرا تو اس آدمی نے اس گمان سے سلام نہیں پھیرا اور سیدھا کھڑا ہو گیا کہ اس سے ایک رکعت ہو چکی ہے، حالانکہ اس نے پوری رکعتیں ادا کر لی تھیں۔

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/۵٤۸

کھڑے ہوجانے کے بعد اس کو یاد آیا کہ مجھ سے خطا ہوئی تو آیا اب پانچویں رکعت سے قعدہ کو لوٹے گا یا چھٹی رکعت کو ملا کر نماز مکمل کرے گا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے فرض کی تاخیر، واجب کے ترک اور واجب کی تاخیر پر سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے۔ سجدۂ سہو ادا کرنے سے نماز صحیح ہوجاتی ہے اور سجدۂ سہو کو چھوڑنے کی صورت میں نماز مکروہ تحریمی ہو کر واجب الاعادہ رہتی ہے (یعنی دوبارہ پڑھنی ہوگی)۔

صورتِ مسئولہ میں مذکورہ نمازی کو امام کے ساتھ سلام پھیرنا چاہیے تھا، تاہم جب وہ پانچویں رکعت کے لیے اُٹھا تو اس کے ساتھ چھٹی رکعت ملا کر آخر میں سجدۂ سہو کرے۔ چار رکعت فرض اور دو رکعت نفل بن جائیں گے۔ اور اگر پانچویں رکعت پر بیٹھ کر سلام پھیرا تو چار رکعت فرض اور ایک رکعت باطل ہوگئی، لیکن اس صورت میں بھی نماز تب درست ہوگی جب آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ولا یجب السجود إلا بترك واجب، أو تأخیره، أو تأخیر رکن، أو تقدیمه أو تکراره.(۱)

ترجمہ:

اور سجدۂ سہو تب واجب ہوتا ہے جب کوئی واجب چھوٹ جائے یا واجب کی ادائیگی میں تاخیر ہوجائے یا کسی فرض کی ادائیگی میں تاخیر ہوجائے یا کسی فرض کو اپنے مقام سے پہلے ادا کردے یا کسی فرض کا تکرار کردے۔

قالوا في العصر لا یضم إلیها سادسة، وقیل یضم، وهو الأصح كذا في التبیین.(۲)

ترجمہ:

فقہائے کرامؒ نے کہا ہے کہ نمازِ عصر کی مذکورہ صورت (یعنی چوتھی رکعت کے بعد بقدرِ تشہد بیٹھنے اور پانچویں رکعت کا سجدہ کر لینے کی صورت میں) اس کے ساتھ چھٹی رکعت نہ ملائے۔ اور بعض کا قول ہے کہ ملائے اور یہی حکم زیادہ صحیح ہے۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۶

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۹

نفل نماز میں واجب کا چھوڑنا

سوال نمبر(272):

میں نے ایک آدمی سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ سجدۂ سہو فرض نمازوں میں ترکِ واجب سے لازم ہوتا ہے، سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ یا نوافل میں واجب نہیں۔آیا یہ بات درست ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ سجدۂ سہو واجب کے ترک یا تاخیر اور اسی طرح فرض کی تاخیر سے واجب ہوجاتا ہے۔اور واجبات وفرائض جیسے فرض نمازوں میں ہیں، اسی طرح سنن ونوافل میں بھی ہیں۔تو جس طرح فرض نماز میں ترکِ واجب پر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، اسی طرح سنت یا نفل نماز میں بھی اس کے ترک پر سجدۂ سہو لازم ہوگا، لہٰذا سجدۂ سہو کے لزوم میں فرض اور سنت یا نفل نمازوں میں کوئی فرق نہیں، بلکہ سجدۂ سہو کا حکم عام ہے، سب نمازوں کو شامل ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

وحكم السهو في الفرض والنفل سواءٌ، كذا في المحيط.(١)

ترجمہ:

فرض اور نفل نمازوں میں سجدۂ سہو کا حکم برابر ہے۔

۞۞۞

قعدۂ اولیٰ کے اتمام کے بعد درود شریف پڑھنا

سوال نمبر(273):

اگر چار رکعت نفل نماز یا سنت مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف بھی پڑھ لے اور اس کے بعد تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوجائے تو آیا اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ١٢٦/١

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہی نقطۂ نظر سے جس طرح واجب کے ترک سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، اسی طرح فرض کی تاخیر سے بھی سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر مذکورہ شخص درود شریف پڑھنے کے بعد تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو اس شخص پر قیام میں تاخیر کرنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قوله:(أو تأخيره) كتأخير سجدة صلبية من الأولى،أو تأخير القيام إلى الثالثة بسبب الزيادة على التشهد ساهيًا،ولو بحرف من الصلوة على النبي ﷺ،وقيل : بل بتمامها.(١)

ترجمہ:

(اور سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے) کسی رکن میں تاخیر کی وجہ سے، جیسا کہ پہلی رکعت کے فرض سجدہ میں تاخیر ہونا یا تیسری رکعت کے قیام میں تاخیر ہونا یا قعدہ اولیٰ میں تشہد پر زیادتی کی وجہ سے تاخیر کرنا، اگرچہ یہ زیادتی درود شریف میں ایک حرف پڑھنے کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو اور بعض کہتے ہیں کہ جب پورا درود شریف پڑھ لے، تب سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

❁❁❁

چار رکعت فرض نماز میں قعدۂ اولیٰ چھوڑنا

سوال نمبر(274):

کوئی شخص چار رکعت والی نماز میں قعدہ اولیٰ چھوڑ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اور پھر اس کو یاد آجائے تو اب قعدہ اولیٰ کی طرف لوٹے گا یا نہیں؟ اور اس پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

---

(١) فتح القدير، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ١/٤٣٨

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ جب ایک نمازی چار رکعت والی نماز میں قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے، اب اگر وہ گھٹنے سیدھا کرنے سے پہلے لوٹ آئے تو سجدۂ سہو واجب نہیں۔ اور اگر گھٹنے سیدھے ہونے کے بعد قعدہ کی طرف لوٹے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے تو صحیح قول کے مطابق اس کی نماز درست ہوگی، تاہم مکمل کھڑے ہونے کی حالت میں پھر واپس نہیں لوٹنا چاہیے۔ بعض فقہائے کرام نے اس صورت میں فسادِ نماز کا حکم کیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں نماز ہو جاتی ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

وإن استقام قائمًا (لا) يعود لاشتغاله بفرض القيام (وسجد للسهو) لترك الواجب (فلوعاد إلى القعود) بعد ذلك (تفسد صلوته) لرفض الفرض لماليس بفرض، وصححه الزيلعيؒ (وقيل لا) تفسد، لكنه يكون مسيئا، ويسجد لتأخير الواجب. (١)

ترجمہ:

اور اگر سیدھا کھڑا ہو گیا تو فرضِ قیام میں مشغول ہونے کی وجہ سے اب (قعدہ کی طرف) نہ لوٹے اور واجب ترک کرنے کی وجہ سے سجدۂ سہو کرے، پس اگر وہ قعدہ کی طرف لوٹ آیا تو غیر فرض کے لیے فرض رکن کو چھوڑنے کی وجہ سے اس کی نماز فاسد ہو جائیگی۔ امام زیلعیؒ نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نماز فاسد نہیں ہوئی، لیکن یہ شخص گناہ گار ہے۔ اور واجب میں تاخیر کرنے کی وجہ سے سجدۂ سہو کرے گا۔

❁❁❁❁❁

(١) الدرالمختار على صدر ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ٢/ ٥٤٩

باب سجدة التلاوة

(سجدۂ تلاوت کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

قرآنِ کریم کی تلاوت اور اس کے معانی میں غور وفکر ترقیٔ ایمان اور شرح صدور کا بنیادی ذریعہ ہے، اس لیے کہ قرآنی آیات مختلف مواقع پر انسان کو وعظ ونصیحت، وعد ووعید اور گزشتہ اقوام کا عروج وزوال یاد دلاتی ہیں۔ان ہی آیات میں سے کچھ آیات وہ بھی ہیں جن کی تلاوت پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ سجدہ فرمایا کرتے تھے۔یہ وہ آیات ہیں جن میں یا تو صراحتاً سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا سجدہ نہ کرنے اور طاعت اختیار نہ کرنے پر اقوام ماضیہ کے تکبر ونخوت کی مذمت کی گئی ہے، اس لیے ان سرکش اقوام کی مخالفت کے لیے خصوصی طور پر ان آیات کی تلاوت کے وقت سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔(۱)

سجدۂ تلاوت کا معنیٰ اور وجہ تسمیہ:

تلاوت مصدر ہے،جس کا معنی ہے''قرآن کریم پڑھنا''۔سجدہ کی اضافت تلاوت کی طرف''اضافة الحكم الى سببه'' کے قبیل سے ہے، اس لیے کہ تلاوت ہی مذکورہ سجدے کا اصل سبب ہے۔سماع (سننا) اور ائتمام (کسی امام کی اقتدا کرنا) بھی تب سبب بنتے ہیں جب تلاوت کی جائے۔تلاوت کے بغیر سماع یا ائتمام کا وجود ناممکن ہے۔(۲)

سجدۂ تلاوت کا حکم اور مشروعیت:

حنفیہ کے ہاں سجدۂ تلاوت واجب ہے، جس کا وجوب دراصل نبی کریم ﷺ کے قول وفعل سے ثابت ہے۔علامہ کاسانیؒ نے قرآنِ کریم کی ان آیات سے بھی وجوب پر استدلال کیا ہے جن میں سجدہ کرنے کا حکم یا سجدہ نہ کرنے پر اقوامِ ماضیہ کی مذمت بیان کی گئی ہے۔اسی طرح حضرت عثمانؓ،علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ جیسے اساطینِ علم کا فرمان ہے:

"السجدة على من تلاها وعلى من سمعها وعلى من جلس لها".

سجدۂ تلاوت تلاوت پڑھنے والے، سننے والے اور سننے کے لیے بیٹھنے والے پر واجب ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في سجدة التلاوة:۱/۷۲۸

(۲) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب سجود التلاوة، ص:۳۹۰

ائمہ ثلاثہ کے ہاں اس کا حکم استحباب یا سنت کا ہے، وجوب کا نہیں۔(۱)

سجدۂ تلاوت کا رکن:

سجدۂ تلاوت کا رکن یہ ہے کہ جس ہیئت کے ساتھ نماز میں سجدہ ادا کیا جاتا ہے اس ہیئت کے ساتھ ایک سجدہ ادا کیا جائے، تاہم نماز کے دوران سجدۂ تلاوت پڑھنے کے فوراً بعد رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کی جائے تب بھی جائز ہے۔اسی طرح مریض کے لیے اشارہ کے ذریعے سجدۂ تلاوت ادا کرنا بھی درست ہے۔(۲)

سجدۂ تلاوت علی الفور واجب ہے یا علی التراخی:

اگر آیتِ سجدہ کی تلاوت نماز کے اندر کی گئی ہو تو فی الفور سجدہ واجب ہے۔اگر تین آیات پڑھنے یا ایک رکن ادا کرنے کے بقدر یا مبتلیٰ بہ کی رائے کے مطابق طوالتِ قرأت کی وجہ سے سجدہ کو تلاوت سے مؤخر کر دیا تو تاخیرِ واجب کی وجہ سے عالمگیری اور علامہ کاسانیؒ کے ہاں سجدہ سہو لازم ہوگا۔جب کہ کچھ فقہاء کے ہاں اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا اور اگر نماز کے اندر بالکل ادا ہی نہ کیا گیا تو اب اس کی کوئی قضا نہیں۔

مذکورہ صورت میں اگر تاخیر کے بعد رکوع یا نماز کے اپنے سجدے میں تلاوت کی نیت کر لی گئی تو یہ کافی نہیں، اس لیے کہ تاخیر کی وجہ سے اب رکوع یا نماز کا ذاتی سجدہ، سجدۂ تلاوت کا قائم مقام نہیں بن سکتا۔

اور اگر نماز سے باہر آیتِ سجدہ کی تلاوت کی گئی تو کسی بھی وقت ادا کرنے کی گنجائش ہے، تاہم اگر تلاوت کا وقت مکروہ اوقات میں سے نہ ہو تو تاخیر کرنا مناسب نہیں، اس لیے کہ زیادہ وقت گزرنے کی وجہ سے بھولنے کا خدشہ بہر صورت پایا جاتا ہے۔(۳)

سجدۂ تلاوت کے لیے مخصوص آیات:

حنفیہ کے ہاں قرآنِ کریم میں چودہ آیات ایسی ہیں جن کے پڑھنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے۔سورتوں اور آیتوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوة،فصل في سجدة التلاوة:۱/۷۲۸

(۲) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، کتاب الصلوة،باب سجود التلاوة،ص:۳۹۰

(۳) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي،باب سجود التلاوة،ص:۳۹۱،۳۹۷،الفتاوى الهندية،الباب الثاني عشر في سجود السهو:۱/۱۲۶،۱۲۷،بدائع الصنائع، کتاب الصلوة،فصل في بيان كيفية وجوبها:۱/۷۲۹فصل في بيان وقت أدائها:۱/۷۵۲

(۱) الاعراف آیت:۲۰۶ (۲) الرعد آیت:۱۵ (۳) النحل آیت:۵۰ (۴) الاسراء آیت:۱۰۹ (۵) مریم آیت:۵۸ (۶) الحج آیت:۱۸ (۷) الفرقان آیت:۶۰ (۸) النمل:۲۶ (۹) السجدۃ آیت:۱۵ (۱۰) ص آیت:۲۴ (۱۱) حم السجدۃ آیت:۳۸ (۱۲) النجم آیت:۶۲ (۱۳) الانشقاق آیت:۲۱ (۱۴) العلق آیت:۱۹۔ حنفیہ کے ہاں سورۂ حج کا دوسرا سجدہ واجب نہیں، تاہم اگر کسی نے اختلاف سے بچنے کے لیے احتیاطاً پڑھ لیا تو قابلِ ثواب ہے، اس لیے کہ عمرو بن العاصؓ کی روایت میں رسول اکرم ﷺ سے پندرہ سجدوں کا پڑھنا بھی ثابت ہے۔ (۱)

سجدۂ تلاوت کے اسباب:

حنفیہ کے ہاں سجدۂ تلاوت واجب ہونے کے تین اسباب ہیں: (۱) آیتِ سجدہ کی تلاوت (۲) آیتِ سجدہ کا سماع یعنی سننا (۳) ائتمام، یعنی آیتِ سجدہ پڑھنے والے امام کی اقتدا کرنا۔ ان میں سے ہر ایک کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ (۲)

(۱) تلاوت:

تلاوت سے مراد ان حروف کا پڑھنا ہے جن میں خصوصی طور پر سجدہ کا حکم بیان کیا گیا ہو، تاہم محض حروفِ سجدہ یا کلماتِ سجدہ پڑھنا حنفیہ کے راجح قول کے مطابق وجوب کے لیے کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ آگے والا یا بعد والا کلمہ نہ ملایا جائے، یعنی اتنی تلاوت کی جائے کہ کلماتِ سجدہ کو ساتھ ملا کر نصف آیت سے زیادہ ہو جائے۔ (۳)

حنفیہ کے ہاں تلاوت کے لیے چند مزید شرائط بھی ہیں جن کے بغیر سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔

(۱) تلاوت ایسے شخص سے صادر ہو جو عقل وتمیز رکھنے والا ہو، کوئی پرندہ، دیوانہ یا غیر ممیز بچہ نہ ہو۔ (۴)

---

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب سجود التلاوة، ص:۳۹۲-۳۹۴، الفتاوى الهندية، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/۱۳۴

(۲) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب سجود التلاوة: ۲/۵۷۷، بدائع الصنائع، فصل في سبب وجوب سجدة التلاوة: ۱/۷۳۰

(۳) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب سجود التلاوة، ص:۳۹۱، ۳۹۲، الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب سجود التلاوة: ۲/۵۷۵

(۴) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من تجب عليه: ۱/۷۴۲، ردالمحتار على الدر المختار، باب سجود التلاوة: ۲/۵۷۷

(۲) نطق وتکلم پر قادر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اتنی بلند آواز میں تلاوت کرے جس کو وہ عام حالات میں خود سن سکے یا انتہائی قریبی شخص عوارض اور رکاوٹوں کی غیر موجودگی میں اس کو سن سکے، البتہ نطق وتکلم سے عاجز شخص کے لیے محض تصحیح حروف اور خفیہ تلاوت بھی کافی ہے۔(۱)

(۳) اگر تلاوت نماز کے اندر ہو تو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ آیتِ سجدہ قرأت کے مخصوص وقت (قیام) میں پڑھی جائے، رکوع، سجدہ، تشہد، قومہ اور جلسہ وغیرہ میں آیتِ سجدہ پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا، اس لیے کہ ان مواقع میں تلاوت کرنا ممنوع ہے، لہٰذا فقہی قاعدہ "تصرف المحجور لا حکم له" کی رو سے اس پر سجدہ کا حکم مرتب نہیں ہوتا، تاہم علامہ شامی نے علامہ مرغینانیؒ سے ان صورتوں میں بھی وجوب نقل کر کے دلائل کے ذریعے اس کو ترجیح دی ہے۔(۲)

(۴) تلاوت کرنے والا مقتدی نہ ہو، اس لیے کہ مقتدی کی تلاوت سے نہ تو خود اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے اور نہ اس کے امام وقوم پر۔(۳)

(۲) سماع یعنی سننا:

سجدۂ تلاوت واجب ہونے کا دوسرا سبب آیتِ سجدہ کا سننا ہے، لہٰذا اگر کسی مجلس میں زور سے تلاوت ہو رہی ہو اور کوئی شخص کسی بھی وجہ سے آیت سجدہ کو نہ سن سکے تو اس پر سجدہ واجب نہیں۔(۴)

اگر کوئی شخص فارسی میں تلاوت کر رہا ہو تو تلاوت کرنے والے پر امام ابوحنیفہؒ کے ہاں سجدہ سہو واجب ہے۔ صاحبین سے اس بارے میں اختلاف ثابت نہیں، تاہم فارسی میں آیت سجدہ سننے والے کے بارے میں امام صاحب کا قول یہ ہے کہ سننے والے پر بھی سجدہ سہو واجب ہوگا چاہے وہ اس کو سمجھ رہا ہو یا نہیں، بشرط یہ کہ کوئی اس کو یہ بتادے کہ یہ آیت سجدہ ہے۔ صاحبین کے ہاں اگر وہ اس فارسی کا مطلب سمجھ رہا ہو تو واجب ہے ورنہ نہیں۔ علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے

---

(۱) الفتاوی الهندیة، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة: ۱/۱۳۲، ردالمحتار علی الدرالمختار، باب سجود التلاوة: ۲/۵۷۷

(۲) مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، کتاب الصلوة، باب سجود التلاوة، ص: ۳۹۱، ردالمحتار علی الدرالمختار، باب سجود التلاوة: ۲/۵۷۸، ۵۷۹

(۳) الفتاوی الهندیة، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة: ۱/۱۳۳، ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب سجود التلاوة: ۲/۵۷۸

(٤) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب سجود التلاوة: ۲/۵۷۶، ۵۷۷

کہ امام ابوحنیفہؒ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا۔

عربی میں تلاوت سننے سے مطلقاً سجدہ واجب ہوتا ہے چاہے سننے کا ارادہ ہو یا نہ ہو اور چاہے یہ علم ہو کہ یہ قرآن کی تلاوت ہے یا نہیں اور چاہے اس کو سمجھ رہا ہو یا نہیں۔ علامہ شرنبلالیؒ اور علامہ شامیؒ نے بعض فقہا سے نقل کیا ہے کہ خالص عجمی، جو ابھی اسلام لایا ہو اور اس کو ابھی تک احکام معلوم نہ ہوں، اس کو اس قاعدے سے مستثنیٰ کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔(۱)

(۳) ائتمام، یعنی آیتِ سجدہ پڑھنے والے امام کی اقتدا:

اگر امام آیت سجدہ کی تلاوت کرلے تو مقتدی پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے، چاہے اس نے آیتِ سجدہ کو سنا ہو یا نہیں اور چاہے وہ آیتِ سجدہ پڑھتے وقت امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو یا بعد میں آیا ہو اور چاہے نماز میں قرأت جہر کے ساتھ ہو یا سر، یعنی پوشیدگی کے ساتھ، تاہم پوشیدہ نمازوں میں امام کے لیے آیتِ سجدہ پڑھنے سے احتراز کرنا بہتر ہے۔(۲)

اگر کسی شخص نے نماز سے باہر آیتِ سجدہ سنا، لیکن فوراً امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوگیا تو امام کے ساتھ ہی سجدہ کرلے، تاہم اگر امام کے ساتھ شریک ہونے سے پہلے پہلے امام نے سجدۂ تلاوت ادا کرلیا تو ایسی صورت میں اگر مقتدی اسی رکعت کے اندر ہی امام کی اقتدا کرلے تو الگ سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ اگر وہ رکعت فوت ہوجائے تو اب نماز سے فارغ ہونے کے بعد مقتدی وہ سجدہ الگ ادا کرے اور اگر سرے سے جماعت میں شریک ہی نہ ہوسکا تب بھی سجدہ ادا کرنا اس پر واجب رہے گا۔(۳)

سجدۂ تلاوت کس پر واجب ہے؟

تلاوت کی وجہ سے سجدۂ تلاوت کا وجوب ہر اس شخص پر ہے جو ادا یا قضا کی صورت میں نماز پڑھنے کی اہلیت

---

(۱) حاشية الطحطاوي علی مراقي الفلاح، باب سجود التلاوة، ص: ۳۹۵،۳۹۴، رد المحتار علی الدر المختار، باب سجود التلاوة: ۲/۵۷۷

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب سجود التلاوة: ۲/۵۷۸،۵۷۷، الفتاوى الهندية، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/۱۳۳

(۳) مراقي الفلاح، باب سجود التلاوة، ص: ۴۰۲،۴۰۱، الفتاوى الهندية، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/۱۳۳

رکھتا ہو، لہٰذا کافر، بچے، مجنون، حائضہ اور نافسہ پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔ یہی شرائط سننے والے کے حق میں بھی معتبر ہیں۔ بے وضو اور جنبی شخص کی تلاوت سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ دونوں نماز کے اہل اور مکلّف ہیں۔ سننے والے شخص کے لیے ذاتی طور پر مکلّف ہونا تو ضروری ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ جس سے سن رہا ہو وہ بھی مکلّف ہو بلکہ آیتِ سجدہ پر صحیح تکلم اور کسی بھی درجے میں درست تلاوت سننا وجوب کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح سوئے ہوئے شخص یا نشہ والے شخص سے آیتِ سجدہ سننا بھی موجبِ سجدہ ہے، بلکہ نشہ والے اور سوئے ہوئے شخص کو اگر بعد میں یہ پتہ چل جائے کہ انہوں نے آیتِ سجدہ کی صحیح تلاوت کی ہے تو ان پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔

بے سمجھ بچے، پرندے (طوطے، مینا یا بندر وغیرہ) یا بازگشت اور گونج سے سنی جانے والی تلاوت سے سجدۂ تلاوت لازم نہیں ہوتا۔ موجودہ دور میں ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ اور ٹی وی وغیرہ کے ذریعے سنی جانے والی تلاوت کا بھی یہی حکم ہے، البتہ اگر یہ پروگرام براہِ راست نشر ہو رہے ہوں تو پھر اس کے سننے سے سجدۂ تلاوت واجب رہے گا۔ علامہ شرنبلالیؒ نے شیخ الاسلام سے نقل کیا ہے کہ مجنون اور نائم، یعنی سویا ہوا شخص بھی اس حکم میں داخل ہے، یعنی ان سے سنی ہوئی تلاوت موجبِ سجدہ نہیں ہونی چاہئے، علامہ کاسانی نے مجنون کا حکم یہی ذکر کیا ہے، تاہم علامہ حصکفیؒ نے جنون مطبق اور غیر مطبق میں فرق ذکر کیا ہے۔

دوسری طرف علامہ شامی نے جوھرہ سے نقل کیا ہے کہ مجنون، بے ہوش اور سوئے ہوئے شخص کی تلاوت سے سجدۂ تلاوت لازم نہیں آتا۔ قرآنِ مجید کی تلاوت اور سجدۂ تلاوت کی عظمت کو دیکھتے ہوئے یہی قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ غیر ممیز بچے، پرندے، بازگشت اور مجنون و نائم میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ یہ سب کے سب درست تلاوت اور تلفظ کے اہل نہیں اور نہ ہی دورانِ جنون و بے ہوشی یا بحالتِ نیند ان کے بڑبڑانے کو تلاوت کہا جاسکتا ہے، حالانکہ حنفیہ کے ہاں عرف میں جس چیز کو تلاوت کہنا درست نہ ہو اس سے سجدۂ تلاوت لازم نہیں آتا، جیسے آیتِ سجدہ لکھنا یا اس کے ہجے کرنا اور ایک ایک حرف بولنا موجبِ سجدہ نہیں۔ (۱)

سجدۂ تلاوت کو نماز کے رکوع یا سجدہ میں ادا کرنے کا حکم:

اگر نماز کے اندر آیتِ سجدہ کی تلاوت کی گئی تو حنفیہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت کو رکوع کے ضمن میں ادا کرنا بھی

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب سجود التلاوۃ: ۲/ ۵۸۰۔۵۸۳، الفتاوی الھندیۃ، الباب الثالث عشر في سجود التلاوۃ: ۱/ ۱۳۲، ۱۳۳، مراقي الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوي، باب سجود التلاوۃ: ۳۹۴، ۳۹۵، بدائع الصنائع، فصل في بیان من تجب علیہ: ۱/ ۷۴۲

درست ہے، تاہم اس کے لیے دو شرائط ہیں۔

(۱) رکوع کے ضمن میں سجدۂ تلاوت ادا کرنے کی نیت موجود ہو اور یہ نیت رکوع کرنے سے پہلے پہلے ہو۔ رکوع کے دوران یا رکوع کے بعد کی گئی نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ مقتدی بھی رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلے، اگر مقتدی کی نیت نہ ہو تو رکوع کرنا اس کے لیے کافی نہیں، بلکہ نماز ختم ہونے کے بعد جب امام سلام پھیر لے تو مقتدی سلام پھیرنے کی بجائے اولاً سجدۂ تلاوت ادا کرلے پھر دوبارہ قعدہ اخیرہ اور تشہد وغیرہ ادا کرنے کے بعد سلام پھیر لے۔(۱)

(۲) آیتِ سجدہ کی تلاوت کے فوراً بعد رکوع کیا جائے۔ آیتِ سجدہ پر ایک، دو یا تین آیات کی زیادت کو فقہائے کرام نے رخصت قرار دیا ہے، تاہم اگر تین آیات سے زیادہ ہو جائے تو اب رکوع کے ضمن میں سجدہ کرنا جائز نہیں۔

علامہ شرنبلالیؒ فرماتے ہیں کہ ہجوم اور ازدحام کے وقت امام کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ رکوع یا سجدے میں سجدۂ تلاوت ادا کرے۔(۲)

تکرارِ تلاوت، تکرارِ سماع یا اجتماعِ تلاوت و سماع کا حکم:

اگر سجدۂ تلاوت کے وجوب کے اسباب متعدد ہو جائیں، یعنی کوئی شخص بار بار آیتِ سجدہ کی تلاوت کرلے یا بار بار آیتِ سجدہ سن لے یا تلاوت بھی کرلے اور کسی عاقل شخص سے سن بھی لے تو ان صورتوں میں سجدۂ تلاوت کے تعدد کے لیے علامہ کاسانیؒ نے ایک بہترین اصول ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت تین چیزوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے کی وجہ سے متکرر رہتا ہے۔

(۱) مجلس کا اختلاف: یعنی مختلف مجلسوں میں ایک ہی آیت کے بار بار پڑھنے یا سننے سے سجدۂ تلاوت بھی بار بار واجب ہوتا رہے گا۔

(۲) تلاوت کا اختلاف: یعنی سجدہ کی مختلف آیات کی تلاوت (چاہے ایک مجلس ہی میں کیوں نہ ہو) تعدد سجدہ کا سبب ہے۔

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب سجود التلاوۃ: ۲/۵۸۷، الفتاوی الهندیة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوۃ: ۱/۱۳۳، ۱۳۴

(۲) مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، باب سجود التلاوۃ، ص: ۳۹۷، الفتاوی الهندیة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوۃ: ۱/۱۳۳، ۱۳۴، الدرالمختار، باب سجود التلاوۃ: ۲/۵۷۶، ۵۷۷

(۳) سماع کا اختلاف: یعنی سجدہ کی مختلف آیات کا سننا (چاہے ایک مجلس ہی میں کیوں نہ ہو) بھی تعدد سجدہ کا سبب ہے۔

مجلس سے کیا مراد ہے؟

فقہائے کرام کے ہاں آیتِ سجدہ کی تلاوت یا سننے کے بعد اگر کوئی شخص اسی جگہ موجود رہے تو زیادہ وقت گزرنے، معمولی کھانے پینے، کھڑے ہونے یا بیٹھ جانے، عام راستے میں دو تین قدم چلنے پھرنے، کمرے یا مسجد کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں آنے جانے، تسبیح وتہلیل اور تلاوت کرنے، اپنی جگہ میں سواری پر بیٹھ جانے یا سواری سے اترنے (بشرطیکہ سوار ہونے یا اترنے کے مابین تین قدم سے زیادہ نہ چلے) جیسے افعال کے ارتکاب سے مجلس ایک ہی رہے گی، اگرچہ کوئی شخص اپنے قول کے ذریعے مجلس سے اعراض کردے، یعنی یہ کہہ دے کہ اب میں مزید تلاوت نہیں کروں گا۔اس کے برعکس عملِ کثیر، زیادہ کھانا پینا، گہری نیند، بیع وشراء، راستے پر چلنا پھرنا وغیرہ مجلس کو توڑ دیتے ہیں۔ کشتی میں سفر کے دوران تلاوت کرنا ایک ہی مجلس شمار ہوتی ہے، چاہے تلاوت نماز میں ہو یا نماز سے باہر، تاہم کشتی کے علاوہ سواریوں پر نماز کے دوران تلاوت کرنا تو ایک مجلس شمار ہوگا، لیکن نماز کے بغیر مجلس متعدد رہے گی۔(۱)

سجدۂ تلاوت پڑھنے کا طریقہ:

نماز کے اندر سجدۂ تلاوت ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آیتِ سجدہ پڑھنے کے فوراً بعد بلند آواز سے تکبیر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھائے بغیر ہی سجدہ میں چلا جائے۔سجدے میں تین بار تسبیحات پڑھنے کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے اُٹھے۔یہی طریقہ نماز سے باہر سجدہ پڑھنے کا بھی ہے، البتہ سجدۂ تلاوت کے لیے دورانِ نماز زبان سے تلفظ کرتے ہوئے نیت کرنا جائز نہیں اور نماز سے باہر جائز ہے۔سجدۂ تلاوت چاہے نماز کے اندر ہو یا باہر، اس میں نہ تو ہاتھ اٹھانا ہے، نہ سجدہ کے بعد تشہد پڑھنا ہے اور نہ ہی سلام پھیرنا ہے، اس لیے کہ سجدۂ تلاوت بس اسی ایک ہی سجدے کا نام ہے۔(۲)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل في سبب وجوب سجدۃ التلاوۃ: ۱/۷۳۱_۷۳۵، الفتاوی الهندیة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوۃ: ۱/۱۳٤

(۲) مراقي الفلاح علی صدر حاشیة الطحطاوي، باب سجود التلاوۃ، ص: ٤۰۷، الدر المختار مع رد المحتار، باب سجود التلاوۃ: ۲/۵۸۰

سجدۂ تلاوت کی سنتیں:

(۱) سجدۂ تلاوت کی ادائیگی سے پہلے اور بعد، دونوں صورتوں میں کھڑا ہونا، اگر چہ سجدے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔
(۲) سجدۂ تلاوت سے پہلے اور بعد میں تکبیر، یعنی اللہ اکبر پڑھنا
(۳) سجدۂ تلاوت کی تکبیرات زور سے پڑھنا
(۴) سجدۂ تلاوت میں نماز کے سجدوں کی طرح تسبیحات پڑھنا
(۵) سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کے لیے سواری سے اتر کر زمین پر ادا کرنا
(۶) نماز سے باہر آیتِ سجدہ میں جماعت کا حکم:

حنفیہ کے ہاں اگر کوئی شخص نماز سے باہر سجدۂ تلاوت پڑھ لے اور لوگ اس کو سن لیں تو سنت یہ ہے کہ پڑھنے والا ہی آگے ہو جائے اور دوسرے لوگ اس کے پیچھے صف باندھ کر ایک ساتھ سجدۂ تلاوت ادا کر لیں، تاہم مسنون یہ ہے کہ پڑھنے والا پہلے سجدہ کرلے اور سننے والے اس کے بعد سجدہ ادا کر لیں۔ مذکورہ فعل نہ تو جماعت ہے اور نہ اقتدا، بلکہ محض سنت ہے، لہٰذا امام سے آگے کھڑا ہونا، صفیں نہ بنانا، امام سے پہلے سجدے میں جانا یا سر اٹھانا سب کچھ جائز ہے۔(۱)

چند متفرق احکام:

(۱) تلاوت کے دوران آیتِ سجدہ کو پست آواز میں پڑھنا مستحب ہے، تاہم اگر لوگ آیتِ سجدہ سننے کے لیے تیار ہوں یا ان کو سننے کا شوق ہو تو جہر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ علامہ شرنبلالیؒ فرماتے ہیں کہ: ’’آیتِ سجدہ کی تلاوت کے دوران خود کو بتکلف مصروف کرنے والے شخص پر زجراً سجدۂ تلاوت واجب ہے اگر چہ وہ آیتِ سجدہ نہ سن لے‘‘۔
(۲) آیتِ سجدہ کو چھوڑ کر بقیہ سورت یا رکوع کی تلاوت مکروہ ہے، البتہ بقیہ سورت یا رکوع کے بغیر آیتِ سجدہ کی تلاوت جائز ہے، تاہم فضیلت وعدمِ فضیلت کی بحث سے بچنے کے لیے مکمل رکوع یا سورت کی تلاوت زیادہ افضل ہے۔(۲)

---

(۱) مراقي الفلاح على صدر حاشية الطحطاوي، باب سجود التلاوة، ص:٤٠٦، ٤٠٧، الدر المختار مع رد المحتار، باب سجود التلاوة:٢/ ٥٨٠، بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في سنن السجود:١/ ٧٥٣، ٧٥٤

(٢) مراقي الفلاح على صدر حاشية الطحطاوي، باب سجود التلاوة، ص:٤٠٦، الدر المختار مع رد المحتار، باب سجود التلاوة:٢/ ٥٩٥، ٥٩٦

(۳) جو سجدہ نماز سے باہر واجب ہو جائے اس کو نماز میں ادا کرنا جائز نہیں، البتہ نماز سے باہر کسی بھی جائز وقت میں اس کی ادائیگی درست ہے۔ جو سجدہ نماز میں واجب ہو جائے اس کو نماز سے باہر یا کسی دوسری نماز میں ادا کرنا جائز نہیں۔ نماز کا سجدہ اسی نماز کے اندر ادا ہو سکتا ہے۔ اسی نماز سے فراغت کے بعد سجدہ ساقط ہو جاتا ہے، لہٰذا واجب چھوڑنے کی وجہ سے نمازی پر توبہ واستغفار لازم ہے۔

(۴) نماز کے دوران اگر مقتدی زور سے آیتِ سجدہ پڑھ لے اور اس کا امام اور دوسرے مقتدی اس کو سن لیں تو ان میں سے کسی پر بھی سجدہ واجب نہیں، نہ تو نماز کے اندر اور نہ نماز سے باہر، البتہ اگر کوئی خارجی شخص سن لے تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

(۵) اگر امام یا اس کے مقتدی نماز کے دوران کسی خارجی شخص سے آیتِ سجدہ سن لیں تو ان پر سجدہ واجب ہو جائے گا، تاہم اس سجدے کی ادائیگی اس نماز میں جائز نہیں، البتہ اگر ادا کر لیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی، لیکن سجدہ بھی ادا نہیں ہوگا، بلکہ بعد میں دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔(۱)

(۶) نماز کے دوران سجدۂ تلاوت ادا کرنے کے بعد مناسب یہ ہے کہ کھڑے ہو جانے کے فوراً بعد رکوع میں نہ جائے، بلکہ کم از کم دو تین آیات پڑھ کر رکوع کرلے۔ سجدۂ تلاوت کے بعد فوراً رکوع کرنا فقہا کے ہاں مکروہ ہے۔(۲)

(۷) سری نمازوں میں امام کے لیے آیاتِ سجدہ کی تلاوت مکروہ ہے، اس لیے کہ ایسی صورت میں اگر وہ سجدۂ تلاوت ادا کرنا چاہے تو مقتدی اس کو امام کی لغزش سمجھ کر اس کو لقمے دینا شروع کریں گے جو نماز میں انتشار کا ذریعہ ہے۔(۳)

سجدۂ شکر:

سجدۂ شکر امام ابوحنیفہؒ کے ہاں کوئی مسنون عمل نہیں، تاہم صاحبین کے ہاں یہ ایک مستحب عمل ہے جو نبی کریم ﷺ سے بھی مختلف مواقع پر ثابت ہے، مثلاً: ابوجہل کا کٹا ہوا سر دیکھ کر آپ ﷺ نے کئی مرتبہ سجدۂ شکر ادا کیا۔ اسی طرح ایک اور روایت سے بھی یہ ثابت ہے کہ جب حضور ﷺ کو کوئی خوش کن بات پیش آتی تو سجدہ ریز ہو جاتے۔ اسی طرح

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في محل ادائها: ۱/۷۴۴، ۷۴۵

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في کیفیة أدائها: ۱/۷۴۷، مراقي الفلاح علی الطحطاوي، باب سجود التلاوة، ص: ۳۹۶

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في سنن السجود: ۱/۷۵۴

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسیلمہ کذاب کے قتل اور فتح یمامہ کے موقع پر بھی سجدۂ شکر ادا کیا تھا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ جیسے اکابر صحابہؓ نے بھی مختلف مواقع پر سجدۂ شکر ادا کیا ہے، لہٰذا حنفیہ کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق یہ ایک مستحب فعل ہے، جس پر عمل کرنے سے کسی کو منع کرنا مناسب نہیں۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت حاصل ہو، بچہ پیدا ہو، مال و اسباب میں اضافہ ہو، گم شدہ چیز مل جائے، بیماری سے صحت مل جائے، دشمن سے حفاظت یا اس پر فتح نصیب ہو تو ایسے مواقع پر سجدۂ شکر بجالانا چاہیے کہ اس میں عاجزی اور بندگی کا اظہار ہے۔

سجدۂ شکر کا طریقہ بالکل وہی ہے جو سجدۂ تلاوت کا ہے۔ اسی طرح اس کے لیے شرائط وغیرہ بھی وہی ہیں جو سجدۂ تلاوت کے لیے ہیں، البتہ فقہائے کرام نے بلا کسی سبب کے فرض نمازوں یا وتر کے بعد اس کی ادائیگی کو مکروہ کہا ہے، اس لیے کہ کسی مباح یا مستحب عمل کو ایسا رنگ دینا، جس سے عوام الناس اس کو سنت، واجب یا فرض سمجھنے لگیں، مکروہِ تحریمی ہے۔ اسی طرح بلا کسی سبب کے دوسرے اوقات میں اس پر مداومت کرنا بھی مکروہ ہے۔ جن فرض نمازوں کے بعد نفل نمازیں مکروہ ہیں، ان کے بعد سجدۂ شکر بھی مکروہ ہے۔ (۱)

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوۃ، باب سجود التلاوۃ، مطلب في سجدۃ الشکر: ۲/۵۹۷، ۵۹۸،

مراقي الفلاح مع الطحطاوي، کتاب الصلوۃ، باب سجود التلاوۃ، فصل سجدۃ الشکر............ص: ۴۰۸،

الفتاوی الهندیة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوۃ، وممایتصل بذلك مسائل: ۱/۱۳۵، ۱۳۶

باب سجدة التلاوة

(سجدۂ تلاوت کا بیان)

ایک مجلس میں متعدد افراد کا سجدہ والی آیت پڑھنا

سوال نمبر (275):

ایک مجلس میں متعدد افراد بیٹھے ہوں، ایک آدمی آیتِ سجدہ پڑھ لے تو سجدۂ تلاوت واجب ہوا، پھر اگر اسی مجلس میں یہی آیت کوئی اور آدمی دوبارہ پڑھ لے تو کیا پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر دوبارہ سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر مجلس ایک ہو تو آیتِ سجدہ کے تکرار سے صرف ایک سجدہ واجب ہوگا، اگر چہ ایک دفعہ خود پڑھے اور دوسری دفعہ کسی اور سے سنے اور تمام سننے والوں پر ایک ہی سجدہ واجب ہوگا، لیکن مجلس یا آیت بدل جانے سے تکرارِ تلاوت کی وجہ سے سجدہ بھی مکرر واجب ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وأشار إلى أنه متى اتحدت الآية والمجلس لا يتكرر الوجوب، وإن اجتمع التلاوة والسماع ولو من جماعة.(۱)

ترجمہ:

اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جب آیت اور مجلس ایک ہو تو دوبارہ سجدہ واجب نہ ہوگا، اگر چہ تلاوت اور سننا دونوں جمع ہو جائیں اور اگر چہ پڑھنے والے متعدد ہوں۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب سجود التلاوة ۵۹۱/۲

نامعلوم سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کا طریقہ

سوال نمبر(276):

اگر کسی کے ذمے متعدد سجدے واجب ہوگئے ہوں جن کی تعداد معلوم نہ ہو تو ان کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہے؟ اگر ادا کیے بغیر مرجائے تو کفارے کی کیا صورت ہوگی؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

آیتِ سجدہ پڑھنے یا سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوجاتا ہے۔ جو سجدۂ تلاوت نماز کے باہر واجب ہوجائے، وہ تاخیر کے ساتھ بھی ادا ہوسکتا ہے، لیکن تاخیر مکروہِ تنزیہی ہے، یعنی زندگی میں جب بھی ادا کرے گا تو ادائیگی درست ہوگی، البتہ فوری ادائیگی افضل ہے۔ اس میں قضا کا تصور نہیں، جب بھی ادا کرے گا، ادا ہی کہلائے گا۔

اگر کسی شخص پر نامعلوم تعداد میں سجدۂ تلاوت واجب ہوگئے ہوں تو اندازہ لگا کر ادا کرے۔ اگر آخری دم تک ادا نہ کرسکا تو گنہگار رہوگا۔ موت کے بعد اس کا کوئی کفارہ وغیرہ نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(وهي على التراخي) على المختار ويكره تأخيرها تنزيها، ويكفيه أن يسجد عدد ما عليه بلا تعيين ويكون مؤديا. (١)

ترجمہ:

مختار قول کے مطابق یہ واجب علی التراخی ہے، تاہم تاخیر کرنا مکروہِ تنزیہی ہے۔ (اور جس شخص پر بلا تعیین زیادہ سجدے واجب ہوں تو) اس کے لیے کافی ہے کہ واجب شدہ سجدوں کے بقدر بغیر تعیین کے سجدے کرے اور (تاخیر کے باوجود یہ شخص ان سجدوں کو) ادا کرنے والا شمار ہوگا (نہ کہ قضا لانے والا)۔

(١) الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلوة، باب سجود التلاوة: ٥٨٣/٢

سجدۂ تلاوت کے وجوب کا سبب

سوال نمبر (277):

سجدۂ تلاوت کا حکم اوراس کے وجوب کا سبب کیا ہے؟ یعنی کن امور سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

احناف کے نزدیک سجدۂ تلاوت واجب ہے۔اس کے واجب ہونے کے تین اسباب ہیں:

(۱) آیتِ سجدہ کی تلاوت کرنا،

(۲) آیتِ سجدہ کا سماع، یعنی سننا،

(۳) ائتمام، یعنی آیتِ سجدہ پڑھنے والے امام کی اقتدا کرنا،

مذکورہ بالا اسباب میں سے کوئی بھی سبب پایا جائے تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

والسجدة واجبة في هذه المواضع على التالي والسامع.(۱)

ترجمہ:

ان جگہوں میں تلاوت کرنے والے اور سننے والے ہر ایک پر سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

وذكر في المجتبىٰ أن الموجب للسجدة أحد ثلثة: التلاوة، والسماع، والائتمام.(۲)

ترجمہ:

اور مجتبیٰ میں ذکر کیا گیا ہے کہ سجدۂ تلاوت تین چیزوں میں سے کسی ایک سے واجب ہوتی ہے: تلاوت، سماع، یعنی سننا اور (سجدۂ تلاوت کرنے والے امام کی) اقتدا۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/۱۳۲

(۲) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب سجود التلاوة: ۲/۵۷۷

ایک نماز میں ایک ہی آیتِ سجدہ دوبار پڑھنا

سوال نمبر(278):

اگر کوئی شخص ایک رکعت میں آیتِ سجدہ پڑھ لینے کے بعد سجدۂ تلاوت کرلے، پھر اسی رکعت میں وہی آیتِ سجدہ دوبارہ پڑھ لے تو اس شخص پر دوبارہ سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ایک رکعت میں ایک مرتبہ سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد وہی سجدہ والی آیت دوبارہ پڑھنے سے دوسرا سجدۂ تلاوت لازم نہیں آتا، اس لیے کہ نماز بمنزلہ ایک مجلس کے ہے اور آیتِ سجدہ بھی وہی ہے، جب آیت اور مجلس میں اتحاد ہو تو پھر سجدۂ تلاوت مکرر واجب نہیں ہوتا۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب کوئی دوسری آیتِ سجدہ پڑھی جائے یا وہی آیت دوسری رکعت میں پڑھی جائے، ان صورتوں میں آیتِ سجدہ اور مجلس ایک نہ ہونے کی وجہ سے دوسرا سجدہ کرنا واجب ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولو تلاها في ركعة فسجدها ثم أعادها في تلك الركعة لا تجب ثانياً.(١)

ترجمہ:

ایک رکعت میں آیتِ سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ کیا، پھر اسی رکعت میں دوبارہ یہی آیت پڑھی تو دوبارہ سجدہ واجب نہیں ہوگا۔

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة:١/١٣٥

ریڈیو، ٹی وی، کیسٹ وغیرہ سے آیتِ سجدہ سننے پر سجدۂ تلاوت

سوال نمبر(279):

ریڈیو، ٹی وی اور کیسٹ سے تلاوت سننے کے دوران اگر آیتِ سجدہ سنی جائے تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سجدۂ تلاوت کے وجوب کے لئے صحیح تلاوت کا سننا شرط ہے۔صحیح تلاوت سے مراد یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا ایسا شخص ہو جو تلاوت میں غلطی اور درستگی کی تمیز رکھتا ہو۔اس قاعدے کی روشنی میں اگر ریڈیو یا ٹی وی سے براہِ راست پروگرام نشر ہورہا ہو تو پھر آیتِ سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوگا اور اگر براہِ راست نہ ہو، بلکہ ریکارڈ شدہ تلاوت نشر کی جارہی ہو تو پھر صحیح تلاوت کے زمرے میں داخل نہ ہونے کی وجہ سے اس تلاوت سے سجدہ واجب نہ ہوگا، لیکن احتیاطاً کرلینا بہتر اور اولیٰ ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قوله:(فالسبب التلاوة)أي التلاوة الصحيحة،وهي الصادرة ممن له أهلية التمييز.(١)

ترجمہ:

سجدۂ تلاوت کے لیے سبب صحیح تلاوت ہے اور صحیح تلاوت وہ ہے جس کا کرنے والا شخص صاحب تمیز ہو۔

❁❁❁❁❁

---

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب سجود التلاوة:٢/٥٧٧

بابُ الجمعة

(نمازِ جمعہ کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

نماز کی حکمتوں میں سے ایک بنیادی حکمت مسلمانوں کے مابین تعلیم وتعلم اورالفت ومحبت کی کیفیت پیدا کرنا ہے جس سے معاشرے میں ہمدردی، ایثار، میل جول اوراجتماعیت ویکسانیت کی فضا ہموار ہو سکے۔اس مقصد کے لیے یہ بات ضروری تھی کہ ہر شہر کا امیر، قاضی، مفتی یا نیک سیرت امام اس شہر کے مسلمانوں کو گاہے گاہے جمع کر کے ان کو ان کے حقوق وفرائض اوروقت کے تقاضوں سے آگاہ کرسکیں اور تعلیم وتعلم اورالفت ومحبت سے لبریز اس اہم اجتماع سے وہ بہت کچھ پندونصیحت لے کراس پرعمل کرسکیں۔چنانچہ اس مقصد کے لیے گزشتہ امتوں کی طرح ہفتے میں ایک دن مقرر کیا گیا جس کو مسلمان ''یوم الجمعۃ'' کہتے ہیں۔یہی وہ دن ہے جس کے متعلق ارشادِ نبوی ہے کہ: ''بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، جمعہ کا دن ہے''۔(۱)

جمعہ کی فضیلت واہمیت:

نبی کریم ﷺ کا ارشادگرامی ہے کہ یوم الجمعۃ تمام ایام کا سردار ہے اوراللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی عظمت یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر سے بھی زیادہ ہے، جو شخص اس دن جو بھی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگے گا،اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا فرمائے گا،سوائے حرام چیز کے۔یہ بھی فرمایا کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک تمام صغیرہ گناہوں کے لیے کفارہ ہے۔سعید بن مسیّبؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ کا دن اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں نفلی حج سے زیادہ محبوب ہے۔ابن عباسؓ نے جمعہ کے دن کو مساکین کا حج قرار دیا ہے۔علامہ شرنبلالیؒ فرماتے ہیں کہ یوم الجمعۃ کو عید المؤمنین اور یوم المزید بھی کہا جاتا ہے۔اسی دن ارواح جمع کیے جاتے ہیں، مردوں پر سے عذاب ہٹایا جاتا ہے اوراسی دن جہنم کی آگ کو بھڑکایا نہیں جاتا۔(۲)

---

(۱) سنن النسائي، كتاب الجمعة،باب ذكر فضل يوم الجمعة:۱/۱۵٤، حجة الله البالغة،مبحث في الجمعة و حكمة تشريعها: ۲/۲۸، حاشية على ردالمحتار، كتاب الصلوة،باب الجمعة:۳/۳

(۲) الدرالمختار، كتاب الصلوة،باب الجمعة:۳/٤۲-٤٤، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة،باب الجمعة، ص: ٤۰۹، سنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلوة،باب في فضل الجمعة،ص:۷٦

جمعہ کی فرضیت اور مشروعیت:

جمعہ کی فرضیت قرآن وحدیث اور اجماع ہر ایک سے ثابت ہے۔قرآن کریم میں ہے:

﴿یَا اَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا إِذَا نُودِیَ لِلصَّلَاةِ مِن یَومِ الجُمُعَةِ فَاسعَوا إِلٰی ذِکرِ اللّٰهِ﴾(۱)

یہاں ذکر سے مراد یا تو جمعہ کی نماز ہے اور یا خطبہ اور جب خطبہ، جو شرط کا درجہ رکھتا ہے، اس کی طرف سعی واجب ہے تو ظاہر ہے کہ جمعہ بدرجہ اولیٰ فرض ہوگا۔

نسائی کی روایت ہے:

"رواح الجمعة واجب على كل محتلم".

ترجمہ: جمعہ کی نماز کے لیے چلنا اور سعی کرنا ہر عاقل بالغ شخص پر واجب ہے۔

نسائی کی ایک اور حدیث ہے کہ جو شخص مسلسل تین جمعے حقارت اور لاپرواہی کی وجہ سے ترک کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر نفاق کی مہر لگا دیتے ہیں۔(۲)

ابن ماجہ کی روایت ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ کی نماز کو فرض فرمایا ہے ---جس شخص نے اس کو میری زندگی میں یا میری موت کے بعد استخفاف یا انکار کے طور پر چھوڑ دیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی جمعیت کو تتر بتر کردے اور اس کے کاموں سے برکت ختم کردے۔خبردار! ایسے شخص کی نہ تو نماز قبول ہوتی ہے، نہ زکوۃ اور نہ حج، سوائے اس کے کہ توبہ کرکے اللہ اس کو معاف کردے۔(۳)

نیز اس کی فرضیت پر امت کا اجماع واتفاق اور تعامل بھی ہے۔(۴)

جمعہ کی فرضیت کے لیے شرائط:

فقہائے کرام کے ہاں جمعہ کی بعض شرائط وہ ہیں جو خود نمازی سے متعلق ہیں جب کہ بعض شرائط نمازی کے علاوہ خارجی امور سے متعلق ہیں۔ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے:

---

(۱) الجمعة:۹

(۲) سنن النسائي، كتاب الجمعة، التشديد في التخلف عن الجمعة:۱/۱۵٤

(۳) سنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلوة، باب في فرض الجمعة، ص:۷۵

(٤) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في صلوة الجمعة:۲/۱۸۰،۱۸۱

جمعہ کی اہلیت کے لیے شرائط:

نماز جمعہ کا اہل بننے اور نفسِ وجوب کے لیے درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص میں مذکورہ شرائط میں سے کوئی شرط نہ ہو اور وہ مکلف ہو، یعنی عاقل بالغ ہو تو ایسے شخص پر اگرچہ جمعہ کی نماز فرض تو نہیں، تاہم اگر وہ جمعہ پڑھ لے تو ظہر کی نماز اس سے ساقط ہو جائے گی۔ شرائط یہ ہیں:

(۱) عاقل ہونا (۲) بالغ ہونا (۳) آزاد ہونا (۴) مرد ہونا (۵) مقیم ہونا، یعنی حالتِ سفر میں نہ ہونا (۶) صحت مند ہونا، یعنی کسی ایسی بیماری میں مبتلا نہ ہونا جس کی وجہ سے جمعہ کے لیے آنا دشوار ہو۔ مریض کی تیمارداری کرنے والا بھی مریض کے حکم میں ہے بشرطیکہ مریض کی حالت اس قابل نہ ہو کہ اس کو تنہا چھوڑ دیا جائے۔ (۷) کسی ظالم شخص یا بادشاہ کے خوف سے محفوظ ہونا یا بہت تیز بارش اور آندھی یا طوفان کا نہ ہونا (۸) آنکھوں اور ٹانگوں کا صحیح ہونا۔ یہی حکم پاؤں سے معذور شخص کا بھی ہے۔ اندھے شخص پر جمعہ کی نماز واجب نہیں اگرچہ کوئی شخص بطور رہبر اس کو مسجد تک لے آنے کے لیے موجود ہو۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اندھا شخص پہلے مسجد میں موجود ہو یا وہ گلیوں اور بازاروں میں خود ہی چلنے کا عادی ہو تو اس پر جمعہ کی نماز بھی فرض ہوگی۔ (۱)

جمعہ کی نماز کے لیے خارجی شرائط:

یہ وہ شرائط (وجوب ادا) ہیں جن کی غیر موجودگی میں نہ تو جمعہ کی نماز واجب ہوتی ہے اور نہ اس کی ادائیگی درست ہو سکتی ہے۔ فقہائے کرام کے ہاں یہ شرائط بیک وقت جمعہ کے وجوب کے لیے بھی ہیں اور جمعہ کی صحتِ ادا کے لیے بھی۔ حنفیہ کے ہاں یہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مصر، یعنی شہر یا اس کے فنا، یعنی مضافات کا ہونا:

حنفیہ کے ہاں مصر اور فناءِ مصر دونوں کی تحدید میں خاصا اختلاف ہے۔ مصر، یعنی شہر کے اطلاق کے بارے میں علامہ کاسانیؒ اور دیگر فقہا نے درج ذیل اقوال نقل کئے ہیں جن کو دیکھ کر مجموعی اعتبار سے شہر کا اجمالی خاکہ ذہن نشین ہو سکتا ہے۔

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ١/١٤٤، مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ٤١١ـ٤١٣، بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الجمعة: ٢/١٨٦، ١٨٧، الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ٣/٢٧ـ٢٩

(۱) علامہ حصکفیؒ اور علامہ ابوعبداللہ بلخی کے ہاں مصر وہ ہے جس کی بڑی مسجد میں مکلف لوگ جمع ہو جائیں تو مسجد اس کے لیے ناکافی ہو جائے۔

(۲) امام کرخیؒ کے ہاں مصر وہ ہے جہاں پر مفتی اور قاضی موجود ہو اور ان کو اتنی قدرت حاصل ہو کہ وہ شرعی احکامات اور حدود کا نفاذ کر سکیں۔

(۳) قاضی ابو یوسفؒ کے ایک قول کے مطابق شہر وہ ہے جہاں کی مجموعی آبادی دس ہزار سے متجاوز ہو۔

(۴) بعض حنفیہ کے ہاں مصر سے مراد ایسی جگہ ہے جہاں ہر پیشہ ور کسی اور پیشہ میں لگے بغیر ایک سال تک صرف اپنے پیشہ سے زندگی بسر کر سکے۔

(۵) سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جس جگہ کو لوگ اپنی اصطلاح میں شہر سمجھتے ہوں اور اس کو دوسرے شہروں کے ساتھ شمار کرتے ہوں تو وہ جگہ شہر ہے۔

(۶) ابوالقاسم الصفار فرماتے ہیں کہ جس جگہ کے لوگوں میں اتنی قوت موجود ہو کہ وہ کسی بیرونی حملے کی مدافعت خود کر سکیں تو یہ جگہ مصر ہے۔

(۷) امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس جگہ اتنی بڑی آبادی ہو جہاں بڑے بڑے محلے، بازار اور امیر و قاضی ہوں جو اپنے علم اور رعب و دبدبے کی بنا پر لوگوں کے مسائل خود حل کر سکتے ہوں تو یہ جگہ مصر کہلا سکتا ہے۔(۱)

علامہ خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں: ''حقیقت یہ ہے کہ مصر ان اصطلاحات میں سے ہے جس کی تحدید کتاب و سنت میں نہیں کی گئی ہے، اس لیے اس کا مدار عرف پر ہے۔ قوموں کے عرف میں جس زمانہ میں جو جگہ شہر کہلائے اور حکومت کی طرف سے جس کو شہر کی حیثیت دی جائے، وہی شہر ہے، تاہم ہندوستان وغیرہ کے موجودہ حالات میں کہ بعض علاقوں میں جمعہ ہی سے مسلمانوں کی شناخت رہ گئی ہے اور اسی کے ذریعے نماز اور اسلام سے لوگ اپنی وابستگی کا احساس کرتے ہیں، ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آراء و خیالات کے ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر شہر کے مفہوم میں جس قدر توسع ممکن ہو پیدا کی جائے کہ جمعہ محض ایک عبادت ہی نہیں، تذکیر و دعوت بھی ہے، مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار بھی ہے اور اسلام کا ایک شعار بھی۔(۲)

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الجمعة: ۲/۱۸۸ـ ۱۹۰، الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ٤/٤٠٣

(۲) قاموس الفقه، مادة جمعه: ۳/۱۲۷

متقدمین ومتاخرین فقہاے کرام کی آراء کو مدنظر رکھ کر شہر، قصبہ یا کسی بڑے گاؤں کی تحدید کے لیے بس اتنی بات کافی ہے کہ اس میں روزمرہ کی ضروریات پوری ہوسکتی ہوں اور اس کی آبادی موجودہ دور کے اعتبار سے کم از کم دو ڈھائی ہزار تک ضرور ہو۔

فنائے مصر اور مضافات سے کیا مراد ہے؟

اس بارے میں بھی فقہاے کرام کے اقوال مختلف ہیں، مثلاً:

(۱) جہاں شہر والوں کی آوازیں سنی جاسکیں۔

(۲) جو شہر کے گرد و نواح سے ملی ہوئی ہو۔

(۳) جہاں تک شہر کی آبادی پہنچ گئی ہو۔

(۴) جو شہر کی آبادی سے ایک میل، یا دو میل یا چھ میل تک دور ہو۔

(۵) جس جگہ سے لوگ جمعہ کے لیے پیدل پہنچ سکتے ہوں اور شام کو واپس اپنے گھروں کو لوٹ سکتے ہوں۔

(۶) وہ جگہ جو شہر کے مفادات کے لیے مستعمل ہو، جیسے: چراگاہ، مقبرہ، گھوڑ دوڑ کا میدان وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ فنائے مصر کے بارے میں بھی عرف اور حکومت کے مقرر کردہ حدود کو مدار بنانا درست ہے، لہٰذا شہر کے لوگوں کا جن لوگوں کے ساتھ غمی خوشی میں اشتراک ہو اور اس جگہ کے لوگ اپنی ضروریات اسی شہر سے پوری کرتے ہوں اور عرف میں بھی ان کی نسبت اسی شہر کی طرف ہوتی ہو تو یہ لوگ اسی شہر کے مضافاتی کہلانے کے مستحق ہیں۔(۱)

(۲) امام المسلمین یا اس کے نائب کی موجودگی:

احناف کے نزدیک جمعہ کے انعقاد کے لیے ایک اہم شرط امام المسلمین یا اس کے نائب یا اس کی طرف سے جمعہ قائم کرنے کے لیے مامور شخص کا جمعہ پڑھانا ہے۔ فقہاے کرام فرماتے ہیں کہ سلطان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ خود عادل، مرد اور امامت کے قابل ہو، بلکہ وہ جو کوئی بھی ہو اس کے حکم اور نیابت سے جمعہ کی نماز جائز ہو جائے گی۔ بدائع الصنائع اور فتاوی ہندیہ میں ہے کہ اگر کسی جگہ امام یا قاضی نہ ہو اور اس کا کوئی والی یا جانشین بھی نہ ہو تو وہاں پر عام لوگوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ خود کسی کو خطیب مقرر کر کے جمعہ ادا کریں۔ اسی طرح اگر کسی جگہ فتنہ، خوف یا کسی اور سبب سے امام یا قاضی وغیرہ تک رسائی ممکن نہ ہو یا امیر وسلطان محض عناد اور نفرت کی وجہ سے جمعہ سے منع کرنے کا حکم

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الجمعة: ۲/ ۱۹۰، ۱۹۱

دے تو وہاں پر بھی لوگ باہمی رضامندی سے کسی کو امام مقرر کر سکتے ہیں۔(۱)

مذکورہ شرط کا بنیادی مقصد ذکر کرتے ہوئے علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"ولأنه لو لم يشترط السلطان، لأدى إلى الفتنة" اور "ولأن الحاجة إلى الإمام لدفع التنازع في التقدم".

تمام اہل مصر کی امامت چونکہ ایک شرافت اور عزت ہے جس کے حصول کے لیے ممکن ہے کہ نوبت لڑائی جھگڑے تک پہنچ جائے، اس لیے امام کی حاضری کو ضروری قرار دیا گیا جس سے لڑائی جھگڑے کا بھی خاتمہ ہوگا اور امامتِ کبریٰ کی تعظیم بھی برقرار رہے گی۔(۲)

موجودہ دور میں خلافتِ اسلامی سے محرومی، مسلم رہنماؤں اور قاضیوں کی مذہب، مساجد اور امارت وامامت سے کوسوں دوری اور اکثر ممالک میں مسلمانوں کی بطور اقلیت موجودگی کے ہوتے ہوئے سلطان یا قاضی کی شرط لگانا عملاً مسلمانوں کو جمعہ سے محروم کردینے کے مترادف ہوگا، لہٰذا موجودہ حالات میں وزارت اوقاف، مساجد کی کمیٹیاں، متولیان اور جہاں یہ نہ ہوں، وہاں علما وصلحا ہی سلطان کے قائم مقام ہیں۔(۳)

(۳) وقت:

جو وقت نماز ظہر کا ہے وہی نماز جمعہ کا بھی ہے۔ چنانچہ اگر اس سے پہلے نماز پڑھ لی جائے یا نماز مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ظہر کا وقت ختم ہوگیا تو نماز جمعہ ادا نہ ہوسکے گی اور یہ نفل نماز ہوجائے گی، از سرِ نو ظہر کی نماز بہ نیتِ قضا ادا کرنی ہوگی۔

(۴) خطبہ:

جمعہ کی نماز کی صحت کے لیے نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا بھی شرط ہے۔ نماز سے پہلے خطبہ پڑھے بغیر جمعہ کی نماز درست نہیں ہوگی۔(۴)

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الجمعة: ۱۹۲/۲، ۱۹۳، الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۵/۱، ۱۴۶

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الجمعة: ۱۹۳/۲، ۲۰۵

(۳) ملخص از قاموس الفقه، مادة جمعه: ۱۲۵/۳

(٤) الفتاوى الهندية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۶/۱، مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۴۱۵، ۴۱۶

(۵) جماعت:

• جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے جماعت بھی شرط ہے، البتہ کتنے لوگوں کی جماعت ہو تو اس میں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ امام کے سوا تین عاقل بالغ مردوں کا ہونا ضروری ہے جب کہ امام ابویوسفؒ کے ہاں امام کے علاوہ دو مرد بھی جماعت کے لیے کافی ہیں تاہم فتویٰ پہلے قول پر ہے۔ حنفیہ کے ہاں یہ تعداد آغازِ نماز کے لیے شرط ہے، بقائے نماز کے لیے شرط نہیں، یعنی اگر امام نے تین مقتدیوں کے ساتھ شروع کی اور پہلی رکعت کا پہلا سجدہ مکمل ہونے کے بعد سارے ہی مقتدی یا ان میں سے بعض چلے گئے تو امام دو رکعت نمازِ جمعہ پوری کر لے۔ حنفیہ کے ہاں جماعت کے لیے مطلوب تین افراد (مقتدیوں) کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مردوں کی امامت کے لائق ہوں، لہٰذا تین عاقل بالغ غلام، مریض، مسافر، ان پڑھ یا گونگے مردوں کی موجودگی میں جمعہ کی نماز درست ہے، اس لیے کہ غلام، مریض اور مسافر جمعہ وغیر جمعہ ہر ایک کی امامت کے لیے بہر صورت مستحق ہیں اور اُمّی و گونگا بھی اپنے جیسے لوگوں کی امامت کر سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تین بچوں یا عورتوں کی موجودگی میں جمعہ کی نماز درست نہیں ہوگی۔

حنفیہ کے ہاں جماعتِ جمعہ کے لیے مطلوبہ افراد کی یہی تعداد اور کیفیت خطبہ کے لیے بھی شرط ہے، لہٰذا اگر خطبہ سے پہلے تمام لوگ کسی کام کے لیے اٹھ جائیں اور نماز پڑھنے کے لیے آ جائیں تو جمعہ کی نماز جائز نہیں ہوگی، البتہ اگر خطبہ سننے والے لوگ خطبہ سننے کے بعد چلے جائیں اور نماز پڑھنے کے لیے ایک اور جماعت آ جائے تو خطبہ اور نماز دونوں کی شرط پوری ہو جائے گی۔(۱)

(۶) اذنِ عام:

اذنِ عام سے مراد یہ ہے کہ مسجد کے تمام دروازے تمام لوگوں کے لیے کھلے ہوئے ہوں، لہٰذا اگر عام لوگوں کو مسجد آنے کی اجازت نہ ہو، یا کچھ لوگ آئیں اور دروازہ بند کر کے جمعہ کی نماز ادا کر لیں تو جمعہ کا ادا کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے مکان میں جمعہ کی نماز کا اہتمام کرے اور عام لوگوں کو نماز میں آنے نہ دے تو نمازِ جمعہ کی ادائیگی صحیح نہ ہوگی، البتہ اگر قلعہ کے اندر مسجد ہو اور مسجد میں نماز پڑھنے کی عام اجازت ہو، لیکن کسی وجہ سے (دشمن یا خوف یا کسی خطرے کی بنا پر) قلعہ کا دروازہ بند کیا جاتا ہو تو باوجود اس کے کہ قلعہ کا دروازہ بند ہے، جمعہ کی ادائیگی درست ہوگی۔

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ١٤٨/١، مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الجمعة، ... كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الجمعة: ٢٠٦/٢

موجودہ دور میں کارخانوں، فوجی کیمپوں اور حساس علاقوں کی مساجد، جہاں نماز میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، لیکن ان کے دروازوں کو بند رکھنا ناگزیر ہو، اسی حکم میں داخل ہوں گے۔(۱)

جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے اہلیت:

جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے وہی شرائط ہیں جو عام نمازوں میں امامت کے لیے ہیں، لہٰذا ہر وہ شخص جمعہ پڑھا سکتا ہے جو عام نماز پڑھانے کے لیے اہل ہو بشرطیکہ اس کو امیر یا قاضی یا متعلقہ شہر یا مسجد کے نگران اور متولی کی اجازت حاصل ہو۔(۲)

جمعہ کی نماز کو فاسد کرنے والی چیزیں:

جمعہ کی نماز کے لیے بعض مفسدات تو وہ ہیں جو ہر قسم کی نماز کو توڑنے والی ہیں، جب کہ بعض مفسدات صرف جمعہ کے ساتھ خاص ہیں۔ ہر ایک کی تفصیل مع حکم ملاحظہ ہو۔

(۱) جمعہ اور دوسری نمازوں کی مشترک مفسدات کا حکم:

جمعہ کی نماز ان تمام چیزوں سے ٹوٹ جاتی ہے جن سے عام نمازیں بھی ٹوٹتی ہیں۔ ان مفسدات میں سے کسی مفسد کے پیش آنے کے بعد دوبارہ جمعہ کی نماز ادا کی جائے گی۔

(۲) جمعہ کی نماز کے لیے خاص مفسدات:

(۱) ظہر کے وقت کا نکلنا اور ختم ہو جانا: جمعہ کی نماز کے دوران اگر تشہد سے پہلے پہلے ظہر کا وقت ختم ہو جائے تو جمعہ کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۲) جماعت کا فوت ہو جانا یا کم ہو جانا: جمعہ کی نماز کے دوران ایک رکعت پوری ہونے سے پہلے پہلے اگر مقتدیوں کی فرض تعداد کم ہو جائے تو اس سے بھی جمعہ کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ مذکورہ دونوں صورتوں میں چونکہ نماز جمعہ کی ایک ایک شرط مفقود ہو گئی، اس لیے الگ تحریمہ کے ذریعے از سر نو نمازِ ظہر ادا کی جائے گی۔(۳)

---

(۱) الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۵/۳، الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۸/۱، مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۴۱۷

(۲) الفتاوى الهندية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۸/۱، مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۴۱۸

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان ما يفسدها: ۲۱۴/۲

نمازِ جمعہ کی قضا:

جمعہ کی نماز اگر کسی سے فوت ہو جائے یا وقت نکل جائے تو اس کی کوئی قضا نہیں، بلکہ اس کی جگہ ظہر کی نماز ادا کی جائے گی، اس لیے کہ ظہر کا وقت اور جماعت جمعہ کی بنیادی شرائط میں سے ہیں جن کی غیر موجودگی میں جمعہ کی ادائیگی درست نہیں۔(۱)

مستحبات:

جمعہ کے دن مستحب یہ ہے کہ آدمی غسل کرے اور اسی غسل سے نماز ادا کرے۔ یہ بھی مستحب ہے کہ تیل اور خوشبو لگائے، پاک صاف اور سفید کپڑے پہنے اور سکون و وقار کے ساتھ مسجد جا کر پہلی صف میں بیٹھ جائے۔

جمعہ سے متعلق کچھ ضروری احکام:

(۱) جس جگہ جمعہ کی نماز ہوتی ہو وہاں پر معذورین یا غیر معذورین کسی کے لیے بھی جماعت کی ادائیگی مکروہ ہے، چاہے وہ اپنے گھروں میں ہوں یا کسی جیل اور قید خانے میں، اور چاہے یہ جماعت جمعہ کی ادائیگی سے پہلے ہو یا بعد میں ہو۔ معذورین کے لیے بھی مستحب یہ ہے کہ وہ ظہر کی نماز کو جمعہ کی نماز سے امام کی فراغت کے بعد ادا کریں۔ جمعہ کی ادائیگی سے قبل ظہر کی نماز ادا کرنا مکروہ ہے اگر چہ اکیلے ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) جن دیہاتوں میں جمعہ کی نماز واجب نہیں وہاں پر اذان و اقامت کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

(۳) جس شخص پر جمعہ واجب ہو اور وہ بلا عذر جمعہ کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز ادا کرلے تو ظہر کی نماز کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گی، لیکن اس کا انعقاد جمعہ کی ادئیگی تک موقوف رہے گا، لہٰذا اگر ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد اس نے جمعہ کے لیے سعی اور نیت کرتے ہوئے گھر سے باہر قدم رکھا اور اس سعی کے دوران امام ابھی جمعہ سے فارغ نہیں ہوا تھا تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں محض سعی سے ظہر کی نماز باطل ہو کر نفل بن جائے گی، اگر چہ مسجد تک پہنچنے سے پہلے پہلے امام فارغ ہو چکا ہو، تاہم صاحبین کے ہاں جب تک جمعہ کی نماز میں داخل نہ ہو جائے، ظہر کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ علامہ حصکفیؒ کے ہاں صاحبین کا قول راجح ہے، تاہم علامہ شامیؒ نے مختلف حوالوں سے امام صاحب کے قول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

(۴) امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے ہاں اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز میں قعدہ اخیرہ یا سجدہ سہو کے دوران شامل ہو جائے

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في بيان مايفسدها: ۲/۲۱۴، ۲۱۵

تو وہ بھی جمعہ کو پالینے والا متصور ہوگا اور دو رکعت نماز جمعہ ادا کرے گا۔(۱)

(۵) جس شخص پر جمعہ کی نماز واجب ہو، اس کے لیے زوالِ آفتاب کے بعد، یعنی جمعہ کا وقت شروع ہونے کے بعد سفر شروع کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔ بشرطیکہ راستہ میں پڑھنا ممکن نہ ہو۔ اگر راستے میں پڑھنا ممکن ہو یا قافلہ اور گاڑی چھوٹ جانے کا عذر ہو تو ایسی صورت میں سفر کرنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح زوال سے قبل اور جمعہ کی ادائیگی کے بعد سفر کرنا بھی حنفیہ کے ہاں جائز ہے۔(۲)

(۶) اذانِ جمعہ کے بعد نماز کے لیے سعی اور تیاری واجب ہو جاتی ہے، جس کے بعد بیع وشرا اور ہر وہ فعل جو سعی میں خلل انداز ہو، مکروہِ تحریمی ہے۔ اذان سے مراد حنفیہ کے صحیح قول کے مطابق وہ اذان ہے جو زوال کے بعد دی جائے، چاہے وہ اذان اول ہو یا اذانِ ثانی۔ اذان اول اگر چہ حضرت عثمانؓ کے دور سے شروع ہوئی لیکن سعی کے وجوب کے لیے اسی کو مدار بنانا زیادہ مناسب ہے اس لیے کے اذان ثانی کے بعد عموماً اتنا وقت نہیں ہوتا جس میں جمعہ کی تیاری اور سعی ممکن ہو سکے۔ علامہ حصکفیؒ، شامیؒ، شرنبلالیؒ اور عالمگیری نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔(۳)

ایک شہر میں تعددِ جمعہ کا مسئلہ:

اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر کسی شہر میں ایک ہی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہو اور تمام لوگ اس میں با آسانی حاضر ہو سکیں تو کسی اور مسجد میں جمعہ شروع کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ اگر ضرورت ہو اور ایک مسجد میں لوگ نہ آسکیں تو ضرورت کے بقدر تعدد میں کوئی حرج نہیں۔(۴)

جمعہ سے پہلے اور بعد کی سنتیں:

جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعات یک سلام کے ساتھ ادا کرنا سنت ہے۔ اسی طرح جمعہ کے بعد بھی چار رکعات

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة:۳/ ۳۰۔۳۴، الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/ ۱۴۸، ۱۴۹، مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۴۲۶، ۴۲۷

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة:۳/ ۴۰، مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۴۲۶

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة:۳/ ۳۸، الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/ ۱۴۹، مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۴۲۳

(۴) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة:۳/ ۵، ۱۵، ۱۶، مراقي الفلاح، باب الجمعة، ص: ۴۱۳، ۴۱۴

مستقل سنت ہیں۔ان چار رکعات کے بعد مزید دو رکعتیں (جو ظہر کے بعد مسنون ہیں) ادا کرنا بھی سنت ہے۔اسی طرح کل دس رکعات جمعہ کے لیے سنت ہیں۔(۱)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعات ادا کرنا مستقل سنت ہے۔یہ ظہر کے فرائض کا قائم مقام نہیں،اس لیے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی نماز بذاتِ خود چار رکعات تھی،تاہم خطبہ کو دو رکعتوں کا قائم مقام بنا کر جمعہ کی نماز کو دو رکعت تک محدود رکھا گیا،لہٰذا جن علاقوں کے لوگ جمعہ کی ادائیگی کے بعد مذکورہ چار سنتوں کو یا مستقل چار رکعات ''احتیاطِ ظہر'' کے نام سے پڑھتے ہیں کہ بالفرض اگر جمعہ کی نماز ہمارے علاقے میں درست نہ ہو تو یہ چار رکعات ظہر کے قائم مقام ہو جائیں گے تو ایسا کرنے کی شرعاً کوئی اجازت نہیں۔فقہائے کرام نے سدِّ ذرائع اور جمعہ کی نماز سے شکوک وشبہات ختم کرنے کے لیے ایسے علاقوں میں عوام کو ان چار سنتوں کی ادائیگی سے بھی منع فرمایا ہے تاکہ سوءِ عقل وفہم کی وجہ سے کوئی اس کو ظہر کی نماز نہ سمجھ بیٹھے۔(۲)

خطبہ سے متعلق احکام:

اس پر تمام فقہا کا اتفاق ہے کہ جمعہ کے لیے خطبہ شرط ہے۔علامہ کاسانیؒ نے اس پر قرآن وحدیث سے تفصیلی دلائل بھی دیے ہیں۔(۳)

خطبہ کا رکن اور فرض مقدار:

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں خطبہ کی نیت سے اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی ذکر خطبہ کا رکن بن سکتا ہے،جیسے خطبہ کی نیت سے سبحان اللہ یا الحمدللہ یا اللہ اکبر کہہ دے تو یہ خطبہ کے لیے کافی ہو جائے گا اگرچہ اختصار کی وجہ سے اس میں کراہتِ تنزیہی بھی ہے۔صاحبین کے ہاں خطبہ میں اتنا طویل ذکر ہونا چاہیے جس کو عرفِ عام میں خطبہ کہا جا سکتا ہو،یعنی کم از کم تشہد کی واجب مقدار تک ضرور ہو۔امام کرخیؒ کے ہاں اس کی مقدار کم از کم تین آیات کے بقدر ہونی چاہیے،تاہم فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔حنفیہ کے ہاں دونوں اقوال کے مطابق محض ایک خطبہ بھی فرضیت کے لیے کافی ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوة،فصل في الصلاة المسنونة:۲/۲٦٦

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الصلوة،فصل في بيان شرائط الجمعة:۲/۱۹۵،الدرالمختار مع ردالمحتار،باب الجمعة:۳/۳_۵

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الصلوة،فصل في بيان شرائط الجمعة:۲/۱۹۵

شوافع کے ہاں دونوں خطبے ان کے درمیان بیٹھنا ہر ایک شرط ہے۔(۱)

خطبہ کی شرائط:

(۱) خطبہ جمعہ کی نماز سے پہلے ہو۔

(۲) خطبہ زوال، یعنی جمعہ کا وقت داخل ہونے کے بعد پڑھا جائے۔

(۳) خطبہ پڑھتے وقت خطبہ کی نیت بھی ہو۔

(۴) صاحبین کے ہاں عربی پر قادر شخص کے لیے عربی میں خطبہ پڑھنا شرط ہے۔

(۵) خطبہ سننے کے لیے کم از کم تین عاقل بالغ مرد موجود ہوں، اگر چہ وہ بہرے ہوں یا نیند کی حالت میں ہوں یا اتنے دور ہوں کہ آواز نہ سن سکیں۔

(۶) خطبہ اتنی بلند آواز سے پڑھا جائے جو قریب کے لوگ سن سکیں۔

(۷) خطبہ اور نماز جمعہ کے درمیان کھانے پینے یا کسی اور چیز (جو نماز کے منافی ہو) سے فصل نہ ہو۔(۲)

خطبہ کی سنتیں:

(۱) حنفیہ کے ہاں دو خطبے دینا سنت ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے ہاں ان دو خطبوں کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ حتی الوسع مختصر خطبہ دیا جائے جس میں اللہ تعالی کی حمد وثنا سے شروع کی جائے، پھر شہادتین پڑھ لیے جائیں، نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھا جائے، کچھ وعظ ونصیحت کی جائے اور قرآن کریم کی کوئی سورت یا آیت پڑھی جائے، پھر اس کے بعد خفیف جلسہ کیا جائے، یعنی تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جائے، پھر اس کے بعد دوبارہ کھڑا ہو جائے اور دوسرا خطبہ دے جس میں حمد وثنا، شہادتین اور درود سے شروع کرنے کے بعد مؤمنوں کے لیے دعائیں بھی کی جائیں مستحب یہ ہے کہ دوسرے خطبے میں خلفائے راشدین اور حضور ﷺ کے دو چچاؤں، یعنی حمزہؓ وعباسؓ کا بھی تذکرہ خیر کیا جائے۔

(۲) خطبہ کے وقت پاکی کی حالت میں ہونا، جنابت یا بے وضو حالت میں خطبہ دینا حنفیہ کے ہاں کراہت کے ساتھ جائز ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں بالکل جائز نہیں۔

(۱) بدائع الصنائع حوالہ بالا، الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۳/ ۲۰، الفتاوی الهندية، کتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/ ۱۴۶

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۳/ ۱۹، ۲۰، مراقي الفلاح، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۴۱۶، ۴۱۷

(۳) خطبہ کے دوران ستر چھپانا

(۴) کھڑا ہو کر خطبہ دینا، بلا عذر بیٹھ کر خطبہ دینا حنفیہ کے ہاں مکروہ ہے۔

(۵) خطبہ سے پہلے دل میں تعوذ پڑھنا

(۶) قوم کو خطبہ سنانا، یعنی بلند آواز سے خطبہ پڑھنا

(۷) دونوں خطبوں میں طوال مفصل کی ایک سورت کے بقدر اختصار کرنا

(۸) دونوں خطبوں کے درمیان تین آیات کے بقدر بیٹھنا

(۹) خطبہ کے دوران سامعین کی طرف متوجہ ہونا، سامعین کے لیے بھی مسنون یہ ہے کہ وہ خطیب کی طرف متوجہ رہیں، اس لیے کہ جمعہ کا خطبہ سننا اور سنانا دونوں واجب ہیں۔

(۱۰) خطبہ سے پہلے خطیب کا منبر پر بیٹھ جانا جو محراب کے دائیں جانب بنا ہوا ہو۔

(۱۱) خطیب کے سامنے اذان دینا

(۱۲) خطبہ کا نماز سے مختصر ہونا

(۱۳) یہ بھی سنت ہے کہ دوسرے خطبہ میں آواز پہلے خطبے کی بہ نسبت کم بلند ہو۔

(۱۴) مستحب یہ ہے کہ جو شخص خطبہ دے وہ نماز بھی پڑھائے۔

(۱۵) خطبہ کے دوران عصا کا استعمال بھی مسنون ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، تاہم بعض فقہا نے اس کو مکروہ بھی کہا ہے۔

خطبہ کے آداب:

(۱) خطبہ کے درمیان کوئی ضروری بات کہنی ہو، خواہ نہی عن المنکر ہی کے قبیل سے کیوں نہ ہو، اشارے سے کہی جائے۔

(۲) خطبہ کے دوران امام کے قریب بیٹھنا افضل ہے۔

(۳) خطبہ شروع ہونے کے بعد گردن پھاند کر آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، تاہم خطبہ سے پہلے ایسا کرنے کی اجازت ہے تا کہ امام سے قربت اور پہلی صف کی فضیلت حاصل ہو جائے۔

(۴) جو شخص دوری یا کسی اور وجہ سے خطبہ نہیں سن سکتا، اس کے لیے بھی خاموش رہنا ضروری ہے۔ خطبہ کے دوران قعدہ میں بیٹھنا زیادہ بہتر ہے۔

خطبہ کی مکروہات:

خطبہ کی سنتوں میں۔ سے کوئی بھی سنت چھوڑنا مکروہ ہے اس کے علاوہ کچھ اور مکروہات یہ ہیں:
خطبہ کے دوران بولنا، تلاوت کرنا اور سنتیں پڑھنا مکروہ ہے۔اسی طرح مسجد میں داخل ہوتے وقت اگر امام خطبہ میں ہو تو تحیۃ المسجد پڑھنا بھی مکروہ ہے۔اسی طرح سلام کرنا، سلام کا جواب دینا، چھینکنے والے کا تحمید کہنا اور سننے والے کا جواب دینا بھی مکروہ ہے، البتہ دل ہی دل میں جواب دینا جائز ہے۔اسی طرح ہر وہ کام جو نماز میں حرام ہو، وہ خطبہ میں بھی حرام ہوگا، یہاں تک کہ دورانِ خطبہ درود پڑھنے کو بھی عالمگیری نے مکروہ کہا ہے، تاہم علامہ کاسانیؒ نے امام ابو یوسفؒ کا قول نقل کیا ہے کہ دل ہی دل میں درود پڑھنا چاہیے۔

امام ابو حنیفہؒ کے ہاں اگر امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ چکا ہو اور اذان ہو رہی ہو تو اس وقت بھی نماز اور گفتگو جائز نہیں اگرچہ خطبہ ابھی تک شروع نہ ہوا ہو، لہٰذا اگر کوئی شخص اس وقت نفل یا سنتیں پڑھ رہا ہو اور پہلی رکعت یا تیسری رکعت کا سجدہ کر چکا ہو تو اس کے ساتھ دوسری اور چوتھی رکعت بھی پوری کرلے اور اگر پہلی یا تیسری رکعت کا سجدہ بھی نہ کر پایا تھا تو بلا تاخیر نماز توڑ دے۔سنتوں کے بارے میں علامہ شرنبلالیؒ فرماتے ہیں کہ ان کو توڑنے کی بجائے پوری کرلے مگر اختصار سے کام لے تاکہ خطبہ کی طرف جلدی متوجہ ہو جائے۔(۱)

(۱) الدرالمختارمع ردالمحتار، کتاب الصلوة،باب الجمعة: ۳/ ۲۰-۲۳،الفتاوی الهندية، کتاب الصلوة،الباب السادس عشرفي صلاة الجمعة :۱/ ۱۴۶-۱۴۸،مراقي الفلاح، کتاب الصلوة،باب الجمعة: ۴۲۰-۴۲۵،بدائع الصنائع، کتاب الصلوة،فصل في بيان شرائط الجمعة:۲/ ۱۹۶-۲۰۲

فصل فی شرائط الجمعة

(نمازِ جمعہ کی شرائط کا بیان)

نمازِ جمعہ کا وقت

سوال نمبر(280):

نمازِ جمعہ ظہر کے وقت سے پہلے یا بعد میں پڑھنا کیسا ہے؟ اور جب ظہر کا وقت نکل جائے تو اس کی قضا کی کیا صورت ہوگی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے جمعہ کی نماز کے لیے ظہر کا وقت ہونا ضروری ہے۔ احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کی نماز کو نہ وقت سے پہلے ادا کیا ہے اور نہ ہی وقت گزر جانے کے بعد، لہٰذا جمعہ کی نماز نہ وقت سے پہلے پڑھنا جائز ہے اور نہ ہی وقت گزر جانے کے بعد جائز ہوگی۔ چونکہ نمازِ جمعہ ظہر کی نماز کے قائم مقام ہے تو ظہر کا وقت نکل جانے سے ظہر کی نماز کی قضا لازم ہو جائیگی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

شرط صحتها أن تؤدّي في وقت الظهر، فلا تصحّ قبله ولا بعده؛ لأن شرعية الجمعة مقام الظهر ...ولم يصلّها عليه السلام خارج الوقت في عمره.(۱)

ترجمہ:

نمازِ جمعہ کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کو ظہر کے وقت میں ادا کیا جائے، لہٰذا نماز جمعہ ظہر کے وقت سے پہلے یا بعد میں صحیح نہ ہوگی، کیونکہ جمعہ کی مشروعیت ظہر کے قائم مقام ہے....اور حضور ﷺ نے زندگی بھر وقت نکلنے کے بعد نمازِ جمعہ نہیں پڑھی۔

(۱) ابن نجیم، زین الدین بن إبراهيم، البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة، قوله: (ووقت الظهر): ۲/ ۲۵٦

جمعہ کے دن وقت کے داخل ہونے سے پہلے اذان دینا

سوال نمبر(281):

جمعہ کے دن ظہر کا وقت داخل ہونے سے پہلے اذان دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فرض نمازوں کے لیے وقت داخل ہونے کے بعد اذان دینی چاہیے اور وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں۔ اگر کسی نے وقت سے پہلے اذان دی تو اس کا اعادہ لازمی ہے۔ اور نماز جمعہ ظہر کا قائم مقام ہے، اس لیے اگر کسی نے جمعہ کے دن ظہر کا وقت داخل ہونے سے پہلے اذان دے دی تو یہ ادائیگی جائز نہ ہوگی، اور اذان کا اعادہ لازم ہوگا، اس لیے جب ظہر کا وقت داخل ہو، تب اذان دینی چاہیے۔

والدّليل علىٰ ذلك:

(ولا يؤذن قبل وقت ويعاد فيه) أي في الوقت إذا أذّن قبله؛ لأن يراد للإعلام بالوقت، فلا يجوز قبله بلا خلاف في غير الفجر.(۱)

ترجمہ:

اور وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں۔ اور اگر وقت سے پہلے اذان دی جائے تو وقت داخل ہونے کے بعد اس کا اعادہ ضروری ہوگا، کیونکہ اذان سے مقصود وقت کے اندر لوگوں کو نماز کے لیے آگاہ کرنا ہوتا ہے، اس لیے بغیر کسی اختلاف کے وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں، سوائے فجر کے۔

❁❁❁

پہاڑی علاقہ میں نماز جمعہ

سوال نمبر(282):

ایک پہاڑی علاقہ ہے جو شہر سے اتنا دور ہے کہ ایک دن میں آنا جانا مشکل ہے۔ راستے میں رات گزارنی

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/ ۴۵۶، ۴۵۷

پڑتی ہے۔اس علاقے کی آبادی تقریباً چارسوافراد پر مشتمل ہے۔سوال یہ ہے کہ یہاں کے باشندوں پر نماز جمعہ واجب ہے یانہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نماز جمعہ کے وجوب کے بارے میں فقہاے کرام کی وضع کردہ شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ شہری آبادی ہو یا شہری آبادی کے ساتھ متصل ایسی آبادی ہو جہاں شہری آبادی کی طرح زندگی کی سہولیات میسر ہوں۔اسی طرح وہ بڑا گاؤں بھی شہر کی تعریف میں داخل ہوگا جہاں گلیاں، بازار اور دکانیں ہوں، آبادی دو،ڈھائی ہزار کے قریب ہو۔

مذکورہ سوال میں علاقے کی آبادی مطلوبہ آبادی سے کم ہے،اس لیے اس پر بڑے گاؤں کی تعریف صادق نہیں،اس لیے یہاں جمعہ کا انعقاد درست نہیں اور شہر سے دور ہونے کے باعث نماز جمعہ کے لیے شہر جانا بھی ان پر واجب نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

لأبي حنيفة:أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق،وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمه.....والناس يرجعون إليه في الحوادث.(۱)

ترجمہ:

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں مصر ایک بڑا قصبہ ہوتا ہے،جس میں گلیاں، بازاریں اور دکانیں ہوں،اس میں والی ہو جو اپنے اثر رسوخ کی بدولت مظلوم کو ظالم سے انصاف دلانے پر قادر ہو اور لوگ اپنی حاجات میں اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔

❁❁❁

شرائط کے فقدان کے باوجود نماز جمعہ کا سلسلہ جاری رکھنا

سوال نمبر(283):

ایک مسجد میں تین وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔فجر اور عشا کی جماعت کا کوئی اہتمام نہیں۔

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلوة،باب صلوة الجمعة،تحت قوله:(وهو كل موضع له أمير:۲/۲٤٦

کچھ عرصہ پہلے زلزلہ آنے کی وجہ سے اُس مسجد کی عمارت منہدم ہوگئی تھی، انہدام سے پہلے اس مسجد میں نمازِ جمعہ ادا ہوتی تھی۔ تعمیر کے دوران نمازِ جمعہ کی ادائیگی میں انقطاع آیا تھا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ تعمیر کے بعد اس میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی شروع کرنا صحیح ہے یا نہیں، جبکہ دوسرے شرائط مفقود ہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کے ہاں جمعہ کی ادائیگی شرائط پر موقوف ہے اور جہاں شرائط مفقود ہوں، وہاں نمازِ جمعہ کی ادائیگی درست نہیں۔ اس کے باوجود اگر کسی جگہ نمازِ جمعہ ادا ہوتی ہو اور اس کو بند کرنے سے آپس میں انتشار اور فتنہ برپا ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں اُس جگہ نمازِ جمعہ پڑھنے کی گنجائش ہے، تاہم اگر ایک مرتبہ نمازِ جمعہ میں انقطاع آنے کے بعد اس انقطاع کو برقرار رکھنے میں کوئی مانع نہ ہو تو دوبارہ شروع کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

درء المفاسد أولى من جلب المنافع، أي إذا تعارض مفسدة و مصلحة،قدّم رفع المفسدة؛لأنّ اعتناء الشرع بالمنهيات أشدّ من اعتنائه بالمأمورات.(١)

ترجمہ:

مفاسد کو دفع کرنا منافع کے حصول سے بہتر ہے، یعنی جب خرابی اور مصلحت کا تعارض آجائے تو خرابی کا دفع کرنا مقدم ہوگا، کیونکہ شریعت منہیات کی طرف توجہ مامورات سے زیادہ دیتی ہے۔

❁❁❁

فوجی یونٹ کا رینج میں نمازِ جمعہ ادا کرنا

سوال نمبر (284):

ایک فوجی یونٹ جنگی مشقوں کی ٹریننگ کے لیے آئی ہے۔ ان کی یہ ٹریننگ چند مہینوں پر مشتمل ہے۔ ٹریننگ کی یہ جگہ بستی سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس جگہ ایک مسجد ہے۔ اس کا کوئی امام مقرر نہیں۔ فوج کے جوان اس مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ ٹریننگ کی جگہ میں واقع اس مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنا

(١) رستم باز لبناني، شرح المجلّة، المادة/ ٣٠، ٣٢ المكتبة الحنفية، كوئٹه

جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے جمعہ کے انعقاد کے لیے دوسری شرائط کے ساتھ شہر یا قریہ کبیرہ (بڑی بستی) کا ہونا بھی ضروری ہے۔

مذکورہ فوجی رینج اگر محکمہ بلدیات کے متعین کردہ حدود کے مطابق شہر کے مضافات میں واقع ہو تو ایسی صورت میں اس جگہ واقع مسجد میں جمعہ کی نماز کی ادائیگی صحیح ہوگی، ورنہ پھر ظہر کی نماز کی ادائیگی لازمی ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

كمايجوزأداء الجمعة في المصر، يجوز أداؤها في فناء المصر.(۱)

ترجمہ:

جس طرح شہر میں نمازِ جمعہ ادا کرنا جائز ہے، اسی طرح شہر کے مضافات میں بھی نمازِ جمعہ کی ادائیگی دُرست ہے۔

❁❁❁

گاؤں میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی

سوال نمبر(285):

ضلع دیامر کی تحصیل داریل کے حلقہ نمبر۲ منکال یونین کونسل میں تین گاؤں ہیں نمبر امنکال پایاں اس کی تفصیل یہ ہے کہ مجموعہ آبادی چھ سو ہے۔ گھروں کے درمیان کھلے راستے چار ہیں اور بند راستہ ایک ہے۔ ضروریاتِ زندگی کے لیے دو عدد میڈیکل سٹور اور نو عدد دُکانیں بھی ہیں جو کہ پرچون کے لیے کارآمد ہیں۔ دو سو میٹر پر اس گاؤں کے توابع میں ایک بستی ہے جس کی تخمیناً آبادی سات سو افراد پر مشتمل ہے اور اسّی گھرانے ہیں۔

منکال بالا:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مجموعہ آبادی سولہ سو افراد پر مشتمل ہے اور سو گھرانے ہیں۔ ان گھرانوں کے درمیان

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوٰة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱۴۵/۱

سات کھلے راستے ہیں اور ایک بند راستہ ہے۔ضروریاتِ زندگی کے لیے آٹھ دُکانیں ہیں جن میں عام پرچون کا سامان ملتا ہے، اسی گاؤں کے توابع میں باڑہ ہے۔جس کی مجموعی آبادی پانچ سو ہے اور باون گھرانوں پر مشتمل ہے۔ایک عدد ڈسپنسری، ایک پبلک سکول، ایک گراؤنڈ اور ایک عدد ہسپتال جو دس بستروں پر مشتمل ہے، زیرِ تعمیر ہے۔

منکال نمبر۳:

''منکال چوکے''، جس کی آبادی کی تفصیل یہ ہے کہ کل آبادی چھ سو افراد اور ستر گھرانوں پر مشتمل ہے، درمیان میں کھلے راستے چار ہیں اور آٹھ دُکانیں ہیں۔سپلائی کے لیے سرکاری سٹور ہے اور گاؤں میں ایک دینی مدرسہ بھی ہے۔ پانچ سو فٹ کے فاصلہ پر محلّہ ''دوپرے'' واقع ہے جو چوبیس گھرانوں اور دو سو پچاس افراد پر مشتمل ہے۔''دوپرے درمیانی'' دو ہزار فٹ کے فاصلہ پر واقع ہے جو ستر گھرانوں اور تین سو پچاس افراد پر مشتمل ہے۔''دوپرے بالا'' دو ہزار تین سو فٹ کے فاصلہ پر ہے جو پینتیس گھرانوں اور تین سو پچاس افراد پر مشتمل ہے۔دوسری جانب ''اپڑے چڑئین'' چار سو فٹ کے فاصلہ پر واقع ہے جو ساٹھ گھرانوں اور دو سو اسی افراد پر مشتمل ہے۔تیسری جانب ''تربیلی محلّہ'' واقع ہے جس کی آبادی انتیس گھرانوں اور دو سو پچاس افراد پر مشتمل ہے۔اب گزارش خدمت ہے کہ جناب والا نقشہ مذکورہ کو دیکھ کر مدلل جواب سے مطمئن فرمائیں کہ کن دیہات میں جمعہ جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہ حنفی کی رو سے جمعہ کا انعقاد صرف شہر، قصبہ یا کسی بڑے گاؤں میں کیا جا سکتا ہے۔بڑے گاؤں (قریہ کبیرہ) کی علامات مختلف زمانوں میں فقہاے کرام نے اپنے عرف کے مطابق بیان کی ہیں۔موجودہ دور میں دو، ڈھائی ہزار افراد کی آبادی پر مشتمل گاؤں کو بڑے گاؤں کی حیثیت حاصل ہے۔

صورتِ مسئولہ میں بیان کیے گئے تینوں گاؤں کے بیان کردہ حالات سے ہمیں یہ وضاحت حاصل نہیں ہو رہی کہ سوال میں مذکور ہر گاؤں کے بارے ذکر کردہ آبادی کی مختلف تعداد اسی گاؤں کی رہائش پذیر ہے یا اس کے ساتھ دوسرے گاؤں کو شامل کیا گیا ہے۔لہٰذا گاؤں کی مذکورہ بالا علامات کو مدِّ نظر رکھ کر باآسانی یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ سوال میں ذکر شدہ گاؤں میں سے جس گاؤں کی آبادی دو، ڈھائی ہزار افراد ہوں تو وہاں جمعہ جائز ہوگا اور جس گاؤں کی آبادی اتنے افراد پر مشتمل نہ ہو، وہاں جمعہ کا انعقاد جائز نہ ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

لاتصحّ الجمعة الاّ في مصر جامع،أو في مصلی المصر،ولا تجوز في القرٰی.(۱)

ترجمہ: جمعہ صرف بڑے شہر یا اس کے مضافات میں جائز ہے اور گاؤں میں جائز نہیں۔

⊛⊛⊛

سترہ سو آبادی پر مشتمل گاؤں میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی

سوال نمبر(286):

ہمارے گاؤں کی آبادی تقریباً سترہ سو افراد پر مشتمل ہے اور یہ گاؤں شہر سے تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔اس گاؤں میں چھوٹی چھوٹی دُکانیں ہیں اور کوئی ڈاکخانہ وغیرہ نہیں ہے۔ازروئے شریعت ایسے گاؤں میں نمازِ جمعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے احناف ؒ کے نزدیک نمازِ جمعہ کے وجوبِ ادا کے لیے دیگر شرائط کے علاوہ بڑے شہر یا اس کے مضافات میں ہونا ضروری ہے۔موجودہ وقت میں اگر کسی جگہ کی آبادی دو ڈھائی ہزار تک پہنچتی ہو تو ایسی جگہ نمازِ جمعہ پڑھنا جائز ہے۔

صورتِ مسئولہ میں جب اس گاؤں کی آبادی سترہ سو ہے اور یہ گاؤں شہر سے دس کلومیٹر کے فاصلے پر بھی واقع ہے اور اس میں ضروریاتِ زندگی بھی پوری نہیں ہوتیں تو اس گاؤں میں نمازِ جمعہ پڑھنا جائز نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

لاتصحّ الجمعة الاّ في مصر جامع،او في مصلی المصر، ولاتجوز في القرٰی.(۲)

ترجمہ: نمازِ جمعہ کی ادائیگی صرف شہر یا مضافاتِ شہر میں جائز ہے اور گاؤں میں جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز نہیں۔

---

(۱)المرغیناني،برهان الدین أبي الحسن،علي بن أبي بکر،الهدایة، کتاب الصلوٰة،باب الجمعة:۱/۱۷۷

(۲)الهدایة، کتاب الصلوٰة،باب الجمعة: ۱/۱۷۷،مکتبه رحمانیه،لاهور

دیہات میں نمازِ جمعہ ادا کرنا

سوال نمبر(287):

ایک گاؤں جس کا نام کمالی بانڈہ ہے۔اس گاؤں کی آبادی تقریباً تین ہزار ہے۔گاؤں میں دو میڈیکل سٹور، تین عام دُکانیں اور ایک درزی کی دُکان ہے۔اس گاؤں میں تقریباً سات، آٹھ سال سے نمازِ جمعہ ادا کی جارہی ہے، لیکن اس پر لوگوں میں تاحال اختلاف موجود ہے۔شریعت کی رو سے اس گاؤں میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی کا حکم بیان فرمائیں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ احناف ؒ کے نزدیک جمعہ کی ادائیگی کے لیے دیگر شرائط کے علاوہ شہر یا اس کے مضافات کا ہونا ضروری ہے، اور بڑا گاؤں بھی اس حکم میں ہے۔شہر کی تعریف فقہائے کرام نے ہر زمانے میں اپنے عرف کو دیکھ کر کی ہے۔موجودہ دور میں جس گاؤں کی کل آبادی دو ہزار یا ڈھائی ہزار افراد تک پہنچتی ہو تو ایسے گاؤں میں دیگر شرائط کی رعایت کرتے ہوئے جمعہ وعیدین پڑھنا واجب ہے، بصورتِ دیگر ظہر کی نماز ادا کرنا چاہیے۔

صورتِ مسؤلہ میں چونکہ ذکر کردہ گاؤں کی آبادی دو، ڈھائی ہزار سے متجاوز ہے، اس لیے اس میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی جائز ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

لاتصحّ الجمعة الآ في مصر جامع او في مصلی المصر، ولاتجوز في القری.(۱)

ترجمہ:

نمازِ جمعہ کی ادائیگی صرف شہر یا مضافات شہر میں جائز ہے اور گاؤں میں جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز نہیں۔

❁❁❁

(۱) الھدایة، کتاب الصلوٰة، باب الجمعة: ۱/۱۷۷ رحمانیه، لاھور

مسجد میں پنجگانہ نماز کے اہتمام کے بغیر جمعہ

سوال نمبر(288):

جس مسجد میں پنجگانہ نماز کی پابندی نہ ہو، بلکہ ایک یا دو نمازیں پڑھی جاتی ہوں، لیکن دوسری جملہ شرائطِ جمعہ اس مسجد سے متعلقہ علاقے میں موجود ہوں تو پنجگانہ نماز کی عدمِ پابندی کی بنا پر جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

واضح رہے کہ جمعہ کی نماز کے انعقاد کے لیے مسجد میں پنجگانہ نماز کی پابندی ضروری نہیں بلکہ جس علاقے میں صحتِ جمعہ کے لیے فقہائے کرام کی ذکر کردہ شرائط موجود ہوں وہاں جمعہ پڑھنا درست رہے گا۔ وہ شرائط کل سات ہیں، جو یہ ہیں: شہر ہو، حاکم یا اُس کا نائب ہو، ظہر کا وقت ہو، خطبہ جمعہ پڑھا جائے، خطبہ نماز سے پہلے پڑھا جائے، نمازِ جمعہ جماعت سے پڑھی جائے اور اذنِ عام۔ ان شرائط سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز کے لیے مسجد میں پنجگانہ نماز کی پابندی شرط نہیں، لہٰذا اگر کسی مسجد میں پانچ وقت جماعت سے نماز پڑھنے کا اہتمام نہ ہو وہاں بھی جمعہ پڑھنا درست ہے، بلکہ مسجد کے علاوہ کسی میدان یا چمن وغیرہ میں بھی جمعہ کی نماز درست ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(ویشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول: (المصر)..... والثاني: (السلطان)..... والثالث: (وقت الظهر)..... والرابع: (الخطبة)، والخامس (كونها قبلها)..... والسادس: (الجماعة) والسابع: (الإذن العام). (۱)

ترجمہ:

جمعہ کی صحت کے لیے سات چیزیں شرط ہیں: پہلی شرط مصر۔۔۔ دوسری شرط سلطان۔۔۔ تیسری شرط ظہر کا وقت ۔۔۔ چوتھی شرط خطبہ ہے، پانچویں شرط خطبے کو نماز سے پہلے پڑھنا۔۔۔ اور چھٹی شرط جماعت ہے، جبکہ ساتویں شرط اذنِ عام ہے۔

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمعة: ۳/۵_۲۵

چین کے شہروں میں جمعہ کی نماز

سوال نمبر(289):

چین کے بعض شہروں میں مسلمان آباد ہیں۔ پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک کے باشندے بھی تجارت کی غرض سے آتے ہیں۔کیاان مسلمانوں کی اکثریت والے شہروں میں جمعہ پڑھنا درست ہے؟اور تجارت کی غرض سے جومسلمان ان شہروں میں ٹھہرتے ہیں،ان کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ کسی ملک میں حکومت کا غیر اسلامی ہونا جمعہ کی صحت کے لیے مانع نہیں،اس لیے اگران شہروں میں جمعہ کی دیگر شرائط موجود ہوں تو پھر وہاں کے مسلمان باہمی مشورہ سے کسی عالم کو خطیب مقرر کرکے اس کی نگرانی میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی کا اہتمام کریں،اور جو مسلمان ان شہروں میں تجارت کی غرض سے آکر ٹھہرتے ہیں توان کی اقامت اگران شہروں میں پندرہ دن سے زیادہ ہوتو پھر یہ دوسرے مسلمانوں کی طرح مقیم ہوں گےاوران پر جمعہ ادا کرنا فرض ہوگا۔اس کے برعکس اگران تاجروں کا قیام پندرہ دن سے کم ہوتو پھر مسافر کے حکم میں شمار ہوں گےاور جمعہ کا فریضہ مسافر سے ساقط ہوجاتا ہے،پھر بھی اگر وہ جمعہ کی نماز میں شریک ہوجاتے ہیں تو ظہر کی ادائیگی ساقط ہوجائے گی۔

والدلیل علی ذلك:

وبهذا ظهر جهل من يقول:لاتصح الجمعة في أيام الفتنة،مع أنها تصح في البلادالتي استولى عليهاالكفار.(١)

البلادالتي في أيدي الكفار بلاد الإسلام،لابلادالحرب......فلوالولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامةالجمعة،ويصير القاضي قاضيابتراضي المسلمين.(٢)

ترجمہ:

اس سے ان لوگوں کی جہالت معلوم ہوئی جو کہتے ہیں کہ فتنہ کے زمانے میں جمعہ درست نہیں،حالانکہ جمعہ تو

(١) ردالمحتارعلی الدرالمختار، كتاب الصلوة،باب الجمعة:٣/٦

(٢)أيضاً،مطلب في جوازاستنابةالخطيب:٣/١٤

ان شہروں میں بھی درست ہے جن پر کفار کا قبضہ ہو۔۔۔

وہ اسلامی شہر جو کفار کے قبضہ میں ہیں وہ اسلامی شہر ہیں، بلاد الحرب نہیں۔۔۔۔اگر وہاں کے والی کفار ہوں، پھر بھی مسلمانوں کا جمعہ درست رہے گا۔اور مسلمانوں کے قاضی بنانے سے قاضی بنے گا۔

والمسافرإذا قدم المصريوم الجمعة على عزم أن لايخرج يوم الجمعة،لايلزمه الجمعةما لم ينوي الإقامة خمس عشريوما.(۱)

ترجمہ:

مسافر اگر جمعہ کے دن اس ارادے سے شہر میں داخل ہو جائے کہ وہ جمعہ کے دن (شہر) سے باہر نہیں جائے گا، پھر بھی اس پر جمعہ لازم نہیں، جب تک کہ وہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کر لیتا۔

❁❁❁

ضرورت کی بنا پر جمعہ مسجد سے باہر پڑھنا

سوال نمبر(290):

مسجد زیر تعمیر ہے جس میں نماز پڑھنا مشکل ہے، اگر اہلِ محلہ کسی اور جگہ جمعہ کی نماز عارضی طور پر پڑھنا شروع کردیں تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر جمعہ کی دیگر شرائط موجود ہیں تو مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ جمعہ کا انعقاد صحیح ہے، البتہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جہاں جمعہ کی نماز شروع کی ہے، اس جگہ کے مالک سے اجازت لی جائے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قوله:(أومصلاه)أي مصلى المصر؛لأنه من توابعه،فكان في حكمه،والحكم غيرمقصور على المصلي،بل يجوزفي جميع أفنية المصر؛لأنهابمنزلةالمصرفي حوائج أهله.(۲)

(۱) خلاصةالفتاوی، كتاب الصلوة،الفصل الثالث والعشرون في صلاةالجمعة:۱/۲۰۷مكتبه رشيديه كوئٹه

(۲)البحرالرائق، كتاب الصلوة،باب صلوةالجمعة:۲/۲٤۷

ترجمہ:
(شہر کی عیدگاہ) کیونکہ یہ شہر کے توابع میں سے ہے، اس لیے شہر کے حکم میں داخل ہے، یہ حکم صرف عیدگاہ تک محدود نہیں، بلکہ شہر کے جملہ مضافات میں بھی پڑھنا جائز ہے، کیونکہ عیدگاہ اہلِ مصر کی ضروریات پوری کرانے میں مصر کی طرح ہے۔

❁❁❁

شہر کے توابع میں نمازِ جمعہ

سوال نمبر(291):

ہمارا گاؤں شہر سے قریباً تین کلو میٹر دور ہے۔ روزمرہ کی ضروریات اسی شہر سے وابستہ ہیں تو کیا اس گاؤں میں نماز جمعہ کا انعقاد درست رہے گا۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جس شہر یا گاؤں میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں، وہاں جمعہ پڑھنا درست ہے۔ اور اسی شہر کے ساتھ ملحقہ وہ علاقہ اور محلے جو اس شہر کے فنا میں داخل ہوں، وہاں بھی جمعہ کا انعقاد درست ہے۔

لہٰذا اگر یہ علاقہ عرف میں اسی شہر کے فنا اور توابع میں شمار ہوتا ہو اور مستقل علاقہ شمار نہ ہوتا ہو تو اس میں جمعہ کا انعقاد درست رہے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(ویشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول: (المصر.... أو فناءه (وهو ما) حوله (اتصل به) أولا، كما حرره ابن الكمال وغيره (لأجل مصالحه) كدفن الموتیٰ. (۱)

ترجمہ: جمعہ کے انعقاد کی درستگی کے لیے سات چیزیں شرط ہیں: پہلی شرط شہر یا فنائے شہر ہے۔۔۔۔، یعنی شہر کے اردگرد کے علاقے چاہے متصل ہوں یا نہ ہوں اور وہ علاقے شہر کے مصالح کے لیے ہوں، جیسے مردوں کو دفنانے کی جگہ (قبرستان) وغیرہ۔

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۳/ ۵ـ۷

نمازِ جمعہ کے وقت راستوں کو بند کرنا

سوال نمبر(292):

وی آئی پی ہاؤسز میں ملازمین کے لیے باقاعدہ مسجد ہے جس میں پانچ وقت نمازوں کے علاوہ جمعہ پڑھایا جاتا ہے، لیکن تخریب کاری کے خطرات سے بچنے کی خاطر دورانِ جمعہ مین گیٹ بند کردیا جاتا ہے۔اس سے اذنِ عام کی شرط متاثر ہوگی یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ جمعہ کی نماز کی شرائط میں سے ایک شرط اذنِ عام بھی ہے، تاکہ ہر خاص وعام بسہولت جمعہ ادا کرسکے، لیکن دہشت گردی یا تخریب کاری سے بچنے کی خاطر اگر کسی دفتر، قلعہ یا اہم جگہ کے دروازے بند کردیے جائیں اور مسجد کا دروازہ کھلا رہے تو ایسا کرنا جائز ہے، کیوں کہ یہ کام مسلمانوں کو نماز سے روکنے کے لیے نہیں کیا جارہا، بلکہ ممکنہ خطرات سے نمٹنے اور ان سے بچنے کے لیے کیا جارہا ہے جس کی شرعاً گنجائش موجود ہے، کیوں کہ سب کو معلوم ہے کہ ایسی مسجد سب لوگوں کے لیے نہیں ہوتی، بلکہ صرف وہاں کے رہائشی افراد کے لیے ہوتی ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

لا يضر غلق باب القلعة لعدوّ،أولعادة قديمة ؛لأن الإذن العام مقرر لأهله،وغلقه لمنع العدو لاالمصلي،نعم لولم يغلق لكا ن أحسن.(١)

ترجمہ:

پرانی عادت یا دشمن کے خوف کی وجہ سے قلعہ کا دروازہ بند کرنا صحیح ہے، کیوں کہ اذنِ عام اہلِ محلّہ کے لیے ہے اور دروازہ بند رکھنا دشمن کو روکنے کے لیے ہے، نہ کہ نمازی کو منع کرنے کے لیے، ہاں اگر بند نہ رکھا جائے تو بہتر ہے۔

❁❁❁

(١)حاشية منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلوة،باب صلوة الجمعة،تحت قوله:(حتى أن أميرا لوأغلق):٢/٢٦٤

چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھنا

سوال نمبر (293):

ہمارے گاؤں کی آبادی دوسو گھروں پر مشتمل ہے۔بیس گھر مسجد کے ساتھ متصل اور باقی تین کلومیٹر تک پھیلے ہوئے ہیں۔تقریباً آٹھ دکانیں ہیں تو کیا اس گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وبالله التوفیق:

نمازِ جمعہ وعیدین کے وجوبِ ادا کے لیے دیگر شرائط کے علاوہ متعلقہ علاقے کا مصر،فنائے مصر یا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے۔موجودہ دور میں جس علاقے کی آبادی دوڈھائی ہزار افراد پر مشتمل ہو،وہ بڑا گاؤں کہلاتا ہے۔اس سے کم آبادی والے گاؤں کے لوگوں پر نمازِ جمعہ وعیدین واجب نہیں،چونکہ مذکورہ علاقے کی حیثیت نہ شہر کی ہے،نہ فنائے شہر میں واقع ہے اور نہ اس کی آبادی اتنی ہے کہ بڑا گاؤں کہلا سکے،اس لیے یہاں جمعہ پڑھنا واجب نہیں،اور بغیر وجوب کے پڑھنا مکروہِ تحریمی کے درجہ میں ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع،أوفي مصلى المصر،ولا تجوز في القرى.(۱)

ترجمہ:

جمعہ کی نماز جائز نہیں،مگر شہر کی جامع مسجد یا عیدگاہ میں۔گاؤں میں جمعہ پڑھنا درست نہیں۔

❁❁❁

گاؤں کے توابع میں جمعہ وعیدین

سوال نمبر (294):

ہمارا گاؤں شہر کی پختہ سڑک سے آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔کل آبادی تقریباً ساڑھے تین ہزار افراد پر مشتمل ہے۔کل آٹھ مساجد ہیں۔دوسو گز کے فاصلہ پر واقع گاؤں کی مسجد میں عرصے سے جمعہ بھی پڑھایا جاتا ہے۔ہمارا

---

(۱) الهداية، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة: ۱/ ۱۰۷.

قبرستان ایک ہے، غمی، خوشی میں بھی باہمی طور پر شریک ہوتے ہیں۔ ہائی سکول بھی ایک ہے۔ لیکن چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر ہم مذکورہ مسجد میں جمعہ پڑھنے سے قاصر ہیں تو کیا ہم اپنے گاؤں کی مسجد میں جمعہ کی نماز شروع کرا سکتے ہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جمعہ کی صحتِ ادائیگی کے لیے دوسری شرائط کے علاوہ ایک شرط مصر ہے یا وہ بڑا گاؤں جس میں شہر کی طرح سہولتیں پائی جاتی ہوں۔ مصر کی تعریف میں فقہائے کرام کی آرا مختلف چلی آرہی ہیں، لیکن ہر فقیہ نے اپنے زمانہ کے حالات اور عرف کو دیکھ کر مصر کی تعریف کی ہے۔ موجودہ دور میں جس علاقہ کی آبادی دو ڈھائی ہزار افراد پر مشتمل ہو، وہ شہر کی تعریف میں داخل ہوگا اور وہاں جمعہ پڑھنا جائز ہوگا، اور وہ علاقے جو اس کے توابع میں داخل ہوں، وہاں بھی جمعہ جائز ہوگا۔

لہٰذا محررہ حالات کی روشنی میں اگر واقعی قریبی گاؤں اور مذکورہ بستی کے عوام کی عادتیں اور بود و باش ایک ہو، غمی اور خوشی میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوتے ہوں، قبرستان بھی ایک ہو اور سرکاری طور پر بھی ایک علاقہ سمجھا جاتا ہو تو پھر تین ہزار پانچ سو آبادی کی بنا پر مذکورہ گاؤں قریہ کبیرہ کے حکم میں ہے لہٰذا جمعہ کی نماز پڑھنا درست ہوگا اور مذکورہ بستی اس کے محلّہ میں ہونے کی وجہ سے توابع میں شمار ہوگی، جب ایک علاقہ میں جمعہ کی نماز پڑھنا درست ہوگا تو اس کے محلوں میں بھی درست ہوگا۔ اور اگر یہ دو الگ الگ مستقل علاقے ہوں اور آپ کی بستی اس گاؤں کے توابع میں سے نہ ہو تو پھر آپ کے علاقہ میں جمعہ پڑھنا درست نہیں ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

أما المصر الجامع: فشرط وجوب الجمعة، وشرط صحة أدائها عند أصحابنا، حتى لا تجب الجمعة إلا على أهل المصر، ومن كان ساكنا في توابعه، وكذا لا يصح أداء الجمعة إلا في المصر وتوابعه، فلا تجب على أهل القرى التي ليست من توابع المصر، ولا يصح أداء الجمعة فيها. (١)

---

(١) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الجمعة: ٢/١٨٨

ترجمہ:

ہمارے ائمہ کے نزدیک جامع مصر جمعہ کے وجوب اور ادائیگی کی صحت کے لیے شرط ہے، لہٰذا جمعہ شہر یا اس کے مضافات میں رہنے والوں پر ہی واجب ہے، اسی طرح جمعہ کی ادائیگی کے لیے شہر ہونا یا اس کے مضافات میں سے ہونا شرط ہے، لہٰذا ان گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں جو شہر کے مضافات میں داخل نہ ہوں، اور نہ ان کا جمعہ صحیح ہوگا۔

❁❁❁

جمعہ کے جواز کے لیے اذنِ عام

سوال نمبر (295):

ایک مارکیٹ کے اوپر مسجد بنی ہوئی ہے، اس کے نمازی دشمنی کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکتے، اور مسجد کے بڑے دروازے کے پاس چوکیدار بھی بیٹھتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چوکیدار کا دروازے کے پاس بیٹھنے کی وجہ سے اذنِ عام کی شرط مفقود ہے، اس لیے یہاں جمعہ پڑھنا درست نہیں ہوگا۔ تو دشمنی کی وجہ سے چوکیدار کا دروازے کے پاس بیٹھنے سے مذکورہ مسجد میں جمعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ نمازِ جمعہ کی صحت کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس جگہ پڑھائی جاتی ہو، اس کے دروازے عوام الناس کے لیے کھلے ہوں اور ہر آدمی کو وہاں نماز پڑھنے کی اجازت ہو، اس کو فقہی اصطلاح میں اذنِ عام کہا جاتا ہے۔ اگر کہیں اذنِ عام کی شرط نہ پائی جاتی ہو تو وہاں جمعہ پڑھنا درست نہیں ہوگا، لیکن مذکورہ مسجد کے دروازے پر چوکیدار کے بیٹھنے کا مقصد مسلمانوں کو نماز سے روکنا نہیں، بلکہ دشمنوں سے حفاظت ہے، اس لیے وہاں پر جمعہ پڑھنا درست ہے۔

والدّليل علىٰ ذلك:

لا يضر غلق باب القلعة لعدو، أولعادة قديمة ؛لأن الإذن العام مقرر لأهله، وغلقه لمنع العدو لا المصلي نعم لولم يغلق لكان أحسن. (١)

(١) حاشية منحة الخالق على البحر الرائق كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، تحت قوله: حتىٰ أن أميرا لو أغلق: ٢/ ٢٦٤

ترجمہ:

پُرانی عادت یا دشمن کے خوف کی وجہ سے قلعہ کا دروازہ بند کرنا صحیح ہے، کیوں کہ اذنِ عام اہلِ محلّہ کے لیے ہے اور دروازہ بند رکھنا دشمن کو روکنے کے لیے ہے، نہ کہ نمازی کو منع کرنے کے لیے، ہاں اگر بند نہ رکھا جائے تو بہتر ہے۔

❁❁❁

مسافر کا جمعہ پڑھانا

سوال نمبر(296):

پنجگانہ نماز پڑھانے والے مقیم امام اور خطیب جمعہ کے ہوتے ہوئے ایک مسافر آدمی نماز جمعہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ نمازِ جمعہ مسافر کی اقتدا میں درست نہیں سمجھتے۔ شرعی لحاظ سے اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس طرح خطیبِ مسجد یا مقیم امام جمعہ پڑھا سکتا ہے، اسی طرح مسافر بھی جمعہ پڑھا سکتا ہے، کیونکہ مسافر شخص جب جمعہ کو حاضر ہوتا ہے تو جمعہ کے وجوب کے اعتبار سے مسافر اور مقیم کی حیثیت برابر ہو جاتی ہے، اس لیے مسافر آدمی کا جمعہ پڑھنا اور پڑھانا از روئے شریعت درست ہے، تاہم مسجد کے امام یا خطیب کی اجازت ضروری ہے تا کہ باہمی نزاع کا باعث نہ ہو اور مسجد کے انتظامی امور بھی متاثر نہ ہوں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ویجوز للمسافر، والعبد، والمریض أن یؤم في الجمعة.(۱)

ترجمہ:

مسافر، غلام اور مریض کے لیے جائز ہے کہ وہ جمعہ کی امامت کرے۔

❁❁❁

(۱) الهداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱۷۹/۱

جمعہ کے لیے اذنِ عام کی شرط

سوال نمبر(297):

ایک مسجد میں جمعہ پڑھایا جاتا ہے اور جمعہ کے دن عام لوگوں کو وہاں نماز پڑھنے کی اجازت ہوتی ہے، لیکن پنجگانہ نماز کے لیے اذنِ عام نہیں ہوتا اس لیے بعض لوگ یہاں جمعہ پڑھنا درست نہیں سمجھتے، وضاحت فرمائیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جمعہ کی نماز کی صحتِ ادا کے لیے جو شرائط فقہائے کرام نے مقرر کی ہیں، ان کا تعلق فقط جمعہ کی نماز سے ہے، کسی اور نماز کو شامل نہیں۔ اذنِ عام بھی جمعہ کی ادائیگی کی صحت کے لیے شرط ہے۔ جب جمعہ کی نماز کے لیے اذنِ عام کی شرط پائی جاتی ہے تو پھر اس میں نماز جمعہ درست رہے گی، اگرچہ دوسری نمازوں میں عام اجازت نہ پائی جاتی ہو۔

لہٰذا مذکورہ مسجد میں اگر واقعی اذنِ عام کے ساتھ ساتھ دوسری شرائط بھی موجود ہوں تو جمعہ پڑھنا درست رہے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(ویشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول: (المصر)......(و)السابع: (الإذن العام).(۱)

ترجمہ:

جمعہ کی صحتِ ادا کے لیے سات چیزیں شرط ہیں: پہلی شرط مصر ہے۔۔۔۔اور ساتویں شرط اذنِ عام، یعنی عام اجازت ہے۔

گھر میں نمازِ جمعہ ادا کرنا

سوال نمبر(298):

ہمارے شہر کے بعض لوگ دشمنی کے خوف کی وجہ سے جامع مسجد جا کر جمعہ پڑھنے سے قاصر ہیں، لہٰذا اگر یہ

(۱) الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باؤب الجمعة:۳/۵_۲۵

لوگ جامع مسجد کی بجائے گھر میں جمعہ کی نماز پڑھ لیں تو کیا اس طرح جمعہ کا فریضہ ادا ہو جائے گا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ جمعہ کی صحت کے لیے شہر یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے یا وہ علاقہ جو شہر کے فنا میں واقع ہو۔ مسجد جمعہ کی صحت کے لیے شرط نہیں، اس لیے جمعہ پڑھنا صرف مسجد پر موقوف نہیں، بلکہ شہر میں کسی اور جگہ بھی جمعہ پڑھنا جائز ہے، لہٰذا گھر یا حجرہ میں نمازِ جمعہ پڑھنے کی گنجائش ہے، تاہم گھر میں جمعہ پڑھنے کا معمول نہ بنایا جائے کہ اس سے جمعہ کی وقعت میں کمی آئے گی۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں اذنِ عام ہو تاکہ جمعہ چند آدمیوں تک محدود نہ رہے اور امام کے علاوہ تین افراد پر مشتمل جماعت کا ہونا ضروری ہے، اکیلے شخص یا مذکورہ تعداد سے کم افراد کا جمعہ پڑھنا صحیح نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وكما يجوز أداء الجمعة في المصر، يجوز أداءها في فناء المصر. (۱)

ترجمہ: جمعہ کی ادائیگی شہر میں جائز ہے اور اسی طرح شہر کے مضافات میں بھی جائز ہے۔

❁❁❁

جمعہ کی نماز ظہر کے وقت سے پہلے یا بعد میں پڑھنا

سوال نمبر (299):

اگر جمعہ کی نماز ظہر کے وقت سے پہلے یا بعد میں پڑھی جائے تو جمعہ ادا ہو جائے گا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق جمعہ کی نماز کے لیے ظہر کا وقت شرط ہے، اس لیے حضور ﷺ نے سورج ڈھلنے کے بعد جمعہ پڑھنے کا حکم کیا ہے، چونکہ جمعہ نمازِ ظہر کی قائم مقام ہے، اس لیے نہ تو ظہر کے وقت سے پہلے جمعہ درست ہے اور نہ ظہر کا وقت نکلنے کے بعد، البتہ جمعہ میں جلدی کرنا افضل ہے۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس في صلاة الجمعة: ۱/۱٤٥

والدّليل علىٰ ذلك:

قوله:(ووقت الظهر)أي شرط صحتها أن تؤدي في وقت الظهر فلا تصح قبله ولا بعده؛ لأن شرعية الجمعة مقام الظهر.(۱)

ترجمہ:

(جمعہ کے شرائط میں سے) ظہر کا وقت ہونا بھی ہے، یعنی جمعہ کی صحت کی شرط ظہر کے وقت میں اس کی ادائیگی ہے، نہ تو اس سے پہلے درست ہے اور نہ اس کے بعد، کیونکہ جمعہ کی مشروعیت ظہر کی قائم مقام ہے۔

❁❁❁

جمعہ کی ادئیگی کے لیے اسلامی حکومت

سوال نمبر(300):

مسلمانوں کی ریاست میں شریعت نافذ نہ ہو تو کیا اس ریاست میں جمعہ کا انعقاد درست رہے گا۔ یہاں بعض حضرات مصر کی تعریف سے استدلال کرتے ہیں کہ شریعت کے مکمل نظام کی تنفیذ جس ریاست میں نہ ہو، وہاں جمعہ درست نہیں۔ اس کی وضاحت فرمائیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

حضرات فقہائے کرام نے جمعہ کی صحت کے لیے جن شرائط کو ذکر کیا ہے، ان شرائط میں سے یہ شرط منقول نہیں کہ جمعہ کے جواز کے لیے شریعت کا نفاذ شرط ہے۔ یہ اشتباہ اس وجہ سے پیدا ہوا کہ جمعہ کے شرائط میں سے مصر ہے۔ جس کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ مصر اس علاقے اور موضع کا نام ہے جہاں امیر ہو اور قاضی ہو، احکام بھی نافذ کرے اور حدود بھی قائم کرے، چونکہ مصر کی تحدید کسی نص سے ثابت نہیں، اس لیے ہر زمانے میں عرف کا سہارا لیکر مصر کی تعریف کی گئی ہے۔ احناف کا یہ مشہور قاعدہ ہے کہ جہاں شارع کی طرف سے ایک حکم کے بارے میں تصریح نہ ہو، وہاں مبتلیٰ بہ کی رائے کا اعتبار ہوتا ہے تو مصر بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ ہر زمانے میں عرف پر ہی اس کا مدار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے احناف سے مصر کی تحدید و تعریف میں مختلف آراء منقول ہیں۔ علاوہ ازیں فقہائے کرام کی تصریحات سے یہ بھی

(۱) البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجمعۃ: ۲/ ۲۵۶

معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ پڑھنا وہاں بھی درست ہے، جہاں بالفعل احکام نافذ نہ ہوں، صرف ایسا حاکم ہو، جو احکام نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔فقہاے کرام ان شہروں میں جمعہ کی اجازت دیتے ہیں جو غیر اسلامی ریاستوں کی مسلم آبادی پر مشتمل ہوں اور اسلامی ریاستوں اور ممالک میں تو بلاشبہ درست ہے۔

والدّليل علىٰ ذلك:

ليس المراد تنفيذ جميع الأحكام بالفعل،إذا الجمعة أقيمت في عهد أظلم الناس وهو الحجاج،أو أنه ما كان ينفذ جميع الأحكام،بل المراد اقتداره علىٰ ذلك.(۱)

ترجمہ:

تمام احکامات کی بالفعل تنفیذ مراد نہیں، کیونکہ جمعہ تو زمانے کے سب سے بڑے ظالم حاکم حجاج کے دور میں بھی قائم تھا اور وہ تمام احکام نافذ نہیں کرتا تھا، بلکہ مراد اس سے حاکم کے احکام کی تنفیذ پر قدرت ہے۔

❁❁❁

جمعہ کی صحت کے لیے حاکمِ وقت کی شرط

سوال نمبر (301):

جمعہ کی صحت کے لیے دیگر شرائط کے علاوہ یہ شرط بھی پائی جاتی ہے، کہ حاکم یا اس کا نائب حاضر ہو، یعنی حاکم کا مقرر کردہ نامزد شخص ہو، حالانکہ آج کل مساجد کے ائمہ اور خطبا کسی حاکم کے مقرر کردہ نہیں ہوتے۔تو اس شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے جمعہ کی صحت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

بے شک جمعہ کی ادائیگی کی صحت کے لیے دیگر شرائط کے علاوہ یہ بھی شرط ہے کہ حاکم جمعہ کی نماز میں خود حاضر ہو یا حاکم کا نائب جو اس کا نامزد کردہ ہو، لیکن یہ شرط بالذات مقصود نہیں، بلکہ فقہاے کرام نے یہ شرط انتظامی امور کے حوالے سے ذکر کی ہے تاکہ زیادہ لوگوں کے ایک جگہ اکھٹے ہونے میں امن وامان کا مسئلہ پیدا نہ ہو اور انتشار نہ پھیلے۔ چنانچہ جہاں کہیں یہ مقصد حاکم کے بغیر حاصل ہو، کسی قسم کا تنازعہ یا ناگفتہ بہ صورتحال پیدا نہیں ہوتی وہاں اس کے بغیر بھی

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة،باب الجمعة،تحت قوله:(بقدر......):۶/۳

جمعہ پڑھنا جائز ہوگا۔ موجودہ دور میں جب کہ حکام کو جمعہ اور قیام جمعہ کی اہمیت کا کوئی ادراک واحساس نہیں اور اُن کے بغیر بھی قیام جمعہ میں انتشار کا خطرہ نہیں اس لیے اس شرط کے بغیر بھی جمعہ کی صحت متاثر نہیں ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(ولا يجوز إقامتها إلا للسلطان) أولمن أمره السلطان ،لانها تقام بجمع عظيم،وقد تقع المنازعة في التقدم والتقديم.(١)

ترجمہ: جمعہ کا انعقاد حاکم یا وہ شخص جس کو حاکم حکم کرے کے علاوہ کے لیے جائز نہیں، کیونکہ جمعہ ایک عظیم جماعت کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے اور کبھی کبھی اس بات پر جھگڑا ہو جاتا ہے کہ امامت کے لیے کس کو آگے کریں۔

❁❁❁

اگر بڑے گاؤں کی آبادی کم ہو جائے

سوال نمبر(302):

ہمارے ہاں بالاکوٹ کا ایک علاقہ ہے جو گرمی کے موسم میں بڑے گاؤں کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے، کیونکہ گرمیوں میں لوگ اسی کا رخ کرتے ہیں، لیکن سردی کے موسم میں یہاں سے لوگ نکل جاتے ہیں تو گرمی کے موسم میں یہاں جمعہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر گرمی کے موسم میں یہ علاقہ بڑا گاؤں بن جاتا ہو تو جب تک بڑے گاؤں کی شرط موجود ہوگی، جمعہ درست رہے گا، لیکن سردی کے موسم میں آبادی کم ہو جانے سے اگر بڑے گاؤں کی حیثیت متاثر ہو جائے تو جمعہ کا حکم بھی متاثر رہے گا۔ اسی علت کی بنا پر منیٰ کے مقام پر صرف ایام حج میں جمعہ درست ہے، باقی ایام میں شرائط جمعہ کے فقدان کی وجہ سے جمعہ درست نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(جازت) الجمعة (بمنى في الموسم) فقط. قال ابن عابدين: أي موسم الحاج وهو سوقهم و

(١) الهداية، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ١٧٨/١

مجتمعهم.... فلا تصح في منىٰ في غيرأيام اجتماع الحاج فيها لفقد بعض الشروط.(۱)

ترجمہ: منیٰ کے مقام پر صرف مخصوص ایام میں جمعہ پڑھنے کا جواز ہے۔علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حاجیوں کے (جمع ہونے کے) موسم میں جب یہ حاجیوں کا بازار بھی ہوتا ہے اور جمع ہونے کی جگہ بھی۔۔۔۔۔تو پھر حج کے اجتماع کے بغیر دوسرے ایام میں منیٰ میں بعض شرائط کے فقدان کی بنا پر جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے۔

❁❁❁

چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھنے کی تحقیق

سوال نمبر(303):

ہمارے گاؤں کی کل آبادی چند گھروں پر مشتمل ہے۔قریب کوئی شہر بھی نہیں ہے،اور نہ کوئی بڑا گاؤں ہے۔ اب یہاں کچھ لوگ جمعہ شروع کرانا چاہتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ہم احتیاطاً ظہر بھی پڑھیں گے۔شریعت کی رو سے جمعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

محررہ حالات کی روشنی میں مذکورہ علاقہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے،اور کسی بڑے گاؤں کے توابع میں بھی شمار نہیں کیا جاسکتا،اس لیے یہاں پر ظہر کی نماز پڑھنا واجب ہے۔جہاں تک جمعہ کے دن جمعہ کے بعد احتیاطاً ظہر پڑھنے کا حکم ہے،وہ ان جگہوں کے ساتھ خاص ہے جہاں جمعہ پڑھنے کے جواز کے بارے میں شک ہو،اور جس جگہ کے بارے میں یقین ہو کہ وہاں جمعہ پڑھنے کی شرائط نہیں پائی جاتیں تو وہاں پر ابتداً ظہر کی نماز ہی پڑھنی چاہیے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ثم في كل موضع وقع الشك في جواز الجمعة، لوقوع الشك في المصر،أو غيره، وأقام أهله الجمعة ينبغي أن يصلوا بعد الجمعة أربع ركعات، وينووا بها الظهر،حتىٰ لولم تقع الجمعة موقعها،يخرج عن عهدة فرض الوقت بيقين.(۲)

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة،باب الجمعة،مطلب في جوازاستنابة الخطيب:۳/۱۴

(۲) الفتاوى الهندية،كتاب الصلوة،باب الجمعة:۱/۱۴۵

ترجمہ: پھر ہر اس جگہ پر جہاں جمعہ کے بارے میں شک ہو کہ وہ شہر ہے یا نہیں اور وہاں کے رہنے والے جمعہ کی نماز ادا کریں تو ان کو چاہیے کہ وہ جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھیں اور ان میں ظہر کی نیت کریں کہ اگر جمعہ کی ادائیگی درست نہ ہو تو یہ اس کا قائم مقام بن جائے اور یقین کے ساتھ فرض سے ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

❁❁❁

آٹھ ہزار آبادی والے دیہات میں جمعہ

سوال نمبر(304):

ہمارے دیہات کے قریب ترین علاقوں کی کل آبادی آٹھ ہزار کے قریب ہے۔ روزمرہ کی ضروریات بھی مہیا ہیں۔ گورنمنٹ سکولز، بجلی، پختہ سڑک اور دیگر سہولتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ تو اس دیہات میں جمعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جمعہ کی دیگر شرائط کے علاوہ ایک شرط مصر یا فنائے مصر ہے اور بڑا گاؤں بھی مصر کے حکم میں داخل ہے، لیکن شہر یا بڑے گاؤں کی کوئی ایسی حد مقرر نہیں جس کو اعتبار دیا جاسکے، کیونکہ ہر زمانے کے فقیہ نے اپنے زمانے کے عرف اور حالات کو دیکھ کر مصر کی تعریف کی ہے۔ موجودہ زمانے میں جس گاؤں کی مستقل آبادی بشمول مرد و زن چھوٹے، بڑے، مسلم وغیر مسلم دو ڈھائی ہزار تک پہنچتی ہو اور ضروریاتِ زندگی کا سامان بھی موجود ہو تو وہ بڑا گاؤں سمجھا جائے گا، تاہم یہ آبادی ایک گاؤں کی ہو، اگر کسی علاقہ میں چھوٹے چھوٹے گاؤں ہوں اور عرف میں وہ الگ الگ گاؤں شمار ہوتے ہوں اور ان سب کی آبادی دو ڈھائی ہزار تک پہنچتی ہو تو شرعاً وہ قریہ کبیرہ کے حکم میں نہیں کہ وہاں جمعہ کا انعقاد درست ہو۔

محررہ حالات کی روشنی میں اگر یہ آٹھ ہزار آبادی کسی ایک گاؤں کی ہو تو وہاں جمعہ کا انعقاد درست رہے گا اور اگر یہ مذکورہ آبادی قریبی مختلف گاؤں کی ہو تو پھر یہ قریہ کبیرہ کے حکم میں نہیں، لہٰذا وہاں جمعہ کا انعقاد درست نہیں رہے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

تقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (۲)

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۳/۶

ترجمہ:

شہر اور ایسے بڑے دیہاتوں میں جہاں بازاریں بھی ہوں، جمعہ فرض ہوگا۔

❁❁❁

جمعہ کی نماز کے لیے مسجد کا ہونا

سوال نمبر(305):

کیا نماز جمعہ کے لیے مسجد کا ہونا ضروری ہے۔اگر جمعہ ایسی مسجد میں پڑھا جائے جو شرعاً مسجد نہ ہو یا کسی میدان میں پڑھا جائے تو درست ہو جائے گا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نماز جمعہ کی صحت کے لیے جو شرائط بیان کی گئی ہیں، ان شرائط میں مسجد کا ذکر نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی صحت کے لیے مسجد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔لہٰذا جس علاقے میں نماز جمعہ کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں تو اس علاقہ کے باشندوں کا کسی میدان یا جائے نماز (مصلی) میں جمعہ ادا کرنا بھی درست رہے گا،لیکن مسجد میں جمعہ ادا کرنے کی افضلیت اپنی جگہ مسلم ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

لو أن الأمير خرج للاستسقاء وخرج معه ناس كثير،فحضرت الجمعة،فصلى بهم الجمعة في الجبانة......أجزأهم.(۱)

ترجمہ:

اگر امیر نماز استسقا پڑھنے کے لیے باہر جائے اور اس کے ساتھ لوگ بھی کثیر تعداد میں نکلیں اور جمعہ کا وقت ہو جائے، پس وہ کھلے میدان میں جمعہ پڑھائے۔۔۔۔تو یہ جائز ہے۔

❁❁❁

(۱)الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة،الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة،النوع الثاني:۲/۴۱

جمعہ کی جماعت کے افراد کی تعداد

سوال نمبر (306):

علمائے کرام سے سنتے آرہے ہیں کہ جمعہ کی نماز کے لیے جماعت شرط ہے، لیکن جماعت کے افراد کتنے ہوتے ہیں، یہ معلوم نہیں۔ اگر جمعہ کی تمام شرائط موجود ہوں اور دس افراد امام کے علاوہ نماز میں شریک ہوجاتے ہیں تو کیا نمازِ جمعہ درست رہے گی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے جماعت شرط ہے اور جماعت کے افراد کی تعیین میں فقہائے کرام کا اگرچہ اختلاف ہے، لیکن صحیح تر قول کے مطابق امام کے علاوہ تین افراد کی موجودگی ضروری ہے، اس لیے (تین افراد) پر لفظاً اور معنیٰ دونوں اعتبار سے جماعت کا اطلاق ہوتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں دس افراد پر جماعت کا اطلاق درست ہونے کی وجہ سے جمعہ کی نماز درست رہے گی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(ومن شرائطها الجماعة)لأن الجمعة مشتقة منها......أن الجمع الصحيح إنماهو الثلاث؛لأنه جمع تسمية ومعنى،والجماعة شرط على حدة،وكذاالإمام، فلا يعتبر منهم.(۱)

ترجمہ:

جمعہ کی شرائط میں سے جماعت بھی ہے، کیوں کہ جمعہ جماعت سے مشتق ہے اور تین افراد پر جمع کا اطلاق لفظاً اور معناً صحیح ہے، جماعت اور امام الگ شرط ہے، اس لیے امام ان میں سے شمار نہیں کیا جائے گا۔

❁❁❁

(۱)الهداية، كتاب الصلوة،باب صلوة الجمعة:۱/۱۷۸،۱۷۹

دیہاتی کے لیے نمازِ جمعہ

سوال نمبر(307):

میں شہر سے دور رہتا ہوں۔ اپنے گاؤں سے شہر جاتے وقت وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ایسی صورت میں میرے ذمہ جمعہ فرض ہوگا یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جمعہ کی نماز میں حاضر ہونا اس شخص پر واجب ہے جو شہر یا شہر کے ساتھ متصل ایسے علاقے کا رہنے والا ہو جو شہر کے توابع میں داخل ہو۔ کسی شہر کے توابع میں داخل ہونے اور نہ ہونے کا مدار عرف پر ہے تاہم فقہانے تین میل تک علاقے کو شہر کے توابع کے حکم میں شمار کیا ہے، لہٰذا جو شخص تین میل یا اس سے کم فاصلے پر شہر سے دور ہو، اس کے لیے تو جمعہ کی نماز میں حاضر ہونا ضروری ہے، لیکن جو شخص شہر سے تین میل سے بھی زیادہ کی مسافت پر ہو، اس کے ذمہ جمعہ کی حاضری واجب نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

لا يجب شهود الجمعة إلا على من يسكن المصر، والأرض المتصلة بالمصر......

وفي "الكافي": عن محمدؒ: وإن كان ثلاثة أميال يجب وإلا لا.(١)

ترجمہ:

جمعہ کی حاضری لازم نہیں، مگر اس شخص پر جو شہر یا اس کے ساتھ متصل علاقے کا رہنے والا ہو۔۔۔۔اور الکافی نامی کتاب میں امام محمدؒ سے منقول ہے کہ اگر تین میل کا فاصلہ ہو تو جمعہ کی حاضری واجب ہے، ورنہ نہیں۔

(١) الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون في صلوة الجمعة، النوع الثاني في شرائط الجمعة: ٢/٤٢

فصل في أحكام الجمعة

(جمعہ کے احکام کا بیان)

اذانِ اول کے بعد دنیوی کام میں مشغول ہونا

سوال نمبر(308):

ایک شخص جمعہ کے دن اذانِ اول سنتے ہی وضو بنا کر مسجد کی طرف چلتا ہے، لیکن مسجد کے اندر جانے کی بجائے دروازے کے پاس بیٹھ کر بوٹ پالش کرتا ہے، اور تقریر وخطبہ بھی سن رہا ہے۔ از روئے شریعت اس کا یہ عمل کیسا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے جمعہ کے دن اذانِ اول کے بعد تجارت، محنت مزدوری چھوڑ کر نماز کی تیاری میں لگنا ضروری ہے، یہاں تک کہ اذانِ اول کے بعد لین دین، خرید وفروخت اور دیگر دنیاوی معاملات مکروہِ تحریمی کے حکم میں داخل ہیں، اور خطبہ شروع ہونے کے بعد جو چیزیں نماز میں حرام ہیں، وہ خطبہ میں بھی حرام ہیں۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اذانِ اول کے بعد مسجد کے دروازے کے پاس یا کسی اور جگہ کسی قسم کا کاروبار کرنا درست نہیں، کیونکہ یہ مصروفیت جمعہ کی ادائیگی کے لیے رکاوٹ بن سکتی ہے، اس لیے نماز کی تیاری کر کے مسجد کی طرف آنا ضروری ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(ووجب سعي إليها وترك البيع) ولو مع السعي...... (بالآذان الأول) في الأصح، وإن لم يكن في زمن الرسول ﷺ، بل في زمن عثمانؓ.(۱)

ترجمہ: اذانِ اول کے ساتھ صحیح قول کے مطابق سعی کرنا اور بیع چھوڑنا واجب ہے، اگر چہ (بیع) سعی کے ساتھ ہو، اگر چہ اذانِ اول حضور ﷺ کے زمانے میں نہیں تھی، بلکہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں شروع ہوئی۔

---

(۱) الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعة: ۳/۳۸

يحرم في الخطبة مايحرم في الصلوة، حتى لاينبغي أن يأكل أو يشرب، والإمام في الخطبة. (۱)

ترجمہ: جو چیزیں نماز میں حرام ہیں وہ خطبہ میں بھی حرام ہیں، حتی کہ مناسب نہیں کہ کوئی کھائے یا پیئے اور امام خطبہ دے رہا ہو۔

❁❁❁

متعدد مقامات میں جمعہ کا انعقاد

سوال نمبر (309):

ایک بڑے گاؤں میں چار مساجد ہیں، لیکن جمعہ صرف ایک مسجد میں پڑھایا جاتا ہے، اس گاؤں میں ایک مدرسہ بھی ہے۔ اگر گاؤں کے لوگ مدرسہ کی مسجد میں جمعہ پڑھنا شروع کردیں تو از روئے شریعت ایسا کرنا جائز ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

جمعہ کی نماز کی صحت کے لیے فقہائے کرام نے جو شرائط بیان کی ہیں، اگر وہ کسی علاقے میں پائی جائیں تو وہاں جمعہ پڑھنا درست ہے اور جب کسی علاقے میں ایک جگہ جمعہ پڑھنا درست ہو تو وہاں متعدد مقامات پر جمعہ پڑھنا بھی درست رہے گا، البتہ کسی ایک جامع مسجد میں پڑھنا بہتر اور اولیٰ ہے۔

لہٰذا اگر مذکورہ علاقہ مصر ہو یا مصر کی تعریف اس پر صادق آتی ہو تو پھر کسی ایک مقام پر جمعہ پڑھنا جس طرح جائز ہے، اس طرح متعدد جگہوں پر پڑھنا بھی درست رہے گا۔

والدّليل علىٰ ذلك:

وتؤدى الجمعة في مصر واحد في مواضع كثيرة، وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ وهو الأصح......وبه نأخذ. (۲)

ترجمہ: کسی ایک شہر کے متعدد مقامات پر جمعہ ادا کرنا درست ہے، یہ قول ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا ہے۔ اور زیادہ صحیح قول ہے۔۔۔۔اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة: ۱/۱۴۷

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة: ۱/۱۴۵

سورۂ جمعہ کی آیت میں ''البیع'' کا مفہوم

سوال نمبر (310):

سورۂ جمعہ کی آیت ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ﴾ میں بیع سے کیا مراد ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سورۂ جمعہ کی آیت میں "ذروا البیع" میں بیع سے مراد صرف خرید وفروخت ہی نہیں، بلکہ وہ تمام امور جو جمعہ کی نماز کی تیاری میں رکاوٹ ہوں، اس میں داخل ہیں، اس لیے ان سب سے احتراز کرنا چاہیے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

والمراد من البیع ما یشغل عن السعي إلیها حتّی لو شغل بعمل آخر سوی البیع، فهو مکروہ أیضًا. (۱)

ترجمہ:

اور آیتِ جمعہ میں 'بیع' (خرید وفروخت) سے مراد وہ کام ہے جو جمعہ کے لیے جانے سے مانع ہو، چنانچہ اگر خرید وفروخت کے علاوہ کسی دوسرے کام میں مصروف رہا تو وہ بھی مکروہ ہوگا۔

❁❁❁

جمعہ فوت ہونے کی صورت میں باجماعت ظہر پڑھنا

سوال نمبر (311):

اگر کسی آدمی سے جمعہ کی نماز فوت ہو جائے تو ظہر کی نماز باجماعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جس شہر یا گاؤں میں جمعہ پڑھا جاتا ہو، وہاں ظہر باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔ وضاحت کریں؟

بینوا تؤجروا

(۱) البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، ۲/۲۷۳

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے جمعہ فوت ہوجانے کی صورت میں ظہر پڑھنا ضروری ہے، لیکن ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح اذان اور اقامت کا بھی حکم ہے۔ اس حکم میں معذور، غیر معذور، مسافر، مقیم اور قیدی سب برابر ہیں، تاہم وہ علاقے جہاں شرائطِ جمعہ مفقود ہونے کی وجہ سے سرے سے جمعہ واجب ہی نہیں، وہاں ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا ضروری ہے، کیوں کہ ان کے لیے جمعہ کے دن کا بھی وہی حکم ہے جو دوسرے ایام کا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(وكره) تحريماً(لمعذور ومسجون)ومسافر(أداء ظهر بجماعة في مصر)قبل الجمعة وبعد ها ...... (وكذاأهل مصر فاتتهم الجمعة)فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة......وقال ابن عابدين:تحت قوله:(لمعذور) وكذا غيره بالأولى...... قوله:(في مصر) بخلاف القرى؛لأنه لا جمعة عليهم، فكان هذا اليوم في حقهم كغيره من الأيام.(۱)

ترجمہ: معذور، قیدی اور مسافر کا ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا جمعہ سے پہلے یا بعد مکروہ تحریمی ہے، یہی حکم مصر کے ان لوگوں کا بھی ہے جن سے جمعہ فوت ہوجائے۔ یہ لوگ ظہر بغیر اذان واقامت اور جماعت کے پڑھیں گے۔ معذور کے ذیل میں ابن عابدینؒ نے لکھا ہے کہ معذور کا حکم یہ ہے تو معذور کے علاوہ کا تو بطریق اولیٰ یہی حکم ہوگا۔۔۔۔اور مصر کی قید سے دیہات اس حکم سے خارج ہوگئے، کیوں کہ دیہات والوں پر جمعہ فرض نہیں تو جمعہ کا دن ان کے حق میں دوسرے ایام کی طرح ہوگا۔

❁❁❁

جمعہ پڑھنے کے بعد خرید وفروخت

سوال نمبر(312):

مختلف مساجد میں جمعہ کی نماز مختلف اوقات میں اداہوتی ہے۔ ایک مسجد میں ایک بجے ادا کی جاتی ہے تو دوسری میں ڈیڑھ بجے کا اہتمام ہوتا ہے، اور بعض مساجد میں پونے دو اور دو بجے پڑھنے کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ اب وضاحت طلب مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص نے ایک بجے جمعہ کی نماز پڑھی وہ ایسے شخص کے ساتھ لین دین کرسکتا ہے جس

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار، كتاب الصلوة،باب الجمعة،مطلب في شروط وجوب الجمعة:۳/۳۲،۳۳

نے دو بجے کی نماز میں شر۔ ۔ہونا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس شخص نے جمعہ کی نماز ادا کی ہو اس کا لین دین خرید و فروخت جائز ہے اور جس شخص نے جمعہ کی نماز نہ پڑھی ہو اور اس پر جمعہ پڑھنا واجب بھی ہو تو وہ جس مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرتا ہو، اس میں اذانِ اول کے بعد اس کا لین دین درست نہیں ہوگا۔

لہٰذا سوالِ مذکور میں ایک بجے جمعہ کی نماز پڑھنے والے کا لین دین اور خرید و فروخت بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ قرآنِ پاک میں جمعہ پڑھنے کے بعد زمین میں پھیلنے اور کاروبار کرنے کا حکم آیا ہے جو اگرچہ استحباب پر محمول ہے، لیکن جواز کا فائدہ بہر صورت دیتا ہے، البتہ جس دوسرے شخص نے ابھی تک جمعہ کی نماز نہیں پڑھی تو اس کی خرید و فروخت جائز نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ﴾ (۱)

ترجمہ:

جب نماز ادا کی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا رزق تلاش کرو۔

❁❁❁

نیت میں جمعہ اور ظہر کو جمع کرنا

سوال نمبر (313):

بعض لوگ جمعہ کی نیت میں ظہر کو بھی ملاتے ہیں اور اس طرح نیت باندھتے ہیں کہ میں چار رکعت جمعہ اور آج کے ظہر کی نیت کرتا ہوں، علمائے کرام نے لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔اس مسئلے کی وضاحت مطلوب ہے۔

بینوا توجروا

(۱) الجمعة: ۱۰

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جمعہ کی نیت کے متعلق فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ اس کے ساتھ ظہر کو نہ ملایا جائے۔ اگر فرض نماز میں جمعہ اور ظہر کو ملا کر یا صرف ظہر کی نیت کر کے نماز پڑھے گا تو اس کی اقتدا درست نہیں رہے گی۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں علمائے کرام کا لوگوں کو جمعہ اور ظہر کو نیت میں ملانے سے روکنا درست ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(وینوي جمعة لاظهرا)إتفاقاً،فلو نوى الظهر لم يصح اقتداءه.(١)

ترجمہ:

بالاتفاق جمعہ کی نیت کرے گا،ظہر کی نہیں۔ اگر ظہر کی نیت کی تو اس کی اقتدا درست نہیں ہے۔

❀❀❀

جمعہ کے بعد والی سنتوں کی حیثیت

سوال نمبر(314):

جمعہ کے فرض پڑھ لینے کے بعد جو چھ رکعتیں سنتیں پڑھی جاتی ہیں، یہ سنتِ موکدہ ہیں یا غیر موکدہ،اس کی تفصیل مطلوب ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جمعہ کے فرض پڑھ لینے کے بعد چھ رکعتیں پڑھنا مسنون ہے۔ ان کا سنت ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے، البتہ چار رکعتیں سنتِ موکدہ ہیں اور آخری دو رکعتیں غیر موکدہ ہیں۔ علامہ ابن نجیمؒ نے البحر الرائق میں صحیح مسلم کے حوالے سے ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت سنتیں پڑھنا ثابت ہے۔ یہ روایت ان کے موکد ہونے کی دلیل ہے، جبکہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ چار رکعتوں کے ساتھ دو رکعتیں مزید پڑھ لی جائیں۔ اکثر مشائخ کا مذہب بھی یہی ہے۔

---

(١) الدرالمختارعلی صدرردالمحتار، کتاب الصلوة،باب الجمعة:٣/٣٤

والدّليل على ذلك:

والدليل على استنان الأربع بعد هامافي صحيح مسلم عن أبي هريرةؓ مرفوعاً"إذا صلیٰ أحدكم الجمعة، فليصل بعد هاأربعا....وعن أبي يوسفؒ: أنه ينبغي أن يصلي أربعاً،ثم ركعتين... وكثير من مشائخنا على قول أبي يوسفؒ.(١)

ترجمہ:

جمعہ کے بعد چار رکعتوں کے مسنون ہونے کی دلیل وہ مرفوع روایت ہے جوابو ہریرۃؓ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ پڑھ لےتواس کے بعد چار رکعت سنتیں بھی پڑھ لے۔۔۔۔اور ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ مناسب یہ ہے کہ چار رکعتیں پڑھ لے پھر دو رکعتیں بھی پڑھے۔۔۔۔اکثر مشائخ کا قول ابو یوسفؒ کے قول کے موافق ہے۔

❀❀❀

جمعہ کی نماز میں خواتین کی شرکت

سوال نمبر(315):

بعض مساجد میں متولی مسجد خواتین کے لیے نماز پڑھنے کا الگ انتظام کرتے ہیں اور خواتین بالخصوص جمعہ کی نماز میں شرکت کے لیے کثیر تعداد میں آتی ہیں۔وہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ مسجد حرام میں مرد اور خواتین ایک ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی خواتین مسجد میں آکر نماز پڑھنے کا اہتمام کرتی تھیں،ازروئے شریعت خواتین کا جمعہ کی نماز میں شریک ہونے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں خواتین مسجد آکر نماز پڑھتی تھیں،آپ ﷺ خود موجود تھے،احکام نازل ہو رہے تھے،مقدس زمانہ تھا۔وہ دور ختم ہوا تو خرابیاں پیدا ہونے لگیں اور خواتین کا مسجد جاکر نماز پڑھنے میں فتنے کا خدشہ بڑھنے لگا،اس لیے جب حضرت عمرؓ نے عورتوں کو مسجد جانے سے منع فرمایا تو خواتین نے

(١)البحر الرائق، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل،تحت قوله:(والسنة قبل الفجر وبعد الظهر......) : ٢/ ٨٧

حضرت عائشہؓ سے شکایت کی تو آپؓ نے فرمایا کہ اگر حضور اکرم ﷺ اس زمانے کی خواتین کی حالت دیکھتے تو ان کو مسجد جانے سے روکتے۔

فقہاے کرامؒ نے خواتین کے مسجد جانے کے لیے جن شرائط کو بیان کیا ہے، وہ شرائط موجودہ زمانے میں مفقود ہو چکی ہیں، بلکہ خواتین کے نکلنے سے فتنے کا قوی اندیشہ ہے، اس لیے خواتین کا جمعہ وعیدین کی نماز میں شریک نہ ہونا بہتر ہے، لیکن فقہاے کرامؒ کے ہاں خواتین کا مسجد جا کر نماز پڑھنے کی کراہت کی علت فتنہ ہے، اگر فتنے کا سد باب ہو تو کراہت منتفی ہو جائے گی، اس لیے اگر خواتین کے لیے اس طرح سے الگ انتظام ہو کہ ان کے آنے جانے میں کسی قسم کے فتنہ پھیلنے کا کوئی خدشہ باقی نہ رہے تو پھر جمعہ یا دوسری نمازوں میں شرکت کی گنجائش ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

عن عمرة بنت عبدالرحمنؓ أنها أخبرته أن عائشةؓ زوج النبی ﷺ قالت: لو أدرك رسول الله ﷺ ما أحدث النساء لمنعهن المسجد، كما منعت نساء بني إسرائيل. (۱)

ترجمہ:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر حضور نبی کریم ﷺ ان حالات کو دیکھتے جو عورتوں نے پیدا کی ہیں تو مسجد انہیں جانے سے ضرور روکتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں منع کی گئی تھیں۔

(ویكره حضورهن الجماعة) ولو لجمعة، وعيد، ووعظ مطلقاً، ولو عجوزاً ليلاً (على المذهب) المفتىٰ به لفساد الزمان. (۲)

ترجمہ:

جماعت میں شریک ہونے کے لیے عورتوں کی حاضری مفتی بہ قول کے مطابق زمانے میں فساد آنے کی وجہ سے مکروہ ہے، چاہے جمعہ کی نماز ہو، عید کی نماز ہو یا وعظ ونصیحت کے لیے، اگرچہ عورت بوڑھی ہو اور رات کا وقت ہو۔

❁❁❁

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب ماجاء في خروج النساء الى المسجد: ۹۴/۱

(۲) الدر المختار، باب الإمامة: ۳۰۷/۲

نماز جمعہ پڑھتے ہوئے وقت کا نکل جانا

سوال نمبر(316):

جمعہ پڑھنے کے دوران وقت نکل جائے تو کون سی نماز کی قضا لازم ہوگی، جمعہ یا ظہر؟ وضاحت فرمائیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جمعہ کی نماز کے لیے ظہر کا وقت شرط ہے، اس لیے کہ جمعہ ظہر کی نماز کا قائم مقام ہے۔ اگر جمعہ پڑھنے کے دوران وقت نکل جائے تو جمعہ پڑھنے کی بجائے ظہر کی قضا لائے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(ومن شرائطها: الوقت فتصح في وقت الظهر ولا تصح بعده)لقوله عليه السلام"إذامالت الشمس فصل بالناس الجمعة"(ولو خرج الوقت، وهوفيها استقبل الظهر) ولا يبنيه عليها.(١)

ترجمہ:

جمعہ کی شرائط میں سے وقت بھی ہے۔پس ظہر کے وقت میں پڑھنا درست رہے گا اور ظہر کے بعد درست نہ ہوگا،اس لیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:''جب سورج مائل ہوجائے تو لوگوں کو جمعہ پڑھاؤ'' اگر وقت نکل جائے اور وہ جمعہ پڑھ رہا ہو تو ظہر شروع کرے اور ظہر کی جمعہ پر بنا نہ کرے۔

❁❁❁

جمعہ کی نماز میں تیسری آیت آدھی پڑھنا

سوال نمبر(317):

ایک امام صاحب نے جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ کہف کی آیت ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ پڑھنا شروع کیا ﴿لِکَلِمٰتِ رَبِّیۡ﴾ پر پہنچ کر رکوع میں چلا گیا۔دوسری رکعت میں وَلَوۡ جِئۡنَا سے شروع کر کے ﴿فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ﴾ کے علاوہ آخر تک پہنچ کر رکوع میں چلا گیا۔ازروئے شریعت اس طرح نماز کا کیا حکم ہے؟

(١)الهداية، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة: ١/١٧٨

الجواب وباللہ التوفیق:

نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھنا واجب ہے۔ بھول کر چھوٹ جانے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں مختلف آیتوں کے اجزا پڑھنے سے معنی میں تغیر واقع نہیں ہوا اور سب کو ملانے سے تین آیتوں کی بقدر بن جاتی ہیں، اس لیے واجب قرأت ادا ہو جاتی ہے، تاہم اگر مذکورہ قرأت واجبہ قرار نہ دی جائے تو بھی نماز ہو جاتی ہے، کیونکہ واجب چھوٹنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اور جمعہ وعیدین کی نمازوں میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے فقہا نے سجدہ سہو واجب ہونے کے بعد ادا نہ کرنا اولیٰ بتایا ہے، چونکہ فاتحہ کی وجہ سے فرض قرأت ادا ہو گئی ہے اور سورت کا ملانا واجب ہے اور ترک واجب سے سجدہ سہو واجب تھا، لیکن جمعہ میں اس کا نہ کرنا افضل ہے، اس لیے فرض ذمے سے بہرحال ساقط ہو گیا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولو قرأ آية طويلة كآية الكرسي أو المداينة البعض في ركعة والبعض في ركعة، اختلفوا فيه على قول أبي حنيفة، قيل :لا يجوز؛ لأنه ما قرأ آية تامة في كل ركعة، وعامتهم على أنه يجوز؛ لأن بعض هذه الآيات يزيد على ثلث قصار.(۱)

ترجمہ:

اگر ایک لمبی آیت کی تلاوت کرے، جیسے آیت الکرسی یا آیت المداینۃ (اس طور پر کہ) بعض حصہ ایک رکعت میں پڑھے اور بعض حصہ دوسری رکعت میں پڑھے تو اس بارے میں امام ابوحنیفہ کے قول میں اختلاف کیا گیا ہے، بعض کے ہاں جائز نہیں، کیونکہ ایک رکعت میں ایک پوری آیت بھی نہیں پڑھی، لیکن عام فقہا کی رائے یہ ہے کہ جائز ہے، کیونکہ ان آیات کا بعض حصہ تین چھوٹی آیات سے زیادہ ہے۔

(والسهو في صلوة العيد، والجمعة، والمكتوبة، والتطوع سوآء) والمختار عند المتأخرين عدمه في الأولیين لدفع الفتنة.(۲)

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: كل صلوة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها :۲/ ۱۵۰

(۲) الدرالمختار على صدر ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو:۲/ ۵٦۰

ترجمہ: سجدہ سہو کے حکم میں عید، جمعہ، فرض اور نفل نماز سب برابر ہیں، لیکن متاخرین علما کے نزدیک مختار قول پہلے دو (جمعہ اور عیدین) میں فتنہ کو ختم کرنے کی بنا پر سجدہ سہو نہ کرنے کا ہے۔

❁❁❁

عورتوں کے لیے نمازِ جمعہ

سوال نمبر (318):

عورت پر نمازِ جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ اور واجب نہ ہونے کے باوجود اگر کوئی عورت جمعہ کی نماز ادا کرے تو اس کا ذمہ فارغ ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مسلمانوں پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں جن کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہے، تاہم جمعہ کی نماز عورتوں، مریضوں اور مسافروں پر لازم نہیں، بلکہ اس کی جگہ وہ ظہر کی نماز ادا کریں گے، پھر بھی اگر کوئی عورت یا مریض نمازِ جمعہ ادا کرے تو اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

لیکن موجودہ دور میں عورت کے لیے نمازِ جمعہ یا دیگر نمازوں کے لیے گھر سے نکلنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر کسی جگہ شرعی امور وشرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے عورتوں نے نمازِ جمعہ میں شرکت کر لی تو ان کی نماز ہو جائے گی۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولا تجب الجمعة على مسافر، ولا امرأة، ولا مريض، ولا صبي، ولا عبد، ولا أعمى فان حضروا وصلوا مع الناس أجزأهم عن فرض الوقت.(۱)

ترجمہ: مسافر، عورت، بیمار، بچے، غلام اور اندھے پر جمعہ واجب نہیں تاہم اگر وہ لوگوں کے ساتھ جمعہ کی نماز میں شریک ہوں تو ان سے ظہر کا فریضہ ساقط ہو جائے گا۔

❁❁❁

---

(۱) القدوري، أبو الحسين، أحمد، المختصر القدوري، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ص٤٧، الميزان، لاهور

معذورین کا جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز پڑھنا

سوال نمبر(319):

شرعی طور پر معذور افراد، جن کے لیے نمازِ جمعہ میں شرکت نہ کرنا مرخص ہو، وہ لوگ نمازِ جمعہ کی ادائیگی سے قبل ظہر کی نماز ادا کرلیں تو شرعی اعتبار سے یہ ادائیگی کیسی ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی اعتبار سے جو لوگ ایسے بیمار ہوں کہ اُن کا عذر مسجد جانے سے مانع بن گیا ہو تو اُن کے لیے مستحب یہ ہے کہ جمعہ کی ادائیگی سے پہلے ظہر کی نماز نہ پڑھیں، بلکہ جمعہ کی ادائیگی کے بعد یہ لوگ گھر، ہسپتال یا جہاں پر ہوں، وہاں ظہر کی نماز پڑھ لیں، لہٰذا اگر کسی معذور شخص نے جمعہ کی ادائیگی سے پہلے ظہر کی نماز ادا کی تو نماز ادا ہو جائے گی، لیکن مستحب طریقہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے نماز مکروہ تنزیہی کے حکم میں ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ويستحبّ له تأخير الظهر عن الجمعة،فإنّه يكره له صلاتها منفرداً قبل الجمعة في الصحيح،وقال الطحطاويؒ:(فإنّه يكره له صلاتها) كذافي البحر، وهذا لاينافي ماقدّمناه عنه،من أنّ ذلك لايكره اتّفاقاً لحمل الكراهة المنفية فيما سبق على التحريمية، وماهنا على التنزيهية ؛لأنّها في مقابلة المستحب.(١)

ترجمہ:

اور اُس (معذور) کے لیے ظہر کی نماز جمعہ سے مؤخر کرنا مستحب ہے اور صحیح قول کے مطابق جمعہ سے پہلے علیحدہ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں کہ: ''اُن کی نماز مکروہ ہوگی، جیسا کہ بحر میں ہے۔ یہ اُس قول کے منافی نہیں جس میں اتفاقاً مکروہ نہیں کہا، کیونکہ وہاں جس کراہت کی نفی کی گئی ہے وہ تحریمی پر محمول ہے اور یہ تنزیہی پر محمول ہے، کیونکہ یہ مستحب کے مقابلہ میں ہے''۔

❁❁❁

(١) الطحطاوي، سيد أحمد،حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،كتاب الصلوٰة، باب الجمعة: ص:٤٢٧

جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا حکم

سوال نمبر(320):

جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعت پڑھنے کی حیثیت کیا ہے؟ ہمارے یہاں بعض حضرات ان چار رکعتوں کے پڑھنے کو بدعت شمار کرتے ہیں۔ مہربانی فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں۔ بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعت پڑھنے کی حیثیت دیگر سنن کی طرح سنن مؤکدہ کی ہے۔ احادیث مبارکہ اس پر شاہد ہیں کہ آپ ﷺ نے زوال کے بعد چار رکعت پڑھنے پر مواظبت فرمائی ہے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ زوال کے بعد چار رکعت پڑھنے پر مواظبت فرماتے تھے تو میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! آپ ان چار رکعتوں پر مواظبت فرماتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوایوب! جب سورج ڈھل جاتا ہے تو آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، پھر اُس وقت تک بند نہیں ہوتے جب تک ظہر کی نماز نہ پڑھی جائے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ان دروازوں کے بند ہو جانے سے پہلے اس میں میرا کوئی نیک عمل اوپر چڑھ جائے''۔ اس کے علاوہ ''معجم الاوسط'' میں امام طبرانیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت اور ''ابن ماجہ'' میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعت پڑھ لیا کرتے تھے۔

اس تفصیل کو دیکھتے ہوئے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعت پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے اور اس کو بدعت کہنا ناواقفیت کی دلیل ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه قال: ادمن رسول الله ﷺ أربع ركعات بعد زوال الشمس، فقلت يا رسول الله،إنك تدمن هولاء الأربع ركعات، فقال يا أباأيوب إذا زالت الشمس، فتحت أبواب السماء،فلن ترتج، حتى يصلي الظهر، فأحبّ أن يصعد لي فيهنّ عمل صالح.(۱)

(۱)الطحاوي،أحمدبن محمد،شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة،باب التطوع بالليل والنهار كيف هو:۱/۲۳۱ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ترجمہ:

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ زوال کے بعد چار رکعت پڑھنے پر مواظبت فرماتے تھے تو میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! آپ ان چار رکعت پر مواظبت فرماتے ہیں''؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوایوب! جب سورج ڈھل جاتا ہے تو آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں پھر اُس وقت تک بند نہیں ہوتے جب تک ظہر کی نماز نہ پڑھی جائے۔ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ان دروازوں کے بند ہو جانے سے پہلے اس میں میرا کوئی نیک عمل اوپر چڑھ جائے''۔

عن علي رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ يصلّي قبل الجمعة أربعًا، وبعدها أربعًا.(١)

ترجمہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھتے تھے۔

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كان النبي ﷺ يركع قبل الجمعة أربعًا، لايفصل في شيء منهنّ.(٢)

ترجمہ:

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے اور اس میں کسی چیز سے فصل نہیں لاتے تھے۔

جمعہ ادا کرنے والے مسافر کے لیے سنتوں کا حکم

سوال نمبر(321):

اگر کوئی شخص مسافر ہو اور کسی جگہ پندرہ دن اقامت کی نیت نہ کی ہو تو یہ شخص اگر وہاں نمازِ جمعہ ادا کرنا چاہے تو جمعہ کی سنتیں پڑھے گا یا ظہر کی؟

---

(١) للحافظ الطبراني، المعجم الأوسط، رقم الحديث: ١٦٤٠، ٢/٣٦٨، مكتبة المعارف، رياض

(٢) ابن ماجة، أبو عبدالله، محمد بن يزيد، سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الصلاة قبل الجمعة: ص: ٧٩

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ مسافر پر جمعہ کی نماز واجب نہیں، تاہم اگر اس نے جمعہ کی نماز پڑھ لی تو اس سے ظہر کی نماز ساقط ہوجائے گی، البتہ اگر یہ شخص سنتیں پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اسی وقت کے موافق سنتیں پڑھے گا، کیونکہ سنن فرض نماز کے تابع ہوتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص مسافر ہو اور جمعہ کی نماز ادا کرنا چاہے تو یہ شخص جمعہ کی سنتیں ادا کرے گا نہ کہ ظہر کی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

أمّا الصّلاة المسنونة، فهي السنن المعهودة للصلوات المكتوبة......فوقت جملتها، وقت المكتوبات؛ لأنّها توابع للمكتوبات، فكانت تابعة لها في الوقت.(۱)

ترجمہ:

اور مسنون نماز سے مراد وہ خاص سنت نماز ہے جو فرض نماز کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔۔۔۔پس اُن تمام سنت نمازوں کا وقت وہی ہے جو فرض نمازوں کا ہے، کیونکہ یہ فرائض کے تابع ہیں تو یہ وقت میں بھی ان کے تابع ہوں گے۔

نمازِ جمعہ کے بعد احتیاطاً ظہر کی نماز پڑھنا

سوال نمبر (322):

اگر کسی جگہ جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے میں شک ہو تو وہاں احتیاطاً ظہر کی نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ علمائے احناف ؒ کے نزدیک نمازِ جمعہ کی صحت کے لیے شہر یا بڑے گاؤں کا ہونا ضروری ہے۔ جس کی تحدید موجودہ دور کے اعتبار سے وہ علاقہ ہے جس کی آبادی دو ڈھائی ہزار افراد پر مشتمل ہو، تاہم

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، فصل في الصلاۃ المسنونة: ۲/۲۶۳۔۲۶۴

جہاں کہیں نمازِ جمعہ کے صحیح ہونے میں شک ہو تو نمازِ جمعہ پڑھنے کے بعد ظہر کی نماز احتیاطاً پڑھنا صحیح نہیں، کیونکہ فقہائے کرام کے نزدیک جہاں کہیں شرائط کے فقدان کے باوجود جمعہ کی نماز کی ادائیگی شروع ہوجائے تو وہاں نمازِ جمعہ پڑھنے کی گنجائش ہے اور ظہر کی نماز احتیاطاً پڑھنے کی صورت میں لوگ جمعہ کی نماز کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہوں گے، لہٰذا احتیاطاً ظہر کی نماز پڑھنا صحیح نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وقد أفتيت مرارًا بعدم صلوة الأربع بعدها بنية اخرظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة، وهو الاحتياط في زماننا،وأمّا من لايخاف عليه مفسدة منها،فالأولى أن تكون في بيته خفية.(١)

ترجمہ: جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت نمازِ ظہر دوسری نیت سے نہ پڑھنے کے بارے میں کئی بار فتویٰ دیا گیا ہے، اس خوف سے کہ جمعہ کے فرض نہ ہونے پر یقین پیدا ہوجائے اور یہی ہمارے زمانے میں احتیاط پر مبنی ہے۔ اور جس کے بارے میں ان مفاسد کا اندیشہ نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ گھر میں خفیتاً پڑھی جائیں۔

۞۞۞

صاحبِ ترتیب کی فجر کی نماز فوت ہونے کی صورت میں نمازِ جمعہ

سوال نمبر (323):

ایک صاحبِ ترتیب شخص سے فجر کی نماز فوت ہوگئی۔ جمعہ کی نماز کے وقت اس کو یاد آگئی، لیکن وقت کی تنگی کی وجہ سے یہ شخص فجر کی نماز ادا نہیں کرسکتا تو یہ شخص ترتیب کا لحاظ رکھ کر فجر کی نماز پہلے پڑھے یا نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے بعد ادا کرے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

صاحبِ ترتیب سے اگر نمازِ فجر فوت ہوجائے اور نمازِ جمعہ تک اس نماز کو ادا نہ کرسکے اور جب یاد آئے تو وقت اتنا تنگ ہو کہ فجر کی نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے جمعہ کے ساتھ ساتھ ظہر کا وقت بھی نکلنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں نمازِ جمعہ ادا کرے اور نمازِ فجر کو مؤخر کردے اور اگر صرف نمازِ جمعہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو اور ظہر کا وقت باقی ہو

(١) الدر المختار علی صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الجمعة:٣/٥

تو پھر فجر کی نماز کو مقدم کرے اور جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز ادا کرے، اس لیے کہ نماز جمعہ میں شرکت ترتیب کے ساقط ہونے سے عذر نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وإذاتذكر الرجل في صلاة الجمعة،أنّه لم يصلّ الفجر،إن كان بحال لو اشتغل بالفجر يفوته الوقت، والجمعة جميعاً فإنّه يمضي على الجمعة، ثمّ يصلّي الفجر بعدها، وإن لم يخف فوتهما جميعاً يقضي الفجر، ثمّ يدخل مع الامام، وإن كان يخاف فوت الجمعة، ولا يخاف فوت الوقت، فإنّ عندأبي حنيفةؒ وابی یوسفؒ، يصلّي الفجر، ثمّ يصلی الظهر فی وقت الظهر.(۱)

ترجمہ:

ایک آدمی کو نمازِ جمعہ کے دوران یاد آیا کہ اس نے فجر کی نماز نہیں پڑھی، اگر وہ فجر کی نماز میں مشغول ہو جائے تو ظہر کا وقت اور نمازِ جمعہ دونوں فوت ہو جاتے ہیں تو وہ جمعہ کی نماز پوری کرے، پھر فجر کی نماز پڑھے۔اور اگر دونوں کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو تو پہلے فجر کی نماز پڑھے، پھر امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔اور اگر جمعہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو اور ظہر کا وقت فوت ہونے کا خطرہ نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پہلے فجر کی نماز پڑھے، پھر ظہر کو اپنے وقت میں پڑھے۔

اذان کے بعد تجارت

سوال نمبر(324):

ہمارے ہاں ایک شخص کا کہنا ہے کہ جس طرح جمعہ کی اذانِ اول کے بعد خرید وفروخت ناجائز ہے، یہی حکم ہر اذان کا ہے۔یہ بات کس حد تک درست ہے؟ وضاحت کریں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جمعہ سمیت پانچوں نماز کے لیے اذان دینا سنت مؤکدہ ہے، لیکن خرید وفروخت اور معاملات کی ممانعت

(۱) عالم بن العلاء الأنصاري،الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة،الفصل العشرون في قضاء الفائتة: ۱/ ۵۴۷

صرف جمعہ کی اذان اول کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ وہ قرآن کی آیت سے ثابت ہے، دیگر اذانوں کا یہ حکم نہیں ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(ووجب سعي إليها وترك البيع) ولو مع السعي...... (با لأذان الأول) في الأصح، وإن لم يكن في زمن الرسول، بل في زمن عثمان ؓ. وأفاد في البحر صحة إطلا ق الحر مة على المكروه تحريماً.(۱)

ترجمہ:

اذان اول کے ساتھ خطبہ سننے کے لیے فوراً چلنا اور کاروبار چھوڑنا واجب ہے، اگر چہ یہ کاروبار سعی کے ساتھ کیوں نہ ہو، صحیح قول کے مطابق اس سے مراد اذانِ اول ہے، اگر چہ حضور ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھی اور حضرت عثمان ؓ کے دور میں شروع ہوئی اور البحر الرائق میں حرمت کو مکروہ تحریمی پر محمول کیا ہے۔

❀❀❀

جمعہ کے دن دوپہر کے کھانے کا وقت

سوال نمبر(325):

بعض لوگ دوپہر کا کھانا جمعہ کی نماز کے بعد کھاتے ہیں، بعض پہلے کھاتے ہیں۔سنت کے مطابق کیا طریقہ ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

اجروثواب کے حوالے سے جمعہ کا دن بڑی فضیلت رکھتا ہے۔خصوصاً جب اذان ہوجائے تو دوسرے کام ترک کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ اپنی ضروریات کو جمعہ کی نماز کے اہتمام کی وجہ سے مؤخر کرتے تھے۔لہٰذا اگر اذان سے پہلے پہلے اپنی ضروریات سے فارغ ہوسکتا ہو تو پھر کھانے میں کوئی حرج نہیں، البتہ مستحسن امر یہ ہے کہ کھانا اور دوسری ضروریات وحوائج کو جمعہ کی نماز کے اہتمام کی بنا پر مؤخر کردیں، تاہم اگر اذان ہوگئی ہو تو پھر نماز کی تیاری کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہونا جائز نہیں۔

---

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة:۳/۳۸

والدّليل علىٰ ذلك:

عن سهل بن سعد قال: ما كنا نتغدّى في عهد رسول الله ﷺ، ولا نقيل إلا بعد الجمعة.(۱)

ترجمہ:

سہل بن سعد نے فرمایا کہ: ''ہم حضور ﷺ کے زمانے میں دوپہر کا کھانا اور قیلولہ (دوپہر کھانے کے بعد آرام) جمعہ کے بعد کیا کرتے تھے''۔

❁❁❁

جمعہ کی اذانِ اول کے بعد کسی کام میں مشغول ہونا

سوال نمبر(326):

جمعہ کی پہلی اذان کے بعد کھانے، پینے، سونے اور دنیوی کام کرنے کے باوجود اگر کوئی شخص خطبہ میں شامل ہوسکتا ہو تو کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

حضور ﷺ اور حضرات شیخین کے زمانے میں جمعہ کی اذان صرف ایک تھی، یعنی اذانِ خطبہ۔ دوسری اذان کی ابتدا اور اضافہ سیدنا عثمان کے زمانے میں ہوا۔ قرآنِ کریم میں جمعہ کی اذان (نداء) ہوتے ہی تمام مصروفیات چھوڑ کر جمعہ کی ادائیگی کے لیے فوراً چلے جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ مفتی بہ قول کے مطابق ندا سے مراد پہلی اذان ہے، لہٰذا پہلی اذان کے بعد جمعہ کے لیے سعی کرنا واجب ہے اور جمعہ کی تیاری کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہونا ناجائز ہے۔

والدّليل علىٰ ذلك:

(ووجب سعي إليها وترك البيع) ولو مع السعي...... (بالأذان الأول) فالأصح، وإن لم يكن في زمن الرسول، بل في زمن عثمان، وأفاد في البحر صحة إطلاق الحرمة على المكروه تحريماً.(۲)

---

(۱) البغوي، الحسين بن مسعود، شرح السنة، باب تعجيل صلاة الجمعة والقيلولة بعدها، (رقم الحديث: ۱۰۶۸): ۴/۲۴۰، المكتب الإسلامي، بيروت

(۲) الدرالمختار على صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۳/۳۸

ترجمہ:

صحیح قول کے مطابق اذانِ اول کے ساتھ خطبہ سننے کے لیے چلنا اور کاروبار چھوڑنا واجب ہے، اگر کاروبار سعی کے ساتھ ساتھ ہو، اگرچہ (اذانِ اول) حضور ﷺ اور حضرات شیخین کے زمانے میں نہیں تھی، بلکہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں شروع ہوئی۔ البحرالرائق میں حرمت کو مکروہِ تحریمی پر محمول کیا گیا ہے۔

❀❀❀

نمازِ جمعہ کا فساد اور اس کی قضا

سوال نمبر (327):

امام صاحب نے جمعہ کی دوسری رکعت کا ایک سجدہ رہ جانے پر سجدہ سہو کیا۔ لوگوں میں سے بعض نے کہا کہ نماز باطل ہوگئی، لہٰذا دوبارہ پڑھی جائے گی۔ اتنے میں ظہر کا وقت ختم ہوگیا۔ اب دوبارہ پڑھنے کی صورت میں ظہر کی قضا لائیں گے یا جمعہ کی؟ اور انفرادی پڑھیں گے یا با جماعت؟ وضاحت فرمائیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سجدۂ نماز کے ارکان میں سے ہے۔ اگر کسی وجہ سے چھوٹ جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ سجدۂ سہو سے واجب کا تدارک تو ممکن ہے، فرض کا نہیں، لہٰذا جمعہ فوت متصور ہوگا، لیکن جمعہ کے فوت ہونے کی صورت میں ظہر کی قضا لازم ہوتی ہے، جمعہ کی نہیں۔ انفرادی طور پر نماز قضا ہو جائے یا اجتماعی طور پر، دونوں صورتوں میں انفرادی و اجتماعی قضا لائی جا سکتی ہے۔ اجتماعی طور پر قضا لانے کی صورت میں امام صاحب جہری نماز میں با آواز بلند اور سری نماز میں خفیہ طور پر قرأت کرے گا، تاہم انفرادی طور پر قضا لانے والا جہری نماز میں مختار ہے، چاہے تو با آواز بلند پڑھے، ورنہ خفیہ پڑھے، البتہ خفیہ نمازوں میں خفیہ قرأت پڑھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں تمام لوگوں پر ظہر کی قضا لانا واجب ہے، نہ کہ جمعہ کی اور قضا لانے کے لیے جماعت ضروری نہیں، انفراداً قضا لانا بھی جائز ہے، تاہم قضا نماز میں سری قرأت کرے گا، خواہ باجماعت پڑھیں یا سب لوگ الگ الگ پڑھیں۔

والدّليل علىٰ ذلك :

وإذا قضىٰ الفوائت إن قضاها بجماعة، وكان صلوة يجهر فيها بالقراءة يجهر فيها الإمام.
وإن قضاها وحده يخير إن شاء جهر وإن شاء خافت والجهر أفضل، ويخافت فيما يخافت حتماً،
وكذلك الإمام.(١)

ترجمہ: جب قضاشدہ نمازوں کی قضالانا چاہے اور جماعت سے قضالانے کا ارادہ ہو تو اگر جہری نماز ہے تو امام جہر کر کے جماعت پڑھائے، اگر انفرادی قضالانا چاہے تو اختیار ہے چاہے تو بآواز بلند پڑھے اور چاہے تو خفیہ، البتہ جہر افضل ہے، لیکن خفیہ نمازوں میں خفیہ ہی پڑھے گا اور اس طرح امام بھی (جہری میں بآواز بلند پڑھے اور خفیہ میں آہستہ قرأت کرے)۔

من فاتته الجمعة صلى الظهر بغير أذان وإقامة.(٢)

ترجمہ: جس کی جمعہ کی نماز فوت ہوجائے تو ظہر کی نماز بغیر اذان اور اقامت کے پڑھے۔

❁❁❁

جمعہ کی اذانِ اول کے بعد کھانا یا مطالعہ

سوال نمبر (328):

اذانِ اول کے بعد مطالعہ کرنا یا کھانا کھانا کیسا ہے؟ بعض فتاوٰوں نے حرام کا حکم لگایا ہے۔ یہ کس حد تک درست ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جمعۃ المبارک کی پہلی اذان کے بعد جمعہ کی تیاری کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہونا درست نہیں، لہٰذا مطالعہ میں مشغول ہونا یا کھانا کھانا بھی درست نہ ہوگا، البتہ اگر کھانے کی اشتہا اس درجہ تک پہنچی ہو، جس سے نماز کا خشوع متاثر ہوتا ہو تو پھر کھانے کی گنجائش پائی جاتی ہے، لیکن واضح رہے کہ اگر نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر کھانا

(١) الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل العشرون في قضاء الفائتة: ١/٥٥٥

(٢) الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل العشرون في قضاء الفائتة، نوع آخر في الرحل يريد السفر يوم الجمعة، نوع في المتفرقات: ٢/٦٣

کھانے کی گنجائش نہیں۔

والدّليل علىٰ ذلك:

(لكن يشكل ما مر من وجوب السعي)بتقييد ما مر بما هنايند فع الا شكال، و ذلك؛ لأن حضور الأكل المذكور حيث كا ن عذراً في سقوط واجب الجماعة لشغل بال المصلي يكون عذراً في سقوط واجب السعي إذلا فرق بين واجب وواجب بخلا ف ما إذا خاف فوت الجمعة أو الوقت.(١)

ترجمہ:

لیکن گزشتہ بیان جو وجوبِ سعی کے بارے میں تھا، اس میں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے، جو گزشتہ قید کی وجہ سے دور ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ کھانے کا حاضر ہونا نمازی کے دل کی مشغولیت کی بنا پر جس طرح واجب جماعت ساقط کرنے کے لیے عذر ہے، اسی طرح واجب سعی کے ساقط کرنے کے لیے بھی عذر ہے، کیونکہ دونوں واجبات میں کوئی فرق نہیں، بخلاف اس کے کہ جب جمعہ یا وقت فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔

۞۞۞

جمعہ کے دن دعا کی قبولیت کا وقت

سوال نمبر(329):

احادیث کی رو سے جمعہ کے دن میں ایک خاص وقت، وقتِ قبولیت ہے، وہ کون سا وقت ہے تاکہ اس کا اہتمام ہو؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن اس خاص گھڑی اور لحہ کو چھپا رکھا ہے تاکہ لوگ اس مخصوص گھڑی کو پانے کی خاطر پورا دن بھرپور کوشش کریں، اگر اس مخصوص گھڑی کا تعین ہوجاتا تو بقیہ اوقات میں غفلت کا مظاہرہ ہوتا جو اس محدود وقت کی ایک طرح سے بے قدری ہوتی۔اس گھڑی کی تلاش میں پورا دن لگانا سستا سودا ہے۔بعض احادیث سے اس گھڑی کا تعین معلوم ہوتا ہے، لیکن کثرتِ روایات کی وجہ سے اس میں اختلاف ہے۔چنانچہ علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری

(١) الرافعي،عبدالقادر بن مصطفى البيساري،تقريرات الرافعي، باب الجمعة:١/ ١٢٤،مكتبة امدادية،ملتان

میں بیالیس اقوال نقل کیے ہیں اور ترتیب وار طلوعِ فجر سے غروبِ شمس تک کے اوقات بتلائے ہیں، البتہ انہوں نے امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اور نماز سے فراغت تک اور غروبِ شمس کے قریب دن کے آخری حصہ کو اصح اقوال قرار دیا ہے۔

اور علامہ ابن عابدین نے بھی انہی اوقات کو راجح قرار دیا ہے۔

والدّليل علىٰ ذلك:

في هذه الساعة أقوال :أصحها أو من أصحها أنها في مابين أن يجلس الإمام على المنبر إلى أن يقضي الصلوة كما هو ثابت في صحيح مسلم عنه ﷺ أيضا ...... وفي حديث آخر أنها آخر ساعة في يوم الجمعة......ونقل عن الزرقاني أن هذين القولين مصححان من اثنين وأربعين قولاً فيها.()

ترجمہ:

قبولیت کی اس گھڑی کے بارے میں مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ زیادہ صحیح ان میں سے امام کے منبر پر بیٹھ جانے سے نماز ختم ہونے کے درمیان کا وقت ہے، جیسا کہ صحیح مسلم سے بھی ثابت ہے۔۔۔اور دوسری حدیث میں ہے کہ وہ گھڑی جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے۔ زرقانی سے منقول ہے کہ یہ دو اقوال بیالیس اقوال میں سے راجح ہیں۔

جمعہ کی نماز میں جلدی کرنا

سوال نمبر (330):

بعض خطبا حضرات جمعہ کی نماز جلدی سے پڑھتے ہیں، جبکہ بعض بہت تاخیر سے پڑھتے ہیں۔ ازروئے شریعت جمعہ کی نماز کس وقت پڑھنا افضل ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

جمعہ کی نماز کا وقت وہی ہے جو ظہر کی نماز کا ہے، البتہ ظہر کی نماز اگر گرمی میں ہو تو وہ ٹھنڈے موسم (کہ دوپہر کی گرمی ختم ہو جائے) میں مستحب ہے، جبکہ جمعہ کی نماز میں ٹھنڈا موسم (کہ دوپہر کی گرمی ختم ہو جائے) سنت نہیں۔ اس لیے جمہور فقہا کے نزدیک تاخیر مشروع نہیں، کیونکہ جمعہ کی نماز میں لوگوں کی بڑی تعداد ہوتی ہے۔

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في ساعة الإجابة يوم الجمعة: ۴۲/۳، ۴۳

تاخیر سے لوگوں کو تکلیف کا احتمال ہے۔ گرمیوں میں جمعہ کی نماز میں اس تکلیف کا اندازہ بڑی آسانی سے لگایا جاسکتا ہے، اس لیے جلدی کرنا بہتر ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

جزم في الأشباه من فن الأحكام أنه لا يسن لها الإبراد......وقال الجمهور: ليس بمشروع؛ لأنها تقام بجمع عظيم، فتأخير ها مفض إلى الحرج.(۱)

ترجمہ:

اشباہ میں فنِ احکام کے حوالے سے جزم کے ساتھ یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ جمعہ میں ٹھنڈا موسم (کہ دوپہر کی گرمی ختم ہوجائے) کے لیے تاخیر کرنا مسنون نہیں ہے۔۔۔۔اور جمہور کہتے ہیں کہ تاخیر کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ جمعہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے اور تاخیر کرنا حرج کا باعث بنتا ہے۔

❁❁❁

جمعہ کی نماز سے قبل سنن کی قضا

سوال نمبر (331):

جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعات سنت اگر رہ جائیں تو بعد میں کیا کرے؟ کیا اس کی قضا ضروری ہے، جس طرح فجر اور ظہر کی سنتیں بعد میں پڑھی جاسکتی ہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نماز کی قضالانا فرض اور واجب کے ساتھ خاص ہے، اس لیے اگر سنت مقررہ وقت پر نہ پڑھی جاسکیں تو ان کی قضالانا ضروری نہیں، جہاں سنتوں کی قضالانے کا حکم وارد ہوا ہے تو وہ قیاس کے خلاف ہے اور قیاس کے خلاف چیز اپنے مورد تک محدود رہتی ہے، لہٰذا ظہر یا فجر کی سنتوں کی قضالانے پر جمعہ کی سنتوں کو قیاس کرنا درست نہیں، کیونکہ فجر اور ظہر کی سنتوں کی قضاء لانے کا حکم حدیث میں وارد ہے اور جمعہ کی سنتوں کے بارے میں ایسا حکم روایات میں نہیں پایا جاتا متون

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها، تحت قوله: (واستحبابا في الزمانين): ۲/۲۵

کے نصوص میں صرف ظہر کی سنتوں کا ذکر ہے۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جمعہ کی سنتیں ظہر کی طرح نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

نعم قد یستدل للفرق بینهما بشیء اٰخر، وهو أن القیاس في السنن عدم القضاء کما مر، وقد استدل قاضي خان لقضاء سنة الظهر بما روي عن عائشةؓ:" أن النبي ﷺ کان إذا فاته الأربع قبل الظهر قضاهن بعده"، فیکون قضاءها ثبت بالحدیث علی خلاف القیاس، کما في سنة الفجر، کما صرح به في الفتح، فالقول بقضاء سنة الجمعة یحتاج إلی دلیل خاص،وعلیه فتنصیص المتون علیٰ سنة الظهر دلیل علی أن سنة الجمعة لیست کذلك،فتأمل.(۱)

ترجمہ:

جمعہ اور ظہر کی سنتوں کے درمیان فرق ایک اور چیز سے بھی معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ سنتوں میں قضاء نہ لانا قیاس کے موافق ہے، جیسا کہ پہلے بھی گزرا ہے اور قاضی خان نے ظہر کی سنتوں کی قضا کا حکم اس روایت سے ثابت کیا ہے جو عائشہؓ سے منقول ہے کہ حضورﷺ سے جب ظہر کی پہلی چار رکعتیں فوت ہوجاتیں تو ظہر کے بعد ان کی قضا لاتے تو ان کی قضا تو حدیث سے ثابت ہوئی خلاف القیاس، جیسا کہ فجر کی سنتوں میں قضا خلاف قیاس ہے تو جمعہ کی قضا لانے کو ثابت کرنا خاص دلیل کا محتاج ہے۔۔۔۔ظہر کی سنتوں کی قضا پر نصوصِ شرعیہ کی دلالت اس بات کی دلیل ہے کہ جمعہ کی سنتوں کا حکم ایسا نہیں۔

❁❁❁

جمعہ کی قضا لانا

سوال نمبر(332):

اگر کسی کا جمعہ فوت ہوجائے تو قضا کی کیا صورت ہوگی؟ ہمارے محلے کے بعض لوگ اہل علم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جمعہ فوت ہونے کی صورت میں قضا لاتے ہوئے جمعہ کی بجائے ظہر کی قضا لائی جائے گی۔وضاحت فرمائیں؟

بیّنوا تؤجروا

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب إدراك الفریضة: مطلب هل الإساءة دون الکراهة:۲/۵۱۳

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جمعہ کی نماز اجتماعی طور پر فوت ہوجائے یا انفرادی طور پر یا جمعہ پڑھ لینے کے بعد فساد کا یقین ہوجائے تو قضا لانے کا طریقہ کار دوسری نمازوں سے مختلف ہے، کیونکہ دوسری نمازوں کی قضا لانے کی صورت میں وہی نماز پڑھی جاتی ہے جو فوت ہوئی ہے، جبکہ جمعہ کی نماز کی قضا لانے کی صورت میں ظہر کی نماز کی قضا لازم ہوگی، تاہم اذان اور اقامت کے بغیر ظہر پڑھی جائے گی۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

من فاتته الجمعة صلى الظهر بغير أذان وإقامة.(۱)

ترجمہ: جس کا جمعہ فوت ہوجائے، وہ اذان اور اقامت کے بغیر ظہر کی نماز پڑھے۔

❀❀❀

جمعہ میں شریک نہ ہونے والے کا ظہر پڑھنا

سوال نمبر(333):

ایک علاقے میں باقاعدہ جمعہ پڑھا جاتا ہے، لیکن ہمارے علاقے کا ایک شخص جمعہ نہیں پڑھتا، بلکہ ظہر انفرادی طور پر ادا کرتا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ یہاں جمعہ پڑھنا شرائط کے فقدان کی وجہ سے درست نہیں تو کیا اس کا ظہر پڑھنا درست رہے گا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نمازِ جمعہ شروع کرانے سے پہلے فقہائے کرام کے بیان کردہ شرائط کی رعایت ضروری ہے، تاہم شرائط کے فقدان کے باوجود جہاں ایک بار جمعہ شروع ہوجائے اور بند کرانے میں فتنہ پھیلنے کا اندیشہ ہو تو پھر جمعہ جاری رکھا جائے۔ مذکورہ شخص اگر علما کی طرف مراجعہ کے بعد شرائط کے فقدان کی وجہ سے جمعہ کی نماز میں شریک نہیں ہوتا اور ظہر پڑھتا ہے تو اس کی نماز کراہت کے ساتھ جائز ہوگی، تاہم اگر جمعہ نہ پڑھنے سے انتشار پھیلتا ہو تو پھر جمعہ کی نماز میں شریک ہونا زیادہ مناسب رہے گا۔

(۱) الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، نوع في الرحل بريد السفر يوم الجمعة، نوع في المتفرقات: ۲/۶۳

والدّلیل علیٰ ذلک:

ومن صلى الظهر في منزله يوم الجمعة ولا عذر له كره،وجازت صلوته.(۱)

ترجمہ: جس نے جمعہ کے دن بغیر کسی عذر کے اپنے گھر میں ظہر کی نماز پڑھی تو ایسا کرنا مکروہ ہے اور نماز جائز ہوگی۔

❁❁❁

نئی جامع مسجد بننے کے بعد پرانی مسجد میں ادائیگی جمعہ

سوال نمبر(334):

ہمارے علاقے میں ایک مسجد ہے، کافی عرصہ سے اس میں لوگ جمعہ کی نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے قریبی علاقے میں ایک بڑی مسجد بنائی گئی۔ اُس علاقے کے لوگوں کا کہنا ہے کہ اس (پُرانی) مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنا صحیح نہیں۔ از روئے شریعت ہماری رہنمائی فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے ایک شرط شہر یا مضافاتِ شہر کا ہونا ضروری ہے، ورنہ جمعہ کی ادائیگی واجب نہیں، اور شرائط موجود ہونے کے بعد جب کسی جگہ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کا جواز ثابت ہو جائے تو وہاں مختلف مقامات پر جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

صورتِ مسؤولہ میں اگر اس گاؤں میں جمعہ کی ادائیگی کے شرائط موجود ہوں تو نئی جامع مسجد بننے پر پرانی مسجد میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی متاثر نہ ہوگی بلکہ دونوں جگہ نمازِ جمعہ پڑھنا جائز ہے، تاہم اگر ممکن ہو تو بہتر یہی ہے کہ ایک ہی مسجد میں جمعہ ادا کیا جائے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وتؤدّي الجمعة في مصرواحدٍ في مواضع كثيرة، وهو قول أبى حنيفة، ومحمدؒ، وهو الأصحّ.(۲)

---

(۱) البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة:۲/۲٤٥

(۲) الفتاوى الهندية، کتاب الصلوٰة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱٤٥/۱ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

ترجمہ:

ایک شہر میں کئی جگہوں پر جمعہ ادا ہو سکتا ہے یہ قول امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا ہے اور یہی حکم زیادہ صحیح ہے۔

❁❁❁

جامع مسجد تنگ ہو جانے پر نئی مسجد بنا کر اس میں جمعہ پڑھنا

سوال نمبر(335):

ہمارے محلہ کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھائی جاتی ہے، لیکن کچھ عرصہ سے یہ مسجد لوگوں کے لیے تنگ پڑ گئی ہے۔ علاقے کے لوگوں نے دوسری مسجد بنانے کا ارادہ کیا ہے، لیکن بعض لوگ ایک ہی محلہ میں دو جگہ نماز جمعہ پڑھنے کے متعلق تردّد کے شکار ہیں۔ازروئے شریعت ایک ہی محلہ میں دو جگہ نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

بينوا توجروا

الجواب وباللہ التوفيق:

جمعہ کے دن مسلمانوں کے لیے ایک جامع مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنا افضل اور مستحسن ہے اور یہی اسلامی شان وشوکت کا مظہر ہے، البتہ جہاں کہیں کوئی عذر ہو، مثلاً جامع مسجد میں تمام نمازیوں کی گنجائش نہ ہو یا جامع مسجد دور ہو جہاں تک پہنچنے میں نمازیوں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہو تو ایسی صورت میں حسبِ ضرورت ایک سے زائد مساجد میں نماز جمعہ ادا کی جا سکتی ہے۔

صورتِ مسئولہ میں جب محلہ کی جامع مسجد میں محلہ کے لوگ سما نہیں سکتے تو بہتر یہ ہے کہ اِسی مسجد کو کشادہ کرنے کی کوشش کی جائے تاہم اگر باوجود سعی ایسا ممکن نہ ہوا تو ضرورتاً کچھ فاصلے پر دوسری مسجد بنا سکتے ہیں اور وہاں جمعہ پڑھنا بھی جائز ہوگا، البتہ اِسے افتراق وانتشار کا سبب نہ بنایا جائے۔

والدليل علىٰ ذلك:

(وتؤدي في مصر في مواضع) أي تؤدي في مصر واحدٍ في مواضع كثيرة، وهو قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ،وهو الأصحّ ؛لأنّ في الاجتماع في موضع واحدٍ في مدينة كبيرة حرجًا بيّنًا، وهو مدفوع.(١)

---

(١) الزيلعي،عثمان بن علي،تبيين الحقائق، كتاب صلوٰة،باب الجمعة:١/٥٢٦،دار الكتب العلمية،بيروت

ترجمہ:

(اور جمعہ ادا کی جائے گی ایک شہر میں کئی جگہ) یعنی نمازِ جمعہ ایک شہر میں کئی جگہ ادا کی جاسکتی ہے اور یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے، کیونکہ بڑے شہر میں لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونے میں بڑا حرج ہے جو کہ مدفوع ہے۔

❁❁❁

جیل میں نمازِ جمعہ

سوال نمبر(336):

جیل کے اندر نمازِ جمعہ کی ادائیگی کا کیا حکم ہے، جب کہ ان قیدیوں میں عالم دین بھی موجود ہوں اور جمعہ کی ادائیگی کے لیے جیل کے اندر مسجد بھی موجود ہو؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جمعہ کی ادائیگی کے لیے ایک شرط عام اجازت کا ہونا ہے، لیکن یہ شرط فقہاے کرام اس وقت بیان کرتے ہیں، جب کسی شہر میں صرف ایک جگہ نمازِ جمعہ ادا ہوتی ہو، تا کہ ہر شخص کے لیے نمازِ جمعہ کی ادائیگی ممکن ہو، لیکن جب شہر میں کئی جگہ نمازِ جمعہ ادا ہوتی ہو تو ایسی صورت میں عام اجازت کی شرط غیر مؤثر ہوگی، البتہ اگر کسی جگہ نمازِ جمعہ پڑھی جارہی ہو اور وہ جگہ شہر کے اندر ہو اور وہاں دفاعی، انتظامی یا حفاظتی وجوہ کی بنا پر کچھ قواعد وضوابط مقرر ہوں تو اس آبادی کا اپنی مخصوص جگہ میں جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز ہوگا۔

لہٰذا جیل کے اندر اگر لوگوں کی مقررہ تعداد پوری ہو اور ان تمام لوگوں کو جیل کی مسجد میں جمعہ پڑھنے کی اجازت ہو تو ان کا جمعہ ادا کرنا درست ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وینبغي أن یکون محل النزاع ماإذا كانت لا تقام الاّ في محل واحد، أمّا لو تعدّدت،فلا؛ لأنه لایتحقّق التفویت .(۱)

(۱) محمد أمین،ردالمحتارعلی الدر المختار،کتاب الصلاۃ،باب الجمعة:۳/ ۲٦،مکتبه امدادیه،ملتان

ترجمہ:

اور مناسب یہ ہے کہ محلِ نزاع (جمعہ کی نماز کا ہونا) اس صورت میں ہو جب جمعہ کی ادائیگی صرف ایک جگہ ہو اور جب متعدد جگہوں میں ادائیگی ہوتی ہو تو پھر محلِ نزاع نہیں، کیونکہ اس صورت میں جمعہ کا فوت ہونا متحقق نہیں ہوتا۔

قال الحصكفي: فلا يضرّ غلق باب القلعة لعدوّ، أو لعادة قديمة؛ لأنّ الإذن العام مقرّر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلّي. (۱)

ترجمہ:

علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قلعہ کے دروازے دشمن کے خوف کی وجہ سے یا پرانی عادت کے موافق بند کرنا مضر نہیں، کیونکہ اذنِ عام کا ہونا اس جگہ کے باشندوں کے لیے ہے اور منع کرنا دشمن کے لیے ہے۔

❁❁❁

اکیلے شخص کا نمازِ جمعہ پڑھنا

سوال نمبر (337):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب جمعہ کے دن شدید بارش ہو اور مسجد بھی گھر سے کافی فاصلہ پر ہو تو ایسی صورت میں کوئی شخص گھر میں اکیلے جمعہ کی نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے جماعت کا ہونا شرط ہے اور جماعت کے لیے کم از کم تین افراد کا ہونا ضروری ہے، اس لیے جہاں کہیں جماعت کی شرط پوری نہ ہو تو وہاں نمازِ جمعہ ادا کرنا جائز نہیں۔

صورتِ مسؤلہ میں جب یہ شخص گھر میں اکیلا ہو اور جماعت پوری نہ ہو تو وہاں پر جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز نہیں، بلکہ ظہر کی نماز ادا کرے گا۔

---

(۱) الحصكفي، محمد بن علي، الدر المختار علي صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲۵/۳

والدّلیل علیٰ ذلك:

(ومنها الجماعة) وأقلّها ثلاثة سوی الإمام.(۱)

ترجمہ:

اور جمعہ کے شرائط میں سے جماعت کا ہونا ہے اور جماعت کی کم از کم تعداد امام کے علاوہ تین افراد ہے۔

❁❁❁

پیش امام کے علاوہ دوسرے شخص کا جمعہ کی نماز پڑھانا

سوال نمبر(338):

ہمارے محلّے کے جامع مسجد کے متولی نے جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے ایسے شخص کو مقرر کیا ہے جو اس مسجد کا پیش امام نہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ ایسے شخص کی اقتدا میں جمعہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق جمعہ کی نماز ہر اُس شخص کی اقتدا میں پڑھنا جائز ہے جس میں امامت کے شرائط پائے جاتے ہوں، یعنی وہ مسلمان ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، مرد ہو وغیرہ، لہٰذا اگر متولی کسی ایسے شخص کو جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے مقرر کرے جس میں مذکورہ صفات پائی جائیں تو ایسے شخص کی اقتدا میں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ وہ باقاعدہ اس مسجد کا پیش امام نہ ہو۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(ویصلح للإمامة فیها من صلح لغیرها)قال ابن عابدین:أي لإمامة غیر الجمعة.(۲)

ترجمہ:

اور جمعہ کی نماز کی امامت کی صلاحیت وہی شخص رکھتا ہے جو دیگر نمازوں کی صلاحیت رکھتا ہے۔ علامہ ابنِ عابدین فرماتے ہیں کہ جمعہ کے علاوہ (نمازوں کی) امامت کی صلاحیت رکھتا ہو۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة، كتاب الصلوٰة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱۴۸/۱

(۲) ردالمحتارمع الدر المختار، كتاب الصلاة،باب الجمعة،مطلب في شروط وجوب الجمعة:۳۰/۳

خطیب اور امام کا ایک نہ ہونا

سوال نمبر(339):

اگر جمعہ کا خطبہ ایک شخص پڑھے اور نماز کوئی اور شخص پڑھائے تو جمعہ کی نماز پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

جمعہ کی ادائیگی کی صحت کے لیے فقہائے کرام نے جو شرائط ذکر کی ہیں، ان شرائط میں ایسا کوئی ذکر نہیں کہ خطبہ پڑھنے والا ہی نماز پڑھائے گا، بلکہ خطبہ پڑھنے والا طبیعت کی ناسازی یا کسی اور وجہ سے اگر امامت کے اہل شخص کو امامت کے لیے نامزد کردے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ جو شخص خطبہ پڑھے، نماز بھی وہی پڑھائے۔

والدّليل على ذلك:

لايشترط في الإمام أن يكون هو الخطيب،وقد صرح في الخلا صة بأنه لوخطب صبي باذن السلطان،وصلى الجمعة رجل بالغ يجوز.(١)

ترجمہ:

امام کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں کہ وہ خطیب بھی ہو۔ خلاصہ میں تصریح کی گئی ہے کہ اگر خطبہ سلطان کی اجازت سے کوئی بچہ پڑھائے اور جمعہ کوئی بالغ شخص پڑھائے تو یہ جائز ہے۔

لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب كذا في الكا في.(٢)

ترجمہ:

مناسب نہیں کہ نماز غیر خطیب پڑھائے۔

---

(١) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة،باب الجمعة،مطلب في نية آخر......:١٩/٣

(٢)الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة،الباب السادس عشر في صلوة الجمعة:١٤٧/١

فصل فی أحکام خطبة الجمعة

(خطبہ جمعہ کے احکام کا بیان)

خطبہ سننے کے لیے کوئی مخصوص ہیئت

سوال نمبر(340):

خطبہ سننے کے دوران اکثر لوگ "التحیات" کی شکل میں بیٹھ جاتے ہیں۔ پہلے خطبہ میں ہاتھ ناف پر باندھتے ہیں اور دوسرے خطبہ میں دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھ دیتے ہیں۔ از روئے شریعت مذکورہ عمل کی حیثیت کیا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جمعہ کا خطبہ صرف خاموشی کے ساتھ سننا واجب ہے۔ کسی مخصوص ہیئت کو اختیار کر کے سننا ضروری نہیں۔ اپنی سہولت کے لیے کسی بھی ہیئت کو اختیار کر سکتا ہے، البتہ نماز کی طرح قعدہ کا انداز اختیار کرنا اولیٰ اور مناسب ہے، لیکن ضروری نہیں۔ پہلے خطبہ میں ناف اور دوسرے میں رانوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کا مخصوص انداز اختیار کر کے اس کو سنت سمجھنا درست نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

إذا شهد الرجل عند الخطبة إن شاء جلس محتبياً أو متربعاً أو كما تيسر؛ لأنه ليس بصلاة عملاً وحقيقة......ويستحب أن يقعد فيها كما يقعد في الصلوة، كذا في معراج الدراية.(١)

ترجمہ:

خطبہ میں حاضر ہونے والا شخص گھٹنے کھڑے کر کے ان سے ہاتھ لپیٹ کر بیٹھے یا چارزانوں بیٹھے یا جس طرح آسان ہو، کیونکہ یہ عملی اور حقیقی نماز نہیں ہے۔۔۔۔ اور مستحب ہے کہ نماز کی طرح قاعدہ میں بیٹھ جائے۔

❁❁❁

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة: ١٤٨/١

خطبہ میں توحید پرمبنی عربی اشعار پڑھنا

سوال نمبر(341):

خطبہ جمعہ میں عربی اشعار جو خالص توحید پرمبنی ہوں، پڑھنا ازروئے شرع کیسا ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ فقط اشعار پڑھنا مکروہ ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

خطبہ جمعہ حضور ﷺ اور صحابہ اور تابعین سے عربی نثر میں توارث کے طور پر چلا آرہا ہے، جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مسنون خطبہ عربی زبان میں منثور پڑھنا ہے۔ اور عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ تاہم عربی زبان میں منظوم خطبہ بھی جائز ہے، البتہ جس طرح غیر عربی زبان میں منثور خطبہ درست نہیں اس طرح غیر عربی اشعار بھی درست نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

فإنه لاشك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي ﷺ والصحابة، فيكون مكروهاًتحريماً وكذا قراءة الأشعار الفارسية والهندية فيها.(۱)

ترجمہ:

کیونکہ بلاشبہ غیر عربی زبان میں خطبہ دینا نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے متواتر موروثی طریقہ کیخلاف ہے اس لیے مکروہ تحریمی ہوگا، اسی طرح اشعار فارسی زبان میں پڑھنا بھی مکروہ ہے۔

❁❁❁

خطبہ جمعہ کے وقت نفل پڑھنا

سوال نمبر(342):

ہماری جامع مسجد کے خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ جمعہ کے وقت جب خطیب منبر پر خطبہ پڑھنے کے لیے

(۱) اللكهنوي،عمدةالرعاية حاشية شرح الوقاية، كتاب الصلوة،باب الجمعة،رقم الحاشية (۲): ۱/ ۲۰۰

بیٹھ جائے تو خطبہ شروع کرنے کے بعد ہر قسم کا کلام وغیرہ ممنوع ہے، حتیٰ کہ اگر سنتیں شروع کی ہوں تو دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر خطبہ سنیں، جبکہ ایک دوسرا شخص کہتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے خطبے کے دوران ایک شخص کو تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم کیا تھا، لہٰذا تحیۃ المسجد کے نفل دوران خطبہ بھی جائز ہیں، آپ سے وضاحت مطلوب ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں، کہ تحیۃ المسجد ایک مسنون عمل ہے، لیکن دورانِ خطبہ کسی قسم کا عمل خواہ اس کا تعلق نماز سے ہو یا دوسری کوئی بات وغیرہ ہو، احادیث کی روشنی میں نہ صرف علمائے احناف کے نزدیک بلکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک بھی جائز نہیں، بلکہ خطبے کو پوری توجہ کے ساتھ کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے۔ حدیث میں جو مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے صحابی کو خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دیا تو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابی کے نماز پڑھنے تک آپ ﷺ نے خطبہ موقوف فرمایا تھا، جبکہ دیگر روایات اور محدثین کے اقوال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خطبہ شروع نہیں کیا تھا، بلکہ محض منبر پر بیٹھے تھے۔ نیز اس شخص کو خصوصی طور پر نماز پڑھنے کی دعوت دی تا کہ مجمع پر اس کی حالت واضح ہو اور اس سے تعاون کر سکے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

عن جابرؓ قال: جاء رجل والنبي ﷺ يخطب الناس يوم الجمعة فقال: أصليت يافلان؟ قال: لا قال: قم فاركع ركعتين...... قال القاضي: قال مالك، والليث، وأبو حنيفة، والثوري، وجمهور السلف من الصحابة والتابعين: لا يصليهما، وهو مروي عن عمرؓ، وعثمانؓ، وعليؓ، وحجتهم: الأمر بالإنصات للإمام...... (قلت) لم يؤلوا الأحاديث المذكورة بهذا الذي ذكره، حتىٰ يشنع عليهم هذا التشنيع، بل أجابوا بأجوبة غير هذا: الأول: أن النبي ﷺ أنصت له، حتىٰ فرغ من صلوته، والدليل عليه ما رواه الدار قطني في "سننه" عن أنس قال: دخل رجل المسجد، ورسول الله ﷺ يخطب، فقال له النبي ﷺ: "قم فاركع ركعتين" وأمسك عن الخطبة حتىٰ فرغ من صلوته ......والثاني: أن ذلك كان قبل شروعه عليه السلام في الخطبة. (۱)

(۱) العيني، أبي محمد محمود بن أحمد بن موسىٰ، بدرالدين، عمدة القاري، كتاب الصلوة، باب اذا رأى الامام رجلاً جاء وهو يخطب...۶/۲۳۰-۲۳۲

ترجمہ: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص جمعہ کے دن آیا، اس دوران کہ نبی کریم ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا کہ تو نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ اور نماز پڑھو۔۔۔۔قاضی فرماتے ہیں، کہ مالک، لیث، ابوحنیفہ، ثوری، صحابہ وتابعین اور جمہور اکابرین نے نہ پڑھنے کا قول کیا ہے اور یہ قول عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ سے بھی مروی ہے۔ ان کی دلیل امام کو خاموش رہنے کے حکم کی روایت ہے جہاں تک ہمارے علمائے کرام کا مذہب ہے تو وہ اس حدیث میں تاویل نہیں کرتے، (یہاں تک کہ ان کو برا بھلا کہا گیا)۔ مذکورہ حدیث کے دو جوابات دیئے ہیں: اول یہ کہ حضور ﷺ اس کی نماز سے فارغ ہونے تک خاموش رہے۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے، جس کو دارقطنی نے سنن میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ مسجد میں ایک شخص داخل ہوا، اور حضور ﷺ خطبہ دے رہے تھے، آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ دو رکعت پڑھ لیں اور آپ ﷺ اس کی نماز سے فارغ ہونے تک خاموش رہے۔۔۔۔دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ یہ حضور ﷺ کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے تھا۔

(إذاخرج الإمام يوم الجمعة ترك الناس الصلوة والكلام، حتى يفرغ من خطبته)قال: هذا عند أبي حنيفة......لأبي حنيفة قوله عليه السلام:"إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام".(١)

ترجمہ: جمعہ کے دن امام نکلے تو لوگ نماز اور باتیں چھوڑ دیں یہاں تک کہ امام خطبہ سے فارغ ہو، یہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔۔۔ان کی دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے کہ جب امام نکلے (منبر پر بیٹھ جائے) تو نماز جائز ہے اور نہ باتیں

❁❁❁

دوسرے خطبے کی جگہ پہلا خطبہ دوبارہ پڑھنا

سوال نمبر(343):

خطیبِ جمعہ دو الگ الگ خطبوں کی بجائے ایک ہی خطبہ دوبار پڑھ لے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

جمعہ کا خطبہ واجب ہے اور اس واجب کی ادائیگی کے لیے کسی آیت کا پڑھنا یا اللہ کا ذکر کر لینا کافی ہے۔ دوسرا خطبہ بھی پہلے خطبہ کی طرح ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ دوسرے خطبے میں عام مسلمانوں کے لیے دعا مانگی جاتی ہے۔ اس

(١) الهداية، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ١/ ١٨٠، ١٨١

لیے اگر دوسرا خطبہ بھی پہلے طرح پڑھ لیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

والدّليل علىٰ ذلك:

إن الثانية كالأولى إلاأنه يدعو للمسلمين مكان الوعظ،وظاهره أنه يسن قراءة آية في الثانية كالأولى.(۱)

ترجمہ: دوسرا خطبہ بھی پہلے کی طرح ہے، مگر فرق اتنا ہے کہ دوسرے خطبہ میں وعظ کی جگہ مسلمانوں کے لیے دعا مانگنا ہے۔دوسرے خطبہ میں کسی آیت کا پڑھنا پہلے خطبہ کی طرح مسنون ہے۔

❁❁❁

دورانِ خطبہ درود شریف پڑھنا

سوال نمبر(344):

اگر خطیب خطبہ کے دوران (اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ) پڑھے، کیا سامعین کو اس کا جواب درود پڑھ کر دینا چاہیے؟ جیسا کہ عام حالات میں درود پڑھ کر جواب دیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں دورانِ خطبہ مذکورہ آیت سننے سے لوگ بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں۔ خطیب صاحب نے کئی بار منع بھی کیا ہے، لیکن وہ لوگ دورانِ خطبہ خاموش رہنے کی بجائے بلند آواز سے درود پڑھنے کو درست سمجھتے ہیں۔اس مسئلے کی وضاحت کریں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

خطبہ پوری توجہ کے ساتھ خاموش بیٹھ کر سننا ضروری ہے، اس لیے زبان سے اذان کا جواب دینا، درود پڑھنا اور ذکر کرنا درست نہیں، البتہ دل ہی دل میں درود پڑھ لے تو کوئی مضائقہ نہیں، کیوں کہ اس طرح خطبہ سننے اور درود پڑھنے کا تعارض بھی نہیں ہوگا، لیکن مذکورہ طریقے سے بلند آواز سے پڑھنا درست نہیں، لہٰذا خطبہ کے دوران خاموش بیٹھا رہے اور زبان سے تلفظ نہ کرے۔

والدّليل علىٰ ذلك:

فرع بعضهم قول أبي حنيفةؒ أنه لايصلي على النبي ﷺ عند ذكره في الخطبة، وعن أبي يوسفؒ ينبغي

---

(۱)البحرالرائق، كتاب الصلوة،باب صلوة الجمعة،تحت قوله:(وسن خطبتان......):۲/۲۵۸

ان يصلي في نفسه ؛ لأن ذلك مما لا يشغله عن سماع الخطبة.(١)

ترجمہ:

بعض نے امام ابوحنیفہؒ کے قول پر تفریع کی ہے کہ خطبہ میں حضورﷺ کے ذکر سے درود نہیں پڑھنا چاہیے اور ابویوسفؒ کے نزدیک دل میں درود پڑھنا مناسب ہے، کیوں کہ اس طرح خطبہ سننے سے اس کی توجہ نہیں ہٹے گی۔

❁❁❁

جمعہ کا خطبہ بغیر وضو کے پڑھنا

سوال نمبر(345):

اگر کوئی شخص جمعہ کا خطبہ بغیر وضو کے پڑھ لے تو نمازِ جمعہ کی صحت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جس طرح نماز کے لیے وضو شرط ہے، اسی طرح جمعہ کا خطبہ بھی بغیر وضو کے جائز نہیں؟ وضاحت کریں۔

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

واضح رہے کہ جمعہ کا خطبہ طہارت کے ساتھ پڑھنا مسنون ہے اور سنت کے خلاف کرنا کراہت کے زمرے میں آتا ہے، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ خطبہ دیتے وقت بھی بندہ پاک ہو، تاکہ خطبہ بلا کراہت پڑھے، تاہم اگر خطبہ دینے کے دوران وضو ٹوٹ گیا یا کسی عذر کی وجہ سے طہارت کے بغیر خطبہ دیا گیا تو خطبہ درست ہوگا اور اس سے جمعہ کی صحت پر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا۔

والدّليل علىٰ ذلك:

وأما سننها فخمس عشرة:أحد ها الطها رة حتىٰ کر هت للمحد ث، والجنب.(٢)

ترجمہ:

خطبہ کی پندرہ سنتیں ہیں، ان میں سے ایک طہارت بھی ہے، اس لیے بغیر وضو کے اور جنابت کی حالت میں پڑھنا مکروہ ہے۔

---

(١) فتح القدير، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة، تحت قوله:(ولأبي حنفية):٢/٣٨

(٢) البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة، تحت قوله:(وسن خطبتان):٢/٢٥٨

جمعہ کی نماز کے بعد خطبہ پڑھنا

سوال نمبر(346):

اگر خطبہ نمازِ جمعہ کے بعد پڑھا جائے تو کیا نمازِ جمعہ کی صحت پر اس کا اثر پڑے گا؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ خطبہ جمعہ کے شرائط میں سے ہے اور شرط مشروط پر مقدم ہوتی ہے، اس لیے خطبہ جمعہ کی نماز سے پہلے اور زوال کے بعد پڑھنا ہوگا۔ حضور ﷺ نے ہمیشہ جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے پڑھا ہے اور کبھی بھی نماز کے بعد نہیں پڑھا، لہٰذا فقہاے کرام کی تصریحات کے مطابق خطبہ زوال کے بعد اور نماز سے پہلے پڑھنا واجب ہے، اگر کہیں خطبہ جمعہ کی نماز پڑھ لینے کے بعد پڑھا جائے تو نماز درست نہیں ہوگی۔

والدلیل علی ذلک:

(ومنها الخطبة قبلها)......فالفرض شيئان: الوقت وهو بعد الزوال وقبل الصلاة، حتى لو خطب قبل الزوال، أو بعد الصلاة لايجوز.(۱)

ترجمہ:

(اور جمعہ کی شرائط میں سے خطبہ بھی ہے)۔۔۔۔۔اس میں دو فرض ہیں: ایک وقت ہے جو کہ زوال کے بعد اور نماز سے پہلے ہے۔ اگر زوال سے پہلے یا نماز کے بعد خطبہ دیا گیا تو یہ جائز نہیں۔

❁❁❁

خطبہ سے پہلے اذان کا جواب دینا

سوال نمبر(347):

جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے جو اذان دی جاتی ہے۔ اس کا جواب دینا چاہیے یا خاموش رہنا بہتر ہے؟

بینوا تؤجروا

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱/۱٤٦

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے اذان کا جواب دینا مستحب ہے، لیکن خطبہ کی اذان خطبہ کے حکم میں داخل ہے، لہٰذا خاموش بیٹھ کر دل میں جواب زیادہ مستحسن ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وینبغي أن لا یجیب بلسانه إتفاقاً في الأذان بین یدي الخطیب. (۱)

ترجمہ:

اور خطیب کے سامنے جو اذان کہی جاتی ہے (یعنی اذانِ ثانی) اس کا جواب زبان سے نہیں دینا چاہیے۔

❁❁❁

دو خطبوں کے درمیان دعا

سوال نمبر (348):

دورانِ خطبہ جب خطیب پہلے خطبے سے فارغ ہو کر دوسرا خطبہ شروع ہونے سے پہلے بیٹھ کر وقفہ کرتا ہے تو اسی دوران لوگ دعا میں مشغول ہو جاتے ہیں، اس طرح خطبوں کے درمیان دعا مانگنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ دعا مانگنا عبادت ہے اور دعا مانگنے کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں، بلکہ بندہ جس وقت بھی دعا کرتا ہے، اللہ رب العزت کے دربار سے قبولیت کی صدا آتی ہے، البتہ بعض لمحات ایسے خاص ہوتے ہیں کہ جو دعا کی قبولیت کے زیادہ قریب ہوتے ہیں، ان لمحات میں خطبوں کے درمیان کا وقفہ بھی ہے، تاہم اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ دعا مانگتے وقت زبان سے تلفظ نہ کرے، بلکہ دل ہی دل میں دعا مانگے، کیونکہ زبان سے تلفظ کرنا سکوت سے متعارض ہے، حالانکہ خطبہ کے دوران شریعت نے خاموش رہنے کی ہدایت کی ہے۔

---

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الأذان: ۲/ ۷۰

والدّلیل علیٰ ذلك:

أصحها أنها في ما بين أن يجلس الإمام على المنبر إلى أن يقضي الصلوة، كما هو ثابت في صحيح مسلم عنه ﷺ أيضا. حلية. قال في المعراج: فيسنّ الدعاء بقلبه لا بلسانه؛ لأنه مأمور بالسكوت.(١)

ترجمہ:

صحیح قول یہ ہے کہ امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز کی ادائیگی تک ہے، جیسا کہ امام مسلم نے بھی حضورﷺ سے روایت کی ہے، پس دعا دل ہی دل میں مانگے نہ کہ زبان سے، کیونکہ خاموش رہنے پر مامور ہے۔

❁❁❁

خطبہ جمعہ میں آواز بلند کرنے کی مقدار

سوال نمبر(349):

اگر جمعہ کا خطبہ بلند آواز کی بجائے آہستہ آواز سے پڑھا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا آہستہ آواز کے ساتھ پڑھنے سے خطبہ کا واجب ادا ہو جائے گا یا واجب خطبہ کی ادائیگی کے لیے بلند آواز سے پڑھنا ضروری ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ خطیب پر جمعہ کا خطبہ اتنی اونچی آواز سے واجب نہیں کہ دور تک کے تمام لوگ سن سکیں۔ فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق خطبہ ایسی آواز سے پڑھنا واجب ہے کہ قریب بیٹھے ہوئے نمازی سن سکیں، لہٰذا اگر خطبہ اتنی دبی ہوئی آواز سے پڑھا جائے کہ نہ خود سنے اور نہ ہی قریب بیٹھے ہوئے نمازی سن سکیں تو بلند آواز کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے خطبہ درست نہیں رہے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

قوله: (ولو كانوا صماً أو نياماً) أشار إلى أنه لا يشترط لصحتها كونها مسموعة لهم، بل يكفي

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة، مطلب في ساعة الإجابة يوم الجمعة: ٤٢/٣

حضورهم، حتىٰ لو بعدوا عنه أو ناموا أجزأت، والظاهر أنه يشترط كونها جهرا، بحيث يسمعها من كان عنده، إذا لم يكن به مانع. (۱)

ترجمہ:

اگر (خطبہ سننے والے) بہرے ہوں یا سوئے ہوئے ہوں (تب بھی خطبہ بلند آواز سے پڑھے) اس میں اس طرف اشارہ کیا کہ خطبہ کی صحت کے لیے ان کو سنانا شرط نہیں، بلکہ ان کی موجودگی کافی ہے۔لہٰذا اگر لوگ امام سے دور ہوں یا سوئے ہوں تو خطبہ درست رہے گا۔ظاہر یہ ہے کہ اس طرح بلند آواز سے خطبہ پڑھنا شرط ہے کہ امام کے قریب بیٹھا آدمی سن سکے، بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔

❁❁❁

خطبہ کا ترجمہ کے ساتھ پڑھنا

سوال نمبر (350):

خطبہ اگر غیر عربی زبان میں پڑھا جائے یا خطبہ عربی زبان میں ہو اور ترجمہ بھی ساتھ ساتھ کیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ہماری مسجد سے متعلق کچھ افراد اس بات پر اصرار کر رہے ہیں کہ خطبہ مقامی زبان میں پڑھنے کا اہتمام کیا جائے ورنہ کم از کم ترجمہ کیا جائے۔عربی زبان میں پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ ہر آدمی اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔وضاحت کریں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ خطبہ جمعہ کا عربی میں ہونا ضروری ہے، اس لیے جس طرح شارع نے حکم دیا ہے اور جس طرح ثابت ہے، اس کو اس طرح بجالانا ضروری ہے۔چنانچہ نبی کریم ﷺ کا تعامل اور مواظبت اس بات پر شاہد ہے کہ خطبہ جمعہ صرف عربی زبان میں ہونا چاہیے، غیر عربی زبان میں اس کا پڑھنا جائز نہیں، کیوں کہ پوری زندگی میں آنحضرت ﷺ سے اس کے خلاف کہیں ثابت نہیں۔اسی طرح خلفائے راشدین حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین حضرات میں بھی کسی سے غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھنا ثابت نہیں، باجود یہ کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور پھر تابعین میں سے بہت سے

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعة، مطلب في نية آخر ظهر......: ۱۹/۳

حضرات عربی کے علاوہ دوسری زبانوں کو بھی جانتے تھے، بلکہ بعض کا تعلق بھی غیر عرب (عجم) ممالک سے تھا اوران کے مخاطبین بھی عجم ہوا کرتے تھے۔

لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے ایک دائمی عمل (مواظبت جو کہ اکثر وجوب کی دلیل ہوا کرتی ہے) خلفائے راشدین، حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین حضرات کے آثار متواترہ اور اس سنت متواترہ کو چھوڑ کر غیر عربی زبان میں خطبہ کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ نہ تو غیر عربی میں پڑھنے کا کوئی اصل موجود ہے اور نہ ہی شارع کا کوئی عمل، مزید یہ کہ ایسا اقدام خلاف سنت ہی ہوگا۔

جہاں تک اس کے ترجے کی بات ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ خطبے کو مختصر پڑھنا بھی ایک سنت ہے، چنانچہ خطبے کے ساتھ اس کا ترجمہ کرنے سے خلافِ سنت کے ارتکاب کا یقینی خطرہ ہے، اس لیے یقینی طور پر خطبہ طوالت کا شکار ہوکر عوام الناس کو بھی تکلیف ہوگی جو کہ فتنہ وفساد کی دلیل سمجھی جاتی ہے، لہٰذا خطبہ کے ساتھ اس کا اردو، پشتو وغیرہ میں ترجمہ کرنا بھی مناسب نہیں، اس قسم کا کوئی بھی عمل حضور ﷺ صحابہ کرامؓ اور تابعین سے کہیں ثابت نہیں، لہٰذا عین اسی وقت اس کا ترجمہ کرنا ایک نئی بدعت کے مترادف ہے، البتہ اگر خطبہ سے پہلے تقریر کے دوران یا نمازِ جمعہ سے فراغت کے بعد خطبہ کے ترجمہ یا اس کے متعلقہ امور کے حوالے سے عوام کے استفادے کو مدنظر رکھ کر کوئی وعظ سنایا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ نہ تو اس کو لازمی قرار دیکر دین کا حصہ بنایا جائے اور نہ ہی عوام کو خواہ مخواہ مجبور کیا جائے۔

والدّليل على ذلك:

لاشك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي ﷺ والصحابةؓ، فيكون مكروها تحريما. (١)

ترجمہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ عربی زبان کے علاوہ خطبہ دینا نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے طریقے کے مخالف ہے۔ پس یہ مکروہ تحریمی ہے۔

(١) عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ١/ ٢٠٠

خطبہ کے دوران چندہ کرنا

سوال نمبر(351):

جمعہ کے خطبہ کے دوران بعض لوگ چندہ کرتے ہیں اور بات کرتے ہوئے بھی لوگ نظر آتے ہیں تو خطبہ کے شروع ہونے کے بعد چندہ کرنا، بات کرنا یا کسی اور کام میں مشغول ہونے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

خطبہ کے دوران خاموش رہنا اور خطبے کو غور سے سننا واجب ہے۔ خطبہ کے دوران ہر وہ کام جو خطبہ کے سننے میں خلل ڈالتا ہو، مکروہ اور ناجائز ہے، چاہے وہ کوئی بھی عمل ہو، چونکہ خطبہ کے دوران چندہ کرنا خطبہ سننے سے مانع ہے، اسی طرح بات کرنا بھی مانع ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ چندہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے کیا جائے تاکہ سب لوگ باآسانی خطبہ سن سکیں۔

والدّليل على ذلك:

(وكل ما حرم في الصلوة حرم فيها) أي في الخطبة. فيحرم أكل وشرب وكلام ولو تسبيحا، أورد سلام، أو أمر بمعروف، بل يجب عليه أن يستمع ويسكت. قال ابن عابدين: ظاهره أنه يكره الاشتغال بما يفوت السماع وإن لم يكن كلاما. (١)

ترجمہ:

ہر وہ عمل جو نماز کے دوران حرام ہو، خطبہ میں بھی حرام ہوگا، اس لیے کھانا، پینا، بات کرنا اگرچہ تسبیح پڑھے یا سلام کا جواب دے یا نیکی کا حکم دے حرام رہے گا، بلکہ واجب ہے کہ خطبہ غور سے سنے اور خاموش رہے، مقصود یہ ہے کہ کوئی بھی عمل جس میں مشغول ہونے سے خطبہ سننا فوت ہوتا ہو مکروہ ہے، اگرچہ وہ بات چیت نہ ہو۔

(١) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة: ٣٥/٣

خطبہ جمعہ سے پہلے یا بعد میں چندہ کرنا

سوال نمبر (352):

اکثر مساجد میں جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے یا خطبہ کے بعد چندہ کیا جاتا ہے اور خطبہ کے وقت بھی چندہ کرتے ہوئے بعض لوگ دیکھے جاتے ہیں۔ازروئے شریعت اس طرح چندہ کرنا کیسا ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مسجد کا نظام چلانا اہلِ محلّہ کی ذمہ داری ہے، اس لیے اہل محلّہ سے مسجد کے امور کے لیے چندہ اکٹھا کرنا جائز ہے، تاہم مسجد اور نماز کا احترام ضروری ہے۔اسی طرح نمازیوں کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، اس لیے فقہائے کرام نے بعض امور کا لحاظ رکھنے کی شرط پر چندہ کرنا جائز لکھا ہے۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ چندہ وصول کرنے والا لوگوں کے کندھوں کو پھلانگتا ہوا نہ گزرے، نمازیوں کے سامنے سے نہ گزرے اور یہ کہ چندہ وصول کرنے والا اصرار نہ کرے۔

درجہ بالا امور کا لحاظ رکھتے ہوئے مسجد کے اندر مسجد کے نظام کو مستحکم کرنے کے لیے یا کسی اجتماعی فائدہ کے لیے چندہ کرنا جائز ہے، ہاں خطبہ کے وقت چندہ کرنے سے خطبہ کے آداب برقرار نہیں رہتے، اس لیے اس وقت چندہ کرنے سے احتراز ضروری ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

والمختار أن السائل إن كان لا يمر بين يدي المصلي، ولا يتخطى الرقاب، ولا يسأل إلحافا، بل لأمر لا بد منه، فلا بأس بالسؤال والإعطاء...... ولا يجوز الإعطاء إذا لم يكونوا علىٰ تلك الصفة المذكورة. (١)

ترجمہ: مختار یہ ہے کہ سائل اگر نمازی کے سامنے سے نہ گزرتا ہو اور نہ ہی لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہو اور اصرار بھی نہ کرے، بلکہ ایک ضرورت کے لیے مانگتا ہو جس سے خلاصی ممکن نہ ہو تو پھر مانگے اور عطا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔۔۔اگر مذکورہ اوصاف کا لحاظ نہ رکھے تو پھر عطا کرنا درست نہیں۔

---

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة، مطلب في الصدقة على السوال في المسجد: ٣/ ٤٢

منبر پر خطبہ دینا

سوال نمبر(353):

کیا جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں خطیب کا منبر پر چڑھ کر خطبہ دینا ضروری ہے۔اگر منبر چھوڑ کر خطبہ دیا جائے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ منبر پر چڑھ کر خطبہ دینا حضورﷺ کی مستقل سنت ہے،اس لیے خطیب کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ بلاوجہ ایک مستقل سنت کو نظر انداز کر کے بغیر منبر کے خطبہ دے،تاہم اگر کوئی عذر ہو،تو بغیر منبر کے خطبہ دینا بھی درست ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ومن السنّة أن يكون الخطيب على منبر اقتداءً برسول اللهﷺ.(۱)

ترجمہ:

اور سنت طریقہ یہ ہے کہ خطیب حضورﷺ کی اقتدا میں منبر پر چڑھ کر خطبہ دے۔

❁❁❁

خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

سوال نمبر(354):

خطبوں کے درمیان کسی آدمی کے لیے ہاتھ اٹھا کر بلند آواز کے ساتھ دعا مانگنا ازروئے شریعت کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جمعہ کا خطبہ ظہر کی دو رکعتوں کا قائم مقام ہے،گویا خطبہ جمعہ کی نماز کا ایک حصہ ہے تو جس طرح نماز میں نماز

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة،الباب السادس عشر في صلوة الجمعة:۱/۱٤٧

کے منافی عمل کی اجازت نہیں، اسی طرح خطبہ کے دوران بھی خطبہ سننے کے علاوہ کسی دوسرے عمل میں مشغول ہونے کی اجازت نہیں، اس لیے دوخطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے دعا مانگنا درست نہیں۔

والدّليل علىٰ ذلك:

(إذاخرج الإمام فلا صلوٰة ولا كلام الى تما مها...وكل ما حرم في الصلوة،حرم فيها)أي في الخطبة.(١)

ترجمہ:

جب امام (خطبہ پڑھنے کے لیے) نکلے تو خطبہ کے ختم ہونے تک نہ تو نماز کی اجازت ہے اور نہ کوئی بات کر سکتا ہے۔ جو چیزیں نماز کے دوران حرام ہیں، وہ خطبہ کے دوران بھی حرام ہیں۔

❁❁❁

خطبہ میں حمد اور تسبیح پر اکتفا کرنا

سوال نمبر(355):

ہمارے خطیب صاحب بعض مرتبہ حمد اور تسبیح پڑھ کر خطبہ ختم کر دیتے ہیں۔ کبھی کبھار کوئی سورت بھی ملا دیتے ہیں، حالانکہ عام طور پر جو خطبے پڑھے جاتے ہیں، ان میں حضورﷺ پر درود شریف کے علاوہ عام مسلمانوں کے لیے دعا بھی کی جاتی ہے۔ شریعت کی رو سے خطبہ میں حمد اور تسبیح پر اکتفا کرنا درست ہے یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہﷺ کے زمانے سے لے کر جب تک اسلام حدودِ عرب تک محدود تھا اور مخاطبین اکثر عرب ہوتے تھے تو جمعہ اور عیدین کے موقعوں پر عربی خطبہ میں ہی وعظ ونصیحت اور ضروریات زندگی کے پیش آمدہ شرعی مسائل کی وضاحت کی جاتی تھی، لیکن جب اسلام عرب کی سرحدات سے نکل کر عجم تک پھیلا تو علمائے کرام نے عوام الناس کی اصلاح اور دینی مسائل سے واقفیت کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے جمعہ کے دن عربی خطبہ سے پہلے

(١)الدرالمختارعلى صدرردالمحتار، كتاب الصلوة،باب الجمعة:٣/ ٣٤، ٣٥

علاقائی زبانوں میں وعظ ونصیحت کا سلسلہ شروع کیا۔ وعظ کا مقصد ادا ہو جانے کے بعد عربی خطبہ مختصر پڑھا جائے تو جائز ہے، تاہم بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد وثنا اور رسول اللہ ﷺ پر درود شریف اور دعا خطبہ میں شامل ہو۔ اگرچہ خطبہ کی نیت سے مطلقاً ذکر سے خطبہ ادا ہو جاتا ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ﴿فاسعوا الی ذکر اللّٰہ﴾ کا حکم آیا ہے۔ جس کی بنا پر فقہائے کرام کے ہاں اگر ایک دفعہ سبحان اللّٰہ کہہ دے تو بھی خطبہ ادا ہو جائے گا۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر خطیب صاحب بعض اوقات دورانِ خطبہ صرف حمد اور تسبیح پر اکتفا کریں تو اس سے واجب خطبہ ادا ہو جاتا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قال أبو حنيفة: أن الشرط أن يذكر الله تعالى على قصد الخطبة، كذا نقل عنه في الأمالي مفسرا، قل الذكر أم كثر، حتى لو سبح، أو هلل، أو حمد الله تعالى على قصد الخطبة أجزاه. (١)

ترجمہ:

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ شرط یہ ہے کہ اللہ کا ذکر خطبہ کے ارادے سے کیا جائے، اسی طرح امالی نامی کتاب میں آپؒ سے نقل کیا ہے۔ ذکر چاہے کم ہو یا زیادہ، یہاں تک کہ اگر سبحان اللّٰہ، لا الہ الااللّٰہ یا الحمد للّٰہ خطبہ کی نیت سے پڑھا، تو یہ بھی جائز ہے۔

❁❁❁

جمعہ کے خطبہ میں وعظ ونصیحت

سوال نمبر (356):

جمعہ کے خطبہ میں اردو یا پشتو زبان میں وعظ ونصیحت کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جمعہ کے دن خطبہ کی حیثیت نماز کی طرح ہے اور دورانِ نماز قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنا راجح قول کے مطابق جائز نہیں اسی وجہ سے دورانِ خطبہ اردو یا پشتو میں وعظ ونصیحت کرنا جائز نہیں، بصورتِ دیگر خطبہ غیر عربی زبان میں مکروہ تحریمی رہے گا، البتہ خطبہ سے پہلے مقامی زبان میں وعظ ونصیحت کرنا نہ صرف جائز ہے، بلکہ بہتر بھی ہے۔

(١) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الجمعة: ٢/١٩٥

والدّليل على ذلك:

فإنّه لا شكّ في أنّ الخطبة بغير العربية خلاف السنّة المتوارثة عن النبيّ ﷺ والصحابة، فيكون مكروهاً تحريماً، وكذا قراءة الأشعار الفارسية، والهندية فيها.(۱)

ترجمہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ غیر عربی زبان میں خطبہ دینا نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل شدہ سنّت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہوگا اور اسی طرح فارسی اور ہندی کے اشعار بھی مکروہ ہوں گے۔

❁❁❁

جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا حکم

سوال نمبر(357):

جمعہ کے دن اگر کوئی شخص خطبہ دینے میں یہ طریقہ اختیار کرے کہ دونوں خطبوں کے درمیان نہ بیٹھے (جلسہ نہ کرے) تو شریعت کی رو سے اس شخص کا یہ عمل کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جمعہ اور عیدین کے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح قرون اولیٰ سے لے کر آج تک تواتر کے ساتھ چلا آرہا ہے کہ ان دونوں موقعوں (جمعہ اور عیدین) پر دو خطبے پڑھے جاتے ہیں۔

لہٰذا اگر کوئی شخص دونوں خطبوں کے درمیان نہ بیٹھے اور دونوں خطبوں کو ایک ساتھ پڑھے تو اس کا یہ عمل خلاف سنّت ہوگا۔

والدّليل على ذلك:

(ويسنّ خطبتان بجلسة بينهما) بقدر ثلاث آيات على المذهب، وتاركها مسيء.(۱)

---

(۱) محمد عبد الحي اللكهنوي، عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلوٰة، باب الجمعة: ۱/۲۰۰

(۱) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٤٢٤

ترجمہ:

اور دو خطبے دینا اور ان کے درمیان تین آیات کی مقدار بیٹھنا سنت ہے اور اس کا چھوڑنے والا گناہ گار ہے

❁❁❁

خطبہ کے بغیر نمازِ جمعہ ادا کرنا

سوال نمبر(358):

جمعہ کے دن اگر امام دونوں خطبے چھوڑ کر جمعہ کی نماز پڑھائے تو ایسی صورت میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی درست رہے گی یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ فقہائے کرام نے نمازِ جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے بارہ شرائط ذکر فرمائی ہیں، جن میں چھ شرائط ایسی ہیں جن کا تعلق نمازی کی ذات سے ہے اور چھ شرائط جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے سے متعلق ہیں۔ ان شرائط میں سے ایک شرط خطبہ پڑھنا ہے، لہٰذا اگر کسی نے خطبہ کے بغیر نمازِ جمعہ ادا کی تو اُن کی یہ نماز درست نہیں ہوگی۔

والدّليل علىٰ ذلك:

(ومنها الخطبة قبلها) حتّى لو صلّوا بلا خطبة،أو خطب قبل الوقت لم يجز.(۱)

ترجمہ:

نمازِ جمعہ کی صحیح ہونے کے لیے ایک شرط نماز سے پہلے خطبہ کا ہونا ہے۔ اگر کسی نے خطبہ کے بغیر یا وقت سے پہلے خطبہ پڑھ کر نماز پڑھی تو نمازِ جمعہ جائز نہ ہوگی۔

❁❁❁

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱/۱٤٦

۔ ۔ میں حاضر نہ ہونے کی صورت میں نمازِ جمعہ

سوال نمبر (359):

جمعہ کے دن امام صاحب خطبہ دے چکا تھا یا نماز میں تشہد کی حالت میں بیٹھا تھا کہ اس دوران ایک شخص نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے مسجد آیا۔اب یہ شخص نمازِ جمعہ ادا کرے گا یا ظہر کی نماز پڑھے گا؟ نیز خطبہ نہ سننے سے گناہ ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

شرعی نقطہ نظر سے جمعہ کی ادائیگی کے لیے خطبہ سننا واجب ہے، تاہم اگر کوئی شخص ایسے وقت میں مسجد پہنچا کہ امام خطبہ دینے سے فارغ ہو کر نماز شروع کر چکا ہو یا نماز میں تشہد کی حالت میں بیٹھا ہو اگر چہ وہ سجدہ سہو کا تشہد ہی کیوں نہ ہو اور یہ شخص امام کے ساتھ اس نماز میں شریک ہو جائے تو ان تمام صورتوں میں یہ شخص جمعہ کی نماز ہی پوری کرے گا۔ اور خطبہ نہ سننے کا گناہ ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ومن أدركها في التشهّد، أو في سجود السهو أتمّ جمعة.(۱)

ترجمہ:

اور جس نے تشہد کی حالت میں یا سجدہ سہو میں نمازِ جمعہ کو پالیا، تو وہ نمازِ جمعہ پوری کرے گا۔

❁❁❁

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوٰة، الباب السادس عشر فی الجمعة : ۱۴۹/۱

امام کا خطبہ کے دوران لاٹھی سے سہارا لینا

سوال نمبر(360):

خطبہ کے دوران خطیب کے لیے ہاتھ میں لاٹھی لینے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بعض لوگ اس کو بدعت سمجھتے ہیں۔شریعت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ بوقتِ خطبہ ہاتھ میں لاٹھی لے کر کھڑا ہونا صرف جائز ہی نہیں، بلکہ سنت بھی ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ اکثر لاٹھی ہاتھ میں لے کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، اس لیے اگر کوئی شخص آپ ﷺ کی اقتدا میں ایسا کرلے تو یہ سنت شمار ہوگا اور اس کو بدعت قرار دینا درست نہیں، لیکن یہ خطبہ کے لیے لازمی شرط بھی نہیں، لہٰذا لاٹھی لیے بغیر بھی خطبہ بلا کراہت درست ہے، اس لیے اس عمل کو ضروری سمجھنا، لاٹھی نہ لینے والے کو برا بھلا کہنا اور اس کو خطبے کا لازمی جز سمجھنا بھی مناسب نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قال الحصكفي:ويكره أن يتكئ على قوس أو عصا......استشكله في الحلية بأنّه في رواية أبي داؤد"أنه ﷺ قام أي في الخطبة متوكئًا على عصا أوقوس" ونقل القهستاني عن عبدالمحيط أن أخذ العصا سنّة كالقيام.(١)

ترجمہ:

اور کمان یا لاٹھی پر ٹیک لگانا مکروہ ہے۔۔۔۔۔لیکن حلیہ میں ابوداؤد کی روایت کی وجہ سے اس پر اشکال کیا ہے کہ آپ ﷺ خطبہ کے لیے لاٹھی یا کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے تھے اور قہستانیؒ نے عبدالمحیط سے نقل کیا ہے کہ لاٹھی کا ہاتھ میں لینا کھڑے ہونے کی طرح سنت ہے۔

---

(١) ردالمحتارمع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقي بين يدي الخطيب:٣/٤١

جمعہ کے سنت پڑھتے وقت خطبہ شروع ہونا

سوال نمبر (361):

ایک شخص جمعہ کے دن سنت پڑھ رہا تھا، اس دوران خطیب نے جمعہ کا خطبہ شروع کیا۔ ایسی صورت میں اس شخص کو بقیہ سنت پڑھنا چاہیے یا سلام پھیر کر خطبہ سننا چاہیے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے جمعہ کے دن جب خطیب خطبہ کے لیے کھڑا ہو تو اس وقت سنت پڑھنا یا کسی دوسرے ایسے عمل میں مشغول ہونا جو خطبہ سننے میں مانع ہو، جائز نہیں، تاہم اگر کسی نے خطبہ شروع ہونے سے پہلے سنت پڑھنا شروع کیا ہو تو یہ شخص نماز نہ توڑے، بلکہ قرأت میں تخفیف کر کے اس کو پورا کرے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

إذا شرع في الأربع قبل الجمعة، ثمّ افتتح الخطبة، أو الأربع قبل الظهر، ثمّ أقيمت هل يقطع على رأس الركعتين؟ تكلّموا فيه والصحيح أنّه يتمّ. (١)

ترجمہ:

جب کسی نے جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعت سنت شروع کی، پھر خطبہ شروع ہوا یا ظہر کے وقت چار رکعت سنت شروع کیں پھر جماعت کھڑی ہوگئی تو کیا دو رکعت پر نماز ختم کرے گا۔ اس بارے میں فقہاے کرام نے کلام کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ سنت پوری کرے گا۔

❁❁❁❁❁

---

(١) البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۲۷۱

مصادر ومراجع

نمبرشمار	نام کتاب	نام مصنف	ناشر
		الف	
١	إرشاد السّاري إلى مناسك الملاعلي القاري	حسين بن محمدسعيد عبدالغني المكي	دار الكتب العلمية بيروت
٢	أحكام القرآن	ظفرأحمد العثماني (١٣٩٤هـ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی
٣	أحكام القرآن	أبو بكر أحمد بن علي الرازي الجصاص الحنفي (٣٧٠هـ)	سهيل اكيڈمی لاهور
٤	إسلامی تهذيب وتمدن اردو ترجمه "التشبه في الإسلام"	قاری محمد طيب قاسمي (١٤٠٣هـ)	إداره إسلاميات لاهور
٥	إعلاء السنن	ظفرأحمد العثماني (١٣٩٤هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
٦	إعلام الموقّعين	ابن القيم الجوزية (٧٥١هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
٧	الإتقان في علوم القرآن	جلال الدين السيوطي (٩١١هـ)	سهيل اكيڈمی لاهور
٨	الاختيارلتعليل المختار	أبوالفضل عبد الله الموصلي (٦٨٣هـ)	دارالمعرفة بيروت لبنان
٩	الاستصناع	سعودبن مسعد الثبيتي	دارابن حزم بيروت
١٠	الاعتصام	أبوإسحاق إبراهيم الشاطبي (٧٩٠هـ)	مكتبه رشيديه پشاور
١١	الأشباه والنظائر	زين الدين بن إبراهيم ابن نجيم (٩٧٠هـ)	ايچ ايم سعيد كراچی
١٢	البحر الرائق	ابن نجيم (٩٧٠هـ)	دارالكتب العلمية بيروت

١٣	البداية والنهاية	إسماعيل ابن كثير (٧٧٤هـ)	دارالفكر بيروت
١٤	الترغيب والترهيب	زكي الدين عبدالعظيم بن عبدالقوي المنذري (٦٥٦هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
١٥	التشريع الجنائي الإسلامي	عبدالقادر عودة	مؤسسة الرسالة بيروت
١٦	التعليق الصّبيح	محمد إدريس الكاندهلوي (١٣٩٤هـ)	المكتبة العثمانية لاهور
١٧	التعليق الميسر على حاشية الروض الأزهر في شرح الفقه الاكبر	الشيخ الوهبي سليمان الغاوجي	دار البشائر الإسلامية بيروت
١٨	التفسيرالكبير	فخر الدين الرازي (٦٠٦هـ)	دارإحياء التراث العربي لبنان
١٩	التلخيص الحبير	ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)	المكتبة الا ثرية شيخو پوره
٢٠	الجامع لأحكام القرآن للقرطبي	محمد القرطبي (٦٧١هـ)	دارإحياء التراث العربي لبنان
٢١	الجوهرة النيرة	أبوبكربن علي بن محمدالزبيدي (٨٠٠هـ)	دارالكتب العلمية لبنان
٢٢	الحيلة الناجزة	أشرف على التهانوي (١٣٦٢هـ)	دارالإشاعت كراچی
٢٣	الدّرالمختار مع ردالمحتار	محمد بن علي الحصكفي (١٠٨٨هـ)	مكتبه إمداديه ملتان
٢٤	الدّرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر	ملا علي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	دار احياء التراث العربي بيروت لبنان
٢٥	الزهد الكبيرللبيهقي	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي (٤٥٨هـ)	دارالجنان بيروت لبنان
٢٦	الشريفية شرح السراجية	السيدالشريف علي الجرجاني (٨١٦هـ)	المكتبة الحقانية پشاور
٢٧	السنن الكبرى للنسائي	أحمد النسائي (٣٠٣هـ)	مؤسسة الرسالة بيروت لبنان

۲۸	السنن الكبرىٰ للبيهقي	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي (۴۵۸ھ)	دارالفكر بيروت لبنان
۲۹	السّراجی فی المیراث	محمدبن عبدالرشید السجاوندي (۶۰۰ھ)	المیزان لاھور
۳۰	السّعاية	محمد عبدالحي اللكهنوي (۱۳۰۴ھ)	سهيل اكيڈمی لاهور
۳۱	الشمائل المحمدية للترمذي	محمد بن عيسى الترمذي (۲۷۹ھ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
۳۲	العرف الشذي	أنورشاه الكشميري (۱۳۵۲ھ)	دار إحياء التراث العربي بيروت
۳۳	العقائد الإسلامية	سيد سابق (۱۴۲۰ھ)	دار الكتاب العربي
۳۴	العقيدة في الله	عمرسليمان الأشقر (۱۴۳۳ھ)	مكتبة الفلاح الكويت
۳۵	العناية على هامش فتح القدير	أكمل الدين محمدبن محمد البابرتي (۷۸۶ھ)	المكتبة الحقانية پشاور
۳۶	الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية	محمد بن شهاب الكردي (۸۲۷ھ)	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، دارالكتب العلمية بيروت
۳۷	الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية	فخرالدين حسن بن منصور الأوزجندي (۵۹۲ھ)	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۳۸	الفتاوى الكاملية في الحوادث الطرابلسية	محمد كامل بن مصطفى الطرابلسي (۱۳۱۵ھ)	المكتبة الحقانية پشاور
۳۹	الفتاوى الهندية (العالمگيرية)	شيخ نظام وجماعة من علماء الهند	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۴۰	الفتاوىٰ التاتارخانية	عالم بن العلاء الدهلوي (۷۸۶ھ)	داراحياء التراث العربي بيروت
۴۱	الفقه الحنفي وأدلته	أسعد محمد سعيد الصاغرجي	دارالكلم الطيب بيروت لبنان

٤٢	الفقه الإسلامي وأدلته	د.وهبة الزحيلي (١٤٣٦هـ)	دارإحسان دمشق
٤٣	القاموس الجديد	وحيد الزمان قاسمي كيرانوي (١٤١٥هـ)	إداره إسلاميات لاهور كراچى
٤٤	الكفاية علىٰ هامش فتح القدير	جلال الدين الخوارزمي(٧٦٩هـ)	مكتبه حقانيه پشاور
٤٥	المبسوط للسرخسي	شمس الأئمة السرخسي (٤٨٣هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
٤٦	المبسوط للشيباني	محمد بن الحسن الشيباني (١٨٩هـ)	دارالمعارف النعمانية لاهور
٤٧	المجموع شرح المهذب	محي الدين أبوزكريا يحيىٰ بن شرف النووي (٦٧٦هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٤٨	المحيط البرهاني في الفقه النعماني	محمودبن أحمدبن عبدالعزيز عمربن مازة البخاري (٦١٦هـ)	المكتبة الغفارية كوئته
٤٩	المختصرللقدوري	أبوالحسين أحمد القدوري (٤٢٨هـ)	الميزان لاهور
٥٠	المدخل	محمدبن محمد العبدري المالكي المعروف بابن الحاج (٧٢٧هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٥١	المسامرة على المسايرة	كمال الدين محمد بن محمد ابن أبي الشريف (٩٠٦هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٥٢	المستدرك على الصحيحين	أبوعبدالله محمدبن عبدالله الحاكم النيسابوري (٤٠٥هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٥٣	المسلك المتقسط في المسلك المتوسط على هامش إرشادالساري	الملا علي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٥٤	المصنف لابن أبي شيبةؒ	الإمام أبوبكر عبد الله بن محمد ابن أبي شيبة (٢٣٥هـ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى، طيب إكادمي ملتان

٥٥	المعجم الأوسط	الحافظ سليمان الطبراني(٣٦٠هـ)	مكتبة المعارف الرياض
٥٦	المعجم الكبيرللطبراني	الحافظ أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني (٣٦٠هـ)	شركة معمل و مطبعة الزهراء الحديثة المحدودة عراق
٥٧	المغني على الشرح الكبير	للإمامين موفق الدين(٦٢٠هـ) و شمس الدين ابني قدامة(٦٨٣هـ)	المكتبة التجارية المكةالمكرمة
٥٨	المفهم شرح صحيح مسلم	أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي (٦٥٦هـ)	دارابن كثيردمشق، دارالكلم الطيب بيروت لبنان
٥٩	المنجد في اللغة والأعلام	جماعة علماء المستشرقين	دار المشرق بيروت لبنان
٦٠	الموافقات في أصول الأحكام	أبو إسحاق إبراهيم بن موسى اللخمي الشاطبي (٧٩٠هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
٦١	الموسوعة الفقهية الكويتية	وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويت	طباعة ذات السلاسل الكويت
٦٢	الموضوعات الكبرىٰ	ملاعلي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	مكتبه دارالسلام پشاور
٦٣	النبراس شرح شرح العقائد	عبد العزيز فرهاروي (١٢٣٩هـ)	المكتبة الحقانية ملتان
٦٤	النتف في الفتاوىٰ	علي بن الحسين السغدي (٤٦١هـ)	مؤسسة الرسالة بيروت دار الفرقان عمان
٦٥	النّهر الفائق	عمر بن إبراهيم بن نجيم (١٠٠٥هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
٦٦	الوجيز	عبد الكريم زيدان (١٤٣٥هـ)	فاران اكيڈمى لاهور
٦٧	الوسيط في شرح القانون المدني	عبدالرزاق السنهوري (١٣٩١هـ)	دارإحياء التراث العربي، بيروت
٦٨	الهداية	برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني (٥٩٣هـ)	مكتبه رحمانيه لاهور

٦٩	اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة	جلال الدين عبد الرحمن السيوطي (۹۱۱ھ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٧٠	الأحكام السلطانية	علي بن محمد الماوردي (٤٥٠ھ)	نفیس اکیڈمی کراچی
٧١	كفايةالأخيار في حل غاية الاختصار	تقي الدين أبوبكر بن محمد الحصيني (۸۳۹ھ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٧٢	الإتقان في علوم القرآن	جلال الدين عبدالرحمن السيوطي (۹۱۱ھ)	سهيل اکیڈمی لاهور
٧٣	الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف	علاؤالدين علي بن سليمان المرداوي (۸۸٥ھ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
٧٤	إمدادالفتاوىٰ	أشرف علي التهانوي (۱۳٦۲ھ)	مکتبه دارالعلوم کراچی
٧٥	أوجز المسالك	محمدزكريا الكاندهلوي (۱۳۰۲ھ)	مکتبه إمدادیه ملتان
٧٦	اوزانِ شرعیه	مفتي محمد شفيع (۱۳۹٦ھ)	إدارة المعارف کراچی
٧٧	آكام المرجان في أحكام الجان	بدر الدين أبوعبد الله محمد بن عبد الله الشبلي (٧٦٩ھ)	کارخانه تجارت کتب کراچی
٧٨	أشرف التوضيح	نذير أحمد (١٤٢٥ھ)	مكتبة العارفي فيصل آباد

ب

٧٩	بدائع الصّنائع في ترتيب الشّرائع	علاء الدين أبوبكربن مسعود الكاساني (٥٨٧ھ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٨٠	بداية المجتهد ونهاية المقتصد	ابن رشد محمدبن أحمد القرطبي (٥٩٥ھ)	مكتبة نزار مصطفىٰ البازمكة المكرمة
٨١	بذل المجهود في حل أبي داؤد	خليل أحمد السهارنفوري (١٣٤٦ھ)	دار اللوىٰ للنشر و التوزيع الرياض

ت

۸۲	تاريخ التشريع الإسلامي	منّاع القطان (١٤٢٠هـ)	مؤسسة الرسالة بيروت لبنان
۸۳	تبصرة الحكّام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام	إبراهيم بن علي ابن فرحون المالكي (٧٩٩هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
۸٤	تبيين الحقائق في شرح كنزالدّقائق	فخرالدين عثمان بن علي الزيلعي (٧٤٣هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
۸٥	تحفة الفقهآء	علاء الدين السمر قندي (٥٧٥هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
۸٦	تفسير المظهري	محمد ثناء الله پانی پتی (١٢٢٥هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه پاكستان
۸۷	تفسيرالقرآن الكريم	عمادالدين إسماعيل بن كثير (٧٧٤هـ)	مكتبه إمداديه مكة المكرمة
۸۸	تفسير أبي السعود	أبو السعود محمد بن محمد (٩٨٢هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت
۸۹	تقرير ترمذي	محمد تقي العثماني	ميمن إسلامك پبلشرز كراچي
۹۰	تقريرات الرافعي	محمدرشيد بن عبداللطيف البيساري الرافعي(١٣٢٣هـ)	مكتبه إمداديه ملتان
۹۱	تقليد كی شرعی حيثيت	محمد تقي العثماني	ميمن إسلامك پبلشرز كراچي
۹۲	تكملة البحرالرائق	محمدبن حسين بن علي الطوري (١١٣٨هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
۹۳	قرة عيون الأخيار تكملة ردالمحتار	محمدعلاء الدين بن محمدأمين ابن عابدين (١٣٠٦هـ)	مكتبه إمداديه ملتان
۹٤	تكملة عمدة الرعاية على شرح الوقاية	مولانا فتح محمد التائب (١٣٢٧هـ)	مكتبه رحمانية اقراء سنٹر غزنی سٹريٹ اردو بازار لاهور

٩٥	تكملة فتح الملهم	محمدتقي العثماني	مكتبه دارالعلوم كراچی
٩٦	تنوير الأبصار مع الدرالمختار	محمد بن عبدالله بن أحمد التمرتاشي (١٠٠٤هـ)	مكتبه إمداديه ملتان

ج، ح، خ، د

٩٧	جامع البيان المعروف تفسيرالطبري	أبوجعفر محمدبن جرير الطبري (٣١٠هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
٩٨	جامع الترمذي	أبوعيسىٰ محمدبن عيسى الترمذي (٢٧٩هـ)	الميزان، لاهور
٩٩	جامع الرموز	شمس الدين محمد القهستاني (٩٥٣هـ)	ايچ۔ ايم۔ سعيد كراچی
١٠٠	جوا هرالفقه	مفتي محمد شفيع (١٣٩٦هـ)	مكتبه دارالعلوم كراچی
١٠١	حاشية الشلبي على تبين الحقائق	شهاب الدين أحمد بن يونس الشلبي (١٠١٠هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
١٠٢	حاشية الموسوعة الفقهية الكويتية	وزارة الأوقاف والشوون الإسلامية	طباعة ذات السلاسل الكويت
١٠٣	حاشية الهداية	محمد عبد الحيّ اللكهنوي (١٣٠٤هـ)	مكتبه رحمانيه لاهور
١٠٤	حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح	أحمد بن محمد الطحطاوي الحنفي (١٢٣١هـ)	المكتبةالعربية كوئٹه
١٠٥	حاشية على البناية في شرح الهداية	ناصرالإسلام محمد عمر رامفوري (١٢٩٥هـ)	مكتبة رشيديه كوئٹه
١٠٦	حجة الله البالغة	شاه ولي الله أحمد الدهلوي (١١٧٦هـ)	المكتبة السلفيةلاهور

۱۰۷	خلاصه التحقيق في حكم التقليد والتلفيق	عبد الغني النابلسي (۱۱٤۳هـ)	مكتبة الحقيقة استنبول، تركيا
۱۰۸	خلاصة الفتاوی	طاهر بن أحمد البخاري (٥٤٢هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
۱۰۹	درر الحكام شرح مجلة الأحكام	علي حيدر (۱۲٥٤هـ)	المكتبة العربية كوئٹه

ر، س، ش

۱۱۰	رحمة الأمة في اختلاف الآئمة	أبو عبد الله محمد بن عبد الرحمن قاضي صفد (۷۸۰هـ)	دار الفكر بيروت لبنان
۱۱۱	ردّ المحتار على الدّر المختار	محمد أمين ابن عابدين (۱۲٥۲هـ)	مكتبه امداديه ملتان
۱۱۲	روح المعاني	شهاب الدين محمود الآلوسي البغدادي (۱۲۷۰هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان
۱۱۳	سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد	شمس الدين محمد بن يوسف الشامي (۹٤۲هـ)	دار الكتب العلمية بيروت، لبنان
۱۱٤	سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة	محمد ناصر الدين الألباني (۱٤۲۰هـ)	المكتب الإسلامي بيروت
۱۱٥	سنن الدارمي	عبدالله بن عبد الرحمن الدارمي (۲٥٥هـ)	قديمی كتب خانه كراچي
۱۱٦	سنن النسائي	أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب الخراساني النسائي (۳۰۳هـ)	مكتبه رحمانيه اردو بازار لاهور
۱۱۷	سنن أبي داؤد	سليمان بن الأشعث السجستاني (۲۷٥هـ)	ايچ ايم سعيد كراچي
۱۱۸	سنن الدارقطني	علي بن عمر الدار قطني (۳۸٥هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان

١١٩	شرح السّنة	الحسين بن مسعود البغوي (٥١٠هـ)	المكتب الإسلامي بيروت، لبنان
١٢٠	شرح العقائد النّسفية	مسعود بن عمر التفتازاني (٧٩٣هـ)	مكتبه حقانيه پشاور
١٢١	شرح العقيدة الطحاوية	ابن أبي العزّ الحنفي (٧٩٢هـ)	قديمی كتب خانه كراچي
١٢٢	شرح المجلّة	سليم رستم باز اللبناني (١٣٣٨هـ)	المكتبةالحبيبية كوئٹه
١٢٣	شرح المجلة	خالد الأتاسي (١٣٢٦هـ)	المكتبةالحقانية پشاور
١٢٤	شرح النقاية	علي بن محمدسلطان القاري (١٠١٤هـ)	ايچ ايم سعيد كمپنى كراچي
١٢٥	شرح الوقاية	عبيدا الله بن مسعود (٧٤٧هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
١٢٦	شرح صحيح البخاري لابن بطال	أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك (٤٤٩هـ)	مكتبة الرشد الرياض
١٢٧	شرح عقود رسم المفتي لابن عابدين	محمدأمين الشهير بابن عابدين (١٢٤٣هـ)	مكتبة البشرى كراچي
١٢٨	شرح مسلم للنووي	يحيى بن شرف النووي (٦٧٦هـ)	مكتبه دارالفكر بيروت لبنان
١٢٩	شرح معاني الآثار	أحمدبن محمد الطحاوي (٣٢١هـ)	ايچ ايم سعيد كمپنى كراچي
١٣٠	شعب الإيمان للبيهقي	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي (٤٥٨هـ)	دارالكتب العلميه بيروت لبنان

ص، ع، غ

١٣١	صحيح ابن حبان	محمد بن حبان (٣٥٤هـ)	مكتبة دارالفكر بيروت لبنان

۱۳۲	صحیح البخاري	محمدبن إسماعيل البخاري (۲۵۶ھ)	قدیمی کتب خانہ کراچی
۱۳۳	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج القشيري (۲۶۱ھ)	قدیمی کتب خانہ کراچی
۱۳۴	عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد	شاه ولي الله الدهلوي (۱۱۷۶ھ)	دار الفتح الشارقه
۱۳۵	علوم الحديث	عبيدالله أسعدي	مجلس نشریات إسلام کراچی
۱۳۶	علوم القرآن	محمد تقي عثماني	مکتبہ دارالعلوم کراچی
۱۳۷	عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية	محمد عبد الحي اللكهنوي (۱۳۰۴ھ)	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۱۳۸	عمدة القاري شرح صحيح البخاري	العلامة بدرالدين العيني (۸۵۵ھ)	دار إحياء التّرا ث العربي بيروت لبنان
۱۳۹	عون المعبود شرح سنن أبي داؤد	محمدشمس الحق عظيم آبادي (۱۳۲۹ھ)	دارالفكربيروت، لبنان
۱۴۰	غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر	أحمدبن محمد الحموي (۱۰۹۸ھ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی
۱۴۱	غنية الناسك في بغية المناسك	محمد حسن شاه المهاجر المكي (۱۳۴۶ھ)	مكتبة ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی
۱۴۲	غنيةالمستملي المعروف بالحلبي الكبيري	إبراهيم الحلبي (۹۵۶ھ)	مکتبہ نعمانیہ کوئٹہ

ف

۱۴۳	فتاویٰ ابن تیمیہ	تقي الدين ابن تيميه (۷۲۸ھ)	تحت إشراف الرئاسة العامة لشئون الحرمين الشريفين
۱۴۴	فتاویٰ المرأة المسلمة	جماعة من علماء العرب	دارالفكر بيروت لبنان

١٤٥	فتاویٰ خیریة علیٰ هامش تنقیح الفتاویٰ الحامدیة	خیر الدین الرملی (١٨١٠هـ)	مکتبه حقانیه پشاور پاکستان
١٤٦	فتاویٰ رشیدیه	رشیدأحمد گنگوهي(١٣٢٣هـ)	مؤتمرالمصنفین اکوڑه خٹك
١٤٧	فتح الباري	أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)	دارالفکر بیروت، لبنان
١٤٨	فتح الغفار شرح المنار	زین الدین بن إبراهیم ابن نجیم(٩٧٠هـ)	مکتبه اسلامیه ، کوئٹه
١٤٩	فتح القدیر الجامع بین فني الروایة والدرایة من علم التفسیر	محمد بن علي بن محمد الشوکاني (١٢٥٠هـ)	دار الفکر بیروت لبنان
١٥٠	فتح القدیر	ابن الهمام کمال الدین محمدبن عبدالواحد (٨٦١هـ)	مکتبه حقانیه پشاور پاکستان
١٥١	فتح الملهم شرح صحیح مسلم	شبیرأحمد العثماني(١٣٦٩هـ)	مکتبه دارالعلوم کراچي
١٥٢	فقه السنة	السید السابق (١٤٢٠هـ)	دار ابن کثیر دمشق لبنان
١٥٣	فیض الباري علی صحیح البخاري	محمد أنورشاه الکشمیري (١٣٥٢هـ)	مکتبه حقانیه پشاور
١٥٤	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	محمد عبد الرؤوف المناوي (١٠٣١هـ)	دارالکتب العلمیة بیروت، لبنان

ق ، ک

١٥٥	قاموس الفقه	سیف اللّٰه رحماني	زم زم پبلشرز کراچي
١٥٦	کتاب التعریفات	سید شریف الجرجاني(٨١٦هـ)	دارالمنارللطباعة والنشر
١٥٧	کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة	عبدالرحمن بن محمدعوض الجزیري (١٣٦٠هـ)	وحیدي کتب خانه پشاور
١٥٨	کتاب الأموال	أبو عبید قاسم بن سلام (٢٢٤هـ)	دارالکتب العلمیة بیروت

۱۵۹	كشاف القناع عن متن الإقناع	منصور بن يونس البهوتي (۱۰۵۱هـ)	دار الكتب العلميه بيروت
۱۶۰	كشف الأسرار	أبوالبركات عبدالله بن أحمد حافظ الدين النسفي(۷۱۰هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
۱۶۱	کفایت المفتی	مفتی کفایت الله دهلویؒ (۱۳۵۲هـ)	دارالاشاعت کراچی
۱۶۲	كنزالدّقائق	أبوالبركات عبدالله بن أحمد حافظ الدين النسفي (۷۱۰هـ)	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۱۶۳	كنزالعمال	علاء الدين المتقي الهندي (۹۷۵هـ)	اداره تالیفات اشرفیه ملتان پاکستان

ل،م

۱۶۴	لسان الحكام	إبراهيم بن محمد، المعروف بابن الشحنة الحلبي (۸۸۲هـ)	البابي الحلبي القاهرة
۱۶۵	لسان العرب	محمد بن منظور الافريقي (۷۱۱هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
۱۶۶	ماهنامه العصرپشاور	مفتی غلام الرحمن	جامعه عثمانیه پشاور
۱۶۷	مجلة الأحكام العدلية	لجنة العلماء المحققين	میر محمد کتب خانه کراچی
۱۶۸	مجمع الأنهرشرح ملتقى الأبحر	عبدالله بن محمد بن سليمان دامادأفندي (۱۰۷۸هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
۱۶۹	مجمع الزوائد	نور الدين علي بن أبي بكرالهيثمي (۸۰۷هـ)	دار الكتب العلمية بيروت
۱۷۰	مجموعه قوانین اسلامی	ڈاکٹرتنزیل الرحمن	اداره تحقیقات اسلامی اسلام آباد
۱۷۱	مجموعة رسائل ابن عابدين	محمدأمين ابن عابدين (۱۲۴۳هـ)	سهيل اكيڈمي لاهور

١٧٢	مجموعة رسائل اللكهنوي	عبدالحي اللكهنوي (١٣٠٤هـ)	إدارة القران كراچی
١٧٣	مرقاة المفاتيح	ملا علي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	المكتبة الحقانية پشاور
١٧٤	مسند الإمام أحمد	أحمد بن حنبل (٢٤١هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت
١٧٥	مسند أبي عوانة	أبو عوانه يعقوب بن إسحاق الأسفرائيني (٣١٦هـ)	دار المعرفة بيروت
١٧٦	مسند أبي يعلى الموصلي	أحمدبن علي الموصلي(٣٠٧هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
١٧٧	مشكوة المصابيح	محمدبن عبدالله الخطيب التبريزي (٧٣٧هـ)	المكتبة الحقانيه بشاور
١٧٨	مصنف عبدالرزاق	أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني(٢١١هـ)	إدارة القران والعلوم الاسلاميه كراچی
١٧٩	معارف السنن	محمديوسف البنوري (١٣٩٧هـ)	ايچ۔ ايم ۔سعيد كراچی
١٨٠	معجم لغة الفقهاء	محمد رواس قلعه جی (١٤٣٥هـ)	دارالنفائس بيروت
١٨١	معين الحكام	علاء الدين علي بن خليل الطرابلسي (٨٤٤هـ)	مكتبة القدس كوئٹه
١٨٢	مغني المحتاج	محمدبن أحمد الخطيب الشربيني(٩٧٧هـ)	دارالذخائر للمطبوعات قم إيران
١٨٣	مفردات غريب القرآن	الحسين بن محمد الراغب الأصفهاني (٥٠٢هـ)	دارالقلم دمشق
١٨٤	منحةالخالق على البحرالرائق	محمدأمين ابن عابدين (١٢٤٣هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
١٨٥	منهاج السنن شرح جامع السنن	المفتي محمد فريد(١٤٣٢هـ)	مكتبه حقانيه پشاور

١٨٦	موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان	نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي (٨٠٧هـ)	المطبعة السلفية و مكتبتها بيروت
١٨٧	موسوعة الفقه الإسلامي المعاصر	عبد الحليم عويس (١٤٣٣هـ)	دار الوفاء منصورة
١٨٨	موطا الإمام مالك	مالك بن انس (١٧٩هـ)	الميزان لاهور
١٨٩	نفع المفتي والسائل	عبد الحي اللكهنوي (١٣٠٤هـ)	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ن

١٩٠	نور الأنوار	ملاأحمدجيون (١١٣٠هـ)	میر محمد کتب خانہ کراچی
١٩١	نيل الأوطار	محمدبن علي بن محمد الشوكاني (١٢٥٠هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان

ihsan.usmani@gmail.com
+92 333-9273561 / +92 321-9273561
+92 312-0203561 / +92 315-4498203